فضلِ قدیر

ترجمہ

تفسیر کبیر

جز ۳

مترجم

محقق العصر
مفتی محمد خان قادری مدظلہ العالی

تصنیف

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی رحمۃ اللہ علیہ

مرکز تحقیقاتِ اسلامیہ

1- جامعہ اسلامیہ لاہور، میلاد سٹریٹ گلشن رحمان ٹھوکر نیاز بیگ لاہور

Marfat.com

﴿جملہ حقوق محفوظ ہیں﴾

نام کتاب	----------	فضل قدیر ترجمہ تفسیر کبیر
مفاتیح الغیب جز ۳	----------	تفسیر سورۃ البقرہ (آیت ۳۵ تا ۱۰۹)
تصنیف	----------	امام فخر الدین محمد بن عمر رازی (۶۰۶ھ)
ترجمہ	----------	محقق العصر مفتی محمد خان قادری
اہتمام	----------	محمد فاروق قادری
ناشر	----------	مرکز تحقیقات اسلامیہ لاہور
حروف سازی	----------	اسلامیہ کمپوزنگ سنٹر
صفحات	----------	۴۸۲
اشاعت اول	----------	2010ء

ملنے کے پتے

☆ فرید بک سٹال اُردو بازار لاہور ☆ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، کراچی
☆ مکتبہ غوثیہ سبزی منڈی کراچی ☆ مکتبہ برکات المدینہ بہادر آباد کراچی
☆ احمد بک کارپوریشن راولپنڈی ☆ اسلامک بک کارپوریشن راولپنڈی
☆ اسلامی کتب خانہ اقبال روڈ سیالکوٹ ☆ مکتبہ اعلیٰ حضرت دربار مارکیٹ لاہور
☆ مکتبہ جمال کرم دربار مارکیٹ لاہور ☆ مکتبہ تنظیم المدارس جامعہ نظامیہ لاہور
☆ مکتبہ دارالعلم دربار مارکیٹ لاہور ☆ مکتبہ نوریہ رضویہ گنج بخش روڈ لاہور
☆ مکتبہ قادریہ دربار مارکیٹ لاہور ☆ رضوان کتب خانہ گنج بخش روڈ لاہور
☆ قادری رضوی کتب خانہ دربار مارکیٹ لاہور ☆ مکتبہ نبویہ دربار مارکیٹ لاہور

مرکز تحقیقاتِ اسلامیہ لاہور

جامعہ اسلامیہ لاہور۔1، میلاد سٹریٹ گلشن رحمان ٹھوکر نیاز بیگ لاہور

042,35300353...0300.4407048

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پارہ۔۱

(مفاتیح الغیب: جز،۳)

تفسیر سورۃ البقرۃ

آیت: ۳۵ تا ۱۰۹

Marfat.com

رہنمائی بر مشمولات

(تفسیر کبیر جز ۳)

آیت ۳۵: وَقُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْکُنْ کی تفسیر	۳۳
حکم لازمی تھا یا نہیں؟	۳۳
اصح قول: اباحت وتکلیف دونوں	۳۳
دوسرا مسئلہ	۳۴
جنت میں حضرت حوا رضی اللہ عنہا کی تخلیق	۳۴
حوا نام کی وجہ	۳۴
تیسرا مسئلہ: مراد حضرت حوا ہیں	۳۴
چوتھا مسئلہ: جنت زمین پر یا آسمان پر؟	۳۵
پہلا قول: مراد زمینی جنت ہے	۳۵
یہاں چھ دلائل ہیں	۳۵
دوسرا قول	۳۷
تیسرا قول: دارِ ثواب، یہی مراد ہے	۳۷
چوتھا قول	۳۷
پانچواں مسئلہ: رَغَدًا کا مفہوم	۳۷
چھٹا مسئلہ: عطف واؤ وفا کے ساتھ کیوں؟	۳۷
ساتواں مسئلہ: وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ کی تفسیر	۳۸
پہلی بحث: نہی تنزیہی ہے	۳۸
نہی تحریمی ہے	۳۹
تین دلائل ہیں	۳۹
مخالف دلائل کا رد	۳۹
دوسری بحث: قرب سے ممانعت، کھانے کی ممانعت کو لازم نہیں	۴۰
آٹھواں مسئلہ: یہ درخت کونسا تھا؟	۴۰
نواں مسئلہ: یہ ترک اولیٰ ہے	۴۱
تین اقوال	۴۱
انبیاء کو ظالم کہنا منع ہے	۴۲
آیت ۳۶: فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ کی تفسیر	۴۲
پہلا مسئلہ: عصمت انبیاء علیہم السلام	۴۳
پہلی قسم: انبیاء گمراہی سے پاک ہوتے ہیں	۴۳
دوسری قسم: کذب سے پاک	۴۳
تیسری قسم	۴۳
چوتھی قسم	۴۳

Marfat.com

یہاں پانچ اقوال ہیں	۴۴
وقت عصمت کونسا ہے؟	۴۴
عصمت پر دلائل	۴۴
یہاں سولہ دلائل ہیں	۴۴
مخالفین کا رد	۵۰
۱-آیات اور اعتقادیات	۵۰
تین آیات سے استدلال	۵۰
استدلال کا جواب	۵۱
۲-آیات اور تبلیغ	۵۲
تین آیات سے استدلال	۵۲
۳-آیات اور فتاویٰ	۵۳
جواب	۵۳
۴-آیات اور افعال	۵۳
واقعہ سیدنا آدم علیہ السلام سے استدلال	۵۴
یہاں سات وجوہات ہیں	۵۵
سات وجوہ کا جواب	۵۶
لغزش کی کیفیت	۵۶
پہلا قول، بطور نسیان ہوا	۵۶
پہلی دلیل	۵۶
دوسری دلیل	۵۷
دونوں دلائل کا جواب	۵۷
دوسری وجہ کا جواب	۵۸
سوال و جواب	۵۸
بعض مفسرین کی رائے	۵۸
دوسرا قول: یہ فعل ان سے عمداً ہوا	۵۹
چار اقوال	۵۹
اس قول پر اعتراضات	۶۰
دو امور سے تائید	۶۰
حضرت آدم علیہ السلام سے خطا نہیں ہوئی	۶۰
ھٰذا کبھی نوع کے لیے آتا ہے	۶۱
عدم توجہ لاحق ہوئی	۶۱
نسیان ہو گیا	۶۱
نسیان کی وجہ سے کبیرہ نہ رہا	۶۲
ایک اور وجہ انفرادی طور پر ممانعت نہ تھی	۶۲
دوسرا مسئلہ، ابلیس نے وسوسہ کیسے ڈالا؟	۶۲
من گھڑت واقعہ	۶۲
وسوسہ خود ڈالا یا کسی خادم نے؟	۶۳
دو سوالات	۶۳
پہلا سوال	۶۳
جواب	۶۳
تحقیقی بات	۶۴
اہلِ معرفت کا قول	۶۴
دوسرا سوال، وسوسہ کیا تھا؟	۶۴
عدم توجہ اور نسیان	۶۵

Marfat.com

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا کی تفسیر	۶۵
پہلا مسئلہ، ھبوط کا مفہوم	۶۵
دوسرا مسئلہ، حکم میں شمولیت ابلیس؟	۶۵
پہلی رائے	۶۵
ابلیس کو پہلے نکال دیا تھا	۶۵
ممکن ہے وہاں دوبارہ گیا ہو	۶۶
دوسری رائے	۶۶
تیسری رائے	۶۶
یہ قول ضعیف ہے	۶۷
تیسرا مسئلہ: اِهْبِطُوْا امر ہے یا اباحت؟	۶۷
چوتھا مسئلہ، عداوت کا حکم	۶۸
پانچواں مسئلہ، مستقر کا مفہوم	۶۸
چھٹا مسئلہ، حین، کا مفہوم	۶۹
ساتواں مسئلہ، سبق حاصل کریں	۶۹
شیخ موصلی کا اہم قول	۷۰
آیت ۳۷: فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ کی تفسیر	۷۰
پہلا مسئلہ، تلقی کا مفہوم	۷۰
دوسرا مسئلہ، مراد حقیقت توبہ سے آگاہی نہیں	۷۱
تیسرا مسئلہ، وہ کلمات کیا تھے؟	۷۱
چوتھا مسئلہ، توبہ اور تین اُمور	۷۳
امام غزالی کی خوبصورت گفتگو	۷۳
گفتگو پر اشکال	۷۵
پانچواں مسئلہ: قاضی عبدالجبار کا سوال	۷۵
شیخ ابوہاشم کا قول	۷۶
چھٹا مسئلہ، لفظ توبہ کا مفہوم	۷۷
قبول توبہ دو طرح	۷۷
ساتواں مسئلہ: اللہ تعالیٰ کا 'تواب' ہونا	۷۷
آٹھواں مسئلہ	۷۷
توبہ اور احادیث	۷۷
متعدد معانی	۷۸
توبہ نصوح کا مفہوم	۷۹
گناہ معاف کر کے نیکی لکھ دیتا ہے	۷۹
ننانوے قتل اور توبہ	۷۹
ماں سے زیادہ مہربان	۸۲
بادشاہی میں کمی نہ ہو	۸۲
توبہ اور آثار	۸۳
دوسرا فائدہ، توبہ کی محتاجی	۸۳
تیسرا فائدہ، سیدنا آدم علیہ السلام کا رونا	۸۳
نواں مسئلہ، حضرت حوا کی توبہ	۸۳
آیت ۳۸: قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا کی تفسیر	۸۴
پہلا مسئلہ، تکرار حکم ہبوط کے فوائد	۸۴

Marfat.com

دو وجوہات ہیں ۸۴
دوسرا مسئلہ، اُتارے جانے کے مقامات ۸۵
تیسرا مسئلہ، ہدایت کے معانی ۸۵
چار چیزوں کا حکم ۸۵
چوتھا مسئلہ: جملہ مختصر مگر معانی کثیر ۸۶
قول متکلمین ۸۶
ابن زید کا قول ۸۷
اُخروی خوف کی نفی ہے ۸۷
سوال و جواب ۸۷
پانچواں مسئلہ: قاضی کا قول ۸۸
آیت ۳۹: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا کی تفسیر ۸۸
آیت کا ربط و تعلق ۸۸
بنی اسرائیل پر مخصوص نعمتوں کے بارے میں گفتگو ۸۹
آیت ۴۰: يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا کی تفسیر ۹۰
پہلا مسئلہ، اسرائیل سے مراد کون؟ ۹۰
دوسرا مسئلہ، نعمت کا مفہوم ۹۰
نعمت کی تین اقسام ۹۱
نعمتوں کا شمار نہیں ہوسکتا ۹۱
سوال و جواب ۹۲
بندوں پر پہلی نعمت ۹۳
کافر اور نعمت ۹۴
اختلاف لفظی ہے ۹۸
وجودِ صانع پر استدلال ۹۸
تیسرا مسئلہ، بنی اسرائیل پر مخصوص انعامات ۱۰۱
بنی اسرائیل پر انعامات ۱۰۱
نعمتوں کے تذکرہ کی وجوہات ۱۰۲
یہ نعمتیں ان پر کیسے ہیں؟ ۱۰۲
اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ کی تفسیر ۱۰۲
دوسرا قول، رسول اللہ ﷺ کی بعثت و شانوں کے بارے میں عہد ۱۰۳
اتباع پر دوہرا اجر ۱۰۴
دو سوالات ۱۰۵
پہلا سوال ۱۰۵
جواب ۱۰۵
دوسرا سوال ۱۰۵
جواب: نص خفی تھی نہ کہ جلی ۱۰۵
سابقہ کتب سے انبیاء میں حضور ﷺ کا تذکرہ اور شہادتیں ۱۰۶
دوسری بشارت ۱۰۶
دعاء ابراہیمی اور بشارت عیسیٰ علیہما السلام ۱۰۹
فارقلیط کا معنی ۱۱۰
اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ کی تفسیر ۱۱۱

Marfat.com

اللہ تعالیٰ پہ کچھ لازم نہیں	۱۱۱
حق تفسیر دو طرح ہے	۱۱۱
وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ کی تفسیر	۱۱۲
عرفاء کا قول	۱۱۲
آیت ۴۱: وَ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ کی تفسیر	۱۱۳
مخاطب بنی اسرائیل ہیں	۱۱۳
مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ کی دو تفاسیر	۱۱۴
دوسری تفسیر	۱۱۴
وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍ کی تفسیر	۱۱۴
پہلا سوال	۱۱۵
نو وجوہات ہیں	۱۱۵
دوسرا سوال	۱۱۶
متعدد جوابات	۱۱۶
لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِیْ ثَمَنًا قَلِيْلًا کی تفسیر	۱۱۷
آیت ۴۲: وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ کی تفسیر	۱۱۸
آیت کا ربط	۱۱۸
اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کی تفسیر	۱۱۸
دو فوائد	۱۱۹
پہلا فائدہ	۱۱۹
دوسرا فائدہ، قید علم کیوں؟	۱۱۹
آیت ۴۳: وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ کی تفسیر	۱۱۹
آیت کا تعلق و ربط	۱۱۹
پہلا مسئلہ: تاخیر بیان اجمال جواز	۱۱۹
دوسرا مسئلہ: لفظ صلاۃ کا مفہوم	۱۲۰
لفظ زکوٰۃ کا مفہوم	۱۲۰
وجوہات مشابہت	۱۲۱
تیسرا مسئلہ	۱۲۲
وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ کی تفسیر	۱۲۲
آیت ۴۴: اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ کی تفسیر	۱۲۳
برّ سے کیا مراد ہے؟	۱۲۴
وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ کی تفسیر	۱۲۴
فوائد و تعجب	۱۲۵
پہلا فائدہ	۱۲۵
دوسرا فائدہ: بے عمل وعظ کے غلط اثرات	۱۲۵
تیسرا فائدہ	۱۲۵
حضرت علی کا اہم قول	۱۲۶
پہلا مسئلہ: بے عمل کے وعظ کا حکم	۱۲۶
دو اُمور کا حکم	۱۲۶
دوسرا مسئلہ: فعل بندے کی تخلیق نہیں	۱۲۷

Marfat.com

تیسرا مسئلہ: احادیث مبارکہ اور عمل وعظ ۱۲۷

اللہ کی دعوت دی ۱۲۸

شیخ شبلی کا قول ۱۲۸

آیت ۴۵: وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ کی تفسیر ۱۲۹

آیت مبارکہ اور فوائد ۱۲۹

پہلا فائدہ، مخاطب کون ہیں؟ ۱۲۹

سوال وجواب ۱۲۹

دوسرا فائدہ ۱۳۰

وَاِنَّهَا کی تفسیر میں آراء ۱۳۱

لَكَبِيْرَةٌ کی تفسیر ۱۳۱

آیت ۴۶: اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ کی تفسیر ۱۳۲

لفظ ظن کے بارے میں تحقیق ۱۳۲

ظن بمعنی یقین ۱۳۲

دوسرا قول ۱۳۳

یہاں تین وجوہ ہیں ۱۳۳

پہلا مسئلہ، جواز دیدار الٰہی پر استدلال ۱۳۳

ان کا جواب ۱۳۵

دوسرا مسئلہ: ۱۳۵

دو باطل فرقوں کا استدلال ۱۳۵

اول: مجسمہ ۱۳۵

ثانی: تناسخیہ ۱۳۵

آیت ۴۷، يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ
کی تفسیر ۱۳۶

تاکیدی حکم ۱۳۶

سوال، حضور ﷺ سے افضل ہونا ۱۳۶

پہلی وجہ: کل مراد نہیں ۱۳۶

دوسری وجہ: زمانہ کے لوگ مراد ہیں ۱۳۶

تیسری وجہ ۱۳۷

چند فوائد ۱۳۷

یہاں دو فوائد ہیں ۱۳۸

آیت ۴۸، وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ کی تفسیر ۱۳۸

تین چیزیں اور آخرت ۱۳۸

پہلا سوال، تکرار کا مقصد کیا؟ ۱۳۹

جواب ۱۳۹

دوسرا سوال: قبول شفاعت کے بعد اور پہلے
ذکر کی حکمت ۱۳۹

جواب ۱۳۹

الفاظ مبارکہ کی تفسیر ۱۳۹

وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ کی تفسیر ۱۴۰

وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ کی تفسیر ۱۴۱

وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ کی تفسیر ۱۴۱

دو اہم مسائل ۱۴۲

Marfat.com

پہلا مسئلہ، آیت میں خوف وشوق ۱۴۲
دوسرا مسئلہ، رسول اللہ ﷺ کے لیے مقامِ شفاعت ۱۴۳
شفاعت کس کے لیے؟ ۱۴۳
معتزلہ اور شفاعت ۱۴۳
اہلِ سنت اور شفاعت ۱۴۳
معتزلہ کے دلائل ۱۴۴
پہلی دلیل ۱۴۴
یہ جواب نہیں بن سکتا ۱۴۴
عموم الفاظ کا اعتبار ۱۴۴
دونوں کی تردید ۱۴۴
دوسری دلیل، کوئی شفیع مطاع نہیں ۱۴۵
پہلی دلیل: اللہ تعالیٰ کے مطیع نہ ہونے پر سب کا اتفاق ۱۴۵
دوسری دلیل: سفارشی سے مراد مقبول نہیں ۱۴۵
تیسری دلیل تمام شفاعتوں کی نفی ۱۴۵
چوتھی دلیل، ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ۱۴۶
پانچویں دلیل: ملائکہ اور شفاعت فاسق ۱۴۶
چھٹی دلیل، شفاعت کا ساقط عذاب نہیں ۱۴۶
ساتویں دلیل ۱۴۶
آٹھویں دلیل، اہلِ کبائر کے لیے شفاعت مفید نہیں ۱۴۷
نویں دلیل، اہلِ کبائر کے لیے اذن نہیں ۱۴۷
دسویں دلیل، توبہ کی قید کیوں؟ ۱۴۸
گیارہویں دلیل، عدم شفاعت پر چار احادیث ۱۴۹
پہلی حدیث، سحقاً سحقاً نہ فرماتے ۱۴۹
دوسری حدیث: تین طرح استدلال ۱۴۹
حدیث سے تین طرح استدلال ۱۴۹
تیسری حدیث ۱۵۰
چوتھی حدیث: تین کے خلاف کیس لڑوں گا ۱۵۰
شفاعت پر اہلِ سنت کے دلائل ۱۵۰
پہلی دلیل: چار اقسام ہیں ۱۵۱
دوسری دلیل ۱۵۱
تیسری دلیل ۱۵۲
چوتھی دلیل ۱۵۳
صاحب کبیرہ مرتضیٰ (پسندیدہ) نہیں ۱۵۳
سوال ۱۵۳
پہلی وجہ ۱۵۳
دوسری وجہ: جسے اللہ تعالیٰ پسند فرمالے ۱۵۳
پہلے کا جواب ۱۵۴
دوسرے کا جواب ۱۵۴
پانچویں دلیل ۱۵۴
چھٹی دلیل، عاصیوں کے لیے دعاء مصطفیٰ ﷺ ۱۵۴
ساتویں دلیل، دعاء مصطفیٰ رد نہیں ہوتی ۱۵۵
آٹھویں دلیل: سفارش دونوں جہاں میں مقبول ۱۵۵
نویں دلیل، رسول اللہ ﷺ کے لیے مقامِ شفاعت ہے ۱۵۶

Marfat.com

سوال و جواب: ہم شافع نہیں بن سکتے	۱۵۶
پہلی وجہ کا جواب	۱۵۷
دسویں دلیل اہلِ کبائر اور ملائکہ کی دعا	۱۵۷
گیارہویں دلیل، احادیث اور شفاعت اہلِ کبائر	۱۵۷
معتزلہ کے تین اعتراضات	۱۵۸
پہلا اعتراض	۱۵۸
دوسرا اعتراض	۱۵۸
تیسرا اعتراض	۱۵۸
اس میں کئی احتمالات ہیں	۱۵۸
پہلا احتمال	۱۵۸
دوسرا احتمال	۱۵۹
انصاف کی بات	۱۵۹
دوسری حدیث، دعا شفاعت کے لیے محفوظ	۱۵۹
تیسری حدیث، محشر میں ان کی رسائی ہے	۱۵۹
معتزلہ کے چھ اعتراضات	۱۶۱
اہلِ سُنّت کا جواب	۱۶۲
معتزلہ کے دلائل کا رد	۱۶۲
پہلی دلیل کا جواب	۱۶۲
دوسری کا ر	۱۶۳
تیسری کا رد	۱۶۳
چوتھی کا رد	۱۶۳
پانچویں کا رد	۱۶۳
چھٹی کا رد	۱۶۳
ساتویں کا رد	۱۶۴
آٹھواں رد، مسئلہ وعید دیکھئے	۱۶۴
نویں کا رد، دلائل موجود ہیں	۱۶۴
دسویں کا رد، خصوص، مانع نہیں	۱۶۴
احادیث سے استدلال کا جواب	۱۶۴
فلاسفہ اور شفاعت	۱۶۴
بنی اسرائیل پر انعمات کی تفصیل	۱۶۵
آیت ۴۹: وَاِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ کی تفسیر	۱۶۷
پہلے انعام کا تذکرہ	۱۶۷
لفظ اٰل کی تحقیق	۱۶۷
لفظ فرعون کا مفہوم	۱۶۸
سوء عذاب سے کیا مراد ہے؟	۱۶۸
پہلی بحث، بچوں کا قتل نہ کہ لڑکیوں کا	۱۶۹
دوسری بحث: حرف عطف واؤ کا نہ ہونا	۱۷۰
تیسری بحث: مراد بچے ہیں	۱۷۱
دو جواب	۱۷۱
چوتھی بحث: ابناء کا قتل کیوں؟	۱۷۱
یہاں تین وجوہات ہیں	۱۷۲
سوال و جواب	۱۷۲

Marfat.com

پانچویں بحث، تذکرہ نعمتوں کے فوائد ۱۷۲
وَفِي ذٰلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ کی تفسیر ۱۷۳
آیت ۵۰، وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ کی تفسیر ۱۷۴
دوسرے انعام کا تذکرہ ۱۷۴
سوال وجواب ۱۷۴
بِكُمُ کا کیا معنی؟ ۱۷۴
پہلا معنی ۱۷۴
دوسرا معنی ۱۷۴
چند مباحث ۱۷۴
پہلی بحث، بنی اسرائیل کی نجات کی تفصیل ۱۷۴
پہلی حکمت ۱۷۴
دوسری حکمت ۱۷۴
دوسری بحث دینی و دنیاوی انعامات ۱۷۶
یہاں چھ نعمتوں کا ذکر ہے ۱۷۶
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں نعمت ۱۷۷
یہاں تین انعامات کا ذکر ہے ۱۷۷
اُمت محمدیہ پر انعامات ۱۷۷
دو سوالات ۱۷۷
جواب ۱۷۸
وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ کے متعدد معانی ۱۷۸
اس کی تین طرح تفسیر کی گئی ہے
آیت ۵۱، ۵۲: وَإِذْ وٰعَدْنَا مُوسٰى أَرْبَعِينَ
کی تفسیر ۱۷۹
یہ تیسرا انعام ہے ۱۷۹
لفظ موسیٰ کی تحقیق ۱۸۰
یہاں تین وجوہات ہیں ۱۸۰
أَرْبَعِينَ لَيْلَةً کی تفسیر ۱۸۰
پہلا فائدہ، تورات ملنے کا وعدہ ۱۸۰
دوسرا فائدہ ۱۸۱
تیسرا فائدہ ۱۸۱
چوتھا فائدہ، تیس اور چالیس میں موافقت کیسے؟ ۱۸۲
ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ کی تفسیر ۱۸۲
پہلی وجہ ۱۸۳
دوسری وجہ ۱۸۳
پہلا فائدہ ۱۸۳
یہ واقعہ عقلاً ممکن نہیں ۱۸۳
تیسری بحث ۱۸۳
پہلا فائدہ ۱۸۴
دوسرا فائدہ ۱۸۴
تیسرا فائدہ ۱۸۴
چوتھا فائدہ ۱۸۴
پانچواں فائدہ ۱۸۴

Marfat.com

وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ کی تفسیر	۱۸۵
پہلی بحث	۱۸۳
ظلم میں دو اقوال	۱۸۳
دوسری بحث	۱۸۵
تین وجوہات	۱۸۵
تیسری بحث	۱۸۵
ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ کی تفسیر	۱۸۵
دو وجوہات ہیں	۱۸۵
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ کی تفسیر	۱۸۶
آیت ۵۳، وَ اِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ کی تفسیر	۱۸۷
یہ چوتھا انعام ہے	۱۸۷
فرقان کے تین معانی	۱۸۷
یہاں تین وجوہ ہیں	۱۸۷
بعض کی غلطی	۱۸۸
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ کی تفسیر	۱۸۹
آیت ۵۴، وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ کی تفسیر	۱۸۹
پانچواں انعام	۱۸۹
پہلی وجہ	۱۹۰
دوسری وجہ	۱۹۰
تیسری وجہ: اُمت محمدی کے لیے آسان توبہ	۱۹۰
چوتھی وجہ	۱۹۰
وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ کی تفسیر	۱۹۰
دو اقوال	۱۹۰
فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ کی تفسیر	۱۹۱
چند سوالات	۱۹۱
پہلا سوال	۱۹۱
جواب	۱۹۱
دوسرا سوال	۱۹۱
جواب	۱۹۱
تیسرا سوال	۱۹۱
جواب	۱۹۱
چوتھا سوال	۱۹۲
جواب	۱۹۲
پانچواں سوال	۱۹۲
جواب	۱۹۲
تم ایک دوسرے کو قتل کرو	۱۹۳
پہلی وجہ	۱۹۳
دوسری وجہ	۱۹۴
پہلی روایت	۱۹۴
دوسری روایت	۱۹۴
تیسری وجہ	۱۹۴
چھٹا سوال	۱۹۵

Marfat.com

جواب	۱۹۵
ساتواں سوال	۱۹۵
جواب	۱۹۵
بادلوں میں قتل	۱۹۵
ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ کی تفسیر	۱۹۵
فَتَابَ عَلَيْكُمْ کی تفسیر	۱۹۵
آیت ۵۵، ۵۶، وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ	
نُّؤْمِنَ کی تفسیر	۱۹۶
چھٹے انعام کا تذکرہ	۱۹۶
تفصیل چھ وجوہات سے	۱۹۶
دوسری بحث	۱۹۷
دو اقوال	۱۹۷
لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ کی تفسیر	۱۹۸
فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ کی تفسیر	۱۹۹
پہلی بحث	۱۹۹
سوال	۱۹۹
جواب	۲۰۰
معتزلہ کا رد	۲۰۰
سوال و جواب	۲۰۰
دوسری بحث، صاعقہ کی تفسیر	۲۰۱
پہلا قول	۲۰۱
یہاں چار دلائل ہیں	۲۰۱
صاعقہ، موت	۲۰۱
اس کے ضعیف ہونے پر دلائل	۲۰۲
دوسرا قول	۲۰۲
ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ کی تفسیر	۲۰۲
سوال و جواب	۲۰۲
دو وجوہ ہیں	۲۰۲
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ کا مفہوم	۲۰۳
بعد از موت مکلف بنانا جائز نہیں	۲۰۳
آیت ۵۷، وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ کی تفسیر	۲۰۴
ساتویں انعام کا تذکرہ	۲۰۴
آیت ۵۸، ۵۹، وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ	
الْقَرْيَةَ کی تفسیر	۲۰۵
آٹھویں انعام کا تذکرہ	۲۰۵
پہلی قسم	۲۰۵
یہاں دو وجوہات ہیں	۲۰۵
قریۃ سے مراد	۲۰۶
تین اقوال	۲۰۶
پہلی بحث	۲۰۶
دوسری بحث	۲۰۶
وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ کی تفسیر	۲۰۷

Marfat.com

پانچ اقوال	۲۰۸
سوال و جواب	۲۰۸
پہلی وجہ	۲۰۸
نَغْفِرْ لَكُمْ کی تفسیر	۲۰۸
پہلی بحث	۲۰۹
وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ کی تفسیر	۲۱۰
فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا کی تفسیر	۲۱۰
پہلا قول	۲۱۰
دوسرا قول	۲۱۰
فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا کی تفسیر	۲۱۲
دو فوائد	۲۱۲
بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ کی تفسیر	۲۱۲
دو وجوہات ہیں	۲۱۳
دوسری قسم	۲۱۳
اذکار میں تبدیلی کا حکم	۲۱۳
دس سوالات	۲۱۳
جوابات	۲۱۳
آیت ۶۰، وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ کی تفسیر	۲۱۶
نویں انعام کا تذکرہ	۲۱۶
چند مسائل	۲۱۷
پہلا مسئلہ، یہ واقعہ مقام تیہ میں ہوا	۲۱۷
دو دلائل ہیں	۲۱۷
عصا کا تعارف	۲۱۷
نوٹ	۲۱۸
تیسرا مسئلہ، پتھر کا تعارف	۲۱۸
چوتھا مسئلہ، چند سوالات	۲۱۸
سات سوالات ہیں	۲۱۹
قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَشْرَبَهُمْ کی تفسیر	۲۲۱
كُلُوا وَاشْرَبُوا کی تفسیر	۲۲۱
وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ کی تفسیر	۲۲۲
آیت ۶۱، وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نَصْبِرَ کی تفسیر	۲۲۲
یہ سوال نافرمانی نہیں	۲۲۳
دوسرا طعام کے سوال کی چار اغراض	۲۲۳
معصیت ہونے پر تین دلائل	۲۲۴
جوابات کے دلائل	۲۲۴
دوسرا مسئلہ، مراد ایک طریق ہے	۲۲۵
تیسرا مسئلہ، قِثَّائِهَا کی قرأت	۲۲۵
معنی فوم میں اختلاف	۲۲۵
چوتھا مسئلہ	۲۲۶
ادنیٰ سے مراد میں اختلاف	۲۲۶
یقینی شے غائب سے بہتر	۲۲۶
سوال و جواب	۲۲۶

Marfat.com

پانچواں مسئلہ، کون سا شہر مراد ہے؟	۲۲۷
آیت سے تین طرح استدلال	۲۲۸
ان دلائل کا ضعف	۲۲۸
تین دلائل	۲۲۸
مراد شہر فرعون پر دو دلائل	۲۲۹
پہلی وجہ	۲۲۹
دوسری وجہ	۲۲۹
سوال وجواب	۲۲۹
دلائل کا رد	۲۳۰
وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ کی تفسیر	۲۳۰
جزیہ مراد نہیں	۲۳۰
وَبَاءُوْا کی تفسیر	۲۳۰
ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ کی تفسیر	۲۳۱
وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ کی تفسیر	۲۳۱
کفر کے بعد قتل کا ذکر	۲۳۱
ناحق کا ذکر کیوں؟	۲۳۱
دوسرا سوال	۲۳۱
تین طرح جواب	۲۳۱
ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا کی تفسیر	۲۳۲
حق معرفہ ونکرہ کیوں؟	۲۳۲
آیت ۶۲: إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا کی تفسیر	۲۳۳
آیت کا ربط وتعلق	۲۳۴
مراد کون ہے؟	۲۳۴
متعدد تفاسیر	۲۳۴
پہلی تفسیر	۲۳۴
دوسری تفسیر	۲۳۵
تیسری تفسیر	۲۳۵
وَالَّذِيْنَ هَادُوْا کی تفسیر	۲۳۵
لفظ نصاریٰ کی تحقیق	۲۳۵
یہاں تین وجوہات ہیں	۲۳۶
اَلصَّابِئِيْنَ کی تفسیر	۲۳۶
دو اقوال	۲۳۶
لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ کی تفسیر	۲۳۷
سوال وجواب	۲۳۷
آیت ۶۳، ۶۴، وَإِذْ أَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ کی تفسیر	۲۳۸
دسویں انعام کا تذکرہ	۲۳۸
پہلی بحث	۲۳۸
میثاق سے کیا مراد ہے؟	۲۳۸
پہلا عہد	۲۳۹
دوسرا عہد	۲۳۹
دوسری بحث: مِيْثَاقَكُمْ کہنے کی حکمتیں	۲۳۹

Marfat.com

پہلی حکمت	۲۳۹	سوال و جواب	۲۴۵
دوسری حکمت	۲۳۹	قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً کی تفسیر	۲۴۵
وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ کی تفسیر	۲۴۰	پہلا مسئلہ	۲۴۵
پہلی بحث: وَرَفَعْنَا کا واؤ کونسا ہے؟	۲۴۰	دوسرا مسئلہ	۲۴۵
دوسری بحث: طور مخصوص پہاڑ	۲۴۰	سوال و جواب	۲۴۵
تیسری بحث: اللہ تعالیٰ تمام ممکنات پر قادر ہے	۲۴۱	تیسرا مسئلہ	۲۴۵
چوتھی بحث، یہ جبر نہیں تھا	۲۴۱	دو دلائل	۲۴۷
خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ کی تفسیر	۲۴۱	جواب	۲۴۷
وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ کی تفسیر	۲۴۱	دو سوالات	۲۴۷
سوال و جواب	۲۴۱	جوابات	۲۴۷
ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ کی تفسیر	۲۴۲	چوتھا مسئلہ، خاسئا کی تحقیق	۲۴۸
فَلَوْلَا فَضْلُ اللهِ عَلَيْكُمْ کی تفسیر	۲۴۲	فَجَعَلْنَاهَا کی تفسیر	۲۴۸
پہلی بحث	۲۴۳	نکال کا مفہوم	۲۴۹
دوسری بحث	۲۴۳	لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا کی تفسیر	۲۵۰
آیت ۶۵، ۶۶، وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا کی تفسیر	۲۴۳	وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ کی تفسیر	۲۵۰
پہلی تشدید و سزا	۲۴۳	آیت ۶۷ تا ۷۳، وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللهَ کی تفسیر	۲۵۱
پہلا مسئلہ: مچھلیاں پکڑنے میں تجاوز	۲۴۴	دوسری تشدید، واقعہ قتل	۲۵۲
دوسرا مسئلہ، دو اُمور کا اظہار	۲۴۴	پہلا مسئلہ	۲۵۲
تیسرا مسئلہ	۲۴۵	دوسرا مسئلہ	۲۵۲
چوتھا مسئلہ	۲۴۵	تیسرا مسئلہ	۲۵۲

Marfat.com

منکرین عموم کے دلائل ۲۵۲
یہاں تین وجوہات ہیں ۲۵۲
معین گائے کا حکم تھا یا نہیں؟ ۲۵۳
پہلے فریق کے دلائل ۲۵۳
سوال و جواب ۲۵۴
تین وجوہات ۲۵۴
دوسرے فریق کے دلائل ۲۵۴
قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا کی تفسیر ۲۵۶
پہلا مسئلہ ۲۵۶
دوسرا مسئلہ ۲۵۶
تیسرا مسئلہ ۲۵۶
چوتھا مسئلہ، یہ جملہ کفر ہے ۲۵۶
قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ کی تفسیر ۲۵۷
تین وجوہات ۲۵۷
پہلا سوال ۲۵۷
پہلی بحث: سوال کی مجبوری کیا تھی؟ ۲۵۸
تین وجوہات ۲۵۸
دوسری بحث: سوال و جواب میں مطابقت ۲۵۸
جواب ۲۵۸
تیسری بحث ۲۵۹
چوتھی بحث، جواز اجتہاد و ظن غالب ۲۵۹
دو سوالات ۲۵۹
فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ کی تفسیر ۲۵۹
دو سوالات ۲۶۰
تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ کی تفسیر ۲۶۱
پہلا مسئلہ، انشاء اللہ کہنا ۲۶۱
دوسرا مسئلہ، حوادثات اور ارادہ الٰہی ۲۶۱
تیسرا مسئلہ، معتزلہ کا استدلال ۲۶۱
دو وجوہات ۲۶۱
اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا کی تفسیر ۲۶۱
اِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ کی چار تفاسیر ۲۶۱
مُسَلَّمَةٌ کی تفسیر ۲۶۲
لَا شِيَةَ فِيْهَا کی تفسیر ۲۶۳
فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا کی تفسیر ۲۶۳
کَادَ کی دو تفسیریں ۲۶۳
پہلی بحث، یتیم کی گائے ۲۶۴
دوسری بحث، ذبح یا نحر؟ ۲۶۴
تیسری بحث، کیا وجہ ذبح پر تیار نہ تھے؟ ۲۶۴
چوتھی بحث، امر سے وجوب کا ثبوت ۲۶۵
پانچویں بحث، امر کا تقاضا فی الفور عمل ۲۶۵
وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ کی تفسیر ۲۶۵
سوال و جواب ۲۶۵
فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا کی تفسیر ۲۶۶

Marfat.com

پہلا مسئلہ، اللہ تعالیٰ فساد تخلیق نہیں کرتا ۲۶۷
دوسرا مسئلہ، عمل ضرور سامنے آجاتا ہے ۲۶۷
فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا کی تفسیر ۲۶۷
پہلا مسئلہ، ذبح گائے اور چالیس سال ۲۶۷
دوسرا مسئلہ ۲۶۷
تیسرا مسئلہ، ذبح اور مصلحت ۲۶۸
گوشت لگانے کی حکمت ۲۶۸
غیر گائے کا حکم کیوں نہیں؟ ۲۶۸
ذبح گائے کے فوائد ۲۶۸
چوتھا مسئلہ: لگایا جانے والا حصہ کونسا تھا؟ ۲۶۹
كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى کی تفسیر ۲۶۹
پہلا مسئلہ ۲۶۹
پہلا قول، مشرکین کے خلاف استدلال ۲۷۰
دوسرا قول، بنی اسرائیل اور مشاہدہ ۲۷۰
دوسرا مسئلہ ۲۷۰
وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ کی تفسیر ۲۷۱
سوال وجواب ۲۷۱
پہلی بحث ۲۷۱
دوسری بحث ۲۷۱
قاتل کے وارث بننے کا حکم ۲۷۱
قاتل کے وارث بننے کا حکم ۲۷۱
دقیق نکتہ ۲۷۲
آیت ۷۴، ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ، کی تفسیر ۲۷۳
پہلا مسئلہ: دل کی نرمی کیا ہے؟ ۲۷۳
دوسرا مسئلہ: خطاب اہلِ کتاب سے ہے ۲۷۴
تیسرا مسئلہ: قاتل بتانے کے بعد ۲۷۴
اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً کی تفسیر ۲۷۴
پہلا مسئلہ: کلمہ تشکیک اللہ تعالیٰ کے لائق نہیں ۲۷۴
تیسرا مسئلہ: پتھر سے سخت قرار دینے کی حکمتیں ۲۷۶
چوتھا مسئلہ: کفر تخلیق الٰہی نہیں ۲۷۷
پانچواں مسئلہ: پتھر اور تین منافع ۲۷۷
پہلا نفع ۲۷۷
پہلا مسئلہ ۲۷۷
دوسرا نفع ۲۷۸
تیسرا نفع ۲۷۸
پتھر میں خشیت کہاں؟ ۲۷۸
پہلا قول ۲۷۸
دوسرا قول ۲۷۹
کھجور کا تنا رویا ۲۷۹
تیسرا قول ۲۷۹
وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ کی تفسیر ۲۸۱

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کا غفلت سے پاک ہونا	۲۸۱
سوال وجواب	۲۸۱
آیت ۷۵، اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ کی تفسیر	۲۸۲
سابقہ آیات سے ربط	۲۸۲
پہلا مقصد، صحت نبوت محمدی کا ثبوت	۲۸۲
دوسرا مقصد، بنی اسرائیل پر نعمتوں کا ذکر	۲۸۲
تیسرا مقصد، رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے لیے تسلی	۲۸۲
چوتھا مقصد، تم پر عذاب آسکتا ہے	۲۸۳
پانچواں مقصد	۲۸۳
چھٹا مقصد	۲۸۳
اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا اور مسائل	۲۸۳
پہلا مسئلہ، دو اقوال	۲۸۴
دوسرا مسئلہ	۲۸۴
تیسرا مسئلہ، ایمان نہ لانا کیوں؟	۲۸۴
تین وجوہات	۲۸۴
چوتھا مسئلہ	۲۸۶
جواب	۲۸۵
وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ کی تفسیر	۲۸۵
سوال وجواب	۲۸۵
ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ کی تفسیر	۲۸۵
پہلا مسئلہ	۲۸۵
دوسرا مسئلہ، تحریف لفظی یا معنوی؟	۲۸۶
تحریف لفظی اور قول ابن عباس رضی اللہ عنہما	۲۸۶
تیسرا مسئلہ	۲۸۶
چوتھا مسئلہ	۲۸۶
جواب	۲۸۶
پانچواں مسئلہ	۲۸۷
مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ کی تفسیر	۲۸۷
وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ کی تفسیر	۲۸۸
سوال وجواب	۲۸۸
پہلا مسئلہ	۲۸۸
دوسرا مسئلہ	۲۸۸
آیت ۷۶، ۷۷: وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کی تفسیر	۲۸۹
برائی کی دوسری نوع	۲۸۹
عِنْدَ رَبِّكُمْ کی تفسیر	۲۸۹
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کی تفسیر	۲۹۱
اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ کی تفسیر	۲۹۱
دو اقوال	۲۹۱
آیت ۷۸-۷۹: وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ کی تفسیر	۲۹۲
مختلف گروہوں کا ذکر	۲۹۲
پہلا مسئلہ، اُمّی کا مفہوم	۲۹۲

Marfat.com

دوسرا مسئلہ، اَمَانِیَّ کی تحقیق ۲۹۲
تیسرا مسئلہ ۲۹۵
وَاِنْ ھُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ کی تفسیر ۲۹۵
فَوَیْلٌ کی تفسیر ۲۹۵
یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ بِاَیْدِیْھِمْ کی تفسیر ۲۹۶
ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ ھٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ کی تفسیر ۲۹۶
سوال وجواب ۲۹۶
لِیَشْتَرُوْا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا کی تفسیر ۲۹۷
فَوَیْلٌ لَّھُمْ مِّمَّا کَتَبَتْ کی تفسیر ۲۹۷
آیت ۸۰: وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ کی تفسیر ۲۹۸
برائیوں کی تیسری قسم ۲۹۸
پہلا مسئلہ، اَیَّامًا مَّعْدُوْدَۃً کی تفسیر ۲۹۸
پہلی وجہ ۲۹۸
سوال وجواب ۲۹۹
دوسری وجہ ۳۰۰
تیسری وجہ ۳۰۰
دوسرا مسئلہ ۳۰۰
تیسرا مسئلہ ۳۰۰
جواب ۳۰۰
قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰہِ عَھْدًا کی تفسیر ۳۰۰
خلاف وعید کرم ہے ۳۰۱
سوال وجواب ۳۰۱
پانچواں مسئلہ ۳۰۲
اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ کی تفسیر ۳۰۲
جواب ۳۰۲
آیت ۸۱، بلٰی مَنْ کَسَبَ کی تفسیر ۳۰۳
سوال وجواب ۳۰۳
معتزلہ کا استدلال ۳۰۴
پہلا مسئلہ ۳۰۴
دو دلائل ۳۰۵
کافر مراد نہیں ۳۰۵
سوال وجواب ۳۰۵
پہلی دلیل: عموم مَنْ پر دلائل ۳۰۸
مشترکہ بھی نہیں ۳۰۸
تین دلائل ۳۰۸
نوٹ ۳۰۹
جمع معرف کی عموم پر دلالت ۳۱۰
سوال وجواب ۳۱۰
تیسری قسم: جمع متصل الذی میں عموم ۳۱۲
چوتھی قسم ۳۱۳
پانچویں قسم، لفظ کل کا عموم ۳۱۳
چھٹی قسم ۳۱۳

Marfat.com

عمومات احادیث سے استدلال	۳۱۴	مومن اہلِ ذلت سے نہیں	۳۲۵
پہلی قسم، لفظ مَن کا آنا	۳۱۵	۱۰۔ وعدہ اور عمومات	۳۲۶
ناحق مال کھانے والا	۳۱۷	پہلی حجت، اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے	۳۲۷
تصویر بنانے والا	۳۱۷	عفو اسقاط عذاب ہے	۳۲۸
دوزخی حاکم	۳۱۷	دوسری حجت، اللہ تعالیٰ غافر ہے	۳۲۸
ظلماً فیصلہ کرنے والا	۳۱۷	سوال: مراد عذاب کا مؤخر کرنا ہو	۳۲۹
ذمی کے قاتل کی سزا	۳۱۷	جواب: عفو اور ازالہ	۳۲۹
دوسری: بغیر مَنْ احادیث میں عموم	۳۱۸	تیسری حجت، صاحب کبیرہ سے سقوط عذاب	۳۳۰
احتجاج متکبر دوزخی	۳۱۸	رحمت اُخروی، دنیاوی سے کہیں زائد ہے	۳۳۰
۲۔ مسلط حاکم دوزخی	۳۱۸	سوال وجواب	۳۳۰
۳۔ صلہ رحمی کا مقام	۳۱۸	چوتھی حجت، قبل از توبہ صاحب کبیرہ	۳۳۱
۴۔ اللہ کا بندوں پر حق	۳۱۹	سوال وجواب	۳۳۲
۵۔ قاتل ومقتول دونوں دوزخی	۳۱۹	پانچویں حجت، آیات عموم سے استدلال	۳۳۲
۶۔ سونے چاندی کے برتن	۳۲۰	جانب نیکی غالب ہے	۳۳۳
۷۔ اہلِ بیت نبوی کا دشمن دوزخی	۳۲۰	اضافہ کی حد نہیں	۳۳۴
۸۔ خائن کا دوزخی ہونا	۳۲۰	وعید اللہ حق، نہیں فرمایا	۳۳۴
۹۔ دائمی شرابی کی سزا	۳۲۰	آیات وعید کا الفاظ واحد میں تکرار نہیں	۳۳۵
اہلِ سُنّت کا جواب	۳۲۰	جان عدم کی وعید پر ترجیح	۳۳۵
مَنْ اور جمع معرف عموم پر دال نہیں	۳۲۱	وعید میں تاویل احسن ہے	۳۳۵
سوال وجواب	۳۲۱	حضرت یحییٰ بن معاذ کی خوبصورت دعا	۳۳۶
سوال وجواب	۳۲۲	تخصیص تعطیل سے بہتر ہے	۳۳۶
اہلِ کبائر اور عذاب	۳۲۲	معتزلہ کا موقف	۳۳۶

Marfat.com

اہلسنت کے جوابات	۳۳۷	چار اقوال	۳۴۳
چھٹی حجت، رسول اللہ کی شفاعت	۳۳۸	نبی ہونے پر دو اُمور	۳۴۴
ساتویں حجت، توبہ کے بعد معافی	۳۳۹	پانچواں قول	۳۴۴
سوال و جواب	۳۳۹	تیسرا مسئلہ، تمام ضروریات دین کا عہد	۳۴۴
اس پر دو دلائل	۳۳۹	دوسرا حکم، والدین کے ساتھ حسنِ سلوک	۳۴۴
پہلی دلیل کا جواب: قید توبہ کی ضرورت نہیں	۳۳۹	پہلا مسئلہ: سوال و جواب	۳۴۴
ا۔احاطہ کے لیے عدم عفو بھی شرط ہے	۳۳۹	دوسرا مسئلہ، والدین سے حسنِ سلوک کی حکمتیں	۳۴۵
۲۔احاطہ سے مراد کبیرہ نہیں	۳۴۰	پہلی حکمت، والدین کا انعام کامل	۳۴۵
آیت ۸۲، وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کی تفسیر	۳۴۱	دوسری حکمت، ظاہری موثر کا ذکر	۳۴۵
ذکر وعدہ کے فوائد	۳۴۱	تیسری حکمت، ان کا انعام مشابہ ہے	۳۴۵
پہلا مسئلہ، ایمان اور اعمال الگ ہیں	۳۴۱	چوتھی حکمت، والدین کا کرم منقطع نہیں ہوتا	۳۴۵
جواب	۳۴۱	پانچویں حکمت، اولاد کا نفع	۳۴۵
دوسرا مسئلہ، صاحب کبیرہ کا جنتی ہونا	۳۴۱	چھٹی حکمت، ان کے انعامات قلیل	۳۴۶
صاحب کبیرہ جمیع صالحات لانے والا نہیں	۳۴۲	تیسرا مسئلہ، کافر والدین کا بھی احترام	۳۴۶
تیسرا مسئلہ، فضلِ الٰہی اور دخولِ جنت	۳۴۲	چوتھا مسئلہ، احسان میں یہ بھی شامل	۳۴۷
آیت ۸۳: وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کی تفسیر	۳۴۲	تیسرا حکم، رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک	۳۴۷
دیگر انعامات کا تذکرہ	۳۴۳	پہلا مسئلہ، قرابت کا ضابطہ	۳۴۷
پہلا حکم، اللہ کی ہی عبادت	۳۴۳	دوسرا مسئلہ، صلہ رحمی کا مقام	۳۴۸
پہلا مسئلہ، تَعْبُدُوْنَ کی قرأت	۳۴۳	چوتھا حکم، الیتامیٰ	۳۴۹
دوسرا مسئلہ، پانچ اقوال	۳۴۳	پہلا مسئلہ، یتیم کی تعریف	۳۴۹
		دوسرا مسئلہ، بچوں سے کام نہیں لیا جا سکتا	۳۵۰

Marfat.com

پانچواں حکم، مساکین کے ساتھ حسنِ سلوک ۳۵۰
پہلا مسئلہ، لفظ مسکین کا مفہوم ۳۵۰
دوسرا مسئلہ، مسکین کا ذکر مؤخر کیوں؟ ۳۵۰
تیسرا مسئلہ ۳۵۰
چھٹا حکم، قُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا ۳۵۰
پہلا مسئلہ، ۳۵۰
دوسرا مسئلہ، اخبار کے بعد "قُولُوا" امر مخاطب کیوں؟ ۳۵۰
تین وجوہات ۳۵۰
تیسرا مسئلہ، مخاطب کون ہے؟ ۳۵۱
چوتھا مسئلہ، صرف اہلِ ایمان سے ۳۵۱
دو دلائل ۳۵۱
پانچواں مسئلہ، دعوت کا میں حسن ضروری ہے ۳۵۳
چھٹا مسئلہ: زکوٰۃ اور شدید ضرورت ۳۵۴
ساتواں و آٹھواں حکم ۳۵۴
ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ سے کون مراد ہے؟ ۳۵۴
آیت ۸۴، وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ کی تفسیر ۳۵۵
انعامات کی ایک اور قسم کا تذکرہ ۳۵۵
سوال وجواب ۳۵۵
سوال وجواب ۳۵۶
آیت ۸۵، ثُمَّ أَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ کی تفسیر
حاضر وغائب کیسے؟ ۳۵۷
تَظَاهَرُونَ عَلَيْهِمْ بِالْإِثْمِ کی تفسیر ۳۵۸
وَإِنْ يَأْتُوكُمْ أُسَارٰى کی تفسیر ۳۵۸
یہاں چار مسائل ہیں ۳۵۸
وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ کی تفسیر ۳۵۹
أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ کی تفسیر ۳۵۹
سوال وجواب ۳۵۹
إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ کی تفسیر ۳۵۹
یہاں مراد کیا ہے؟ ۳۵۹
وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ کی تفسیر ۳۶۱
سوال وجواب ۳۶۱
وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ کی تفسیر ۳۶۱
دو مسائل ۳۶۱
آیت ۸۶، أُولٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا کی تفسیر ۳۶۲
لذت دنیا و آخرت کا اجتماع محال ۳۶۲
فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ کی تفسیر ۳۶۲
دو مسائل ۳۶۲
وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ کی تفسیر ۳۶۳
آیت ۸۷، وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ کی تفسیر ۳۶۳
ایک اور نوع کا تذکرہ ۳۶۳

Marfat.com

وَ قَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ کی تفسیر	۳۶۴
تین مسائل	۳۶۴
وَ اٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ کی تفسیر	۳۶۵
وَ اَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ کی تفسیر	۳۶۵
دوسرا مسئلہ: حضرت جبریل کو روح کہنے کی وجوہات	۳۶۶
اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ کی تفسیر	۳۶۷
فَفَرِیْقًا کَذَّبْتُمْ وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ کی تفسیر	۳۶۷
سوال وجواب	۳۶۷
آیت ۸۸، وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ کی تفسیر	۳۶۸
غُلْفٌ میں تین اقوال	۳۶۸
قَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ اور دو مسائل	۳۶۹
پہلا مسئلہ	۳۶۹
دوسرا مسئلہ: قَلِیْلًا پر نصب کیوں؟	۳۷۰
آیت ۸۹، وَ لَمَّا جَآءَهُمْ کتاب کی تفسیر	۳۷۱
یہود کی برائیوں کی ایک نوع کا تذکرہ	۳۷۱
پہلا مسئلہ	۳۷۱
دوسرا مسئلہ	۳۷۱
سوال وجواب	۳۷۱
تیسرا مسئلہ	۳۷۱
وَ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ کی تفسیر	۳۷۳
فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا کی تفسیر	۳۷۳
پہلا مسئلہ	۳۷۳
سوال جواب	۳۷۳
دوسرا مسئلہ: کفر کی وجوہات	۳۷۳
تیسرا مسئلہ: یہاں لعنت کیوں؟	۳۷۴
سوال وجواب	۳۷۴
آیت ۹۰، بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖ کی تفسیر	۳۷۴
بِئْسَمَا کی حقیقت	۳۷۴
پہلا مسئلہ	۳۷۵
دوسرا مسئلہ	۳۷۵
تیسرا مسئلہ	۳۷۵
چوتھا مسئلہ: نِعْمَ الرَّجُلُ زَیْدٌ کی تراکیب	۳۷۶
پانچواں مسئلہ	۳۷۶
پہلا مسئلہ	۳۷۷
دوسرا مسئلہ: شراء کے بارے میں دو اقوال	۳۷۷
بغاوت کی متعدد وجوہات	۳۷۸
فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ کی تفسیر	۳۷۸
پہلا مسئلہ	۳۷۸
دوسرا مسئلہ: غضب الٰہی سے مراد؟	۳۷۸
تیسرا مسئلہ	۳۷۹
وَ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ کی تفسیر	۳۷۹
کفار ہی کا ذکر	۳۷۹

Marfat.com

سوال وجواب ۳۷۹
دوسرا مسئلہ: عذاب اور کفار ۳۷۹
آیت۹۱: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا کی تفسیر ۳۸۰
نوع افعال بد کا تذکرہ ۳۸۰
وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا کی تفسیر ۳۸۰
فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ کی تفسیر ۳۸۱
پہلا مسئلہ ۳۸۱
دوسرا مسئلہ ۳۸۱
تیسرا مسئلہ: خطاب پہلوں سے ہے ۳۸۱
اٰمِنُوْا اور فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ میں موافقت ۳۸۲
آیت۹۲: وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ کی تفسیر ۳۸۲
تکرار آیت میں حکمت ۳۸۲
آیت۹۳: وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ کی تفسیر ۳۸۳
دوبارہ ذکر عہد کیوں؟ ۳۸۳
قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا کی تفسیر ۳۸۳
دومسائل ۳۸۴
اُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ کی تفسیر ۳۸۴
قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ کی تفسیر ۳۸۴
آیت۹۴،۹۵: قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ کی تفسیر ۳۸۵
برائیوں کی ایک اور نوع کا بیان ۳۸۵
فسادقول پر استدلال ۳۸۶
چھ اہم سوالات ۳۸۷
ان کے جوابات ۳۸۸
فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ کی تفسیر ۳۹۰
پہلا مسئلہ ۳۹۰
دوسرا مسئلہ: تمنا میں دو اقوال ۳۹۰
دو مقامات میں فرق کیوں؟ ۳۹۱
آیت۹۶، وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ کی تفسیر ۳۹۱
یہ زندگی پر حریص ہیں ۳۹۱
واؤ میں تین اقوال ۳۹۱
ذکر مشرکین الگ کیوں؟ ۳۹۲
سوال وجواب ۳۹۲
حرص زیادہ کیوں؟ ۳۹۲
سوال وجواب ۳۹۲
دوسرا مسئلہ ۳۹۳
وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ کی تفسیر ۳۹۳
پہلا مسئلہ: وَمَا هُوَ سے کیا مراد ہے؟ ۳۹۳
دوسرا مسئلہ ۳۹۴
آیت ۹۷،۹۸: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا کی تفسیر ۳۹۴
یہود کی برائیوں کی ایک اور نوع کا تذکرہ ۳۹۴
پہلا مسئلہ ۳۹۴

Marfat.com

آیات کا پس منظر	۳۹۴
دوسرا مسئلہ	۳۹۶
تیسرا مسئلہ	۳۹۷
چوتھا مسئلہ: جبریل کا معنی	۳۹۷
فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ کی تفسیر	۳۹۷
چند سوالات	۳۹۷
بِاِذْنِ اللّٰهِ کی تفسیر	۳۹۸
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ کی تفسیر	۳۹۹
سوال و جواب	۳۹۹
قرآن دو ہدایت و بشارت چیزوں پر مشتمل ہے	۳۹۹
چند سوالات	۴۰۰
اولیاء اللہ کی عداوت اللہ سے عداوت ہے	۴۰۰
سیدنا جبریل امین کی فضیلت	۴۰۱
یہاں چار مسائل ہیں	۴۰۱
آیت ۹۹: وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ کی تفسیر	۴۰۲
رزائل یہود کی ایک اور نوع کا بیان	۴۰۲
چند مسائل	۴۰۲
پہلا مسئلہ: آیات بینات، قرآن	۴۰۲
دوسرا مسئلہ: قرآن کو آیات قرار دینے کی حکمت	۴۰۲
تیسرا مسئلہ: بینات صفت کی وجہ	۴۰۳
وَمَا يَكْفُرُ بِهَا کی تفسیر	۴۰۳
پہلا مسئلہ	۴۰۳
دوسرا مسئلہ: فسق کا مفہوم	۴۰۳
صاحب صغیرہ اور فسق	۴۰۴
سوال و جواب	۴۰۴
آیت ۱۰۰: اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا کی تفسیر	۴۰۴
رزائل یہود کی ایک اور نوع کا ذکر	۴۰۴
یہاں پانچ مسائل ہیں	۴۰۴
چوتھا مسئلہ: عہد کی صورتیں	۴۰۵
آیت ۱۰۱: وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ کی تفسیر	۴۰۶
تصدیق رسول کا مفہوم	۴۰۶
تورات پھینکنے سے مراد	۴۰۷
سوال و جواب	۴۰۷
آیت ۱۰۲: وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا کی تفسیر	۴۰۷
افعال بد کی ایک اور نوع کا ذکر	۴۰۸
پہلا مسئلہ	۴۰۸
دوسرا مسئلہ: تَتْلُوْا کی متعدد تفاسیر	۴۰۸
تیسرا مسئلہ: شیاطین میں اختلاف	۴۰۸
سوال و جواب	۴۰۹
عَلٰی مُلْكِ سُلَيْمٰنَ کی تفسیر	۴۰۹
پانچواں مسئلہ: ملک سلیمان سے کیا مراد ہے؟	۴۱۰

Marfat.com

نوٹ	۴۱۰	معتزلہ کے دلائل	۴۲۲
چھٹا مسئلہ	۴۱۰	پانچواں مسئلہ: جادو سیکھنا	۴۲۴
جادو پر گفتگو	۴۱۱	چھٹا مسئلہ: تکفیر جادوگر	۴۲۴
پہلا مسئلہ	۴۱۱	تیسری قسم کا حکم	۴۲۴
دوسرا مسئلہ: عرف شرع اور جادو	۴۱۲	سوال وجواب	۴۲۵
سوال وجواب	۴۱۲	ساتواں مسئلہ: جادوگر اور قتل	۴۲۵
تیسرا مسئلہ: اقسام جادو	۴۱۳	امام ابوحنیفہ کے دلائل	۴۲۶
جادو کی پہلی قسم	۴۱۳	سوال وجواب	۲۴۷
تین وجوہات	۴۱۵	آٹھواں مسئلہ	۲۴۸
جادو کی دوسری قسم	۴۱۵	وَمَآ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ کی تفسیر	۴۲۸
بادشاہ کا واقعہ	۴۱۶	مَلَکَیْن پر نزول جادو کا انکار	۲۴۹
جادو کی تیسری قسم	۴۱۸	سوال وجواب	۴۳۰
جادو کی چوتھی قسم	۴۱۹	دوسرا مسئلہ	۴۳۱
دو مقدمات ہیں	۴۱۹	کسرہ (زیر) پر دلائل	۴۳۱
جادو کی پانچویں قسم	۴۲۰	تیسرا مسئلہ: سبب نزول میں اختلاف	۴۳۲
موسیقار کا واقعہ	۴۲۰	زہرہ کون تھی؟	۴۳۲
جادو کی چھٹی قسم	۲۴۱	دو اقوال	۴۳۳
جادو کی ساتویں قسم	۲۴۱	بطلان پر شواہد و دلائل	۴۳۳
جادو کی آٹھویں قسم	۲۴۱	اسباب انزال	۴۳۳
چوتھا مسئلہ: کیا یہ انواع ممکن ہیں؟	۴۲۱	چھ وجوہات	۴۳۳
معتزلہ کا قول	۴۲۲	چوتھا مسئلہ	۴۳۴
قرآنی دلائل	۴۲۲		

Marfat.com

پانچواں مسئلہ ۴۳۴
وَمَا یُعَلِّمَانِ مِنْ اَحَدٍ کی تفسیر ۴۳۵
دو مسائل ۴۳۵
وجوہات تاویل ۴۳۵
وَیَتَعَلَّمُوْنَ مَا یَضُرُّھُمْ کی تفسیر ۴۳۶
دوسرا مسئلہ: خلاق کا مفہوم ۴۳۷
آیت وَلَوْ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا کی تفسیر ۴۳۸
اٰمَنُوْا کی تفسیر ۴۳۸
لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ کی تفسیر ۴۳۸
پہلی وجہ ۴۳۸
سوال وجواب ۴۳۸
دوسری وجہ ۴۳۸
آیت ۱۰۴: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا کی تفسیر ۴۳۹
بعثت کے بعد ان کے افعال بد ۴۳۹
پہلا مسئلہ: اٰمَنُوْا سے خطاب ۴۳۹
دوسرا مسئلہ: دونوں مترادف الفاظ ۴۳۹
جمہور مفسرین کی رائے ۴۴۰
سات وجوہات ۴۴۰
نوٹ ۴۴۰
سوال وجواب ۴۴۱
وَقُوْلُوا انْظُرْنَا کی تفسیر ۴۴۱
وَاسْمَعُوْا کی تفسیر ۴۴۲
آیت ۱۰۵: مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کی تفسیر ۴۴۳
سابقہ آیت سے ربط ۴۴۳
دو مسائل ۴۴۳
طعن کی دوسری نوع ۴۴۴
پہلا مسئلہ: نسخ کا معنی ومفہوم ۴۴۴
آیت ۱۰۶: مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ کی تفسیر ۴۴۴
سوال اول کا جواب ۴۴۵
دوسرے سوال کا جواب ۴۴۵
دوسرا مسئلہ ۴۴۵
قرأت امام ابن عامر ۴۴۵
تیسرا مسئلہ ۴۴۶
چوتھا مسئلہ: ناسخ اہلِ علم کے ہاں ۴۴۷
پانچواں مسئلہ: جواز نسخ ۴۴۷
جمہور کے دلائل ۴۴۷
یہود پر دو الزامی رد ۴۴۷
منکرین نسخ ۴۴۸
منکرین کے دلائل ۴۴۸
سوال وجواب ۴۴۸
ضعیف استدلال ۴۴۹

Marfat.com

چھٹا مسئلہ: کیا قرآن میں نسخ ہے؟	۴۵۰
جمہور کے دلائل	۴۵۰
اول کا جواب	۴۵۰
دوسرے کا جواب	۴۵۰
اول پر اعتراض	۴۵۱
دوسرے پر اعتراض	۴۵۱
چھ دلائل	۴۵۱
ساتواں مسئلہ: منسوخ فقط حکم یا تلاوت؟	۴۵۳
مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ کی تفسیر	۴۵۴
پہلے قول پر دلائل	۴۵۴
پہلے کا جواب	۴۵۴
دوسرے کا جواب	۴۵۴
دوسرا قول	۴۵۵
تیسرا قول	۴۵۵
چوتھا قول	۴۵۵
دوسری رائے	۴۵۵
نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا کی تفسیر	۴۵۵
مسائل کا استنباط	۴۵۶
تین مسائل	۴۵۶
امام شافعی کا قول	۴۵۶
ان تمام کا جواب	۴۵۷
جمہور کے دلائل	۴۵۷
نواں مسئلہ: معتزلہ کا خلق قرآن پر استدلال	۴۵۸
ہمارے اصحاب کا جواب	۴۵۸
جواب اصحاب	۴۵۸
دسواں مسئلہ	۴۵۹
آیت ۱۰۷: اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ کی تفسیر	۴۵۹
سابقہ آیت سے تعلق و ربط	۴۵۹
بعض کا استدلال	۴۶۰
آیت ۱۰۸: اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا کی تفسیر	۴۶۰
پہلا مسئلہ: اَم کی اقسام	۴۶۰
یہاں مخاطب کون ہیں؟	۴۶۰
دوسرا مسئلہ	۴۶۱
پہلا قول	۴۶۱
دوسرا قول: مخاطب اہلِ مکہ ہیں	۴۶۱
تیسرا قول: یہ یہود سے خطاب ہے	۴۶۱
تیسرا مسئلہ	۴۶۲
چوتھا مسئلہ: سوال کیا تھا؟	۴۶۲
پانچواں مسئلہ: ماقبل سے ربط و تعلق	۴۶۲
چھٹا مسئلہ: سَوَآءَ السَّبِیْلِ کی تفسیر	۴۶۳
آیت ۱۰۹: وَدَّ کَثِیْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ کی تفسیر	۴۶۳

Marfat.com

مسلمانوں کے ساتھ یہود کے دھوکہ کی تیسری قسم ۴۶۴
پہلا مسئلہ: حسد کی مذمت ۴۶۴
تین اعلیٰ اعمال ۴۶۴
نعمتوں کے دشمن ۴۶۴
چھ آدمی دوزخ میں ۴۶۵
آثارِ صحابہ اور حسد کی مذمت ۴۶۵
دوسرا مسئلہ: حقیقت حسد ۴۶۶
حسد کے حرام ہونیپر دلائل ۴۶۷
رشک و مسابقت کا حکم ۴۶۹
مسابقت کی اقسام ۴۷۰
اہم نکتہ ۴۷۰
تیسرا مسئلہ: حسد کے مراتب ۴۷۰
چار مراتب ۴۷۰
چوتھا مسئلہ: شیخ غزالی کا رد، حسد کے سات اسباب ۴۷۱
پہلا سبب، عداوت و بغض ۴۷۱
دوسرا سبب، جعلی عزت ۴۷۲
تیسرا سبب، طبعاً دوسرے کو غلام جاننا ۴۷۲
چوتھا سبب: خود پسندی ۴۷۲
پانچواں سبب: فوتیدگی مقاصد کا خوف ۴۷۳
چھٹا سبب بلا مقصد منصب وحکومت سے محبت ۴۷۳
ساتواں سبب: اللہ کے بندوں پر بھلائی میں بخل کرنا ۴۷۳
پانچواں مسئلہ: حسد کی کثرت وقلت کے اسباب ۴۷۴
چھٹا مسئلہ: حسد کے علاج ودعا ۴۷۵
ساتواں مسئلہ ۴۷۹
شبہ کی دو قسمیں ۴۷۹
حَسَدًا مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ کی تفسیر ۴۷۹
پہلا مسئلہ ۴۷۹
جواب ۴۷۹
فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا کی تفسیر ۴۸۰
دو سوالات ۴۸۱
دوسرا قول ۴۸۲

Marfat.com

[۳۵] وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۳۵﴾

(اور ہم نے فرمایا اے آدم تُو اور تیری بیوی جنت میں رہو اور کھاؤ اس میں سے بے روک ٹوک جہاں تمہارا جی چاہے مگر اس پیڑ کے پاس نہ جانا کہ حد سے بڑھنے والوں میں ہو جاؤ گے)

پہلا مسئلہ: حکم لازمی تھا یا نہیں؟

ارشاد باری تعالیٰ "اسکن" (تم ٹھہرو) کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہاں امر وجوب کیلئے ہے یا اباحت کیلئے، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو جنت میں ٹھہرا کر اسی طرح فرمایا جیسے ملائکہ کو سجدہ کی آزمائش میں ڈالا اور انہیں اس بات کا مکلف ٹھہرایا کہ جنت سے جو چاہیں کھائیں مگر ایک درخت سے کھانا منع کر دیا، ان پر ابتلا رہا یہاں تک کہ انہوں نے ممنوع شے سے کھایا تو ان سے جنت کا لباس چھن گیا اور انہیں جنت سے اتار کر وہاں ٹھہرایا جہاں ان کی تمنا کے مطابق حاصل ہو باوجودیکہ اس تناول کے ممنوع ہونے کے وہ شدید مکلف تھے۔

دیگر اہل علم کی رائے یہ ہے یہ حکم بطور اباحت ہے کیونکہ ایسے مقامات پر استقرار، تعبد کے تحت داخل نہیں ہوتا جو خوبصورت و پاک ہوں اور ان میں لطف اندوز ہوا جائے جیسا کہ طیب چیزوں کا کھانا امر تعبدی کے تحت نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی:

كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ (پ ۸، الاعراف: ۱۶۰) کھاؤ ہماری دی ہوئی پاک چیزیں

حکم و تکلیف نہیں بلکہ اباحت ہے۔

اصح قول اباحت و تکلیف دونوں

اصح یہ ہے کہ ان کا جنت میں ٹھہرنا دونوں چیزوں اباحت و تکلیف پر مشتمل تھا۔ اباحت یہ تھی کہ وہ جنت کی تمام نعمتوں سے نفع حاصل کر سکتے تھے اور تکلیف یہ تھی کہ ممنوع درخت موجود تھا اور اس کے تناول سے منع فرما دیا۔ بعض نے کہا اگر کوئی دوسرے سے کہتا ہے میں نے تجھے اپنی دار میں ٹھہرایا تو یہ دار اس کی ملکیت نہ ہوگی

Marfat.com

اور یہ نہ فرمانے کی حکمت یہ تھی کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت زمین کے لیے پیدا فرمایا تو اب جنت میں ٹھہرانا لشور مقدمہ تھا۔

دوسرا مسئلہ: جب اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو سیدنا آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کا حکم دیا اور ابلیس نے سجدہ سے انکار کیا تو وہ ملعون ٹھہرا تو حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا تم اپنی زوجہ محترمہ کے ساتھ جنت میں ٹھہرو۔

جنت میں حضرت حوا رضی اللہ عنہا کی تخلیق

جنت میں حضرت حوا رضی اللہ عنہا کی تخلیق کب ہوئی؟ اس بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ امام سدی نے حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود اور متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو جنت سے نکالا اور حضرت آدم علیہ السلام کو وہاں ٹھہرایا تو وہ اکیلے رہ گئے وہاں کوئی ان کا انیس وہ بساتھی نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نیند عطا کی اور ان کی بائیں پسلیوں میں سے ایک پسلی لی اور اس کی جگہ گوشت سے پر کر دی اور اس سے حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو پیدا فرمایا۔ جب آدم علیہ السلام بیدار ہوئے تو اپنے سر اقدس کے پاس بیٹھی خاتون دیکھی۔ فرمایا تم کون ہو؟ عرض کیا۔ خاتون، فرمایا تمہیں کیوں پیدا کیا گیا؟ عرض کیا تاکہ آپ میرے ساتھ سکوں پا سکیں

حوا نام کی وجہ

ملائکہ نے کہا ان کا نام کیا ہے؟ جواب ملا حوا، ان کا یہ نام رکھنے کی حکمت یہ تھی کہ انہیں زندہ سے پیدا کیا گیا ہے۔

حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کا ایک گروہ بھیجا جو حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کو بادشاہوں کی طرح سونے کے تخت پر اٹھا لائے۔ ان کا لباس نور تھا، ہر ایک کے سر پر سونے کا تاج جو یاقوت ونور سے مرصع تھا اور حضرت آدم علیہ السلام پر موتیوں اور یاقوت کا عمامہ تھا حتیٰ کہ انہیں جنت میں داخل کر دیا۔

یہ روایت بتلاتی ہے کہ حضرت حوا رضی اللہ عنہا کی تخلیق دخول جنت سے پہلے کی ہے جبکہ پہلی روایت کی دلالت جنت میں تخلیق پر ہے۔ حقیقت حال سے اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ آگاہ ہے۔

تیسرا مسئلہ، مراد حضرت حوا ہیں

تمام کا اجماع ہے کہ زوجہ سے مراد حضرت حوا ہیں حالانکہ پہلے اس سورۂ مبارکہ اور تمام قرآن میں اس کا تذکرہ نہیں ہے اور ان کی تخلیق سیدنا آدم علیہ السلام سے ہوئی جیسا کہ سورۂ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا (پ۴-النساء،۱) جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا

سورۂ اعراف میں فرمایا:

وَجَعَلَ مِنْھَا زَوْجَھَا لِیَسْکُنَ اِلَیْھَا (پ۹-الاعراف،۱۹۸) اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس سے چین پائے

امام حسن سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت کو مرد کی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو یہ ٹوٹ جائے گی اور اگر تم اسے (اپنے حال میں) چھوڑ دو گے تو اس سے نفع پاؤ گے اور یہ درست رہے گی (البخاری،۳۳۳۱)

چوتھا مسئلہ، جنت زمین پر یا آسمان پر؟

اس آیت مبارکہ میں مذکورہ جنت کے بارے میں اختلاف ہے کیا یہ زمین پر ہے یا آسمان پر؟ اگر یہ آسمانی ہے۔ کیا یہ وہی جنت ہے جو دار الثواب یا جنت الخلد ہے یا کوئی اور؟

پہلا قول: مراد زمینی جنت ہے

شیخ ابو القاسم بلخی اور شیخ ابو مسلم اصفہانی کے بقول مراد زمینی جنت ہے اور اُتارنے سے مراد ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ہے جیسے فرمان ہے۔

اِھْبِطُوْا مِصْرًا (پ۱- البقرہ،۶۱) اچھا مصر یا کسی شہر میں اترو

اس پر ان کے دلائل یہ ہیں:

پہلی دلیل: اگر یہ دار ثواب ہوتی تو وہ جنت الخلد اور دائمی ہے اور اگر حضرت آدم علیہ السلام دائمی جنت میں ہوتے تو انہیں ابلیس ان کلمات سے دھوکہ نہ دے پاتا

ھَلْ اَدُلُّکَ عَلٰی شَجَرَۃِ الْخُلْدِ وَمُلْکٍ لَّا یَبْلٰی (پ۱۶-طہ،۱۲۰) کیا میں تمہیں بتا دوں ہمیشہ جینے کا درخت اور وہ بادشاہی کہ پرانی نہ پڑے؟

اور پھر یہ ارشاد گرامی کیسے درست ہوتا

مَا نَھٰکُمَا رَبُّکُمَا عَنْ ھٰذِہِ الشَّجَرَۃِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَا مَلَکَیْنِ اَوْ تَکُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِیْنَ (پ۸-الاعراف،۲۰) تمہیں تمہارے رب نے اس پیڑ سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ کہیں تم دو فرشتے ہو جاؤ یا ہمیشہ جینے والے

Marfat.com

دوسری دلیل: جو اس جنت خلد میں داخل ہو گیا وہ وہاں سے نکلے گا نہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ (پ ۱۴-الحجر،۴۸) نہ وہ اس میں سے نکالیں جائیں

تیسری دلیل: جب ابلیس نے سجدہ نہ کیا تو وہ ملعون بن گیا تو اب اللہ تعالیٰ کے غضب کے باوجود وہ جنت خلد تک کیسے پہنچ سکتا ہے

چوتھی دلیل: دارالثواب جنت کی نعمتیں فانی نہیں۔ارشاد ہے:

اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا (پ ۱۳-الرعد،۳۵) اس کے میوے ہمیشہ اور اس کا سایہ

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (پ ۱۲-ھود،۱۰۸)

اور وہ جو خوش نصیب ہوئے وہ جنت میں ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے جب تک آسمان و زمین رہیں مگر جتنا تمہارے رب نے چاہا یہ بخشش کبھی ختم نہ ہوگی

غیر مجذوذ، کا معنی نہ منقطع ہونے والی ہے

اگر یہ جنت جس میں حضرت آدم علیہ السلام تھے جنت الخلد ہوتی تو وہ فنا نہ ہوتی لیکن وہ فنا ہوئی، ارشاد ہے:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (پ ۲۰-القصص،۸۸) ہر چیز فانی ہے سوا اس کی ذات کے

اور اس سے حضرت آدم علیہ السلام کا اخراج نہ ہوتا حالانکہ وہ وہاں سے نکلے اور تمام راحتیں ختم ہو گئیں۔

پانچویں دلیل: یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے کہ وہ مخلوق کو مکلف بنائے بغیر دائمی جنت میں تخلیق فرمائے کیونکہ اللہ تعالیٰ عمل کرنے والوں کی جزا،عمل نہ کرنے والوں کو نہیں عطا فرماتا اور پھر وہ اپنے بندوں کو بغیر جزا و سزا کے نہیں چھوڑتا بلکہ انہیں شوق،خوف اور ان سے وعدہ و وعید فرماتا ہے۔

چھٹی دلیل: اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تخلیق زمین پر فرمائی اور اس میں اس بات کا کہیں ذکر نہیں کیا کہ انہیں آسمان پر لے جایا گیا اگر ایسا ہوتا تو اس کا تذکرہ بطریق اولیٰ کیا جاتا کیونکہ ان کا زمین سے آسمان پر منتقل ہونا اعظم و بڑے انعامات میں سے تھا۔یہ واضح کر رہا ہے کہ وہ آسمان پر نہیں گئے،اس بات کا تقاضا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی "اُسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ" میں جنت خلد کے علاوہ جنت مراد لی جائے۔

Marfat.com

دوسرا قول: شیخ جبائی کہتے ہیں یہاں ساتویں آسمان والی جنت مراد ہے۔اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِهْبِطُوْا مِنْهَا (پ-البقرہ،۳۸) تم سب جنت سے اُتر آؤ

اول اترنا ساتویں آسمان سے پہلے آسمان پر ہے اور دوسرا آسمان سے زمین پر ہے۔

تیسرا قول، دار ثواب ہی مراد ہے

جمہور اہلسنّت کا موقف ہے کہ اس سے مراد دارالثواب ہی ہے اس پر دلیل لفظ "الجنۃ" کا الف لام ہے۔ جو مفید عموم نہیں کیونکہ تمام جنتوں میں بیک وقت سکنیٰ محال ہے اس سے سابقہ معینہ جنت ہی لی جائے گی اور وہ مسلمانوں کے ہاں معروف دارالثواب ہی ہے لہٰذا یہاں یہی مراد ہے۔

چوتھا قول: تمام کا مراد لینا ممکن ہے۔

دلائل منقولہ ضعیف اور آپس میں مخالف و متعارض ہونے کی وجہ سے یقینی بات نہیں کہی جا سکتی بلکہ توقف لازم ہے۔

پانچواں مسئلہ، رغداً کا مفہوم

صاحب کشاف کا کہنا ہے سکنیٰ سکون سے ہے اور یہ بھی ٹھہرنے اور استقرار ہی کی قسم ہے۔ "انت" اسکن میں پوشیدہ خبر کی تاکید ہے تا کہ اس پر عطف درست ہو "رغداً" مصدر کا وصف ہے۔ عبارت ہوگی "اکلا رغداً واسعاً رافھاً" (خوب خوشی سے ہر جگہ سے کھاؤ) "حیث" ظرف مبہم ہے یعنی جنت کے جس مقام سے چاہو۔

آیت سے مراد جنت میں اس طرح خوب کھانے میں اجازت ہے کہ کسی کھانے پر پابندی نہیں اور نہ کسی جگہ پر تا کہ اشجار کثیرہ میں سے کسی ایک درخت کے تناول میں عذر باقی نہ رہے۔

چھٹا مسئلہ، عطف واؤ و فا کے ساتھ کیوں؟

کوئی یہ سوال اٹھا سکتا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا۔ اور سورۃ الاعراف میں فرمایا: فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا تو کلا کا عطف اسکن پر سورۃ البقرہ میں واؤ اور اعراف میں فا کے ساتھ ہے اس کی حکمت کیا ہے؟

جواب یہ ہے جب کسی فعل پر شے کا عطف ہو تو فعل بمنزل شرط اور وہ شئی بمنزل جزا کے ہوتی ہے تو پھر وہاں عطف، ثانی کا اول پر فا کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ واؤ کے ساتھ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے

Marfat.com

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا (پ۱۔البقرۃ:۵۸) اور جب ہم نے کہا داخل ہو جاؤ اس قریہ میں اور کھاؤ اس سے جہاں سے تم چاہو

تو 'کُلُوْا' کا عطف 'اُدْخُلوا' پر فاء کے ساتھ ڈالا کیونکہ جنت سے کھانے کا وجود، اس میں داخلہ پر موقوف ہے گویا فرمایا اگر تم اس میں داخل ہوئے تو تم اس سے کھاؤ گے تو داخلہ کھانے تک موصل ہے اور کھانے کے وجود کا تعلق وجود داخلہ سے ہے، اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف میں یوں آشکار کر دیا:

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَ كُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ (پ۹۔الاعراف:۱۶۱) اور جب ان سے کہا گیا اس قریہ میں ٹھہرو اور کھاؤ اس سے جہاں سے چاہو

تو یہاں، کُلُوا کا عطف، اُسْكُنُوا پر فاء کے ساتھ نہیں بلکہ واؤ کے ساتھ ہے کیونکہ اسکنوا سکنٰی سے مشتق ہے جس کا معنی ہے وہ جگہ جہاں آدمی زیادہ ٹھہرے اور کھائے تو اب اس کا وجود اس کے وجود سے متعلق نہیں کیونکہ جو باغ میں داخل ہوتا ہے کبھی اس سے کھالیتا ہے اگر اسے اجازت ہو تو جب دوسرے کا پہلے سے تعلق جزا و شرط والا نہیں تو اب لازم ہے کہ عطف واؤ کے ساتھ ہو نہ کہ فا سے۔ جب یہ ثابت ہے تو سنیئے

اُسْكُن، مکان میں داخل ہونے والے سے کہا جاتا ہے اور اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ جس جگہ تو داخل ہوا ہے اسے لازم پکڑ لے اور یہاں سے منتقل نہ ہونا اور جو داخل نہیں ہوا اسے بھی اُسکن کہا جا سکتا ہے یعنی اس میں داخل ہو جا اور اس میں ٹھہر جا۔
سورۃ البقرۃ میں یہ حکم اس وقت وارد ہے جب حضرت آدم علیہ السلام جنت میں تھے تو اس سے مراد استقرار اور طویل ٹھہرنا ہے اور ہم نے اوپر بیان کر دیا کہ کھانے کا تعلق اس سے نہیں لہٰذا لفظ واؤ کا آنا ضروری ہے اور سورۃ الاعراف میں یہ حکم دخول جنت سے پہلے آیا لہٰذا وہاں مراد جنت میں داخل ہونا ہے اور ہم نے اوپر واضح کر دیا ہے کہ کھانے کا تعلق اس دخول سے ہے لہٰذا لفظ فاء کا آنا ضروری ہے۔ واللہ أعلم

ساتواں مسئلہ، وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ کی تفسیر

بلاشبہ یہ نہی ہے لیکن اس میں دو مباحث ہیں:

پہلی بحث، نہی تنزیہی ہے

اس نہی کے تحریمی و تنزیہی ہونے میں اختلاف ہے؟ کچھ کہتے ہیں یہ صیغہ تنزیہ کیلئے ہے کیونکہ یہ الفاظ کبھی نہی تنزیہی کیلئے آتے ہیں اور کبھی تحریمی کیلئے، اور اصل لفظ کا مشترک نہ ہونا ہے لہٰذا لفظ کو ایسی قدر و معنیٰ کیلئے حقیقت بنانا ضروری ہے جو دونوں

Marfat.com

اقسام میں مشترک ہو وہ یونہی ہے کہ اسے جانب فعل پر جانب ترک کی ترجیح کیلئے حقیقت بنایا جائے اس سے بالاتر ہو کر کہ اس میں فعل کے منع پر یا اس کی اجازت پر دلالت ہو، لیکن اس میں بحکم اصل اجازت واطلاق ثابت ہو کیونکہ منافع میں اصلاً اباحت ہے، جب ہم نے مدلول لفظ کو اس اصل کے ساتھ ملا دیا تو اس کا مجموعہ تنزیہی پر دلیل ہوگا اور وہ کہتے ہیں کہ اس مقام کیلئے یہی اولیٰ ہے کیونکہ اس صورت میں حضرت آدم علیہ السلام کی معصیت ترک اولیٰ قرار پائے گی اور یہ اشکار و مسلم ہے کیونکہ جو مذہب و قول عصمت انبیاء علیہم السلام تک پہنچائے وہی قبولیت کیلئے اولیٰ ہوتا ہے۔

نہی تحریمی ہے

دیگر کہتے ہیں: یہ نہی، تحریمی ہے اور اس پر ان کے دلائل یہ ہیں:

پہلی دلیل: ارشادِ باری تعالیٰ، وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ (تم دونوں اس درخت کے پاس نہ جاؤ) ان ارشاداتِ عالیہ کی طرح ہے اور ان میں نہی تحریمی ہے

۱۔ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ (پ۲- البقرۃ:۲۲۲) اور نہ جاؤ ان کے قریب یہاں تک یہ پاک ہو جائیں

۲۔ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (پ۸- الانعام:۱۵۲) اور قریب نہ جاؤ مال یتیم کے مگر یہ کہ وہ احسن ہو

دوسری دلیل: ارشاد الٰہی ہے

فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (پ۱- البقرۃ:۳۵) تم ہو جاؤ گے ظلم کرنے والے

اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تم نے اس درخت سے کھا لیا تو تم اپنے نفوس پر ظلم کرنے والے بن جاؤ گے پھر تم نے دیکھا جب انہوں نے اس سے کھایا تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں عرض کرنے لگے:

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا (پ۸- الاعراف:۲۳) اے ہمارے رب ہم نے اپنے پر ظلم کیا۔

تیسری دلیل: اگر یہ نہی، تنزیہی ہوتی تو اس عمل کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام جنت سے نکالے جانے کے مستحق نہ بنتے اور نہ ان پر توبہ کرنا لازم ہوتا۔

مخالف دلائل کا رد

مخالفین کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ نہی اگرچہ اصل میں تنزیہ کیلئے ہے لیکن کبھی مستقل دلیل کی وجہ سے اسے تحریم پر محمول کیا جاتا ہے

Marfat.com

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ ارشاد "فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ" کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے نفوس پر اپنے عمل سے ظلم کرو گے کہ اس کا ترک تمہارے لیے اولیٰ تھا کیونکہ جب تم نے وہ کیا تو تمہیں اس جنت سے نکال دیا گیا جس میں تم نہ پیاسے، نہ بھوکے اور نہ ٹھہرے دھوپ میں اور نہ ننگے ایسے مقام کی طرف کہ جس میں تمہارے لیے ان میں سے کچھ بھی نہیں۔

تیسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ ہم نہیں مانتے کہ جنت سے اخراج کا سبب یہ تھا، اسی کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ آرہی ہے۔

دوسری بحث، قرب سے ممانعت، کھانے کی ممانعت کو لازم نہیں

کچھ کہتے ہیں ارشاد "وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ" کا سیاق بتارہا ہے کہ اس درخت سے کھانے کی ممانعت ہے لیکن یہ ضعیف ہے کیونکہ قریب جانے سے ممانعت، کھانے سے ممانعت کا فائدہ نہیں دیتی کیونکہ بسا اوقات اس کے قریب کے ترک میں فائدہ ہوتا ہے مگر جب آدمی وہاں تک مجبوراً چلا جائے تو کھانا جائز ہوجاتا ہے بلکہ ظاہر آیت قریب جانے سے نہی کو شامل ہے، رہا کھانا کا منع ہونا تو وہ دیگر دلائل سے معلوم ہورہا ہے اور وہ اس مقام کے علاوہ میں متعدد مقامات پر ارشادِ الٰہی ہے:

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا — پھر جب انہوں نے وہ پیڑ چکھا ان پر ان کی شرم کی چیزیں کھل گئیں (پ۸۔الاعراف:۲۲)

دوسری دلیل یہ ہے کہ ابتداء کلام میں، کھانے کی اباحت کے بارے میں فرمان ہے:

وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا — اور کھاؤ تم اس سے جہاں سے چاہو

تو یہ دلیل کی طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اس درخت سے کھانے سے منع فرمایا تھا لیکن اس قول والفاظ سے نہی کھانے اور دیگر تمام منافع کو شامل ہوگی اگر کھانے کی تصریح ہوتی تو یہ تمام کو شامل نہ ہوتی تو اب مزید فائدہ بھی سامنے آگیا۔

آٹھواں مسئلہ، یہ درخت کونسا تھا؟

۱۔ حضرت مجاہد اور حضرت سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا یہ گندم اور اس کا سٹہ ہے۔

۲۔ منقول ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس درخت کے بارے میں پوچھا تو فرمایا یہ سٹہ والا مبارک درخت ہے

۳۔ امام سدی نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے انگور نقل کیا۔

۴۔ حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ نے فرمایا، مراد انجیر ہے۔

۵۔ حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایسا درخت تھا کہ کھانے والا حادث ہوجاتا اور جنت میں حادث ہونا مناسب نہیں

Marfat.com

تو ظاہراً اس درخت کے تعین کے پر کوئی دلیل نہیں اور نہ ہی اس کے بیان کی ضرورت ہے کیونکہ اس کلام سے مقصود، ہمارا اس درخت کو معین طور پر جاننا نہیں اور جو مقصود کلام نہ ہو حکیم ذات پر اس کا بیان کرنا لازم ہی نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات اس کا بیان عبث ولغو ہوتا ہے مثلاً ہم میں سے کوئی دوسرے کو اپنی تاخیر سے آنے کی وجہ یوں بیان کرے میں اپنے غلاموں کی تربیت تعلیم میں مشغول ہو گیا تھا تو اس قدر بات احسن ہے۔ اس سے کہ وہ معین غلام کا نام اور اس کے حالات بیان کرے اور یہاں کوئی بھی یہ خیال تک نہیں کرے گا کہ یہ بیان میں کوتاہی وکمی کر رہا ہے۔

پھر بعض نے کہا: لفظ الشجرہ کے اقرب یہ ہے کہ وہ ایسا درخت ہو جس کا تنا اور شاخیں ہوں

بعض نے کہا اس کی ضرورت نہیں کیونکہ ارشادِ الٰہی ہے:

وَأَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ (پ۲۳-الصافات:۱۴۶) اور اُگایا اس کے اُوپر ہم نے کدو کا پیڑ

حالانکہ کدو کا پودا سبزی اور تربوز کی طرح ہوتا ہے اور یہ تو زمین سے منہ ہی نہیں اٹھاتا چہ جائیکہ وہ درخت ہو۔

شیخ مبرد کہتے ہیں میرا خیال یہ ہے کہ جس کی شاخیں اور لکڑیاں پھیل جائیں اسے پھیلنے کے وقت عرب شجر کہتے ہیں

اور اس کی اصل 'کل ما شجر' ہے یعنی کسی کا دائیں وبائیں پھیلنا۔ محاورہ ہے: رأيت فلاناً في شجرته الرماء (میں نے فلاں کو تیروں کے جھرمٹ میں دیکھا) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (پ۵-النساء:۶۵) حتیٰ کہ وہ آپ کو حاکم مانیں آپس کے اختلاف میں

وتشاجر الرجلان في أمر كذا (آدمیوں نے فلاں معاملہ میں جھگڑا کیا)

نواں مسئلہ، یہ ترک اولیٰ ہے

اس پر اتفاق ہے کہ ارشادِ الٰہی 'فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ' سے مراد یہ ہے کہ اگر تم نے کھالیا تو تم اپنے نفوس پر ظلم کرو گے کیونکہ درخت سے کھانا غیر پہ ظلم ہے، کبھی انسان اپنے نفس پر ظلم اور کبھی دوسرے پر ظلم کر کے ظالم بنتا ہے تو نفس کا ظلم عام واعظم ہے پھر اختلاف ہے اور یہاں تین اقوال ہیں۔

پہلا قول: حشویہ کہتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام نے کبیرہ کا ارتکاب کیا لہٰذا بلا شبہ ان کا عمل ظلم ہے

دوسرا قول: معتزلہ کہتے ہیں انہوں نے صغیرہ کا ارتکاب کیا پھر ان کے دو اقوال ہیں:

۱۔ شیخ ابوعلی جبائی کا قول ہے کہ انہوں نے اپنے اُوپر یہ ظلم کیا کہ اپنے اُوپر توبہ اور تلافی کی مشقت لازم کر لی

نضل قدیر

Marfat.com

۲۔شیخ ابو ہاشم کا قول ہے کہ انہوں نے نفس پر یہ ظلم کیا کہ انہوں نے اپنا حاصل کردہ ثواب ضائع کر دیا تو ثواب قدرِ استحقاق میں کمی واقع ہو گی

تیسرا قول: یہ ان کا قول ہے جو انبیاء سے ہرگز کسی بھی معصیت کا صدور نہیں مانتے وہ اس ظلم کو اس فعل پر محمول کرتے ہیں جس کا ترک، اولیٰ تھا۔ اس کی مثال یوں ہے کہ انسان وزارت طلب کرتا ہے پھر اسے چھوڑ کر درزی بن جاتا ہے تو اب اسے کہا جائے گا اے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے یہ تو نے کیوں کیا؟

انبیاء کو ظالم کہنا منع ہے

سوال: کیا حضرات انبیاء کو ظالم یا اپنے نفوس پر ظلم کرنے والا کہنا جائز ہے؟

جواب: یہی اولیٰ ہے کہ ایسی بات نہ کی جائے اس میں ذم کا وہم ہے۔

[۳۶] فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾

(تو شیطان نے اس سے (یعنی جنت سے) انہیں لغزش دی اور جہاں رہتے تھے وہاں سے انہیں الگ کر دیا اور ہم نے فرمایا نیچے اُترو آپس میں ایک تمہارا دوسرے کا دشمن اور تمہیں ایک وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور برتنا ہے)

صاحب کشاف کہتے ہیں: فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا۔ کا معنی یہ ہے کہ شیطان نے انہیں درخت کی طرف پھسلایا یہاں لفظ "عن" اس ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے:

وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ (پ۱۶-الکہف:۸۲) اور یہ کچھ میں نے کیا اپنے حکم سے نہیں کیا

شیخ قفال رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں یہ زلل سے ہے کہ انسان کسی شے پر کھڑا ہو اور وہ اس جگہ سے کسی دوسری طرف پھسل جائے جن لوگوں نے اسے "فاز الھما" پڑھا اس وقت یہ زوال عن المکان (جگہ سے پھسلنا) سے ہے شیخ ابو معاذ سے منقول ہے۔ دونوں محاورے ہیں ازلتك عن كذا، اذللتك حتى زللت دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے کہ میں نے تجھے وہاں سے پھیر دیا۔ بعض علماء

Marfat.com

نے فرمایا شیطان ان کے پھسلانے کا سبب بنا مثلاً جب کسی سے خطا ہو جائے تو کہا جاتا ہے۔زل فی دینه اور جس کی وجہ سے دین ودنیا میں کوئی پھسلے اسے کہا جاتا ہے 'ازله غیره۔اس آیت مبارکہ میں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ، عصمت انبیاء علیہم السلام

عصمت انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اختلاف ہے تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں اختلاف چار اقسام کی طرف لوٹتا ہے۔

۱۔جس کا تعلق باب اعتقاد سے ہے۔

۲۔جس کا تعلق باب تبلیغ سے ہے۔

۳۔جس کا تعلق احکام اور فتویٰ سے ہے۔

۴۔جس کا تعلق افعال وسیرت سے ہے۔

پہلی قسم: انبیاء گمراہی سے پاک ہوتے ہیں

حضرات انبیاء علیہم السلام کے اعتقاد میں کفر وگمراہی اکثر امت کے ہاں جائز نہیں۔

خوارج میں سے فضیلیہ نے کہا۔ان سے گناہ سرزد ہوئے اور ان کے ہاں گناہ کا ارتکاب کفر وشرک ہے لہٰذا وہ لازماً ان سے کفر کا قول کریں گے۔امامیہ (شیعہ) بطور تقیہ ان سے کفر کے صدور کے قائل ہیں۔

دوسری قسم: کذب سے پاک

امت کا اس پر اجماع ہے کہ جن چیزوں کا تعلق تبلیغ سے ہے ان میں انبیاء علیہم السلام کذب وتحریف سے معصوم ہیں ورنہ ان پر اعتماد ختم ہو جائے گا اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ نہ عمداً یہاں کذب ہو سکتا ہے اور نہ سہواً کچھ لوگوں نے سہواً صدور کا قول کیا ہے کیونکہ اس سے احتراز ممکن نہیں

تیسری قسم: جن امور کا تعلق فتویٰ سے ہے۔اس پر اتفاق ہے کہ ان میں عمداً کذب کا صدور نہیں ہو سکتا البتہ بطور سہو ہو سکتا ہے۔بعض نے سہو کا انکار کیا ہے۔

چوتھی قسم: جن کا تعلق افعال سے ہے۔اس بارے میں امت کے پانچ اقوال ہیں

فضل قدیر

Marfat.com

پہلا قول: حشویہ کا قول ہے کہ عمداً کبائر کا ارتکاب کر سکتے ہیں۔

دوسرا قول: اکثر معتزلہ کا قول ہے یہ کبائر کا ارتکاب نہیں کرتے ہاں عمداً ان صغائر کا ارتکاب ہو سکتا ہے۔ جو قابل نفرت نہ ہوں مثلاً جھوٹ اور کم تولنا وغیرہ ان سے صادر نہیں ہو سکتا۔

تیسرا قول: شیخ جبائی کہتے ہیں عمداً نہ ان سے کبیرہ کا ارتکاب ہو سکتا ہے اور نہ صغیرہ کا البتہ بطور تاویل واجتہاد ہو سکتا ہے۔

چوتھا قول: ان سے ذنب کا صدور بطور سہو وخطا ہی ہو سکتا ہے ہاں ان پر مواخذہ ہوتا ہے اگرچہ اُمت پر ان کی وجہ سے گرفت نہیں کیونکہ ان کی معرفت اقوی اور دلائل اکثر ہیں اور وہ ان سے محفوظ رہنے پر دوسروں سے زیادہ قادر ہیں۔

پانچواں قول: حضرات انبیاء علیہم السلام سے ہرگز گناہ صادر نہیں ہوتا نہ کبیرہ نہ صغیرہ نہ عمداً اور نہ سہواً اور نہ ہی بطور تاویل وخطا۔ یہ روافض کا قول ہے۔

وقت عصمت کونسا ہے؟

وقت عصمت میں تین اقوال ہیں

۱۔ یہ بوقت ولادت سے ہی معصوم ہوتے ہیں۔ یہ روافض کا قول ہے۔

۲۔ وقت بلوغت سے عصمت شروع ہوتی ہے نبوت سے پہلے ان سے کفر اور کبیرہ کا ارتکاب نہیں ہو سکتا۔ یہ کثیر معتزلہ کا موقف ہے

۳۔ وقت نبوت سے عصمت حاصل ہوتی ہے۔ نبوت سے پہلے صدور ہو سکتا ہے۔

ہمارے علماء اہلسنّت کی اکثریت اور شیخ ابوھذیل اور شیخ ابوعلی معتزلی کا بھی یہی قول ہے کہ حالت نبوت میں ان سے گناہ صادر نہیں ہو سکتا نہ کبیرہ اور نہ صغیرہ اور ہمارے ہاں مختار یہی ہے۔

عصمت پر دلائل

اس پر دلائل درج ذیل ہیں

پہلی دلیل: اگر ان سے گناہ کا صدور ہو تو پھر ان کا درجہ گناہگار اُمت سے کم ہو جائے گا اور یہ درست نہیں اس کی تفصیل یوں ہے کہ حضرات انبیا علیہم السلام کا درجہ انتہائی کمال وشرف ہے اور جس کی شان ایسی ہو اس سے گناہ کا صدور زیادہ فحش وغلیظ ہوتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی تمہارے سامنے نہیں

Marfat.com

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ مِنْکُنَّ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ یُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ (پ۲۲-الاحزاب:۳۰) اے نبی کی بی بیو جو تم میں سے صریح حیاء کے خلاف کوئی جرات کرے۔اس پر اوروں سے دُونا عذاب ہوگا۔

شادی شدہ کو رجم اور کنوارے کو حد لگائی جاتی ہے۔غلام کی حد آزاد کی حد کا نصف ہے لہٰذا نبی کا حال کسی صورت میں بھی امت سے کم نہیں ہوسکتا اور اس پر اجماع ہے۔

دوسری دلیل: اگر ان کا فسق مان لیا جائے تو ان کی شہادت مقبول نہیں رہے گی۔ارشاد الٰہی ہے:

اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا (پ۲۶-الحجرات:۶) اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلو۔

لیکن یہ تو تمام مقبول الشہادۃ ہیں ورنہ ان کا درجہ امت کے عادل لوگوں سے بھی کم ہوجائے گا اور ہم یہ قول کیسے نہ کریں کیونکہ نبوت و رسالت کا مفہوم اس کے سوا کیا ہے کہ وہ اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہ احکام ہیں اور یہ شریعت ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ روز قیامت تمام پر شاہد ہوں گے۔ارشاد ربانی ہے:

لِتَکُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا (پ۲-البقرہ:۱۴۳) کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ۔

تیسری دلیل: اگر ان سے کبیرہ کا ارتکاب مان لیا جائے تو ان پر زجر و توبیخ جائز ہوگی اور ان کی ایذا حرام نہ ہوگی حالانکہ وہ حرام ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ (پ۲۲-الاحزاب:۵۷) بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو۔اُن پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں

چوتھی دلیل: اگر نبی ﷺ سے معصیت کا ارتکاب ہو تو اقتدا میں ہم پر اس کا بجالانا لازم ہوگا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فاتبعونی (میری اتباع کرو) تو اب حرام اور وجوب دونوں کا جمع ہونا لازم ہوگا جو محال ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں ایسا ہے تو باقی انبیاء کے لیے بھی ماننا لازم ہوگا کیونکہ فرق کا کوئی قائل نہیں

پانچویں دلیل: یہ بات بداہۃً عقل میں بہت زیادہ قبیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کو درجات دیئے۔اپنی وحی کا امین بنایا، بندوں اور شہروں میں اسے اپنا خلیفہ بنایا پھر اس سے یہ کہے کہ لوگوں کو کہے کہ یہ نہ کرو اور اپنی لذت کی بنا پر اپنے رب کی نہی کی طرف متوجہ

Marfat.com

ہی نہ ہو اور نہ اس کی وعید کی پرواہ کرے۔ یہ فعل بداھۃً قبیح ہے

چھٹی دلیل: اگر انبیاء سے معصیت کا صدور ہو تو وہ عذاب کے مستحق ٹھہریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا (پ۲۹-الجن:۲۳) جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم نہ مانے تو بے شک ان کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں۔

اسی طرح وہ لعنت کے مستحق بن جائیں۔ ارشاد ربانی ہے:

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ (پ۱۲-ھود:۱۸) ارے ظالموں پر خدا کی لعنت

تمام اُمت کا یہ اجماع و اتفاق ہے کہ کوئی نبی ہرگز نہ لعنت کا محل ہے اور نہ عذاب کا تو ثابت ہو گیا کہ ان سے معصیت سرزد نہیں ہو سکتی۔

ساتویں دلیل: وہ لوگوں کو اطاعت الٰہی کا درس دیتے ہیں اگر وہ خود اس پر عمل نہ کریں تو وہ اس حکم باری تعالیٰ کے تحت داخل ہوں گے

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (پ۱-البقرہ:۴۴) کیا لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنی جانوں کو بھولتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو تو کیا تمہیں عقل نہیں

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَمَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ (پ۱۲-ھود:۸۸) اور میں نہیں چاہتا ہوں کہ جس بات سے تمہیں منع کرتا ہوں آپ اس کے خلاف کرنے لگوں

جو چیز اُمت کے کسی واعظ کیلئے مناسب نہیں اس کی نسبت حضرات انبیا علیہم السلام کی طرف کیسے درست ہو سکتی ہے؟

آٹھویں دلیل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ (پ۱۷-الانبیاء:۹۰) بیشک وہ بھلے کاموں میں جلدی کرتے ہیں۔

لفظ خیرات عام ہے جو تمام اعمال کو شامل ہے خواہ وہ کرنے کے ہیں یا چھوڑنے کے۔ جس سے واضح ہو رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کرنے والے کام کرتے ہیں اور ترک کئے جانے والے کو ترک کرتے ہیں۔ یہ بات ان سے گناہ کے صدور کے منافی ہے۔

Marfat.com

نویں دلیل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ

اور بیشک وہ ہمارے نزدیک چُنے ہوئے پسندیدہ ہیں

(پ۲۳-ص:۴۷)

یہ تمام افعال اور تروک کو شامل ہے کیونکہ یہاں استثناء کرتے ہوئے کہا جاسکتا ہے۔ فلانًا من المصطفین الاخیار استثناء کلام سے اسے خارج کر دیتا ہے کہ اگر یہ نہ ہوتا وہ کلام میں داخل ہوتا تو ثابت ہو گیا وہ تمام امور میں افضل ہیں اور یہ بات ان سے گناہ کے منافی ہے۔

ارشاد فرمایا:

اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ

اللہ چُن لیتا ہے فرشتوں میں سے رسول اور آدمیوں میں سے

(پ۱۷-الحج:۷۵)

ایک مقام پر فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ

بیشک اللہ نے چُن لیا آدم اور نوح اور ابراہیم کی اولاد اور عمران کی آل کو سارے جہان سے

(پ۳-آل عمران:۳۳)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا

اور بیشک ضرور ہم نے دنیا میں اُسے چُن لیا

(پ۱-البقرہ:۱۳۰)

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِي وَبِكَلَامِي

میں نے تجھے لوگوں سے چُن لیا اپنی رسالتوں اور اپنی کلام سے

(پ۹-الاعراف:۱۴۴)

یہ بھی فرمایا:

وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ إِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ

اور یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب قدرت اور علم والوں کو۔ بے شک ہم نے اُنہیں ایک کھری بات سے امتیاز بخشا کہ وہ اس گھر کی یاد ہے اور بیشک وہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے پسندیدہ ہیں

(پ۲۳-ص:۴۵-۴۷)

Marfat.com

یہ تمام آیات قرآنیہ انبیاء علیہم السلام کے منتخب اور افضل ہونے پر شاہد ہیں اور یہ چیز ان سے صدور گناہ کے منافی ہے۔

دسویں دلیل: اللہ تعالیٰ نے ابلیس کا یہ قول نقل کیا:

فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ (پ ۲۳-ص، ۸۲-۸۳) تیری عزت کی قسم ضرور میں ان سب کو گمراہ کردوں گا مگر جو ان میں تیرے چنے ہوئے بندے ہیں

تو اس نے اغوا شدہ سے مخلصین کو مستثنیٰ کر دیا اور وہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم، سیدنا اسحاق اور سیدنا یعقوب علیہم السلام کے بارے میں فرمایا:

إِنَّا أَخْلَصْنَاهُم بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ (پ ۲۳-ص: ۴۶) بیشک ہم نے انہیں ایک کھری بات سے امتیاز بخشا کہ وہ اس گھر کی یاد ہے

سیدنا یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ (پ ۱۲-یوسف: ۲۴) بیشک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے ہے۔

جب ان آیات سے بعض انبیاء کی عصمت لازمی طور پر ثابت ہوئی تو یہ تمام کے حق میں ثابت ہو جائے گی کیونکہ فرق کا قائل کوئی نہیں

گیارہویں دلیل: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ (پ ۲۲-سبا: ۲۰) اور بیشک ابلیس نے انہیں اپنا گمان سچ کر دکھایا تو وہ اس کے پیچھے ہو لیے مگر ایک گروہ جو مسلمان تھا

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ابلیس کی اتباع نہیں کی اور یہ کہنا لازم ہے کہ انبیاء سے گناہ کا صدور نہیں ہوسکتا ورنہ وہ ابلیس کے اتباع کرنے والے قرار پائیں گے۔ جب یہ ثابت ہو گیا یہ فریق گناہ نہیں کر سکتا تو یہ فریق انبیاء ہیں یا غیر؟ اگر انبیاء ہیں تو ثابت ہو گیا کہ ہر نبی سے گناہ صادر نہیں ہوسکتا اور اگر غیر انبیاء ہیں تو اگر انبیاء سے ذنب کا صدور ہو جائے تو ان کا درجہ دوسرے فریق سے کم ہوگا تو غیر نبی، نبی سے افضل قرار پائے گا اور یہ بالاتفاق باطل ہے تو ثابت ہو گیا ان سے گناہ کا صدور نہیں ہوسکتا۔

بارہویں دلیل: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی دو اقسام بنائیں۔ ایک قسم کے بارے میں فرمایا:

أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ (پ ۲۸-المجادلہ: ۱۹) وہ شیطان کے گروہ ہیں۔ سنو بیشک شیطان ہی کا گروہ ہار میں ہے

Marfat.com

دوسری قسم کے بارے میں فرمایا:

اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یہ اللہ کی جماعت ہے۔ سنو اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے (۲۸پ۔ المجادلہ: ۲۲)

بلا شبہ حزب شیطان وہی بنے گا جو شیطان کو پسند ہوگا اور اس کی پسندیدگی معصیت ہے لہٰذا جو بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا وہ حزب شیطان میں سے ہوگا اگر رسول سے معصیت سرزد ہو تو اس پر حزب شیطان میں سے ہونا صادق آئے گا اور وہ نہایت ہی خاسر ٹھہرے گا اور زُ ھادامت حزب اللہ اور کامیاب قرار پائیں گے تو اب ایک امتی، اللہ تعالیٰ کے ہاں رسول سے کہیں بلند درجہ رکھتا ہوگا حالانکہ یہ بات کوئی مسلمان تصور بھی نہیں کرسکتا۔

تیرھویں دلیل: رسول، فرشتوں سے افضل ہوتے ہیں تو ضروری ہے کہ رسول سے گناہ کا صدور نہ ہو۔ فرشتوں سے افضل ہونے پر دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ بیشک اللہ نے چُن لیا آدم اور نوح اور ابراہیم کی اولاد اور عمران کی آل کو سارے جہان سے (۳پ۔ آل عمران: ۳۳)

اس سے استدلال کی تفصیل پیچھے مسئلہ فضیلت ''ملك علی البشر'' (انسان پر فرشتہ کی فضیلت) میں گزر چکی ہے۔ جب رسول افضل ہے تو اس سے ہرگز گناہ کا صدور نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے بارے میں فرمایا ہے وہ گناہ نہیں کرتے ارشاد فرمایا:

لَا یَسْبِقُوْنَہٗ بِالْقَوْلِ یہ بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے (۱۷پ۔ الانبیاء، ۲۷)

دوسرے مقام پر فرمایا:

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ جو اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں (۲۸پ۔ التحریم: ۶)

اگر رسول سے معصیت کا صدور ہو سکے تو ان کا فرشتوں سے افضل ہونا ناممکن ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ کَالْفُجَّارِ کیا ہم انہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اُن جیسا کر دیں جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں یا ہم پرہیزگاروں کو شریر بے حکموں کے برابر ٹھہرا دیں (۲۳پ۔ ص: ۲۸)

نضل قدیر

Marfat.com

چودھویں دلیل: منقول ہے حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں شہادت دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے میرے حق میں گواہی کیوں دی؟ عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ساتویں آسمان کے اوپر سے جو وحی نازل ہوئی اس کی میں نے تصدیق کی تو یہاں کیسے نہ کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصدیق کی اور انہیں ذو الشہادتین (دو شہادتوں والے) قرار دیا۔ اگر انبیاء کیلئے معصیت جائز ہوتی تو اس شہادت کا جواز کیا بنتا ہے؟

پندرھویں دلیل: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے حق میں فرمایا:

اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا　(پ۱-البقرہ:۱۲۴)　میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں

امام وہ ہوتا ہے جس کی اقتدا کی جائے تو اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں پر ان کی اقتدا لازم فرمادی، اگر ان سے ذنب کا صدور ہو سکتا ہو تو پھر لوگ اس میں بھی ان کی اقتدا کریں گے اور یہ بات تناقض پیدا کردے گی

سولہویں دلیل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ　(پ۱-البقرہ:۱۲۴)　میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا

یہاں عہد سے مراد عہد نبوت ہے یا عہد امامت، اگر مراد عہد نبوت ہے تو لازم ہوگا کہ ظالم کیلئے نبوت کا ثبوت نہ ہو اور اگر مراد عہد امامت ہو تو پھر لازم ہوگا ظالم کیلئے امامت کا ثبوت نہ ہو تو جب ظالم کیلئے امامت ثابت نہیں ہو سکتی تو نبوت بطریق اولیٰ ثابت نہ ہوگی کیونکہ نبی کیلئے ضروری ہے کہ وہ ایسے امام ہوں جن کی اتباع واقتدا کی جائے تمام صورتوں میں یہ آیت مبارکہ اس پر شاہد ہے کہ نبی گناہگار نہیں ہو سکتے

مخالفین کا رد

مذکورہ چار اقسام میں مخالفت کرنے والوں نے متعدد آیات سے استدلال کیا، ہم تفسیر میں ان آیات کے تحت تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے ایسی مشکلات کو حل کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ کچھ پر گفتگو درج ذیل ہے۔

۱۔ آیات اور اعتقادیات

باب اعتقاد میں مخالفین نے جن آیات سے استدلال کیا وہ تین ہیں:

پہلی آیت: سیدنا آدم علیہ السلام کے اعتقاد پر طعن کرتے ہوئے اس آیت سے استدلال کیا:

Marfat.com

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا (پ۹-الاعراف:۱۸۹)
وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ اس سے چین پائے

یہاں نفس واحدہ سے مراد حضرت آدم اور ان سے پیدا شدہ حضرت حوا علیہا السلام ہیں اور یہ تمام ضمیریں انہیں کی طرف راجع ہیں۔تو آگے ارشاد باری تعالیٰ:

جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَا آتَاهُمَا فَتَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ (پ۹-الاعراف:۱۹۰)
انہوں نے اس کی عطا میں اُس کے ساجھی ٹھہرائے تو اللہ تعالیٰ کو برتری ہے ان کے شرک سے

بتا رہا ہے کہ ان سے شرک سرزد ہوا

استدلال کا جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ نفس واحد سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور آیت مبارکہ میں اس پر دلیل بھی کوئی نہیں بلکہ یہ خطاب قریش سے ہے جو آل قصی میں سے ہے۔مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں نفس قصی سے پیدا فرمایا اور اس کی جنس سے عربی خاتون پیدا کی تا کہ وہ سکون حاصل کرے۔جب ہم نے ان کی طلب پر اولاد عطا کی تو انہوں نے چاروں کے نام یہ رکھے۔عبد مناف، عبد العزیٰ، عبد الدار اور عبد قصی اور یشرکون کی ضمیر ان دونوں اور ان کی اولاد کی طرف راجع ہے۔یہ جواب نہایت ہی معتمد ہے

دوسری آیت: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کہا وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے بارے میں معرفت نہ رکھتے تھے،اول کے بارے میں ہے ستاروں کو کہا: هٰذَا رَبِّیْ (یہ میرے رب ہیں) آخرت کے بارے میں کہا:

اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ (پ۳-البقرہ:۲۶۰)
مجھے دکھلا دے تو کیونکر مردے جلائے گا فرمایا کیا تمہیں یقین نہیں عرض کیا یقین کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آجائے

جواب یہ ہے کہ ستاروں کو رب کہنا بطور استفہام انکاری ہے اور اطمینان قلبی سے مراد یہ ہے کہ خبر، مشاہدہ کا درجہ نہیں رکھتی۔

تیسری آیت: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہے

Marfat.com

فَاِنۡ كُنۡتَ فِىۡ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ فَسۡـئَلِ الَّذِيۡنَ يَقۡرَءُوۡنَ الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكَ‌ لَقَدۡ جَآءَكَ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِيۡنَ (پ۱۱-یونس،۹۴)

اے سننے والے اگر تجھے کچھ شبہہ ہو اس میں جو ہم نے تمہاری طرف اتارا تو ان سے پوچھ دیکھ جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھنے والے ہیں۔ بیشک تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے حق آیا تو تُو ہرگز شک والوں میں نہ ہو

یہ آیت مبارکہ نشاندہی کر رہی ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ وحی کے بارے میں تشکیک کا شکار تھے۔

جواب یہ ہے کہ دار دنیا میں دل ایسے افکار سے الگ نہیں ہو سکتا جو شبہات پیدا کرتے ہیں البتہ آپ ﷺ نے انہیں دلائل کے ساتھ زائل فرما دیا

۲-آیات اور تبلیغ

باب تبلیغ کے حوالے سے بھی مخالفین نے تین آیات سے استدلال کیا ہے۔

پہلی آیت: اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

سَنُقۡرِئُكَ فَلَا تَنۡسٰٓى اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (پ۳۰-الاعلیٰ،۶،۷) اب ہم تمہیں پڑھائیں گے کہ تم نہ بھولو گے مگر جو اللہ چاہے۔

یہاں استثناء واضح کر رہا ہے۔ آپ ﷺ کو وحی میں نسیان واقع ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں جس نسیان سے نفی ہے وہ یاد کی ضد نہیں کیونکہ وہ طاقت میں داخل ہی نہیں بلکہ نسیان بمعنی ترک مراد ہے اور ہم اسے ترک اولیٰ پر محمول کریں گے۔

دوسری آیت: ارشاد ربانی ہے:

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِىٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلۡقَى الشَّيۡطٰنُ فِىۡۤ اُمۡنِيَّتِهٖ (پ۱۷-الحج:۵۲)

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے سب پر کبھی یہ واقعہ گزرا ہے کہ جب انہوں نے پڑھا تو شیطان نے ان کے پڑھنے میں لوگوں پر کچھ اپنی طرف سے ملا دیا

اس پر تفصیلی گفتگو سورۃ الحج میں آ رہی ہے

تیسری آیت: فرمان باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ (پ۲۹۔الجن،۲۶۔۲۸)

غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے کہ اُن کے آگے پیچھے پہرہ مقرر کر دیتا ہے تا کہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیام پہنچا دیئے

اگر حضرات انبیاء علیہم السلام سے تبلیغ میں وقوع غلطی کا خوف نہ ہوتا تو فرشتوں کو ساتھ بھیجنے کا کیا فائدہ؟

جواب یہ ہے کہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ تا کہ وہ شیاطین کے وساوس کو دور کر سکیں۔

۳۔آیات اور فتاویٰ

یہاں بھی تین آیات سے استدلال کیا جاتا ہے۔

۱۔ فرمان الٰہی ہے:

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمَانَ اِذْ يَحْكُمَانِ فِى الْحَرْثِ (پ۱۷۔الانبیاء:۷۸)

اور داؤد اور سلیمان کو یاد کرو جب کھیتی کا ایک جھگڑا چکاتے تھے

ہم نے اس پر سورۃ الانبیاء میں گفتگو کی ہے۔

۲۔ بدر کے قیدیوں سے جب آپ ﷺ نے فدیہ لیا تو آیت نازل ہوئی:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ (پ۱۰،الانفال:۶۷)

کسی نبی کو لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک زمین میں ان کا خون خوب نہ بہائے

اگر اس فیصلہ میں خطا نہ ہوتی تو یہ عتاب کیوں ہوتا؟

۳۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ (پ۱۰۔التوبہ،۴۳)

اللہ تمہیں معاف کرے تم نے کیوں انہیں اذن دے دیا۔

جواب: ان دونوں میں یہ ہے کہ یہاں ترک اولیٰ مراد ہے۔

نوٹ: بدر میں فدیہ کے بارے میں بندہ کے مقالہ ''بدر میں حضور کا فیصلہ ہرگز خطا نہیں'' کا مطالعہ کیجئے۔ (قادری عفی عنہ)

۴۔آیات اور افعال

افعال کے حوالے سے جن آیات سے استدلال کیا جاتا ہے وہ کثیر ہیں

Marfat.com

واقعہ سیدنا آدم سے استدلال

۱-سیدنا آدم علیہ السلام کے واقعہ سے سات وجوہ سے استدلال ہے

۱-آپ عاصی تھے اور عاصی صاحب کبیرہ ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی (پ۱۶-طہٰ:۱۲۱) اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی۔

عاصی صاحب کبیرہ ہوتا ہے اس پر دو وجہ سے استدلال ہے۔

ایک یہ کہ نص کا تقاضا ہے کہ عاصی پر عتاب ہو، فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاِنَّ لَہٗ نَارَ جَھَنَّمَ (پ۲۹-الجن:۲۳) اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم نہ مانے تو بے شک ان کے لیے جہنم کی آگ ہے۔

اور صاحب کبیرہ میں یہ بات پائی جاتی ہے۔

دوسرا یہ کہ لفظ عاصی مذمت پر دال ہے اور یہ صاحب کبیرہ پر ہی بولا جاتا ہے۔

۲-اس واقعہ سے یوں بھی استدلال ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام غاوی ہے کیونکہ فرمان ہے فَغَوٰی (اس کی راہ نہ پائی) اور غی، رشد کی ضد ہے کیونکہ فرمان ہے:

قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ (پ۳-البقرہ:۲۵۶) بیشک خوب جدا ہوگئی ہے نیک راہ گمراہی سے

تو یہاں غی، رشد کے مقابل ہے۔

۳-آپ نے توبہ کی اور تائب گناہگار ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ (پ۱-البقرہ:۳۷) پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمے تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کی

پھر یہ بھی فرمایا:

ثُمَّ اجْتَبٰہُ رَبُّہٗ فَتَابَ عَلَیْہِ (پ۱۶، طہٰ:۱۲۲) پھر اس کے رب نے چن لیا تو اس پر اپنی رحمت سے رجوع فرمایا۔

تائب، گناہگار ہوتا ہے کیونکہ وہ فعل ذنب پر ندامت اختیار کرتا ہے اور اسی سے وہ اپنے فعل ذنب کی اطلاع دے رہا ہے

Marfat.com

اگراس نے خبر دینے میں کذب بیانی کی تو وہ گناہگار ٹھہرا اور اگر اس نے سچ کہا اور یہی ہمارا مطلوب ہے۔

۴۔انہوں نے ممنوع شے کا ارتکاب کیا۔ارشاد ربانی ہے:

اَلَمۡ اَنۡهَکُمَا عَنۡ تِلۡکُمَا الشَّجَرَةِ (پ۸۔الاعراف:۲۲) کیا میں نے تمہیں اس پیڑ سے منع نہ کیا

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَلَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ (پ۸۔الاعراف:۱۹) اوراس پیڑ کے پاس نہ جانا

اور ممنوع کا ارتکاب سراپا گناہ ہے۔

۵۔انہیں ظالم کہا گیا ارشاد فرمایا:

فَتَکُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ (پ۱۔البقرہ:۳۵) کہ حد سے بڑھنے والوں میں ہو جاؤ گے

انہوں نے خود بھی اپنے آپ کو ظالم قرار دیا۔

رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا (پ۸۔الاعراف:۲۳) اے ہمارے رب ہم نے اپنا آپ بُرا کیا

اور ظالم ملعون ہوتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَا لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ (پ۱۲۔ھود:۱۸) ارے ظالموں پر خدا کی لعنت

اور جو لعنت کا مستحق ہو وہ صاحب کبیرہ ہی ہوتا ہے۔

۶۔ انہوں نے اعتراف کیا اگر اللہ تعالیٰ کی مغفرت نہ ہو تو میں خاسر ہوں۔

وَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ (پ۸۔الاعراف،۲۳) تو اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور نقصان والوں میں ہوئے

اس کا بھی تقاضا یہی ہے کہ وہ صاحب کبیرہ ہیں۔

۷۔ انہیں جنت سے بھی اس لیے نکالا گیا کہ انہوں نے شیطان کے پھسلانے پر اس کی اطاعت کی اور یہ بات بھی کبیرہ پر ہی دال ہے

مخالفین یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر چہ ان دلائل میں سے ہر ایک کبیرہ پر دال نہیں مگر بحیثیت مجموعی ان کی یقینی طور پر کبیرہ پر دلالت ہے یعنی اگر چہ ہر ایک کی شے پر دلالت نہیں مگر مجموعہ سے شے ضرور ثابت ہے

Marfat.com

سات وجوہ کا جواب

ان سات وجوہ کا جواب یہ ہے کہ تمہارے استدلالات تب مکمل ہوتے ہیں جب تم ان آیات سے یہ ثابت کرو کہ ان سے یہ لغزش حالت نبوت میں ہوئی اور یہ تو ثابت نہیں کیونکہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام نبی نہ تھے بعد میں نبی بنے اور ان کے اس وقت نبی ہونے پر یہاں کوئی دلیل نہیں۔ باقی ان اعتراضات کا مفصل جواب تو ہم انشاء اللہ ان آیات کی تفسیر میں دیں گے۔

لغزش کی کیفیت

ہم یہاں اس لغزش کی کیفیت واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ فرمان باری تعالیٰ "فازلھما الشیطان" کی مراد جانی جاسکے ہم اگر فرض کرلیں یہ لغزش سیدنا آدم علیہ السلام سے نبوت کے بعد ہوئی تو آپ سے اس کا صدور بصورت نسیان ہوا یا حالت یاد میں

بطور نسیان ہوا

پہلا قول کہ یہ بطور نسیان ہوا، یہی متکلمین کی ایک جماعت کا موقف ہے انہوں نے اس پر اس ارشاد باری تعالیٰ سے استدلال کیا

وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا　(پ۱۶-طٰہٰ:۱۱۵)　اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا

جیسے روزہ دار کسی معاملہ میں مشغول مستغرق ہوجانے کی وجہ سے بھول کر کھالے نہ کہ دانستہ۔

اور اس قول کو ان دلائل کی بنا پر باطل قرار نہیں دیا جاسکتا۔

پہلی دلیل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی

مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ (پ۸-الاعراف:۲۰-۲۱)

تمہیں تمہارے رب نے اس پیڑ سے اس لیے منع فرمایا کہ کہیں تم دو فرشتے ہوجاؤ یا تم ہمیشہ رہو اور اُن سے قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں

واضح کررہا ہے کہ حالت اقدام میں ناسی نہ تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی منقول روایت دلالت کرتی ہے کہ یہ عمل ان سے دانستہ ہوا کہ جب انہوں نے کھالیا اور انہیں ننگا کردیا تو حضرت آدم علیہ السلام جنت کے درخت سے لپٹ کر اپنے آپ کو ڈھانپنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ندا دی، کیا مجھ سے بھاگ رہے ہو؟ عرض کیا نہیں میں تو آپ سے حیا کررہا ہوں۔ فرمایا کیا وہ اشیا بہتر نہ تھیں جو میں

Marfat.com

نے تمہارے لیے حلال کی تھیں ان سے جن سے میں نے منع کیا؟ عرض کیا کیوں نہیں یارب لیکن تیری عزت کی قسم میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی تیری جھوٹی قسم کھا سکتا ہے۔ فرمایا مجھے عزت کی قسم میں تجھے یہاں سے اتار دوں گا اور تم ایسی زندگی نہ پاؤ گے۔

دوسری دلیل: اگر وہ ناسی (بھول جانے والے) ہوتے تو ان کے عمل پر عتاب نہ ہوتا عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ناسی فعل پر قادر ہی نہیں ہوتا لہٰذا وہ اس ارشادگرامی کی وجہ سے مکلف نہ ہوگا۔

لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (پ۳-البقرہ:۲۸۶) اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت کے مطابق

نقلی دلیل کا بھی یہ تقاضا ہے حضور ﷺ کا فرمان مبارک ہے۔

رفع القلم عن ثلاث (سنن ابوداؤد:۴۳۹۸) تین سے قلم اٹھالیا گیا ہے

ان تین میں ناسی (بھولنے والا) بھی ہے تو جب ان پر عتاب ہوا ہے تو یہ عمل بطور نسیان نہیں ہوگا۔

دونوں دلائل کا جواب

پہلی کا جواب یہ ہے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت آدم وحوا علیہما السلام نے ابلیس کی بات کو قبول کیا اور اس کی تصدیق کی کیونکہ اگر انہوں نے ایسا کیا ہوتا تو ان کی یہ معصیت درخت سے کھانے سے بڑی تھی کیونکہ جب ابلیس نے انہیں کہا

مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَیْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِیْنَ (پ۸-الاعراف:۲۰) تمہیں تمہارے رب نے اس پیڑ سے اس لئے منع فرمایا ہے کہ کہیں تم دو فرشتے ہو جاؤ یا ہمیشہ جینے والے

تو اس نے انہیں باری تعالیٰ کے بارے میں سوء ظن پیدا کرتے ہوئے اس کے حکم کو تسلیم کرنے اور اس کے فیصلے پر رضامندی سے انکار کی دعوت دی اور اس کی طرف بھی دعوت تھی کہ وہ یہ اعتقاد کریں کہ ابلیس ان کا خیر خواہ ہے اور رب تعالیٰ نے ان پر یہ معاملہ مخفی رکھا ہوا تھا بلاشبہ یہ تمام اشیاء پھل کھانے سے زیادہ بدتھیں تو لازم تھا کہ ان کی وجہ سے شدید عتاب ہوتا۔

اور یہ بھی سامنے رہنا چاہئے کہ حضرت آدم علیہ السلام ابلیس کی سجدہ سے سرکشی، اس کا اپنا دشمن ہونا اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر اس کے حاسد ہونے کو جانتے تھے اور کسی عاقل کے لیے یہ کہاں درست ہے کہ وہ ان قرائن کے باوجود اپنے دشمن کی بات کو قبول کرلے اور آیت مبارک میں یہ کہیں نہیں کہ انہوں نے یہ عمل ابلیس کی اس گفتگو کے بعد یا پہلے کیا البتہ اس کی نشاندہی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اس کی دشمنی سے آگاہ تھے

فرمان باری تعالیٰ ہے

Marfat.com

اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى　　یہ تمہارا اور تمہاری زوجہ کا دشمن ہے تم دونوں کو یہ جنت سے نہ نکالے پھر تو مشقت میں پڑے　(پ۱۶-طٰہٰ:۱۱۷)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت خبر احاد میں سے ہے اسے قرآن کے مقابل کیسے لایا جاسکتا ہے؟

دوسری وجہ کا جواب

یہاں جو عتاب ہوا ہے وہ اسباب نسیان کے تحفظ کے ترک پر ہوا۔سہو کی ایسی صورت مسلمانوں سے مرفوع و معاف ہے ہاں اس پر مواخذہ کیا جاسکتا ہے البتہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے عظیم مقام کے پیش نظر ان سے یہ مرفوع نہیں،اس کی مثال یہ فرمان تعالیٰ ہے

يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ　　اے نبی کی بی بیو تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔

(پ۲۲ الاحزاب:۳۰)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: سب سے زیادہ ابتلاء حضرات انبیاء پھر اولیاء اور پھر ہر ایک کے حسب درجہ ہوتا ہے یہ بھی فرمایا مجھے بخار کی صورت میں تم دو مردوں کے برابر تکلیف ہوتی ہے۔

(البخاری:۵۶۴۸،سنن ترمذی:۲۳۹۸)

سوال: ان کے عظیم کمال اور بلند درجہ کو ان کے مکلف ہونے میں کیوں شرط قرار دیا حالانکہ دوسروں میں یہ شرط نہیں؟

جواب: تم نے نہیں سنا نیکوں کی نیکیاں،مقربین کے ہاں سیئات کا درجہ رکھتی ہیں لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکلف بنانے میں جو پابندیاں ہیں وہ دوسروں کیلئے نہیں۔یہ گفتگو اس وقت ہے جب یہ عمل ان سے بطور نسیان ہو۔

بعض مفسرین کی رائے

ہم نے بعض تفاسیر میں پڑھا حضرت حوا نے وہاں شراب پی اور اس نے نشہ کر دیا اور حالت نشہ میں ان سے یہ عمل ہوا۔اہل علم نے کہا یہ بات بعید نہیں کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو سوائے اس درخت کے سب کے تناول کی اجازت تھی اور یہ درخت گندم کا تھا لہٰذا تناول خمر کی انہیں اجازت تھی۔

لیکن اس پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ جنتی شراب میں نشہ نہیں۔اللہ تعالیٰ نے اس شراب کا وصف یوں بیان فرمایا:

لَا فِيْهَا غَوْلٌ　　(پ۲۳-الصافات:۴۷)　　نہ اس میں خمار ہے

Marfat.com

دوسرا قول، یہ فعل ان سے عمداً ہوا

یہاں چار اقوال ہیں۔

۱۔ یہاں نہی تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی، اس پر گفتگو پہلے گزر چکی۔

۲۔ ان سے عمداً کام ہوا اور یہ کبیرہ ہے اور اس وقت وہ نبی تھے۔ اس قول کا باطل ہونا پہلے آپ پڑھ چکے ہیں۔

۳۔ یہ عمداً ہی تھا مگر اس میں خوف و شرمندگی اور پریشانی تھی۔ جس کی وجہ سے یہ صغیرہ ہوگا۔ یہ قول بھی سابقہ دلائل کی وجہ سے باطل ہے کیونکہ عمداً واجب کا ترک یا ممنوع کا بجالانا انسان کے عاصی، لعنت و ذم اور جہنمی ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔ خواہ ساتھ خوف شامل بھی ہو لہٰذا ایسی بات حضرات انبیاء علیہم السلام کے بارے میں کہنا درست نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرما دیا ہے ان کا یہ عمل حالت نسیان میں ہے۔ ارشاد فرمایا:

فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (پ۱۶-طٰہٰ:۱۱۵) تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا

اور یہ آیت آشکار کر رہی ہے کہ ان کا یہ عمل عمداً ہرگز نہ تھا

۴۔ یہ اکثر معتزلہ کا قول ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام نے اجتہادی خطا کے طور پر اسے کھایا جس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ کبیرہ نہ ہو۔

اجتہادی خطا یوں بنی، فرمایا گیا 'وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ' (اس درخت کے قریب نہ جاؤ) لفظ ''ھذہ'' کا کبھی اشارہ شخص کی طرف اور کبھی شے کی نوع کی طرف ہوتا ہے مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ میں ریشم اور سونا لے کر فرمایا یہ دونوں میری امت کی خواتین پر حلال اور مردوں پر حرام ہیں۔

(المعجم الکبیر:۵۱۲۵)

اس سے مراد ذات نہ تھی بلکہ ان کی نوع تھی۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک دفعہ وضو کیلئے اعضاء کو دھویا اور فرمایا اس وضو کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں فرماتا۔

(سنن ابن ماجہ:۴۱۹)

تو یہاں بھی وضو کی نوع ہی مراد ہے جب حضرت آدم علیہ السلام نے "وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ" سنا تو خیال کیا شاید اس سے مراد یہ معین درخت ہے اسے انہوں نے چھوڑ کر اس نوع کے دوسرے سے کھا لیا۔ تو یہ ان سے اجتہادی خطا ہوئی حالانکہ اللہ تعالیٰ کی مراد ھٰذِهِ سے یہاں نوع تھی نہ کہ معین درخت، تو جب اعمال فروعیہ میں اجتہادی خطاء ہو جائے تو اس پر عتاب اور لعن لازم نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے یہ صغیرہ ہو جس کی ہماری شریعت میں معافی ہے۔

Marfat.com

37
37

اس قول پر اعتراضات

بعض نے اس پر یہ اعتراضات وارد کئے ہیں۔

ا۔ ھٰذَا کا معنیٰ معین حاضر ہوتا ہے۔

ھٰذَا، اصلاً لغت میں شے حاضر کیلئے آتا ہے اور شے حاضر معین ہی ہوتی ہے تو ھٰذَا کی وضع شے معین کیلئے ہی ہوئی، اس سے نوع کی طرف اشارہ مراد لینا خلاف اصل ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اشارہ سے پاک ہے ضروری ہے کہ اس نے کسی فرشتے کو ہی حکم دیا اور اس نے معین شے کی طرف اشارہ کیا تو اب اس معین کے علاوہ نہی سے خارج قرار پائے گا جب یہ بات طے ہوگی تو اب واضح رہنا چاہئے کہ مجتہد پر لازم ہوتا ہے کہ وہ لفظ کو حقیقی معنی پر محمول کرے تو جب سیدنا آدم علیہ السلام نے لازمی طور پر اس لفظ کو معین پر محمول کیا تو اب نوع پر وہ محمول نہیں کر سکتے۔

دو اُمور سے تائید

واضح رہے اس کی تائید دو اور اُمور سے بھی ہوتی ہے۔

ا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا" اشارہ کر رہا ہے کہ انہیں تمام جنت سے تناول کی اجازت تھی ماسوائے جسے دلیل نے مخصوص کر دیا۔

حضرت آدم علیہ السلام سے خطاء نہیں ہوئی

۲۔ اور عقل بھی تقاضا کرتی ہے۔ دلیل کے ساتھ مخصوص ہونے والے کے علاوہ تمام منافع سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے اور دلیل مخصص، معین پر ہی دال ہوتی ہے تو واضح ہو گیا سیدنا آدم علیہ السلام کو باقی اشجار سے فائدہ حاصل کرنے کی اجازت تھی جب یہ ثابت ہے تو اب اس عمل کی وجہ سے ان پر عتاب اور انہیں خطا کرنے والا قرار دینا ہرگز درست نہ ہوگا۔ واقعہ کو مذکورہ صورت پر محمول کرنا، لازم کر دیتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو صواب پر مانا جائے نہ کہ خطا کرنے والا جب بات یوں ہے تو مذکورہ قول کہ وہ مخطی تھے فاسد ہو جائے گا۔

۲۔ دوسرا اعتراض اس قول پر یہ ہے کہ ہم مان لیتے ہیں لفظ ھٰذَا عین ذات اور نوع دونوں کے لیے ہے لیکن کیا اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا قرینہ ذکر کیا ہے جو بتا رہا ہو کہ یہاں نوع مراد ہے نہ کہ عین ذات یا ذکر نہیں کیا؟ اگر پہلی صورت ہے تو پھر یہ پوچھا جائے گا کہ سیدنا آدم علیہ السلام نے اس طریقہ گفتگو سے آگاہی میں کوتاہی کی تو اس وقت وہ ذنب کے مرتکب ہونگے اور اگر انہوں نے کوتاہی نہیں کی بلکہ وہ جانتے تھے تو اب مراد نوع ہوگی تو ایسی نوع سے تناول اب قصداً ہوگا۔

Marfat.com

۳۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کیلئے اجتہاد جائز ہی نہیں کیونکہ یہ ظن پر عمل کا نام ہے اور یہ اس کے لیے جائز ہوتا ہے جو تحصیل علم ویقین پر قادر نہ ہو۔ حضرات انبیاء تو تحصیل یقین پر قادر ہیں لہٰذا ان کے لیے اجتہاد جائز نہ ہوگا ورنہ تحصیل یقین کے ہوتے ہوئے ظن پر اکتفا لازم آئے گا جو عقلاً اور شرعاً جائز نہیں تو اب واضح ہو جائے گا یہاں اجتہاد کرنا معصیت ہے۔

۴۔ اس مسئلہ کا تعلق قطعیات سے ہے یا ظنیات سے۔ اگر قطعیات سے ہے تو خطا کبیرہ ہوگی اور اب اشکال وارد ہوگا اور اگر ظنیات سے ہے پھر اگر کہیں ہر مجتہد صائب الرائے ہوتا ہے تو اب خطا کا اصلاً ثبوت ہی نہ ہوگا اور اگر کہیں واحد صائب الرائے ہوتا ہے تو خطا کرنے والا بالاتفاق معذور ہوگا تو اس درجہ کی خطا حضرت آدم علیہ السلام سے لباس چھننے، جنت سے نکالنے اور زمین پر اتارنے کا کیسے سبب بن سکتی ہے؟

ان کے جوابات

ھٰذَا، کبھی نوع کے لیے آتا ہے

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ لفظ ھٰذَا اگرچہ اصل میں معین ذات کیلئے ہے لیکن کبھی نوع کیلئے بھی آجاتا ہے جیسا کہ گزر چکا اور اللہ تعالیٰ نے قرینہ ذکر فرما دیا کہ یہاں نوع مراد ہے۔

عدم توجہ تھی

دوسرے کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے حضرت آدم علیہ السلام نے اس دلیل کو نہ جانا ہو اور یہ خیال کیا ہو کہ فی الحال لازم نہیں یا یوں کہا جائے جب اللہ تعالیٰ نے معین سے منع فرمایا تو اس وقت دلیل سے آگاہ تھے مگر جب مدت طویل ہوگئی تو عدم توجہ لاحق ہوئی کیونکہ حدیث میں ہے حضرت آدم علیہ السلام طویل مدت جنت میں رہے اور پھر وہاں سے آئے۔

نسیان ہوگیا

تیسرے کا جواب یہ ہے کہ یہاں اس بیان کی حاجت ہی نہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اجتہاد سے تمسک کرتے ہیں کیونکہ ہم نے واضح کر دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام دلیل سے آگاہ نہ ہو سکے یا ہوئے مگر نسیان ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی میں یہی مراد ہے

فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (پ۱۶-طٰہٰ:۱۱۵) تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا

Marfat.com

نسیان کی وجہ سے کبیرہ نہ رہا

چوتھے کا جواب یہ ہے کہ دلالت ونشاندہی قطعی تھی مگر جب وہ بھول گئے تو اب عذر کی بنا پر ذنب کبیرہ نہ ہوگا۔ یا یوں کہا جائے کہ دلالت ظنی تھی مگر اس پر تشدیدات اس قدر ہوں جو باقی مجتہدین پر نہیں کیونکہ اشخاص کے احوال کے مطابق ہی تشدیدات ہوتی ہے جیسے رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے بہت سی ایسی تشدیدات اور تخفیفات ہیں جو اُمت کے لیے نہیں تو یہاں بھی معاملہ اسی طرح کا ہے

ایک اور وجہ: انفرادی طور پر ممانعت نہ تھی

اس مسئلہ میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ " (تم دونوں اس درخت کے قریب نہ آؤ) تو اس سے دونوں کو اکٹھا ہی منع فرمایا تو آدم علیہ السلام نے خیال فرمایا شاید تنہا تنہا قریب جانا اور اس سے تناول جائز ہے کیونکہ "وَلَا تَقْرَبَا" میں ممانعت بطور جمع ہے اور اجتماعی حالت نہی، حالت انفرادی کی نہی کو مستلزم نہیں تو ممکن ہے اجتہادی خطا اس طرح واقع ہوئی ہو۔

اس بارے میں یہی گفتگو کی جاتی ہے جو ہم نے بیان کر دی۔ واللہ اعلم

دوسرا مسئلہ، ابلیس نے وسوسہ کیسے ڈالا؟

سیدنا آدم علیہ السلام کو وسوسہ ابلیس نے کیسے ڈھالا حالانکہ وہ جنت سے باہر اور آپ اس کے اندر تشریف فرما تھے۔ اس بارے میں مفسرین کی مختلف آرا ہیں۔

من گھڑت واقعہ

۱۔ قصہ گو لوگوں کا قول جو انہوں نے حضرت وہب بن منبہ یمانی سے اور شیخ سدی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے نقل کیا۔ جب ابلیس نے جنت میں داخل ہونا چاہا تو خازنِ جنت نے روک دیا۔ وہ سانپ کے پاس آیا جو ایسا جانور تھا جس کے بختی اونٹ کی طرح چار پائے اور جانوروں میں خوبصورت ہے ابلیس نے دیگر حیوانات سے بات کی مگر وہ نہ مانیں تو سانپ نے اسے نگل لیا اور خازن جنت سے چوری جنت میں داخل ہو گیا جیسے ہی سانپ جنت میں داخل ہوا ابلیس اس کے منہ سے نکلا اور وسوسہ میں مشغول ہو گیا۔ اس وجہ سے سانپ پر لعنت ہوئی۔ اس کے پائے ختم کر دیئے گئے اور وہ پیٹ کے بل چلنے لگا۔ اس کا رزق مٹی میں رکھا اور بنو آدم کا دشمن بن گیا۔

واضح رہے یہ اور اس طرح کے دیگر قصص قابل توجہ ہی نہیں اگر ابلیس سانپ میں داخل ہو کر جا سکتا ہے تو از خود سانپ بن کر داخل کیوں نہ ہو جاتا، جب یہ سارا کچھ ابلیس نے کیا تو سانپ کو کیوں سزا دی گئی حالانکہ وہ نہ صاحب عقل ہے او نہ مکلف۔

Marfat.com

۲۔ ابلیس چوپایہ کی صورت میں جنت میں داخل ہوا۔ یہ قول پہلے قول سے کم فاسد ہے۔

۳۔ بعض اہل اصول نے کہا ممکن ہے سیدنا آدم وحوا علیہما السلام باب جنت کے پاس آئے ہوں اور ابلیس نے وہاں قریب ہو کر وسوسہ پیدا کیا ہو۔

۴۔ یہ امام حسن کا قول ہے۔ ابلیس زمین پر تھا اور اس نے وسوسہ جنت میں ڈھال دیا۔ بعض نے کہا یہ بعید ہے کیونکہ وسوسہ کلام خفی ہے جس کا زمین سے آسمان تک پہنچانا ممکن نہیں۔

وسوسہ خود ڈالا یا کسی خادم نے؟

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ ابلیس نے براہ راست ان سے خطاب کیا یا کسی اپنے خادم کے ذریعے وسوسہ ڈالا؟

پہلے قول پر دلیل باری تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ (پ۸-الاعراف:۲۱) اور اُن سے قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں

دوسرے مقام پر فرمایا:

فَدَلَّاهُمَا بِغُرُورٍ (پ۸، الاعراف:۲۲) تو اُتار لایا انہیں فریب سے

دوسری رائے پر حجت یہ ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام اسے پہچانتے تھے اور اس کے حسد وعداوت سے آگاہ تھے تو عادۃً یہ محال ہے کہ وہ اس کی بات قبول کریں اور اس کی طرف متوجہ ہوں لہٰذا وسوسہ ڈالنے والا وہ خود نہیں بلکہ اس کا کوئی تابع ہے۔

دو سوالات

یہاں دو سوال باقی ہیں۔

پہلا سوال: اللہ تعالیٰ نے پھسلانے کی نسبت ابلیس کی طرف کی ہے تو پھر حضرت آدم وحوا علیہما السلام کے فعل پر عتاب کیوں فرمایا؟

اس کا جواب یہ ہے "فَأَزَلَّهُمَا" کا معنی یہ ہے کہ وسوسہ کے بعد ان دونوں نے وہ فعل کیا، ابلیس کی طرف نسبت اس ارشاد گرامی کی طرح ہے:

فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا (پ۲۹-نوح:۶) تو میرے پکارنے سے اُن کے بھاگنے میں اضافہ ہوا

دوسرے مقام پر ابلیس سے یوں حکایت کی:

Marfat.com

وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي (پ۱۳-ابراہیم:۲۲)
اور میرا تم پر کچھ قابو نہ تھا مگر یہی کہ میں نے تم کو بلایا تم نے میری مان لی

تحقیقی بات

یہ معتزلہ کی رائے ہے، اس نسبت میں تحقیقی بات وہی ہے جو ہم کئی مرتبہ بیان کر چکے کہ انسان فعل اور ترک دونوں پر قادر ہے۔ جب دونوں میں مساوات ہوگی تو انسان سے ان میں سے داعیہ کے بغیر کسی کا صدور نہ ہوگا۔ بندے کے حق میں داعی سے مراد اس بات کا علم یا ظن یا اعتقاد ہے کہ یہ فعل کسی مصلحت پر مشتمل ہے۔ جب یہ علم واعتقاد کسی کی توجہ سے حاصل ہوگا تو اس فعل کی نسبت بھی اس کی طرف ہوگی۔ اس لیے کہ اس کی وجہ سے فاعل بالقوۃ، فاعل بالفعل بن رہا ہے اس حقیقت کی وجہ سے یہاں فعل کی اضافت وسوسہ کی طرف کر دی ہے۔

اہلِ معرفت کا قول

بعض اہل معرفت نے کیا خوب کہا کہ چلو ہم مان لیتے ہیں کہ سیدنا آدم علیہ السلام سے لغزش، وسوسہ ابلیس کی وجہ سے ہوئی مگر یہ بتائیے ابلیس کی معصیت کس کے وسوسہ کی وجہ سے ہوئی تھی؟ یہ تمام گفتگو بتا رہی ہے کہ داعی وسبب کے بغیر فعل کا حصول نہیں ہوتا اور اگرچہ دواعی کو بھی ایک دوسرے میں ترتیب حاصل ہے لیکن اس کی انتہا اس چیز پر ہوگی جسے اللہ تعالیٰ نے ابتداءً تخلیق فرمایا اور اسی کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یوں تصریح کی۔

إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاءُ وَتَهْدِي مَنْ تَشَاءُ (پ۹-الاعراف:۱۵۵)
وہ نہیں مگر تیرا آزمانا تو اس سے بہکائے جسے چاہے اور راہ دکھائے جسے چاہے

دوسرا سوال، وسوسہ کیا تھا؟

وہ وسوسہ کیا تھا؟ وہ یہی تھا جس کی حکایت ان الفاظ میں ہوئی ہے:

مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَٰذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ (پ۸-الاعراف:۲۰)
تمہیں تمہارے رب نے اس پیڑ سے اسی لئے منع فرمایا ہے کہ کہیں تم دو فرشتے ہو جاؤ یا ہمیشہ جینے والے۔

انہوں نے اس کی بات قبول نہ کی جب ابلیس مایوس ہو گیا پھر اس نے اللہ کی قسم اٹھاتے ہوئے کہا:

وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ (پ۸-الاعراف:۲۱)
اور ان سے قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں

Marfat.com

عدم توجہ اور نسیان

انہوں نے پھر بھی اس کی تصدیق نہ کی اور ظاہر یہی ہے کہ اس کے بعد اس نے ایک اور شے کی طرف متوجہ کیا جس سے وہ مباح اشیاء کی لذات میں ایسے گم ہو گئے کہ اس استغراق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نہی سے نسیان ہو گیا اور ان سے مذکورہ فعل سرزد ہوا۔ (اللہ تعالیٰ حقائق امور سے سب سے زیادہ آگاہ ہے)

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا کی تفسیر

اس میں درج ذیل مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: ھبوط کا مفہوم

جنہوں نے آسمانی جنت مراد لی ہے۔ ان کے ہاں ھبوط کا معنی بلندی سے نیچے آنا ہے اور جن کے ہاں مراد زمینی جنت ہے ان کے ہاں ایک جگہ سے دوسری کی طرف انتقال مراد ہوگا، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

اِهْبِطُوْا مِصْرًا (پ۱۔البقرۃ:٦١) اترو تم مصر میں

دوسرا مسئلہ: حکم میں شمولیتِ ابلیس

اس خطاب میں حضرت آدم وحواعلیہماالسلام کے شامل ہونے پر اتفاق ہے مگر اس میں اختلاف ہے کہ ابلیس شامل ہے یا نہیں اس میں یہ آراء ہیں۔

پہلی رائے: اکثر کا قول ہے کہ ابلیس بھی داخل ہے کیونکہ پیچھے اس کا ذکر "فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا" یعنی اس نے ان دونوں کو پھسلایا اور ہم نے ان سے کہا نیچے اتر جاؤ، رہا باری تعالیٰ کا فرمان، بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ، یہ حضرت آدم وحواعلیہماالسلام کو بتایا ہے کہ ابلیس تم دونوں اور تمہاری تمام اولاد کا دشمن ہے جیسا کہ کھانے سے پہلے اس کے بارے میں فرمایا:

فَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى (پ۱٦۔طٰہٰ:۱۱۷) تو ہم نے فرمایا اے آدم بیشک یہ تیرا اور تیری بی بی کا دشمن ہے تو ایسا نہ ہو کہ وہ تم دونوں کو جنت سے نکال دے پھر تو مشقت میں پڑے

ابلیس کو پہلے نکال دیا تھا

سوال: اگر یہ سوال اٹھایا جائے کہ ابلیس نے جب سجدہ سے انکار کیا تو وہ کافر ہو گیا اور اسے جنت سے نکلنے کا حکم دیا:

Marfat.com

فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا — تو یہاں سے اتر جا تجھے نہیں پہنچتا کہ یہاں رہ کر غرور کرے

(پ ۸، الاعراف:۱۳)

یہ بھی فرمایا تھا:

فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ (پ ۲۳-ص:۷۷، پ ۱۴-الحجر:۳۴) تو جنت سے نکل جا تو راندھا (لعنت کیا) گیا

تو تکبر کی وجہ سے اسے وہاں سے اتار دیا گیا۔ سیدنا آدم علیہ السلام سے لغزش تو طویل مدت کے بعد ہوئی جس کی وجہ سے انہیں جنت سے اتارا گیا تو جب ابلیس کو پہلے اتارا گیا تھا تو اب اِهْبِطُوْا میں وہ کیسے داخل ہو سکتا ہے؟

ممکن ہے وہاں دوبارہ گیا ہو؟

اس کا جواب یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین پر اتار دیا تھا ممکن ہے وسوسہ ڈالنے کے لئے آسمان پر دوبارہ گیا ہو، جب حضرت آدم و حوا علیہما السلام جنت میں تھے تو صرف دونوں کو فرمایا: اِهْبِطَا (دونوں اترو) جب وہ جنت سے باہر آئے وہاں ابلیس بھی تھا تو تمام کو حکم دیا، اِهْبِطُوْا۔ (تم سب اترو)

بعض کی یہ رائے ہے کہ اِهْبِطُوْا کا معنی یہ نہیں کہ انہیں بیک وقت حکم دیا بلکہ ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ اپنے وقت پر اترنے کا حکم دیا

دوسری رائے: ان سے مراد حضرت آدم و حضرت حوا علیہما السلام اور سانپ ہیں لیکن یہ ضعیف ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ مکلف فقط ملائکہ، جن اور انسان ہیں، کوئی یہ کہتے ہوئے اجماع کا انکار کر سکتا ہے کہ کچھ لوگ ان کے علاوہ اشیاء کو بھی مکلف جانتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ — سب نے جان رکھی ہے اپنی نماز اور اپنی تسبیح

(پ ۱۸-النور:۴۱)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے فرمایا:

لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا (پ ۱۹-النمل:۲۱) ضرور میں اسے سخت عذاب دوں گا

تیسری رائے: مراد حضرت آدم، حضرت حوا علیہما السلام اور ان کی اولاد ہے کیونکہ جب وہ تمام انسانوں کی اصل ہیں تو گویا انہیں سراپا تمام انسان قرار دے دیا گیا۔ اس پر دلیل یہ ارشاد گرامی ہے:

Marfat.com

اِهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا (پ-البقرہ:۳۶تا۳۸)

نیچے اُترو آپس میں ایک تمہارا دوسرے کا دشمن اور تمہیں ایک وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور برتنا ہے پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمے تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کی بیشک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہم نے فرمایا تم سب جنت سے اُتر جاؤ

یہ ارشاد ربانی بھی دال ہے:

فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (پ-البقرہ:۳۸،۳۹)

تو جو میری ہدایت کا پیرو ہوا اسے نہ کوئی اندیشہ نہ کچھ غم اور وہ جو کفر کریں گے اور میری آیتیں جھٹلائیں گے وہ دوزخ والے ہیں ان کو ہمیشہ اس میں رہنا ہے

اور یہ حکم تمام انسانوں کو شامل ہے اور بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ، سے مراد لوگوں کے درمیان عداوت، بغض، حسد اور ایک دوسرے کو گمراہ کرنا ہے۔

یہ قول ضعیف ہے

لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ اولاد اس وقت موجود ہی نہ تھی تو انہیں خطاب کس طرح شامل ہوسکتا ہے؟ البتہ جو آدمی یہ قول کرے کہ کم از کم جمع دو ہے تو اب اصل سے سوال ہی ختم ہو جائے گا۔

تیسرا مسئلہ: اِهْبِطُوْا امر ہے یا اباحت؟

مختار یہی ہے کہ یہ امر ہے کیونکہ اس میں مشقت شدید تھی اس لیے کہ جنت سے جدا ہو کر ایسے مقام کی طرف نکلنا یہاں مشقت کے بغیر زندگی نہ ہو اور محنت وجد وجہد نہایت دشوار عمل ہے۔

جب یہ ثابت ہے تو اسے عقوبت گمان کرنا باطل ٹھہرے گا کیونکہ تکلیف میں شدت، ثواب کا سبب ہے۔ تو یہ تکلیف عظیم نفع کے باوجود عقاب کیسے بنے گی؟

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ حدود اور بہت سے کفارات کو عقوبات کہا جاتا ہے حالانکہ ان کا تعلق باب تکلیف سے ہے۔ جواب یہ ہے کہ حدود، فعل غیر کی وجہ سے محدود پر لاگو ہوتی ہیں تو اگر آدمی مصر ہو تو یہ عقاب بنے گی، رہے کفارات تو ان میں سے بعض عقوبات کے قائم مقام ہیں کیونکہ وہ گناہوں پر ہی ہونگے کیونکہ جب وہ ثواب عظیم کا ذریعہ ہوں پھر وہ عقوبت نہیں بن سکتے۔

Marfat.com

چوتھا مسئلہ، عداوت کا حکم

اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی "اِهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ" میں اُترنے کا حکم ہے مگر عداوت کا نہیں کیونکہ حضرت آدم وحوا علیہما السلام کے ساتھ ابلیس کی عداوت بصورت حسد، سجدہ سے انکار اور دونوں کو دھوکہ دینا تھی تا کہ وہ جنت سے نکل آئیں۔ ان کی اولاد کے ساتھ اس کی عداوت وسوسہ ڈالنا اور کفر ومعصیت کی دعوت دینا ہے اور ان میں سے کسی شی کا بھی حکم نہیں دیا جا سکتا۔ رہی حضرت آدم علیہ السلام کی عداوت ابلیس سے تو اس کا حکم ہے:

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا (پ۲۲-الفاطر:۶) بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اسے اپنا دشمن سمجھو

دوسرے مقام پر فرمایا:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ (پ۸-الاعراف:۲۷) اے آدم کی اولاد خبردار تمہیں شیطان فتنہ میں نہ ڈالے جیسے تمہارے ماں باپ کو بہشت سے نکالا

اس گفتگو کے بعد مفہوم یہ ہوا، آسمان سے اُتر جاؤ اور تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔

پانچواں مسئلہ: مستقر کا مفہوم

مستقر کبھی بمعنی استقرار (ٹھہرنا) ہوتا ہے جیسا ارشاد ربانی ہے

اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِۨالْمُسْتَقَرُّ (پ۲۹-القیامۃ:۱۲) اس دن تیرے رب ہی کی طرف جا کر ٹھہرنا ہے

اور کبھی اس جگہ کے معنی میں جہاں استقرار ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا (پ۱۹-الفرقان:۲۴) جنت والوں کا اس دن اچھا ٹھکانہ

ایک مقام پر فرمایا:

فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ (پ۷-الانعام:۹۸) پھر کہیں تمہیں ٹھہرنا ہے اور کہیں امانت رہنا

جب معانی معلوم ہو گئے تو اکثر نے

وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ (پ۱-البقرۃ:۳۶،پ۸-الاعراف:۲۴) اور تمہارے زمین پہ ٹھہرنے کی جگہ ہے۔

کو جگہ پر محمول کرتے ہوئے کہا یہ زمین حالت حیات وموت دونوں میں تمہارے ٹھہرنے کی جگہ ہے۔

امام سُدی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا۔ المستقر، سے مراد قبر ہے۔ اب معنی ہو گا تم اپنی قبور میں رہو گے۔

Marfat.com

پہلا معنی (جگہ) اولیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے متاع کا ذکر فرمایا اور اس کا تعلق حیات دنیا سے ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتارنے کے وقت یہ فرمایا جس کا تقاضا بھی حیات ہی ہے، واضح رہے اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف کے اس واقعہ میں فرمایا:

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ (پ۸-الاعراف:۲۴،۲۵)

فرمایا اترو تم میں ایک دوسرے کا دشمن ہے اور تمہیں زمین میں ایک وقت تک ٹھہرنا اور برتنا ہے۔ فرمایا اسی میں جیو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی میں اٹھائے جاؤ گے

اس میں فِيْهَا تَحْيَوْنَ...... وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ کی تفصیل و بیان بھی ہو سکتا ہے اور اول پر اضافہ بھی ممکن ہے

چھٹا مسئلہ، حین کا مفہوم

حین، بالاتفاق اسم زمان ہے مگر معنی میں اختلاف ہے۔ اولیٰ یہی ہے کہ زمانہ طویل و ممتد مراد لیا جائے کیونکہ آدمی اپنے دوست کو "ما رایتك منذ حين" اس وقت کہتا ہے جب ملاقات عرصہ کے بعد ہو نہ کہ تھوڑی دیر کے بعد، جب لوگوں کی عمریں طویل اور ان کی ابتدا خلق سے موت دور ہوتی ہے تو اب 'متاع الی حین' کہا جا سکتا ہے۔

ساتواں مسئلہ، سبق حاصل کرلیں

ان آیات مبارکہ میں کئی طرح سے معاصی سے بچنے کا حکم شدید ہے۔

۱- جو آدمی سیدنا آدم علیہ السلام کی اس چھوٹی سی لغزش پر اس قدر پریشانی کا مطالعہ کرے گا وہ معاصی سے ہر وقت خوف و شرمندگی میں رہے گا کسی نے خوب کہا:

يا ناظرًا يرنو بعيني راقد	ومشاهدًا للأمر غير مشاهد
تصل الذنوب الى الذنوب و ترتجي	درك الجنان ونيل فوز العابد
أنسيت أن الله أخرج آدما	منها الى الدنيا بذنب واحد

(آنکھ کھول کر دیکھ تو گناہوں پر گناہ کئے جا رہا ہے اور جنت پانے اور عابد جیسی کامیابی پانے کا امیدوار بھی ہے۔ کیا تو یہ بھول گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم کو وہاں ایک لغزش کی وجہ سے نکال دیا)

Marfat.com

شیخ موصلی کا اہم قول

شیخ فتح الموصلی نے فرمایا ہم جنت میں تھے۔ ابلیس نے ہمیں دنیا میں گرفتار کروادیا، اب اس وقت تک ہم غمگین و پریشان ہی رہیں گے جب تک اس گھر میں واپس نہیں چلے جاتے جس سے ہمیں نکالا گیا۔

۲۔ ان آیات میں تکبر، حسد اور لالچ سے بچنے کا حکم ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد ربانی "اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ" کے تحت فرمایا: دشمن الٰہی، ابلیس نے سیدنا آدم علیہ السلام پر ہونے والے انعامات الٰہیہ کی وجہ سے حسد کیا اور کہا میں ناری ہوں اور یہ مٹی سے ہے پھر حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں ممنوع کے بجالانے کا وسوسہ ڈالا پھر قابیل کو حسد کا درس دیا حتیٰ کہ اس نے ہابیل کو قتل کر ڈالا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم اور ابلیس کے درمیان عداوت شدیدہ کی نشاندہی فرمادی ہے اور یہ معاصی سے بچنے پر عظیم تنبیہ ہے

[۳۷] فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۳۷﴾

(پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمے تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کی۔ بے شک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنیوالا مہربان)

اس میں درج ذیل مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: تلقّٰی کا مفہوم

شیخ قفال کہتے ہیں تلقی کا اصلاً معنی ملاقات کے درپے ہونا ہے پھر آنے والے کے استقبال کیلئے اور پھر قبول واخذ کے مفہوم میں مستعمل ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ عَلِیْمٍ — اور بیشک تم قرآن سکھائے جاتے ہو حکمت والے علم والے کی طرف سے (پ۱۹-النمل:۶)

حجاج کے استقبال کے موقعہ پر کہا جاتا ہے۔ تلقینا الحجاج۔ جب کوئی کسی سے کچھ حاصل کرتا ہے تو کہا جاتا ہے تلقیت هذه الکلمة من فلان۔ (میں نے فلاں سے یہ کلام لیا ہے) ایک آدمی جب دوسرے سے ملتا ہے تو ملاقات کی نسبت دونوں کی طرف کی جاتی ہے کیونکہ وصف ملاقات مشترک ہے۔ یوں کہا جاتا ہے جسے تو ملا وہ تجھے ملا ہے۔

Marfat.com

تو یہاں مفہوم یہ ہوگا سیدنا آدم علیہ السلام نے کلمات حاصل کیے انہیں محفوظ کیا اور قبولیت کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔
اور کلمات پر رفع (پیش) بھی پڑھا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلمات کا نزول ہوا اور اس کی مثل ہے:

لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ (پ ۱، البقرہ: ۱۲۴) میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں الظالمون (حالت رفعی) ہے۔

دوسرا مسئلہ، مراد حقیقت توبہ سے آگاہی نہیں

یہ تو ممکن نہیں یہاں یہ مراد ہو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حقیقت توبہ سے آگاہ فرمایا ہو کیونکہ ہر مکلف کے لیے ضروری ہے کہ وہ ماہیت توبہ سے آگاہ ہو اور اس کے ذریعے ازالہ ذنوب پر قادر ہو یہی بات اسے دوسروں سے ممتاز کرتی ہے چہ جائیکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اس سے آگاہ نہ ہوں بلکہ یہاں درج ذیل کسی ایک مفہوم کو مراد لینا ضروری ہے۔

۱۔ واقعہ ہو جانے والی لغزش پر اس طرح تنبیہ فرمائی کہ سیدنا آدم علیہ السلام فی الفور توبہ اور رجوع کرنے والوں میں ہو گئے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے لزوم توبہ اور ہر صورت اس کے مقبول ہونے کے بارے میں آگاہ کیا جو گناہ کرے خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ اگر وہ اپنے کیے پر نادم ہو جائے اور عزم کرے میں دوبارہ یہ نہیں کروں گا تو میں اسے معافی عطا کر دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ۔ یعنی انہوں نے ان کلمات کو حاصل و قبول کیا اور پھر اس پر عمل پیرا ہوئے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر عطا کردہ عظیم نعمتوں کا تذکرہ فرمایا جو توبہ کے لیے قوی دواعی اور اسباب بن گئے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا کلام سکھایا اگر وہ اس کے ساتھ توبہ کریں تو وہ توبہ کے کمال کو پالیں گے۔

تیسرا مسئلہ، وہ کلمات کیا تھے؟

ان کے بارے میں اختلاف ہے۔

۱۔ حضرت سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا۔ سیدنا آدم علیہ السلام نے عرض کیا یارب کیا آپ نے بلا واسطہ اپنے دست اقدس سے مجھے پیدا نہیں فرمایا؟ فرمایا کیوں نہیں، عرض کیا یارب، کیا آپ نے میرے اندر اپنی روح نہیں پھونکی؟ فرمایا کیوں نہیں۔ عرض کیا: کیا آپ نے مجھے جنت میں نہیں ٹھہرایا؟ فرمایا کیوں نہیں۔ عرض کیا، کیا آپ کی رحمت آپ کے غضب پر غالب نہیں؟ فرمایا: کیوں نہیں۔ عرض کیا: یارب اگر میں توبہ کر کے اصلاح کر لوں تو کیا مجھے دوبارہ جنت مل جائے گی؟ فرمایا: کیوں نہیں۔ تو فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ سے یہی مراد ہے۔

Marfat.com

امام سدی نے یہ اضافہ بھی نقل کیا۔ یارب کیا آپ نے مجھ پر یہ ذنب نہیں لکھا تھا؟ فرمایا: ہاں۔

۲۔ امام نخعی کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کلمات کے بارے میں پوچھا تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو حج کا حکم دیا انہوں نے حج کیا یہی وہ کلمات ہیں جو حج میں پڑھے جاتے ہیں۔ جب یہ حج سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تمہاری توبہ قبول کرلی۔

۳۔ حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ ان سے مراد یہ دعا ہے، رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ۔

۴۔ حضرت سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا۔ وہ کلمات یہ ہیں:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ وَبِحَمْدِكَ عَمِلْتُ سُوْٓءًا وَظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ اِنَّكَ اَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ وَبِحَمْدِكَ عَمِلْتُ سُوْٓءًا وَظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَارْحَمْنِيْ اِنَّكَ اَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ وَبِحَمْدِكَ عَمِلْتُ سُوْٓءًا وَظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَتُبْ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں پاک ہے تیری ذات اور حمد بھی تیری ہی ہے میں نے غلط کیا اور اپنے نفس پر ظلم کیا میری مغفرت فرما بیشک تو بہتر بخشش فرمانیوالا ہے نہیں ہے تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق اور حمد بھی تیری ہی ہے میں نے برا کیا اور اپنے نفس پر ظلم کیا تو مجھ پر رحم فرما بلاشبہ تو بہتر رحم فرمانیوالا ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں تیری ذات پاک اور تیری ہی حمد ہے میں نے زیادتی کی اور اپنے نفس پر ظلم کیا، میری توبہ قبول فرما بلاشبہ تو بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے

۵۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم کی توبہ قبول فرمانے کا ارادہ کیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ اس وقت کعبہ سرخ ٹیلہ کی مانند تھا جب بیت اللہ کی طرف دو رکعتیں ادا کیں اور عرض کیا

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَعْلَمُ سِرِّيْ وَعَلَانِيَتِيْ فَاقْبَلْ مَعْذِرَتِيْ وَتَعْلَمُ حَاجَتِيْ فَاَعْطِنِيْ سُؤْلِيْ وَتَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ اِيْمَانًا يُّبَاشِرُ قَلْبِيْ وَيَقِيْنًا صَادِقًا حَتّٰى اَعْلَمَ اَنَّهٗ لَنْ يُّصِيْبَنِيْ اِلَّا مَا كَتَبْتَ لِيْ وَاَرْضِيْ بِمَا قَسَمْتَ بِيْ

اے اللہ تو میرا باطن وظاہر جانتا ہے میری معافی قبول فرما اور تو میری حاجتوں سے آگاہ ہے میرا مقصود عطا فرما، تو میرے دلی رازوں سے آگاہ ہے میرے ذنوب معاف فرما اے اللہ میں تجھ سے دل میں رس بچ جانے والا ایمان اور یقین صادق مانگتا ہوں یہاں تک کہ میں جان لوں مجھے وہی ملے گا جو تو نے لکھا ہے اور تیری تقسیم پر راضی ہو جاؤں

Marfat.com

تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی: میں نے تمہاری لغزش معاف فرمادی اور تمہاری اولاد میں سے جو یہ دعا کرے گا اس کے گناہ معاف فرمادوں گا۔اس کے غموں اور مصائب کو دور کردوں گا۔اس سے فقر اٹھالوں گا اور اس کے پاس دنیا بغیر ارادے کے آئے گی

(**نوٹ**: علامہ سید محمود آلوسی (ت:۱۲۷۰ھ) نے مفسرین کا یہ قول بھی نقل کیا)

رای مکتوبا علی ساق العرش محمد رسول اللّٰہ فتشفع بہ و اذا اطلقت الکلمۃ علی عیسیٰ علیہ السلام فلتطلق الکلمات علی الروح الاعظم والحبیب الاکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم فما عیسیٰ بل وما موسیٰ وما۔ وما الابعض من ظہور انوارہ و زہرۃ من ریاض انوارہ

(روح المعانی:۲۱/۲۳۷)

حضرت آدم علیہ السلام نے عرش پر محمد رسول اللہ لکھا پایا تو اس کو وسیلہ بنایا، جب کلمہ کا اطلاق حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ہوا ہے تو روح اعظم اور حبیب اکرم ﷺ پر کلمات کا اطلاق بطریق اولیٰ ہوسکتا ہے حضرت عیسیٰ کیا بلکہ موسیٰ یا کوئی ہو وہ تمام آپ ﷺ کے انوار کا حصہ اور آپ کے گلستان انوار کی کلی کا درجہ رکھتے ہیں

اس روایت پر تفصیلی گفتگو کے لیے بندہ کے مقالہ ”حدیث توسلِ آدم ہرگز موضوع نہیں“ کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔

(قادری عفی عنہ)

چوتھا مسئلہ: توبہ اور تین اُمور

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں توبہ کے لیے ان تین اُمور کا ترتیب وار ہونا ضروری ہے۔علم، حال اور عمل، پہلے علم پھر حال اور پھر عمل۔پہلا دوسرے کا اور دوسرا تیسرے کا ایسا فطرتی سبب و موجب ہے کہ یہی ملک و ملکوت میں سنت الٰہی کا تقاضا ہے۔

امام غزالی کی خوبصورت گفتگو

اس کی معرفت کہ گناہ میں نقصان کتنا ہے اور یہ بندے اور رحمتِ رب کے درمیان حجاب بن جاتا ہے۔جب بندے کو اس کا علم ہوگا تو اس سے اس کے دل کو یہ تکلیف و احساس لاحق ہوجائے گا کہ وہ اپنے محبوب کو دور کررہا ہے کیونکہ دل کو محبوب کی جدائی پر تکلیف ہوتی ہے۔جب کسی فعل کی وجہ سے یہ دوری ہوئی تو بندہ اس جدائی پر اپنے اس فعل پر تاسف و افسوس کرے گا جو اس کا سبب بنا اور یہی تاسف ندامت ہے۔جب تکلیف میں پختگی آجائے گی تو اس پر ارادہ جازمہ مرتب ہوگا جس کا تعلق حال، مستقبل اور ماضی سے ہے۔حال کے ساتھ تعلق یوں ہوگا کہ آدمی اس گناہ کو ترک کردے گا، مستقبل کے ساتھ یوں کہ آخر عمر تک اس فعل کے نہ کرنے کا عزم کرے گا جو محبوب کی جدائی کا سبب بنا اور ماضی کے ساتھ اس طرح کہ سابقہ کی تلافی کرنے کی کوشش کرے

Marfat.com

گا۔قضا کر کے ادائیگی کے سات اس نقصان کو پورا کرے گا بشرطیکہ اس کا ازالہ ممکن ہو۔علم اول ہے کیونکہ وہی ان خیرات پر مطلع کرنے والا ہے اور یقین کامل پیدا کرتا ہے کہ یہ گناہ سراپا زہر اور ہلاکت ہیں۔علم یقینی نور ہے، نور ندامت کی آگ بھڑکا دیتا ہے۔جس سے دل الم زدہ ہو جاتا ہے کیونکہ وہ نور ایمان کے ساتھ دیکھتا ہے کہ وہ اپنے محبوب سے محجوب ہو گیا ہے مثلاً جس پر نور شمس چمکا حالانکہ وہ ظلمت میں تھا تو وہ بادل کے پھٹنے کی وجہ سے نور طلوع ہوا، تو وہ اپنے محبوب کو قریب ہلاکت دیکھتا ہے تو اس کے دل میں محبت کی آگ شعلہ زن ہو جاتی ہے۔تو وہ اس آگ کے سامنے آجاتا ہے کہ میں اس کا ضرور تدارک کروں گا تو علم، ندامت اور قصد جس کا تعلق حال واستقبال اور ماضی کی تلافی سے ہے۔یہ تینوں چیزیں توبہ پر مترتب ہوتی ہیں۔توبہ کا اطلاق ان کے مجموعہ پر ہوتا ہے اور اکثر اوقات ندامت کو ہی توبہ کہہ دیا جاتا ہے اور علم کو بطور مقدمہ اور ترک کو بطور ثمر و تابع متاخر قرار دیا جاتا ہے۔اسی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا

الندم توبة　　ندامت سراپا توبہ ہے

(سنن ابن ماجہ: ۴۲۵۲)

کیونکہ ندامت اس علم سے جدا نہیں ہو سکتی جس کا یہ تقاضا ہے اور نہ عزم سے جو اس کے تابع ہے تو ندامت دونوں، اپنے درخت اور ثمر کے درمیان محفوظ ہے۔شیخ غزالی نے حقیقت توبہ کا یہی خلاصہ ذکر کیا ہے اور یہ نہایت ہی خوبصورت گفتگو ہے۔

شیخ قفال کہتے ہیں توبہ میں ترک گناہ، ہو جانے والے گناہ پر ندامت اور اس بات کا آئندہ عزم کہ اسے نہیں کروں گا اور تمام احوال میں خشیت وخوف کا لاحق ہونا ضروری ہے۔

ترک گناہ ضروری اس لیے ہے اگر آدمی اسے کرتا رہتا ہے تو وہ اس کا مرتکب رہا تائب نہ ہوا۔ندامت، اس لیے ضروری ہے اگر نادم نہیں ہوتا تو وہ اس کے بجالانے پر راضی ہوگا، شی کے ساتھ خوش ہونے والا اسے کبھی بجا بھی لاتا ہے اور بجالانے والا تائب نہیں ہو سکتا اور یہ عزم کہ وہ دوبارہ یہ کام نہیں کرے گا اس لیے ضروری ہے اس کا فعل معصیت تھا اور معصیت کا عزم بھی معصیت ہی ہے۔رہا خوف کا لاحق ہونا تو یہ اس لیے ضروری ہے کہ توبہ کا حکم ہے اور آدمی یہ کیسے جان سکتا ہے کہ اس نے جس قدر توبہ لازم تھی وہ اسے بجالایا لہٰذا خائف ہونا لازمی ہے۔یہی وجہ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

يَحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ　(پ ۲۳، الزمر: ۹)　آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی رحمت کی آس لگائے

حضور ﷺ کا مبارک فرمان ہے:

لَوْ وُزِنَ خَوْفُ الْمُؤْمِنِ وَرِجَاؤُهٗ لَاعْتَدَلَا　اگر مومن کے خوف اور امید کا وزن کیا جائے تو ان میں برابری ہوگی　(کشف الخفاء: ۲۱۳۱)

Marfat.com

گفتگو پر اشکال

لیکن غزالی کی گفتگو نہایت ہی واضح اور تحقیقی ہے البتہ اس پر یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ اس کا علم کہ فلاں فعل نقصان دہ ہے اور ساتھ اس کا علم کہ اس فعل کا صدور، دل کیلئے تکلیف دہ ہوگا اور دلی تکلیف حال اور استقبال میں ترک فعل اور ماضی کی تلافی کا تقاضا کرتی ہے اور جب تمام ایک دوسرے پر بدیہی طور پر مترتب ہیں تو یہ آدمی کی قدرت میں نہ ہوئیں لہٰذا ان کے بجالانے کا حکم ناممکن ہوجائے گا۔

الغرض قدرت کے تحت صرف تحصیل علم ہی ہے۔ اس کے ماسوا پر کوئی اختیار نہ ہوگا البتہ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ تحصیل علم بھی قدرت میں نہیں کیونکہ بعض مجہولات کی تحصیل ان سے پہلے کچھ مقدمات کے علم کے بغیر ممکن نہیں ہوتی، وہ علوم موجودہ جو مجہول کے حصول کا ذریعہ بن رہے ہیں تو وہ اس مجہول کے علم کو مستلزم ہیں یا مستلزم نہیں اگر اول صورت ہے تو مجہول کا معلوم پر ترتب بدیہی ہوگا لہٰذا وہ قدرت واختیار میں نہ رہا اگر دوسری صورت ہو تو مجہول کا حصول نتیجہ نہ ہوگا کیونکہ مقدمات مترتبہ کے لیے ضروری ہے وہ اس طرح کے ہوں کہ ان کے تسلیم کرنے سے ذہن مطلوب کو تسلیم کرے جب وہ مقدمات یہ شان نہیں رکھتے تو ان سے مطلوب نتیجہ کیسے حاصل ہوگا۔

اگر یہ سوال اٹھایا جائے یہ کیوں ممکن نہیں اگرچہ وہ مقدمات ذہن میں موجود ہیں لیکن نتیجہ تک پہنچنے کی کیفیت وہاں موجود نہیں لہٰذا ان مقدمات کے علم پر وہ نتیجہ برآمد نہ ہوگا۔

ہم جواباً کہتے ہیں اس نتیجہ تک سمجھنے کی کیفیت بدیہی ہے یا کسبی اگر وہ بدیہیات میں سے ہے تو وہ بندے کے اختیار میں نہیں اور اگر وہ کسبی ہے تو پھر کیفیت اکتساب میں پہلے کی طرح کلام ہوگا پھر یا تو تسلسل لازم آئے گا جو محال ہے یا وہ اس کے لوازمات میں ثابت ہوجائے گا لہٰذا مذکورہ اعتراض پھر لوٹ آئے گا۔ واللہ اعلم

پانچواں مسئلہ: قاضی عبدالجبار کا سوال

قاضی عبدالجبار نے اپنے اوپر یہ سوال اٹھایا جب یہ معصیت صغیرہ ہے تو توبہ کیوں لازم؟

جواب دیا شیخ ابوعلی کہتے ہیں توبہ اس لیے لازم ہے کہ مکلف جب جان لیتا ہے کہ اس نے غلطی کی ہے تو وہ دہراتا نہیں بلکہ وہ مختار ہوتا ہے اب یا تو وہ نادم ہوگا یا مصر، اصرار تو قبیح ہے تو اس قبیح سے مفارقت توبہ کے سوا نہ ہوگی تو اب توبہ لازم ہوگی خواہ معصیت صغیرہ ہے یا کبیرہ۔ خواہ اس پر پہلے توبہ کی ہو یا نہ کی ہو۔

Marfat.com

شیخ ابو ہاشم کا قول

شیخ ابو ہاشم کہتے ہیں عاصی کا توبہ اور اصرار سے خلاصی پانا ممکن ہے کیونکہ حضرات انبیاء پر اس وجہ سے توبہ کا لازم ہونا صحیح نہیں بلکہ وہ ان میں کسی ایک نقص کی وجہ سے ہے یا تو اس لیے لازم ہوگی کہ صغیرہ سے ثواب میں جو کمی آ گئی ہے توبہ سے اس کا ازالہ ہو جائے یا اس لیے کہ توبہ قائم مقام ترک ہے جب فعل کا امکان ہو تو ترک واجب لہٰذا عدم امکان کی صورت میں توبہ واجب ہوگی

ایک اور قول

یہ بھی کہا۔ ان پر توبہ بطور سمع لازم ہے اور یہ اصح ہے کیونکہ توبہ اس ثواب کے لوٹانے کا لزومی سبب نہیں بنتی جو فقط منافع کی صورت میں ہو کیونکہ کوئی بھی فعل حصول منافع کیلئے لازم نہیں ہو جاتا جیسے نوافل لازم نہیں ہوتے بلکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے معصوم بنایا تو ان کی عصمت کا ایک سبب ہر حال میں توبہ کا لزوم ہے اگرچہ ان کے معاصی صغیرہ ہی ہوتے ہیں۔

چھٹا مسئلہ: لفظ توبہ کا مفہوم

شیخ قفال لکھتے ہیں توبہ، اوبة کی طرح بمعنی رجوع ہے کہا جاتا ہے توب جیسے اوب، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قابل التوب، تاب یتوب توبا و توبة و متابا فهو تائب و تواب جیسے اب یووب اوبًا و اوبة فهو آیب و اواب۔

لفظ توبہ۔ رب اور بندے کے درمیان مشترک ہے، جب یہ بندے کا وصف ہو تو مفہوم ہوگا اس نے اپنے رب کی طرف رجوع کیا کیونکہ ہر عاصی اپنے رب سے بھاگنے والا ہوتا ہے۔ جب اس نے توبہ کی تو واپس اپنے رب کی طرف لوٹ آیا۔ کہا جاتا ہے "تاب الی ربه" (وہ اپنے رب کی طرف لوٹا) اور اس حالت میں رب اپنے بندہ سے اعراض کرنے والے کی طرح ہوتا ہے جب رب کا یہ وصف ہو تو مفہوم ہوگا رب نے اپنے بندے پر اپنی رحمت و فضل سے رجوع کیا۔ اسی وجہ سے صلہ میں اختلاف ہے عبد میں کہا جائے گا۔ تاب الی ربه۔ رب کے بارے میں کہا جائے گا۔ تاب علی عبده

کبھی آدمی اپنے سربراہ کی خدمت چھوڑ دیتا ہے اور وہ سربراہ اس کا وظیفہ منقطع کر دیتا ہے پھر جب وہ خدمت کے لیے لوٹ آتا ہے تو کہا جاتا ہے، فلان عاد الی الامیر والا میر عاد علیه با حسان و معروفه (وہ سربراہ کی طرف لوٹ آیا اور سربراہ نے اس پر احسان و کرم دوبارہ شروع کر دیا)

قبول توبہ دو طرح

جب یہ واضح ہو گیا تو قبول توبہ دو طرح کی ہے۔

Marfat.com

ا۔ اس پر ثواب عظیم حاصل ہو جیسا کہ قبول طاعت سے یہی مراد ہوتا ہے۔

۲۔ توبہ کے سبب اللہ تعالیٰ گناہ معاف فرمادے۔

ساتواں مسئلہ: اللہ تعالیٰ کا ''توّاب'' ہونا

توّاب، اللہ تعالیٰ کا وصف ہے یعنی وہ قبول توبہ میں مبالغہ فرماتا ہے اور یہ دوطرح سے ہے۔

ا۔ دنیاوی بادشاہوں سے جب کوئی زیادتی کرتا ہے اور پھر معذرت کرتا ہے تو وہ عذر قبول کر لیتے ہیں۔ اگر وہ دوبارہ کر کے معذرت کرے تو وہ قبول نہیں کرتے کیونکہ طبع ومزاج مانع ہو جاتا ہے مگر باری تعالیٰ کی ذات کا معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ وہ توبہ، رقت طبع، حصول نفع یا دفع ضرر کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ محض احسان وفضل کی بنا پر قبول فرماتا ہے اب اگر مکلّف ہر ساعت گناہ کر کے توبہ کرے اور اس کا یہ حال ساری طویل عمر رہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ معاف فرما کر توبہ قبول فرما لیتا ہے لہٰذا اس کی قبول توبہ والی صفت میں مبالغہ ہی ہے اور وہ بلاشبہ '**توّاب**' ہے۔

۲۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کی تعداد کثیر ہے جب وہ تمام کی توبہ قبول فرماتا ہے تو اس کا وصف یہ بطور مبالغہ ہوگا، توبہ کی قبولیت کے ساتھ ازالہ عتاب کا تقاضا حصول ثواب ہے اور اس کی طرف سے ثواب سراپا نعمت ورحمت ہے لہٰذا اس نے تواب کے ساتھ رحیم والا وصف بھی ذکر فرمایا۔

آٹھواں مسئلہ: اس آیت مبارکہ میں یہ فوائد ہیں:

ا۔ بندے پر ہر وقت وحال میں توبہ کرنا لازم ہے کیونکہ احادیث واثار میں وارد ہے۔ آیئے احادیث کا مطالعہ کریں۔

توبہ اور احادیث

ا۔ ایک آدمی نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا جو گناہ کرے پھر توبہ کرے پھر گناہ کر کے توبہ کرے پھر گناہ کر کے توبہ کرے تو آپ نے فرمایا وہ ہمیشہ معافی مانگتا رہے تو شیطان خاسر ہو کر کہہ دے گا یہ میری طاقت وتصرف سے باہر ہے اور فرمایا جب بھی کوئی تمہیں پانی کی موجوں میں پھینک دے اور تم میں جب تک وہاں سے نکلنے کی طاقت ہے تو اسے بروئے کار لاؤ۔

۲۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہے حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَمْ یُصِرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَاِنْ عَادَ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً　(شعب الایمان للبیہقی: ۴۰۵)

جس نے توبہ کر لی وہ اصرار کرنے والا نہیں ہوگا اگرچہ اس نے ہر دن میں ستر دفعہ گناہ کا اعادہ کیا

Marfat.com

۳۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے رب کے حضور توبہ کرو کیونکہ میں ہر دن میں سو دفعہ توبہ کرتا ہوں۔ (مسلم: ۲۷۰۲)

۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے جب آیت مبارکہ "وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ" (اپنے رشتہ داروں کو ڈراؤ) نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے قریش اپنے نفوس کو اللہ تعالیٰ سے چھڑاؤ میں تمہیں اللہ سے نہیں چھڑا سکتا۔ اے عباس بن مطلب میں تمہیں اللہ سے بے نیاز نہیں کر سکتا۔ اے صفیہ رسول اللہ کی پھوپھی میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے غنی نہیں کر سکتا۔ اے فاطمہ بنت محمد جو مجھ سے مانگنا ہے مانگ لو لیکن میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے بے نیاز نہیں کر سکتا۔ (البخاری: ۲۷۵۳)

(یہ دونوں روایات صحیح بخاری کی ہیں)

۵۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے میرے دل پر بوجھ آتا ہے تو میں دن میں سو دفعہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں۔

(مسلم، ۲۷۰۱)

واضح رہے غین اس شی کا نام ہے جو دل کو کچھ ڈھانپ دے مثلاً رقیق بادل جو فضا میں عارض ہو کر سورج کو ڈھانپ نہ سکیں مگر اس کی کمال روشنی سے مانع ہوں۔

فرمان نبوی کے متعدد معانی

اس مبارک فرمان کی متعدد توجیہات محدثین نے بیان کی ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمت کے اختلافات اور مصائب سے آگاہ فرمایا تو جیسے ہی وہ یاد آتے آپ دل میں بوجھ محسوس فرماتے اور اُمت کے لیے دعا فرماتے۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حالت سے دوسری بلند حالت کی طرف منتقل ہوتے تو اس پر استغفار فرماتے۔

۳۔ غیم وہ مستی ہے جو بطریق محبت اس قدر نصیب ہوتی ہے کہ بندہ اپنی ذات سے بالکل فانی ہو جاتا ہے۔ جب وہ حالت سکر و مستی سے حالت صحو و شعور کی طرف لوٹتا ہے تو وہ اس صحو پر استغفار ہوتی ہے۔ ارباب معرفت و حقیقت کے ہاں یہی تاویل و معنی ہے۔

۴۔ اہل ظاہر کی تاویل یہ ہے کہ دل خطرات، خواطر، خواہشات، انواع جھکاؤ واردات سے جدا نہیں ہو سکتا تو ان کے دفع کیلئے آدمی اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتا ہے۔

Marfat.com

توبہ نصوح کا مفہوم

۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد باری تعالیٰ:
تُوبُوٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا (۲۸پ-التحریم:۸) اللہ کی طرف ایسی توبہ کرو جو آگے کو نصیحت ہو جائے۔
کی تفسیر میں کہا۔ یہ وہ بندہ ہے جس نے گناہ کیا پھر اس سے توبہ کی اور عزم کر لیا آئندہ اسے دوبارہ نہیں کرے گا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا، انسان گناہ ترک کر کے ارادہ کرے آئندہ ہمیشہ ایسا نہیں کروں گا۔

۶۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی طرف سے بیان کیا وہ ملائکہ سے فرماتا ہے جب بندہ کسی نیکی کا ارادہ کرے تو تم اس کے لیے ایک نیکی لکھ لیا کرو پھر اگر اس پر عمل کرے تو دس نیکیاں لکھا کرو اگر وہ برائی کا ارادہ کرے اور وہ عملاً بھی اس کا ارتکاب کرے تو پھر ایک برائی لکھا کرو اور برائی ترک کر دے تو پھر نیکی لکھا کرو۔ (مسلم:۱۲۸)

گناہ معاف کر کے نیکی لکھ دیتا ہے

۷۔ حضرت جبریل امین علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا، یا کریم العفو، حضرت جبریل نے عرض کیا آپ اس کا مفہوم جانتے ہیں۔ کہنے لگے نہیں، انہوں نے عرض کیا وہ گناہ معاف فرما کر نیکی لکھ دیتا ہے۔

۸۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے جس نے ابتداء دن نیکی سے کی اور ختم بھی نیکی پر کیا اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے اس کے درمیان میرے بندے نے جو گناہ کیے ہیں انہیں نہ لکھو (شعب الایمان:۳۸۹)

ننانوے قتل اور توبہ

۹۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلے لوگوں میں ایک آدمی تھا جس نے ننانوے قتل کیے۔ اس نے سب سے بڑے عالم سے پوچھا، اس نے کہا فلاں راہب کے پاس جاؤ وہ گیا اور جا کر بتایا میں نے ننانوے قتل کیے ہیں کیا اب قاتل کے لیے توبہ ہے؟ کہنے لگا نہیں، اس نے اسے بھی قتل کر دیا حتیٰ کہ تعداد ایک صد ہو گئی پھر اس نے سب سے بڑے عالم سے پوچھا اس نے کہا فلاں عالم کے پاس جاؤ وہ گیا اور بتایا میں نے صد انسان قتل کئے ہیں کیا میرے لیے توبہ ہے؟ فرمایا ہاں، کون ہے جو تیرے اور تیری توبہ کے درمیان رکاوٹ بنے؟ تم فلاں علاقہ میں جاؤ وہاں ایسے لوگ رہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں تم ان کے ساتھ جا کر عبادت کرو اور اپنی سرزمین پر واپس نہ آنا کیونکہ یہ ارض بد ہے۔ وہ شخص چلا ابھی راہ کے درمیان میں تھا تو موت آ گئی ملائکہ رحمت و عذاب دونوں آ گئے اور جھگڑا شروع کیا،

فضل قدیر

Marfat.com

ملائکہ رحمت کہنے لگے اس نے دل سے اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لی ہے۔ ملائکہ عذاب نے کہا اس نے کوئی نیکی ہرگز نہیں کی، ایک فرشتہ بصورت انسان ان کے درمیان آیا اور کہا تم زمین کو ناپ لو جس کی طرف زمین کم ہو وہ اسے لے جائے جب زمین ناپی گئی تو منزل ایک بالشت دوسری راہ سے کم نکلی تو ملائکہ رحمت اسے لے گئے۔ (مسلم: ۲۷۶۶)

۱۰۔ حضرت ثابت بنانی سے ہے کہ ہمیں یہ روایت پہنچی، ابلیس نے کہا یا رب آپ نے آدم کو پیدا کر کے میرے اور اس کے درمیان عداوت کر دی تو اب مجھے اس پر اور اس کی اولاد پر مسلط کر دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے ان کے سینے تیرا مسکن بنایا، کہنے لگا یا رب اضافہ فرما۔ فرمایا آدم کے ہاں جو اولاد ہو گی اس کے ساتھ تیرے دس بیٹے پیدا ہوں گے۔ کہنے لگا یا رب اضافہ فرما فرمایا تیری ان کے اندر خون کی طرح گردش ہو گی عرض کرنے لگا اس میں اور اضافہ فرما فرمایا:

وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ — اور ان پر لام باندھ (فوج چڑھا) لا اپنے سواروں اور اپنے پیادوں کا اور ان کا ساجھی ہو مالوں اور بچوں میں (پ ۱۵ - الاسراء: ۶۴)

اس پر سیدنا آدم علیہ السلام نے عرض کیا یا رب آپ نے ابلیس کو پیدا فرمایا۔ میرے اور اس کے درمیان عداوت و بغض رکھا، اسے مجھ پر اور میری اولاد پر مسلط فرمایا، میں تیرے بغیر اس سے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو بھی تمہارے ہاں اولاد ہو گی اس کی برے ساتھی سے حفاظت کے لیے دو فرشتے مقرر کروں گا، عرض کیا اس میں اضافہ فرما دے فرمایا ایک نیکی کے بدلے دس، عرض کیا اس میں اضافہ فرما دے فرمایا وقت نزع سے پہلے تیری اولاد کی توبہ کے لیے دروازہ بند نہیں کروں گا۔

۱۱۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ رات کو دست قدرت بڑھا کر دن کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے اور دن کو رات کے یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو۔

(مسلم: ۲۷۵۹)

۱۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہے جب میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات سنتا تو اس سے اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق نفع پاتا جب کوئی صحابی بیان کرتا تو میں حلف لیتا اگر وہ حلف دیتے تو میں ان کی تصدیق کیا کرتا، حضرت ابوبکر نے مجھے بیان کیا اور انہوں نے سچ کہا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے گناہ کیا پھر اس نے اچھی طرح طہارت کی دو رکعتیں ادا کیں اور اللہ سے معافی مانگی تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتا ہے پھر یہ آیت تلاوت کی

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ — اور وہ کہ جب کوئی بے حیائی یا اپنی جانوں پر ظلم کریں اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں (پ ۴ - آل عمران: ۱۳۵)

(سنن ابو داؤد: ۱۵۲۱)

Marfat.com

۱۳۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے ہے میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھا ایک آدمی نے آ کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے گناہ ہو گیا ہے مجھ پر حد قائم کیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض کیا اس نے دوبارہ عرض کیا اتنے میں نماز کیلئے تکبیر کہہ دی گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کیلئے تشریف لے گئے واپس تشریف لائے میں آپ کے ساتھ چل رہا تھا پیچھے وہ آدمی بھی آ گیا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے گناہ کیا ہے لہٰذا مجھ پر حد قائم فرما دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو نے گھر سے نکلتے وقت کامل وضو نہیں کیا؟ عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرمایا: کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز ادا نہیں کی؟ عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تیرے گناہ کو معاف فرما دیا ہے۔ (مسلم:۲۷۶۵)

۱۴۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہے۔ ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا، میں شہر مدینہ کے آخری گوشہ میں ایک خاتون کے پاس گیا مجھے انزال ہوا مگر اسے چھوا نہیں تو مجھ پر اپنی مرضی کے مطابق سزا نافذ فرمایئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا جب اللہ نے تجھ پر پردہ ڈالا ہے تو تو بھی اپنی ذات کا پردہ رکھ لیکن رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ فرمایا۔ وہ آدمی اٹھ کر چلا گیا آپ نے طلب فرمایا اور یہ آیت مبارکہ پڑھی:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (پ۱۲۔ھود:۱۱۴)

اور نماز قائم رکھو دن کے دونوں کناروں اور کچھ رات کے حصوں میں بیشک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں

ایک آدمی نے عرض کیا: یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا یہ حکم اس کے لیے خاص ہے؟ فرمایا نہیں تمام لوگوں کیلئے ہے۔ (مسلم:۲۷۶۳)

۱۵۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک آدمی جب گناہ کر کے کہتا ہے یا رب میں نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے مجھے معاف فرما دے۔ رب کریم فرماتے ہیں میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہ معاف کرتا ہے اور گرفت بھی فرماتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما دیا پھر حسب توفیق الٰہی رکا رہا پھر اس نے دوسرا گناہ کیا اور عرض کیا یا رب میں نے اور گناہ کیا ہے مجھے معاف فرما دے۔ رب اکرم فرماتا ہے میرا بندہ جانتا ہے اس کا رب ہے جو معاف بھی فرماتا ہے اور گرفت بھی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتا ہے پھر وہ حسب توفیق الٰہی رکا رہتا ہے اور پھر اور گناہ کرتا ہے اور عرض کرتا ہے میں نے گناہ کیا مجھے معاف فرما دے رب تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے کا عقیدہ ہے میرا رب ہے او وہ معاف بھی کرتا ہے اور گرفت بھی، رب کریم فرماتا ہے میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا جو بھی وہ عمل کرے۔

(صحیح البخاری:۷۵۰۷)

۱۶۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے ہے میں چھپا رہا تھا ایسی بات جو میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی، فرمایا اگر تم گناہ کر کے معافی نہ مانگو تو اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق پیدا فرما دے گا جو گناہ کر کے معافی مانگیں۔ (مسلم:۲۷۶۸)

Marfat.com

ماں سے زیادہ مہربان

۱۷۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہے۔ہم رسول ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے ایک آدمی چادراوڑھے آیا اس کے ہاتھ میں کوئی شی تھی،عرض کرنے لگا یارسول اللہ ﷺ میں درختوں کے باغیچہ سے گزرا، میں نے وہاں پرندے کے بچوں کی آواز سنی، انہیں اٹھا کر میں نے اپنی چادر میں رکھ لیا۔ان کی والدہ نے آکر میرے سر پر چکر کاٹنے شروع کردیئے میں نے چادر پیچھے کی تو وہ ان پر آگری، میں ان تمام کو لپیٹ کر آپ ﷺ کے پاس لے آیا ہوں۔فرمایا انہیں چھوڑ دو میں نے انہیں چھوڑا مگر ان کی والدہ ان کے ساتھ ہی چمٹی رہی آپ ﷺ نے فرمایا۔کیا تمہیں ان بچوں کی ماں کی شفقت پر تعجب ہوا ہے؟ عرض کیا: ہاں یارسول اللہ ﷺ۔فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے:

اَللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ اَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْ اُمِّ الْاَفْرَاخِ بِفِرَاخِهَا (سنن ابوداؤد:۳۰۸۹)

اللہ جل شانہ کی ذات اقدس اپنے بندوں پر ان بچوں کی والدہ سے کہیں زیادہ رحم فرمانے والی ہے۔

جاؤ انہیں وہاں ہی چھوڑ کر آؤ جہاں سے تم نے اٹھائے تھے۔میں نے ان بچوں اور ان کی والدہ کو واپس وہاں ہی پہنچادیا۔

بادشاہی میں کوئی کمی نہ ہو

۱۸۔ ابومسلم خولانی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں رسول ﷺ نے جبریل امین سے اور انہوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے بیان کیا،اے میرے بندوں میں نے اپنی ذات پہ ظلم حرام فرمالیا ہے اور اسے تمہارے درمیان بھی حرام کردیا لہٰذا آپس میں ظلم نہ کرو،اے میرے بندوں تم دن رات خطا کرتے ہو اور میں تمہارے گناہ معاف فرماتا ہوں اور میں پرواہ نہیں کرتا تم مجھ سے معافی مانگو میں تمہیں معافی دوں گا،اے میرے بندوں تم بھوکے ہو مگر جسے میں کھلاؤں تم مجھ سے طعام مانگو میں تمہیں طعام عطا کروں گا۔اے میرے بندوں تم ننگے ہو مگر میں جسے کپڑا دوں تم مجھ سے کپڑا مانگو میں تمہیں عطا کروں گا اے میرے بندوں اگر تم اول آخر انسان اور جنات تمام تقویٰ اختیار کرلو تو میری بادشاہی میں کچھ اضافہ نہ ہوگا اے میرے بندوں اگر تم اول و آخر جن وانس تمام فسق وفجور اختیار کرلو تو میری بادشاہی میں کچھ کمی نہ ہوگی۔اے میرے بندوں اگر تم اول و آخر اور انس وجن تمام اکھٹے ہو کر مجھ سے مانگو اور ہر انسان کو میں اس کی حسب خواہش عطا کردوں تو میرے خزانوں سے اس قدر بھی کم نہ ہوگا جتنا ایک سوئی کو ایک دفعہ سمندر میں ڈبونے پر ہوتا ہے اے میرے بندوں یہ تمہارے اعمال ہیں جنہیں میں نے محفوظ کیا اگر تم اس میں خیر پاتے ہو تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرو اور اگر اس کے علاوہ پاتے ہو تو اپنے نفس کو ملامت کرو۔

(مسلم:۲۵۷۷)

Marfat.com

اور فرمایا جب یہ روایت شیخ ابوادریس بیان کرتے تو تعظیم کی خاطر گھٹنوں کے بل ہو جاتے۔

توبہ اور آثار

۱۔ حضرت ذوالنون مصری سے توبہ کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا یہ چھ چیزوں کا مجموعہ ہے۔

۱۔ سابقہ گناہ پر ندامت۔

۲۔ مستقبل میں اسے ترک کا عزم۔

۳۔ اس فریضہ کی ادائیگی جو بندے اور اللہ کے درمیان ضائع ہوا۔

۴۔ مخلوق کے اموال اور عزتوں پر جو ظلم کیا اس کا ازالہ۔

۵۔ اس خون اور گوشت کا ختم کرنا جو حرام سے پیدا ہوا۔

۶۔ جسم کو طاعات کی تکلیف پر اس طرح پُر لذت بنانا جیسے اسے معصیت کی حلاوت حاصل تھی۔

۲۔ شیخ احمد بن حارس کہا کرتے، اے گناہوں والے ابھی توبہ کا وقت نہیں آیا؟ گناہ دیوان میں لکھے جا چکے ہیں اور تو قبر میں ان کی وجہ سے تکلیف میں ہے اور کل ان کی وجہ سے تو مطلوب بھی ہوگا۔

دوسرا فائدہ، توبہ کی محتاجی

آیت مبارکہ کے فوائد میں سے ہے کہ جب اس قدر بلند مقام کے باوجود سیدنا آدم توبہ سے بے نیاز نہیں تو ہم بطریق اولیٰ توبہ کے محتاج ہیں۔

تیسرا فائدہ: سیدنا آدم علیہ السلام کا رونا

اس لغزش پر سیدنا آدم علیہ السلام جو روئے اس میں ہمارے لیے تنبیہ ہے کہ ہم رونے کے ان سے زیادہ حقدار ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اگر تمام دنیا کا رونا جمع کیا جائے تو حضرت داؤد علیہ السلام کا رونا اس سے زائد ہے اور تمام اہل دنیا کے ساتھ حضرت داؤد علیہ السلام کے رونے کو بھی شامل کر لیا جائے تو حضرت نوح علیہ السلام کا رونا اس سے زائد ہے اور اگر حضرت داؤد اور حضرت نوح علیہ السلام کا اور تمام اہل دنیا کا رونا جمع کر لیا جائے تو لغزش پر سیدنا آدم علیہ السلام کا رونا اس سے کہیں زائد ہے۔

نواں مسئلہ: حضرت حوا کی توبہ

اللہ تعالیٰ نے صرف سیدنا آدم علیہ السلام کی توبہ کا ذکر فرمایا نہ کہ سیدہ حوا علیہا السلام کی توبہ کا کیونکہ بالتبع ان کا ذکر آ ہی گیا جیسا کہ قرآن وسنت میں اکثر ایسا ہی ہے، البتہ دوسرے مقام پر اس کا ذکر بھی ہے، ارشاد فرمایا:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا (پ۸-الاعراف:۲۳) دونوں نے عرض کی اے رب ہمارے ہم نے اپنا آپ برا کیا

Marfat.com

[۳۸] قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾

(ہم نے فرمایا تم سب جنت سے اُتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کا پیرو ہوا اسے نہ کوئی اندیشہ نہ کچھ غم)

اس میں درج ذیل مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ، تکرار حکم ہبوط کے فوائد

مفسرین نے تکرار حکم ھبوط (اترنے) میں دو طرح کا فائدہ ذکر کیا ہے۔

۱۔ شیخ جبائی نے کہا ھبوط اول (پہلا اترنا) دوسرے کا غیر ہے۔ اول جنت سے سماء دنیا کی طرف جبکہ دوسرا وہاں سے زمین کی طرف ہے لیکن یہ دو وجہ سے ضعیف ہے۔

پہلی وجہ: ھبوط اول میں فرمایا: وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ۔ اگر زمین پر استقرار ھبوط ثانی سے ہوتا تو پھر ارشاد گرامی:

وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ — اور تمہیں ایک وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور برتنا ہے

(پ۱۔ البقرہ:۳۶)

کا ذکر ھبوط ثانی کے بعد ہونا چاہئے تھا

دوسری وجہ: ھبوط ثانی میں فرمایا: "اِهْبِطُوْا مِنْهَا" تو یہاں ضمیر جنت کی طرف ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ھبوط ثانی جنت سے ہی ہو

۲۔ یہ تکرار محض تاکید کیلئے ہے۔

لیکن میرے نزدیک تیسری وجہ ہو سکتی ہے جو ان دونوں سے زیادہ قوی ہے۔

۳۔ جب حضرت آدم وحوا علیہما السلام سے لغزش ہوگئی اور دونوں کو اترنے کا حکم ملا تو دونوں نے اس حکم کے بعد توبہ کی اور دل میں خیال آیا کہ لغزش کی وجہ سے اترنے کا حکم تھا اب توبہ کے بعد لازمی ہے کہ یہ حکم ھبوط باقی نہ رہے تو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ ھبوط کا حکم دیا تا کہ انہیں اس بات کا علم ہو جائے کہ ھبوط، لغزش کے ارتکاب پر بطور سزا نہیں کہ وہ اس کے زوال سے زائل ہو جائے

Marfat.com

بلکہ وہ تو توبہ کے بعد بھی باقی رہے گا کیونکہ اس میں پہلے وعدہ کا پورا کیا جانا ہے۔فرمان ہے:

إِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (پ۱۔البقرہ،۳۰) میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں

اگر یہ سوال ہو کہ شرط اول کا جواب کون ہے؟ تو ہم کہیں گے شرط ثانی مع جواب، اس کا جواب ہے جیسے محاورہ ہے:

"ان جئتنی فان قدرت فاحسنت الیك" اگر تم میرے پاس آئے تو اگر مجھے قدرت ہوئی تو میں تم سے حسن سلوک کروں گا

دوسرا مسئلہ: اُتارے جانے کے مقامات

احادیث میں ہے سیدنا آدم علیہ السلام کو ہند، حضرت حوا علیہا السلام کو جدہ، ابلیس کو بصرہ سے چند میل دور اور سانپ کو اصفہان اتارا گیا

تیسرا مسئلہ: ہدایت کے معانی

یہاں ہدایت سے یہ معانی مراد ہیں۔

۱۔ اس سے مراد ہر قسم کی رہنمائی اور بیان ہے۔اس میں عقل بھی شامل ہے اور ہر وہ کلام بھی جو نبی پر نازل ہوتا ہے۔اس میں اس پر تنبیہ ہے کہ حضرت آدم وحوا علیہما السلام پر کس قدر اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے گویا یہ فرمایا اگر میں نے تمہیں جنت سے زمین کی طرف اتارا ہے تو میں نے تم پر ایسی نعمت نازل کی ہے جو تمہیں دوبارہ جنت میں داخل کر رہی ہے اور تم وہاں ہمیشہ رہو گے۔

چار چیزوں کا حکم

امام حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب سیدنا آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں چار چیزیں بتاتے ہوئے کہا، یہ تمام تیرے اور تیری اولاد کیلئے ہے۔ایک میرے لیے اور ایک تیرے لیے ہے، ایک میرے اور تمہارے درمیان اور ایک تیرے اور لوگوں کے درمیان مشترک ہے۔میرے لیے یہ ہے کہ تم میری عبادت کرو اور میرا کسی کو شریک نہ بناؤ۔جو تیرے لیے وہ یہ ہے کہ جب تم عمل کرو گے تو اس پر اجر پاؤ گے۔میرے اور تمہارے درمیان مشترک یہ ہے کہ دعا کرو اور میں اسے قبول کروں گا رہی تمہارے اور لوگوں کے درمیان مشترکہ چیز یہ ہے کہ تم ان کے ساتھ اس چیز سے محبت کرو کہ جس چیز پر تم جانتے ہو کہ وہ تم سے محبت کریں

۲۔ حضرت ابو العالیہ سے ہے یہاں ہدایت سے انبیاء مراد ہیں لیکن یہ قول تب تام ہوگا کہ اگر "فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى" سے مخاطب سیدنا آدم کا غیر ہو اور وہ ان کی اولاد ہے تو یہ تاویل ہدایت کے ساتھ مخاطبین میں تخصیص کا تقاضا کرے گی اور ہدایت کو بغیر دلیل کے معین نوع (انبیاء) کے ساتھ مخصوص کرنا لازم آئے گا۔

Marfat.com

چوتھا مسئلہ: جملہ مختصر مگر معانی کثیر

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا جس نے حق کی ہدایت پر عقیدہ وعمل میں یوں عمل کیا کہ جولازم تھا اسے اپنالیا اور حرام سے رک گیا تو وہ اس مقام کو پالے گا کہ اسے نہ خوف ہو اور نہ غم۔ یہ جملہ مختصر ہونے کے باوجود کثیر معانی کو جامع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی:

فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى (پ۱۔ البقرۃ:۳۸، پ۱۶۔ طہ:۱۲۳) آئے گی تمہارے پاس میری ہدایت

میں جمیع دلائل عقلیہ وشرعیہ اور زیادات بیان کے اقسام شامل ہیں اور وہ تمام شامل ہیں جن کے بغیر یہ تام نہیں ہوتیں مثلاً عقل اور تمام وجوہ تمکن اور ارشاد گرامی:

فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ (پ۱۔ البقرۃ:۳۸) تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی

تمام دلائل میں تامل، ان میں نظر وفکر، ان سے حاصل معارف، ان پر عمل اور تمام تکالیف کو شامل ہے اور ارشاد گرامی:

فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (پ۱۔ البقرۃ:۳۸) نہ ان پر کوئی ڈر ہے اور نہ ان پر کوئی غم

ان تمام نعمتوں کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کے لیے تیار کی ہیں کیونکہ زوال خوف، تمام آفات سے سلامتی کو متضمن اور زوال حزن، تمام لذات اور مرادات کے حصول کا مقتضی ہے۔

عدم خوف کی عدم حزن پر تقدیم کی وجہ یہ ہے کیونکہ غیر مناسب اشیاء کا زوال، مناسب کی طلب سے مقدم ہوتا ہے اور یہ فرمان دلالت کر رہا ہے کہ جس مکلف نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کر لی اسے قبر، وہاں سے اٹھنے کے وقت، میدان محشر میں اعمال نامہ ملنے کے وقت، میزان اور پل صراط پر کوئی خوف نہ ہوگا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا یَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (پ۱۷۔ الانبیاء:۱۰۳) انہیں غم میں نہ ڈالے گی وہ سب سے بڑی گھبراہٹ اور فرشتے ان کی پیشوائی کو آئیں گے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا

قول متکلمین

متکلمین میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ قیامت کی ہولناکیاں جیسے کفار ومنافق کو پہنچیں گی اس طرح اہل ایمان کو بھی خوفناک کریں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

Marfat.com

یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ (پ۱۷-الحج:۲) جس دن تم اُسے دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے کو بھول جائے گی

انہوں نے یہ بھی کہا، جب یہ احوال ان سے ختم ہو جائیں گے اس کے بعد وہ اللہ کی رضا اور جنت کی طرف جائیں گے تو گویا انہوں نے ان اشیاء کو پایا ہی نہیں بلکہ اب انعامات کی لذت میں خوب اضافہ ہو جائے گا۔

لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ ارشاد گرامی، لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ خاص ہے اور يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ عام ہے اور خاص عام سے مقدم ہوتا ہے۔

ابن زید کا قول

ابن زید کہتے ہیں: لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ سے مراد یہ ہے کہ انہیں آگے کا ڈر نہیں کیونکہ موت کے بعد درپیش معاملات سے اعظم کوئی نہیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان پر امن عطا فرمایا پھر انہیں دنیا میں پیچھے رہ جانے والوں کے بارے میں فرمایا انہیں کوئی حزن نہ ہوگا

اخروی خوف کی نفی ہے

سوال: اگر کوئی یہ کہے: ارشاد گرامی ''فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ'' کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا و آخرت کا مطلقاً خوف نہ ہو حالانکہ معاملہ ایسا نہیں کیونکہ دنیا میں جو خوف و حزن اہل ایمان کو لاحق ہوتا ہے وہ دوسروں سے زیادہ ہے۔

۱ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

خص البلاء بالأنبياء ثم الأولياء ثم الأمثل فالأمثل حضرات انبیاء پر آزمائش سخت ہوتی ہے پھر اولیاء پھر اس کے بعد حسب درجہ

پھر مومن کو اس بات کا یقین نہیں ہو سکتا کہ اس نے عبادات کا حق ادا کر دیا ہے لہٰذا اسے خوف تقصیر و کوتاہی لاحق رہے گا پھر اسے خاتمہ بد کا خوف ہر وقت رہتا ہے۔

جواب: ہمارا جواب یہ ہے کہ قرائن بتاتے ہیں یہاں آخرت کے خوف و حزن کی نفی ہے نہ کہ دنیاوی کی یہی وجہ ہے کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہونگے تو وہ کہیں گے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ (پ۲۲-الفاطر:۳۴) سب خوبیاں اللہ کیلئے جس نے ہمارا غم دور کیا بیشک ہمارا رب بخشنے والا قدر فرمانے والا ہے

---

۱ فیض القدیر

Marfat.com

یعنی ہمیں وہ خوف ختم ہو گیا جو دنیا میں تھا کہ کہیں اللہ تعالیٰ کے قرب سے محروم نہ ہو جائیں جواب ہمیں مل گیا ہے۔

پانچواں مسئلہ: قاضی کا قول

قاضی لکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی "فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ" ان امور پر دال ہے:

۱۔ بعض اوقات ہدایت ہوتی ہے مگر ہدایت پانے والا نہیں ہوتا۔ اسی لیے فرمایا: فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ

۲۔ یہ قول باطل ہے کہ معارف ضروری و بدیہی ہوتے ہیں۔

۳۔ اتباع ہدایت، جنت کا مستحق بنا دیتی ہے۔

۴۔ تقلید باطل ہے کیونکہ مقلد ہدایت کے تابع نہیں ہوتا۔

[۳۹] وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾

(اور وہ جو کفر کریں گے اور میری آیتیں جھٹلائیں گے وہ دوزخ والے ہیں ان کو ہمیشہ اس میں رہنا ہے)

آیت کا ربط و تعلق

جب اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی اتباع کرنے والوں سے عذاب و حزن سے امن کا وعدہ فرمایا تو اس کے بعد ایسے لوگوں کا ذکر کیا جن کیلئے عذاب دائمی ہے تو فرمایا: وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا خواہ یہ منکر انسان ہوں یا جن یہ عذاب دائمی پائیں گے۔ رہی یہ گفتگو کہ اللہ کی طرف سے عذاب میں حُسن ہے یا نہیں؟ اگر حُسن ہے تو کیا دائمی میں حُسن ہے یا نہیں؟ اس پر تفصیلی گفتگو ارشاد ربانی:

وَعَلٰٓی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ　　ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کیلئے عذاب عظیم ہے

(پ۱- البقرۃ:۷)

کے تحت گزر چکی ہے۔

یہاں پر آخری آیات جو تمام اولاد آدم پر ہونے والی نعمتوں پر دال ہیں یہ توحید پر شاہد ہیں کیونکہ یہ تمام نعمتیں امور حادث ہیں جن کیلئے کسی پیدا کرنے والے کا ہونا ضروری ہے اور یہ نبوت پر بھی دال ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر پڑھے اور کسی سے سیکھے کے ان کے بارے میں اسی طرح خبر دی جیسا کہ تورات اور انجیل میں تھی اور یہ آخرت پر بھی شاہد ہیں کیونکہ جو ہستی ابتداءً ان کی تخلیق پر قدرت رکھتی ہے۔ وہ ان کے دوبارہ لوٹانے پر بھی قادر ہے۔ وباللہ التوفیق۔

Marfat.com

بنی اسرائیل پر مخصوص نعمتوں کے بارے میں گفتگو

واضح رہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے پہلے توحید، نبوت اور آخرت پر دلائل ذکر کیے پھر ان انعامات کا تذکرہ کیا جو تمام انسانوں کو حاصل ہیں، اس کے بعد ان خصوصی انعامات کا ذکر لایا جو صرف اسلاف یہود کو ملے تاکہ عطا کی ہوئی نعمتوں کے ذکر سے ان کے عناد و تکبر کو توڑ کر ان کے دلوں کو مائل کیا جا سکے اور یہ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری پر تنبیہ بھی ہے کیونکہ یہ تمام غیبی خبریں ہیں،

یہ بھی ذہن نشین رہے اللہ تعالیٰ نے اولاً ان انعامات کا تذکرہ اجمالاً یوں فرمایا:

یَا بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْ اُوْفِ بِعَهْدِکُمْ (پ۱۔البقرہ:۴۰)

اے یعقوب کی اولاد یاد کرو میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیا اور میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا

اور ان کے تذکرہ پر بطور تفریع حضور سرورِ عالم ﷺ پر ایمان لانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

وَاٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ (پ۱۔البقرہ:۴۱)

اور ایمان لاؤ اس پر جو میں نے اتارا۔ اس کی تصدیق کرتا ہوا جو تمہارے ساتھ ہے

پھر ان امور کا تذکرہ کیا جو اس ایمان سے مانع ہیں اس کے بعد دوبارہ اجمالاً نعمتوں کا تذکرہ یوں فرمایا:

یَا بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ

اے یعقوب کی اولاد یاد کرو میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیا

تاکہ ان کی شدت غفلت پر تنبیہ ہو جائے اس کے بعد خوب ترغیبی جملہ ذکر کیا:

وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ (پ۱۔البقرہ:۴۷)

اور یہ کہ میں نے اس سارے زمانے پر تمہیں بڑائی دی

جس سے متصل خوب ترہیبی اور خوف والا جملہ لایا گیا:

وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ (پ۱۔البقرہ:۴۸)

اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی جان دوسرے کا بدلہ نہ ہو سکے گی اور نہ (کافر کیلئے) کوئی سفارش مانی جائے اور نہ کچھ لے کر (اس کی) جان چھوڑی جائے اور نہ اُن کی مدد ہوگی

اس کے بعد نعمتوں کا تفصیلی شمار شروع فرمایا۔ جو بھی نظر و فکر اور انصاف سے کام لے گا وہ یقین کرے گا کہ دعوت دینے اور قلب سامع میں حصول اعتقاد کیلئے کلام میں یہ حسن ترتیب، کمال کے درجہ پر ہے جب یہ گفتگو بطور مقدمہ آ گئی تو ہم اب اللہ تعالیٰ کی مدد سے تفسیر شروع کرتے ہیں۔

فاضل قدیر

Marfat.com

[۴۰] يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾

(اے یعقوب کی اولاد یاد کرو میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیا اور میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا اور خاص میرا ہی ڈر رکھو)

یہاں درج ذیل مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: اسرائیل سے مراد کون؟

تمام مفسرین کا اتفاق ہے اسرائیل سے مراد حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراھیم علیہم السلام ہیں اور وہ یہ بھی کہتے ہیں اسرائیل کا مفہوم ''عبداللہ'' ہے اسرا، ان کی زبان میں عبد اور ائیل، اللہ کو کہا جاتا ہے۔ اس طرح جبریل کا معنی عبداللہ اور میکائیل کا معنی بھی عبداللہ ہی ہے۔ شیخ قفال کے بقول بعض کے نزدیک اسرا عبرانی میں انسان ہے گویا اب معنی رجل اللہ (اللہ کا مرد) ہوگا۔

یا بنی اسرائیل میں یہود کی اس جماعت سے خطاب ہے جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کی صورت میں حضور علیہ السلام کی ظاہری حیات میں سرزمین مدینہ میں تھی۔

دوسرا مسئلہ: نعمت کا مفہوم

نعمت کی تعریف یہ ہے جو منفعت بطور احسان دوسرے پر کی جائے، بعض نے اس میں حسنہ کی قید یہ کہتے ہوئے بڑھائی ہے کہ نعمت پر شکر کا استحقاق ہوتا ہے اور اگر وہ قبیح ہو تو پھر اس پر استحقاق شکر نہیں رہتا۔

لیکن حق یہ ہے کہ یہ قید معتبر نہیں کیونکہ ممکن ہے احسان کی وجہ سے شکر کا استحقاق ہو اگر چہ اس کا فعل ممنوع ہو کیونکہ استحقاق شکر کی جہت، استحقاق ذم و عتاب* کے علاوہ ہے تو ان کے اجتماع میں کونسی رکاوٹ ہے؟ کیا یہ نہیں ہوتا فاسق اپنے انعام کی وجہ سے شکر کا مستحق اور اپنی معصیت کی وجہ سے قابل مذمت ہوگا تو یہاں یہ معاملہ کیوں نہیں ہوسکتا؟

تعریف نعمت میں اولیں قید منفعت ہے کیونکہ سراپا نقصان دہ شی نعمت نہیں بن سکتی۔ دوسری قید تھی کہ وہ بطور احسان دی گئی ہو کیونکہ اگر وہ نفع ہو مگر دینے والا اپنے لیے قصد کرے نہ کہ دیئے جانے والے کیلئے مثلاً جو لونڈی کے ساتھ احسان کرتا ہے تاکہ نفع حاصل کروں یا اس کا مقصد ضرر اور دھوکہ ہے مثلاً دوسرے کے زہر آلود حلوہ کھلا دیتا ہے تاکہ وہ ہلاک ہو جائے تو اسے نعمت نہیں کہا جائے گا ہاں جب منفعت بطور احسان دوسرے کیلئے ہوگی تو پھر وہ نعمت ہوگی جب نعمت کی تعریف واضح ہوگئی تو اب چند فروعات بیان کرتے ہیں

Marfat.com

۱۔ جو کچھ ہمیں دن رات دنیا و آخرت میں بصورت نفع اور دفع ضرر مل رہا ہے یہ تمام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ارشاد فرمایا:

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ (پ ۱۴۔ النحل: ۵۳) اور تمہارے پاس جو نعمت ہے سب اللہ کی طرف سے ہے پھر جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کی طرف پناہ لینے جاتے ہو

نعمت کی تین اقسام

پھر نعمت کی تین اقسام ہیں:

۱۔ وہ نعمت جس کے عطا فرمانے میں اللہ تعالیٰ یکتا و متفرد ہے مثلاً اس نے پیدا کیا، اس نے رزق عطا فرمایا۔

۲۔ وہ نعمت جو ہمیں اس کے غیر کے سبب ملی مثلاً اس نے اس نعمت کو پیدا کیا اور منعم کو بھی پھر اسے انعام دینے پر قدرت دیتے ہوئے اس میں قدرت انعام اور داعیہ پیدا کیا۔ اسے توفیق دیتے ہوئے اس کی رہنمائی فرمائی۔ یہ نعمت بھی حقیقۃً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے مگر جب اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے کسی بندے کے ہاتھ سے جاری فرمایا تو وہ بندہ بھی مشکور ٹھہرا، ہاں حقیقۃً مشکور اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اسی لیے فرمایا:

اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ (پ ۲۱۔ لقمان: ۱۴) شکر کرو میرا اور اپنے ماں باپ کا

تو یہاں ابتدا اپنی ذات اقدس سے فرمائی۔ حضور ﷺ کا مبارک فرمان ہے:

لَا يَشْكُرِ اللّٰهَ مَنْ لَا يَشْكُرِ النَّاسَ اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کیا جس نے لوگوں کا شکر ادا نہ کیا

۳۔ وہ نعمت جو ہمیں ہماری طاعات کی وجہ سے ملتی ہیں اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہیں اگر وہ طاعات کی توفیق نہ دیتا، ان پر ہماری مدد نہ فرماتا، ہماری ان کی طرف رہنمائی نہ کرتا اور ہماری رکاوٹوں و اعذار کا ازالہ نہ فرماتا تو ہم ان میں سے کچھ بھی نہ پا سکتے۔

اس گفتگو سے آشکار ہو گیا تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہیں اور سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ (پ ۱۴۔ النحل: ۵۳) اور تمہارے پاس جو نعمت ہے سب اللہ کی طرف سے ہے

نعمتوں کا شمار نہیں ہو سکتا

۲۔ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس قدر ہیں کہ ان کا حساب و شمار نہیں ہو سکتا۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (پ ۱۴۔ النحل: ۱۸) اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو انہیں شمار نہیں کر سکو گے

Marfat.com

اور یہ اس لیے ممکن نہیں کہ جو اس نے ہمارے اندر منافع اور لذات ودیعت فرمائی ہیں جن سے ہم متمتع ہوتے ہیں۔ وہ جوارح اور اعضاء جنہیں ہم حصول منافع اور دفع نقصان کیلئے بروئے کار لاتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں پر لذت اشیاء پیدا کیں اور ان سے وجود صانع پر استدلال کیا جاتا ہے اور کائنات میں ایسی چیزیں موجود ہیں جن کی وجہ سے انسان معاصی سے رکتا ہے۔ یہ تمام اس قدر ہیں کہ ان کی تعداد احاطہ میں نہیں آتی حالانکہ یہ تمام منافع ہی ہیں کیونکہ منفعت لذت ہے یا وسیلہ لذت اور اللہ تعالیٰ نے جس کی تخلیق فرمائی اس میں یہی پہلو ہے کیونکہ جس سے بھی لذت حاصل کی جائے وہ نعمت ہے اور وہ دفع ضرر کا وسیلہ ہونے کی وجہ سے بھی نعمت ہے اور جو حصول نفع اور دفع ضرر حاضر، کیلئے سبب تو نہ بنے مگر اس میں یہ صلاحیت ہو کہ صانع حکیم کے وجود پر استدلال بن سکے تو یہ اس کی معرفت اطاعت کا وسیلہ بن گئی اور یہ دونوں لذات ابدیہ کا وسیلہ ہیں۔

تو ثابت ہو گیا اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات، بندوں کیلئے نعمت ہیں تو جب اس کی اشیاء کے منافع اور حکمتوں کی تعداد سے عقول قاصر ہیں تو تمام جہان کے منافع وحکمتوں کا احاطہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی برحق ہے

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا — اور اگر اللہ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو تو انہیں شمار نہیں کر سکو گے

سوال وجواب

اگر کوئی یہ سوال اٹھائے جب نعمتیں غیر محدود ہیں اور غیر متناہی کا علم بندے کو حاصل ہی نہیں ہو سکتا تو پھر ان کے ذکر کا حکم کیا معنی رکھتا ہے

اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ — یاد کرو میری نعمتیں جو میں نے تم پر کیں

اس کا جواب یہ ہے نعمتیں اپنی انواع اور ذوات کے اعتبار سے غیر متناہی مگر اجناس کے لحاظ سے متناہی ہیں اور یہ اس تذکیر کیلئے کافی ہے جو وجودِ صانع حکیم کیلئے مفید علم ہے۔ جب یہ واضح ہو گیا کہ حمد، ثنا اور اطاعت کا استحقاق ایصال نعمت کی بنا پر ہی ثابت ہوتا ہے تو یہ آشکار ہو گیا کہ حمد حامدین کا مستحق اللہ تعالیٰ سے ہی ہے اسی لئے بتوں کی مذمت میں فرمایا:

هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ — کیا وہ تمہاری سنتے ہیں جب تم پکارو یا تمہارا بھلا یا برا کرتے ہیں (پ ۱۹- الشعراء: ۷۲، ۷۳)

ایک مقام پر فرمایا:

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ — اور وہ اللہ کے سوا ایسوں کو پوجتے ہیں جو ان کا بھلا برا کچھ نہیں کریں (پ- الفرقان: ۵۵)

Marfat.com

ایک مقام پر فرمایا:

اَفَمَنْ یَّھْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّایَھِدِّیْٓ اِلَّآ اَنْ یُّھْدٰی (پ۱۱-یونس:۳۵)

تو کیا جو حق کی راہ دکھائے اس کے حکم پر چلنا چاہئے یا اس کے جو خود ہی راہ نہ پائے جب تک راہ نہ دکھایا جائے۔

بندوں پر پہلی نعمت

۳۔ بندوں پر سب سے پہلی اللہ کی نعمت ان کو حیات وزندگی دینا ہے۔ اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (پ۱-البقرہ:۲۸تا۲۹)

بھلا تم کیوں کر خدا کے منکر ہو گئے، حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں جلائے گا پھر اسی کی طرف پلٹ کر جاؤ گے وہی ہے جس نے تمہارے لیے بنایا جو کچھ زمین میں ہے پھر آسمان کی طرف استواء (قصد) فرمایا تو ٹھیک سات آسمان بنائے۔ وہ سب کچھ جانتا ہے

یہ تصریح ہے کہ اصل نعمت حیات ہے کیونکہ باری تعالیٰ نے اولین نعمت، حیات ہی بیان فرمائی ہے اس کے بعد دیگر نعمتوں کا ذکر کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کا تذکرہ کیا تاکہ واضح ہو جائے کہ حیات دینوی سے مقصود حیات آخرت اور ثواب ہے اور یہ بھی بیان کیا کہ مخلوق کی تمام اقسام فقط نفع حاصل کرنے والی اور نفع دینے والی ہیں یہ معتزلہ کا قول ہے۔

اہلسنّت کا موقف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح منافع پیدا فرمائے اسی طرح اس نے نقصان دہ اشیاء بھی پیدا فرمائیں اور اس پر کوئی سوال ہی نہیں اٹھا سکتا اس لیے اس نے اپنا اسم گرامی 'النافع' (نفع دینے والا) کے ساتھ الضار (نقصان دینے والا) بھی منتخب فرمایا اور وہ جو کرے اس پر سوال نہیں کیا جا سکتا۔

۴۔ معتزلہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مکلفین پر دنیا اور دین کی نعمتیں کیں اور ان تمام کو دونوں میں برابر رکھا ہے۔ دینی نعمتوں میں یوں کہ جس قدر وہ تمام الطاف پر قادر ہے اس نے وہ ان پر کیے اور جو اس نے نہیں کیے وہ قدرت میں داخل ہی نہ تھے کیونکہ اگر وہ لطف پر قادر ہو اور وہ مکلف پر نہ کرے تو مکلف کیلئے عذر ثابت ہو جائے گا، دنیا کی نعمتوں میں اہل بغداد کے قول کے مطابق دنیا میں اصلح کی رعایت اللہ تعالیٰ پر واجب ہے اور اہل بصرہ کے ہاں لازم نہیں۔

اہلسنّت کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے کافر کو دوزخ اور عذاب آخرت کیلئے پیدا فرمایا ہے۔

فضل قدیر

Marfat.com

کافر اور نعمت دینوی

اس میں اختلاف ہے کیا اللہ تعالیٰ کافر پر دینوی نعمت کرتا ہے یا نہیں؟ بعض نے کہا یہ دینوی قلیل نعمتیں جو آخرت میں عذاب دائمی کا سبب ہیں یہ کافر کے لئے دنیاوی نعمت ہی نہیں کیونکہ جس نے میٹھی شی میں زہر ڈال لیا اس میٹھا کھانے کے نفع کو نعمت نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ وہ تو ضرر عظیم کا سبب بن گیا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْۤا اِثْمًا (پ۴،آل عمران:۱۷۸)

اور ہرگز کافر اس گمان میں نہ رہیں کہ وہ جو ہم انہیں ڈھیل دیتے ہیں کچھ ان کے لیے بھلا ہے ہم تو اس لیے انہیں ڈھیل دیتے ہیں کہ اور گناہ میں بڑھیں

بعض کی رائے ہے اللہ تعالیٰ نے کافر پر اگرچہ دینی نعمت نہیں فرمائی مگر دنیاوی نعمت فرمائی ہے۔ قاضی ابوبکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہی ہے اور یہی زیادہ درست ہے۔ اس پر یہ دلائل ہیں

ا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (پ۱۔البقرہ:۲۱،۲۲)

اے لوگو! اپنے رب کو پوجو جس نے تمہیں اور تم سے اگلوں کو پیدا کیا یہ امید کرتے ہوئے کہ تمہیں پرہیزگاری ملے۔ جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو عمارت بنایا اور آسمان سے پانی اُتارا تو اس سے کچھ پھل نکالے تمہارے کھانے کو۔ تو اللہ کے لئے جان بوجھ کر برابر والے نہ ٹھہراؤ

جس میں واضح کر دیا ہے کہ ہر ایک پر طاعت لازم ہے کیونکہ انہیں نعمتیں دی گئیں ہیں اور وہ نعمت تخلیق و رزق ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

كَیْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا (پ۱۔البقرہ:۲۸) بھلا تم کیوں کر خدا کے منکر ہو گئے حالانکہ تم مُردہ تھے

یہ احسان کے طور پر دیگر نعمتوں کی تفصیل بیان ہوئی ہے اگر کفار پر اللہ کی طرف سے نعمت ہی نہیں تو پھر یہ بات کیسے درست ہو سکتی ہے؟

۳۔ اللہ تعالیٰ کا مبارک فرمان ہے

یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَ اَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ (پ۱۔البقرہ:۴۷)

اے اولاد یعقوب یاد کرو میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیا اور یہ کہ اس سارے زمانے پر تمہیں بڑائی دی

Marfat.com

یہ واضح نص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار پر نعمت فرمائی ہے کیونکہ یہاں مخاطب اہل کتاب ہیں اور وہ کافر ہی تھے۔

اس طرح ارشاد باری۔ یٰبَنِیٓ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِیَ سے لے کر وَاِذۡ اَنۡجَیۡنٰكُمۡ اور فرمان:

وَاِذۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ وَالۡفُرۡقَانَ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ (پ۱، البقرۃ:۵۳)

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فرقان دی تا کہ تم ہدایت پاؤ

تک تمام میں بندوں پر انعامات کا ذکر ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَلَمۡ یَرَوۡا كَمۡ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ مَّكَّنّٰهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مَا لَمۡ نُمَكِّنۡ لَّكُمۡ وَاَرۡسَلۡنَا السَّمَآءَ عَلَیۡهِمۡ مِّدۡرَارًا (پ۷۔ الانعام:۶)

کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے اُن سے پہلے کتنی سنگتیں کھپا دیں انہیں ہم نے زمین میں وہ جماؤ دیا جو تم کو نہ دیا اور ان پر موسلا دھار پانی بھیجا

۵۔ ارشاد ربانی ہے:

قُلۡ مَنۡ یُّنَجِّیۡكُمۡ مِّنۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ تَدۡعُوۡنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفۡیَةً ثُمَّ اَنۡتُمۡ تُشۡرِكُوۡنَ (پ۷۔ الانعام:۶۳)

تم فرماؤ وہ کون ہے جو تمہیں نجات دیتا ہے جنگل اور دریا کی آفتوں سے جسے پکارتے ہو گڑگڑا کر اور آہستہ کہ اگر وہ ہمیں اس سے بچاوے تو ہم ضرور احسان مانیں گے تم فرماؤ اللہ تمہیں نجات دیتا ہے اس سے اور ہر بے چینی سے پھر تم شریک ٹھہراتے ہو

۶۔ اسی طرح فرمایا:

وَلَقَدۡ مَكَّنّٰكُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَجَعَلۡنَا لَكُمۡ فِیۡهَا مَعَایِشَ قَلِیۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ (پ۸۔ الاعراف:۱۰)

اور بے شک ہم نے تمہیں زمین میں جماؤ (ٹھکانہ) دیا اور تمہارے لیے اس میں زندگی کے اسباب بنائے بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔

اور قصہ ابلیس میں فرمایا:

وَلَا تَجِدُ اَكۡثَرَهُمۡ شٰكِرِیۡنَ (پ۸۔ الاعراف:۱۷)

اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا

اگر ان پر نعمت نہ ہوتی تو اس ارشاد گرامی کا کیا فائدہ ہوگا؟

Marfat.com

۷۔ یہ بھی ارشاد ہے:

وَاذْكُرُوْا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ (پ۹۔الاعراف:۸۶)

اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے اس نے تمہیں بڑھا دیا اور دیکھو فسادیوں کا کیسا انجام ہوا

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے بیان ہوا:

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (پ۹۔الاعراف:۱۴۰)

کہا کیا اللہ کے سوا تمہارا اور کوئی خدا تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہیں زمانے بھر پر فضیلت دی

۸۔ ارشاد ربانی ہے

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (پ۱۰۔الانفال:۵۳)

یہ اس لیے کہ اللہ کسی قوم سے جو نعمت انہیں دی تھی بدلتا نہیں جب تک وہ خود نہ بدل جائیں اور بے شک اللہ سنتا جانتا ہے۔

اس مسئلہ میں یہ ارشاد، نص اور تصریح ہے۔

۹۔ باری تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاۗءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ (پ۱۱۔یونس:۵)

وہ ہے جس نے سورج کو جگمگاتا بنایا اور چاند چمکتا اور اس کیلئے منزلیں ٹھہرائیں کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جانو اللہ نے اسے نہ بنایا مگر حق نشانیاں مفصل بیان فرماتا ہے علم والوں کیلئے۔

۱۰۔ یہ بھی فرمایا:

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّاۗءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ

اور جب کہ ہم آدمیوں کو رحمت کا مزہ دیتے ہیں کسی تکلیف کے بعد جو انہیں پہنچی تھی۔ جبھی وہ ہماری آیات کے ساتھ داؤ لگاتے ہیں تم فرمادو اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے جلد ہو جاتی ہے بے شک ہمارے فرشتے تمہارے مکر لکھ رہے ہیں۔

۱۱۔ ایک اور مقام پر فرمایا:

Marfat.com

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتّٰى إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوْا بِهَا جَاءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ أُحِيْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ فَلَمَّا اَنْجٰهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (پ-یونس: ۲۱-۲۳)

وہی ہے کہ تمہیں خشکی اور تری میں چلاتا ہے یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہو اور وہ اچھی ہوا سے انہیں لے کر چلیں اور اس پر خوش ہوئے ان پر آندھی کا جھونکا آیا اور ہر طرف لہروں نے انہیں آ لیا اور سمجھ گئے کہ ہم گھر گئے اس وقت اللہ کو پکارتے ہیں نرے اس کے بندے ہو کر کہ اگر تو اس سے ہمیں بچالے گا تو ہم ضرور شکرگزار ہوں گے پھر اللہ تعالیٰ جب انہیں بچالیتا ہے جبھی وہ زمین میں ناحق زیادتیاں کرنے لگتے ہیں

۱۲۔ ارشاد ربانی ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا (پ۱۹-الفرقان: ۴۷)

اور وہی ہے جس نے رات کو تمہارے لیے پردہ کیا اور نیند کو آرام اور دن بنایا اٹھنے کیلئے

اور فرمایا:

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا (پ۱۱-یونس: ۶۷)

اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو دیکھنے والا بنایا

۱۳۔ فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ (پ۱۳-ابراہیم: ۲۸، ۲۹)

کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت ناشکری سے بدل دی اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر لا اتارا۔ وہ جو دوزخ ہے اس کے اندر جائیں گے اور کیا ہی بری ٹھہرنے کی جگہ۔

۱۴۔ باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ (پ۱۳-ابراہیم: ۳۲)

اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین بنائے اور آسمان سے پانی اتارا تو اس سے کچھ پھل تمہارے کھانے کو پیدا کئے اور تمہارے لیے کشتی کو مسخر کیا کہ اس کے حکم سے دریا میں چلے اور تمہارے لیے ندیاں مسخر کیں

Marfat.com

۱۵۔ یہ بھی فرمان ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ (پ۱۳-ابراہیم:۳۴) اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کرسکو گے۔ بے شک آدمی بڑا ظالم ناشکرا ہے

اختلاف لفظی ہے

یہ تمام آیات کفار پر نعمت کے اثبات پر شاہد ہیں۔

واضح رہنا چاہئے اس مسئلہ میں اختلاف لفظی ہے کیونکہ ان اشیاء مثلاً حیات، عقل، سمع، بصر، اقسام رزق اور منافع کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف اس بارے میں ہے جب ان منافع کے بعد ابدی نقصان مرتب ہوتا ہے تو کیا عرفاً اس پر نعمت کا اطلاق کیا جائے گا یا نہیں؟ اور یہ تو مسلمہ طور پر لفظی نزاع ہوا۔

وجودِ صانع پر استدلال

رہی وہ اشیاء جن سے مکلف لذت نہیں پاتا مگر انہیں اللہ تعالیٰ نے صانع کے وجود اور اس کے لطف واحسان پر استدلال کے لیے پیدا کیا، اس پر یہ دلائل ہیں:

۱۔ سورۃ النحل میں ارشاد گرامی ہے:

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ (پ۱۴، النحل:۲) ملائکہ کو ایمان کی جان یعنی وحی لے کر اپنے جن بندوں پر چاہے اتارتا ہے

اس میں واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ نے رُسلان کرام کو بشارت دینے اور ڈرانے کے لیے اور اس کی وحدانیت اس کی توحید وعدل پر ایمان کی دعوت کیلئے مبعوث فرمایا۔ پھر ارشاد گرامی ہوا:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ اس نے آسمان اور زمین بجا بنائے۔ وہ ان کے شرک سے برتر ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ (پ۱۴-النحل:۳-۴) انسان کو اس نے نطفہ سے پیدا کیا تو وہ واضح دشمن بن جاتا ہے

یہاں بندے کا حادث ہونا اور اس کا کفر اختیار کرنا بیان ہوا اور وجود صانع پر سب سے بڑی دلیل لائی کہ بندہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منقلب ہوتا ہے مثلاً اس کا نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ یہاں تک کہ وہ اخس وگھٹیا حال (نطفہ سے) اشرف حال (خصیم مبین) تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد متعدد انعام کا تذکرہ فرمایا:

Marfat.com

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُوْنَ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِيْنَةً وَيَخْلُقُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ (پ۱۴-النحل:۵-۱۰)

اور چوپائے پیدا کئے ان میں تمہارے لیے گرم لباس اور منفعتیں ہیں اوران میں سے کھاتے ہواور تمہارا ان میں تجمل ہے جب انہیں شام کو واپس لاتے ہو اور جب چرنے کو چھوڑتے ہواور وہ تمہارے بوجھ اٹھا کر لے جاتے ہیں ایسے شہر کی طرف کہ اس تک نہ پہنچتے مگر ادھ مرے ہو کر۔ بیشک تمہارا رب نہایت مہربان رحم والا ہے اور گھوڑے اور خچر اور گدھے کہ ان پر سوار ہوں اور زینت کیلئے اور وہ پیدا کرے گا جس کی تمہیں خبر نہیں اور بیچ کی راہ ٹھیک اللہ تک ہے اور کوئی راہ ٹیڑھی ہے اور چاہتا تو تم سب کو راہ پر لاتا وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اُتارا اس سے تمہارا پینا ہے اور اس سے درخت ہیں جن سے چراتے ہو

یہاں دہریہ اور اصحاب طبائع کا رد فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ پانی اور مٹی ایک مگر اس کے باوجود اشیاء رنگ، ذائقے اور خوشبو میں مختلف ہوتیں ہیں پھر ارشاد فرمایا:

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (پ۱۴-النحل:۱۲)

اور اس نے تمہارے لیے مسخر کئے رات اور دن اور سورج اور چاند اور ستارے اس کے حکم کے باندھے ہیں بیشک اسی میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کو

اس سے نجومیوں اور اصحاب فلکیات کا رد ہے کیونکہ ان کے حادث ہونے پر ان کی حرکات اور طریقہ واحد پر مسخر ہونے پر استدلال کیا گیا ہے۔ ان آیات مبارکہ میں باری تعالیٰ نے ثابت کیا اس جہان میں جو کچھ پیدا ہے وہ تمام مکلفین کیلئے ہے کیونکہ جو کچھ مکلف کے علاوہ ہے اس سے مکلف لذت و آرام حاصل کر کے سرور وخوشی پاتا ہے یا اس سے کلفت اٹھاتا ہے یا اس سے اسے نصیحت حاصل ہوتی ہے مثلاً تکلیف دینے والی اشیاء مثلاً سانپ، بچھو، انہیں دیکھ کر آخرت کا عذاب یاد آتا ہے اور ان سے آدمی بچنے کی کوشش میں لگ جاتا ہے اور ان سے منعم اعظم پر استدلال کیا جاتا ہے تو ثابت ہو گیا مخلوقات میں سے کوئی شی بھی منافع سے خارج نہیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان آخری آیات میں ان اشیاء کے انعام عظیم ہونے پر توجہ دلائی۔

Marfat.com

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (پ۱۴-النحل:۱۸) اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کر سکو گے

۲۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (پ۱۴-النحل:۱۱۲)

اور اللہ تعالیٰ نے مثال بیان فرمائی ایک بستی کہ امان و اطمینان سے تھی ہر طرف سے اس کی روزی کثرت سے آتی تو وہ اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے لگی تو اللہ نے اسے یہ سزا چکھائی کہ اُسے بھوک اور ڈر کا پہناوا پہنایا بدلہ ان کے کیے کا

اس پر تنبیہ ہے کہ نعمت انہیں ملی جس کا کفران تبدیلی کے سبب کا موجب بنا۔

۳۔ قصہ قارون پر فرمان مبارک ہے:

وَاَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ (پ۲۰-القصص:۷۷)

اور احسان کر جب اللہ نے تجھ پر احسان کیا اور زمین میں فساد نہ چاہ بے شک اللہ فسادیوں کو دوست نہیں رکھتا۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً (پ۲۱-لقمان:۲۰)

کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کام میں لگائے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور تمہیں بھرپور دیں اپنی نعمتیں ظاہر اور چھپی اور بعضے آدمی اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں یوں کہ نہ علم نہ عقل اور نہ کوئی روشن کتاب۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ (پ۲۷-الواقعہ:۵۸) تو بھلا دیکھو تو وہ منی جو گراتے ہیں۔

پھر فرمایا:

فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (پ۲۷-الرحمٰن:۱۶) تو اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔

یہ آیت تو تکرار کے ساتھ ہے اور سورۃ الرحمٰن میں جن کا بھی ذکر ہے وہ نعمت ہے خواہ وہ دینی ہے یا دینوی یہ تمام گفتگو مذکورہ مسئلہ پر تھی

Marfat.com

تیسرا مسئلہ: بنی اسرائیل پر مخصوص انعامات

بعض عرفاء نے فرمایا: نعمتوں کے بندے کثیر مگر منعم (نعمت دینے والے) کے بندے قلیل ہیں تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنی نعمتوں کا تذکرہ کیا جب معاملہ حضور ﷺ کی اُمت کا آیا تو انہیں منعم (نعمت دینے والے) کے ذکر کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (پ۲-البقرہ:۱۵۲) تم میری یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا

جس سے واضح طور پر دیگر امتوں پر حضور ﷺ کی امت کی فضیلت ثابت ہو رہی ہے۔

بنی اسرائیل پر انعامات

اللہ تعالیٰ کی بنی اسرائیل پر بڑی نعمتیں ہیں۔

۱۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کے ظلم سے نجات عطا فرمائی اور ان کی غلامی اور عبودیت سے نکال کر زمین میں تمکن اور سلطنت عطا فرمائی، ارشاد ربانی ہے:

وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ (پ۲۰-القصص:۵) اور ہم چاہتے تھے کہ ان کمزوروں پر احسان فرمائیں اور ان کو پیشوا بنائیں اور ان کے ملک و مال کا انہیں کو وارث بنائیں

۲۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں انبیاء اور ملوک بنایا حالانکہ یہ قبطی قوم کے غلام تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ہلاک کر کے ان کی زمین، علاقوں اور اموال کا انہیں مالک بنا دیا، جیسا کہ فرمایا:

كَذَلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا بَنِي إِسْرَائِيلَ (پ۱۹-الشعراء:۵۹) ہم نے ایسا ہی کیا اور ان کا وارث کر دیا بنی اسرائیل کو۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسی عظیم کتب نازل فرمائی جو ان کے علاوہ کسی کو عطا نہ ہوئیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا وَآتَاكُمْ مَا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ (پ۶-المائدہ:۲۰) اور جب موسیٰ نے کہا اپنی قوم سے اے میری قوم اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو کہ تم میں سے پیغمبر کیے اور تمہیں بادشاہ کیا اور تمہیں وہ دیا جو آج سارے جہاں میں کسی کو نہ دیا۔

۴۔ ہشام نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا، بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہے کہ انہیں فرعون سے نجات دی، مقام تیہ میں بادل کا سایہ عطا کیا وہاں ہی ان پر منّ و سلویٰ نازل کیا۔ انہیں ایسا پتھر دیا (جو مرد کے سر کی طرح تھا) جتنا چاہتے اتنا پانی پاتے جب ضرورت نہ رہتی پانی رک جاتا۔ انہیں ایسا ستون عطا فرمایا جو رات کو ان کیلئے روشنی کرتا۔ ان کے سر پراگندہ نہ ہوتے اور نہ ان کے کپڑے پرانے ہوتے۔

Marfat.com

نعمتوں کے تذکرہ کی وجوہات

اللہ تعالیٰ نے درج ذیل وجوہات کی بنا پر انہیں اپنی نعمتوں کو یاد دلایا:

۱۔ ان انعامات میں تورات، انجیل اور زبور بھی ہیں جو رسالتِ محمدی ﷺ کے حق ہونے کی تصدیق کرتی ہیں۔

۲۔ نعمتوں کی کثرت بڑی معصیت پر دال ہوتی ہیں۔ نعمتیں یاد دلائیں تاکہ حضور ﷺ اور قرآن کی دعوت کی مخالفت سے بچ جائیں

۳۔ کثیر نعمتوں کی یاد اظہار مخالفت پر حیا کا تقاضا کرتی ہیں

۴۔ کثرت نعمت بتا رہی ہے کہ منعم نے انہیں دوسروں سے خاص کیا ہے اور جو اس قدر نعمتوں کے لیے مخصوص ہوں ظاہر یہی ہے کہ ان سے وہ زائل نہیں ہوتیں کیونکہ محاورہ ہے "احسان کا اتمام ابتدا کرنے سے بہتر ہوتا ہے" گویا سابقہ نعمتوں کا تذکرہ آئندہ نعمتوں میں طمع کا سبب بن جاتا ہے اور یہی آرزو، اظہار مخالفت ومخاصمت سے مانع بنی رہتی ہے۔

یہ نعمتیں ان پر کیسے ہیں؟

اگر کوئی کہے یہ نعمتیں مخاطبین پر نہیں بلکہ ان کے آباؤ اجداد پر تھیں تو انہیں ان کیلئے کیسے قرار دیا جا سکتا ہے اور ان کے سبب ان کی معصیت کو عظیم کیسے کہا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب کئی طرح سے ہے۔

۱۔ اگر یہ نعمتیں ان کے آباء پر نہ ہوتیں تو یہ کہاں باقی رہتے، ان کی نسل کہاں ہوتی؟ تو آباء پر انعامات گویا انہی پر ہوئے۔

۲۔ آباء کی طرف نسبت ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دین اور دنیا کی وہ نعمتیں عطا کیں جو حق اولاد میں نعمت عظیمہ ہیں۔

۳۔ اولاد جب سنتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے آباء کو یہ نعمتیں دیں کیونکہ انہوں نے اپنے رب کی اطاعت کی اور کفر وانکار سے اعراض کیا تو بچے بھی اسی طریقہ کو اختیار کر لیتے ہیں کیونکہ اولاد فطرۃً افعال خیر میں والدین کے مشابہ ہوتی ہے لہٰذا یہ نعمتوں کا یاد دلانا نیکیوں میں رغبت اور برائیوں سے اعراض کی طرف دعوت ہے۔

"وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ" کی تفسیر

عہد، معاہد اور معاہد دونوں کی طرف منسوب ہوتا ہے اس عہد کے بارے میں دو اقوال ہیں۔

قول اول۔ اس سے مراد بغیر تخصیص تمام احکام وامور الٰہیہ ہیں۔ یہ روایات اس پر شاہد ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کے تذکرہ کو ان کے لیے عہد بنایا ہے کہ جیسے عہد و میثاق کا پورا کرنا لازم ہوتا ہے اسی طرح اس کی نعمتوں کا شکر کرنا لازم ہے اور اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ (میں اپنا وعدہ پورا کروں گا) سے ثواب ومغفرت مراد ہے۔ ثواب کے وعدہ کو عہد کے اس اشتراک کی وجہ سے مشابہ قرار دیا کہ دونوں میں کی مخالفت جائز نہیں۔

Marfat.com

۲۔ امام حسن فرماتے ہیں وہ عہد مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے ان الفاظ میں لیا:

وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا وَقَالَ اللّٰهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (پ۶-المائدہ:۱۲)

اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار قائم کیے اور اللہ نے فرمایا بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں ضرور اگر تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم کرو اور اللہ کو قرض حسن دو بیشک میں تمہارے گناہ اتار دوں گا اور ضرور تمہیں باغوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں رواں پھر اس کے بعد جو تم میں سے کفر کرے وہ ضرور سیدھی راہ سے بہکا

تو جس نے اللہ کے عہد میں وفا کی اللہ تعالیٰ اس کے لیے عہد میں وفا فرمائے گا۔

۳۔ جمہور مفسرین کا قول ہے کہ اَوْفُوْا بِعَهْدِيْ سے مراد یہ ہے کہ تم مامور طاعات کو بجالاؤ اور ممنوع معاصی سے بچو۔ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ میں تم سے راضی ہو کر تمہیں جنت میں داخلہ عطا فرماؤں گا، یہی تفسیر امام ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے۔ اس کا خلاصہ ان ارشادات میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (پ۱۱-التوبہ:۱۱۱)

بیشک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لیے ہیں اس بدلے پر کہ ان کیلئے جنت، اللہ کی راہ میں لڑیں تو ماریں اور مریں اس کے ذمہ کرم پر سچا وعدہ توریت اور انجیل اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ قول کا پورا کون؟ تو خوشیاں مناؤ اپنے سودے پر جو تم نے اس سے کیا اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

دوسرا قول: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور شانوں کے بارے میں عہد

یہاں وہ عہد مراد ہے جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور شانوں کے حوالے سے سابقہ کتب میں تھا جیسا کہ سورۃ المائدہ میں ہے:

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (پ۶، المائدہ:۱۲)

اور بیشک اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار قائم کیے اور اللہ نے فرمایا بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں ضرور اگر تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم کرو اور اللہ کو قرض حسن دو بیشک میں تمہارے گناہ اُتار دوں گا اور ضرور تمہیں باغوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں رواں ہیں

مثل قدیر

Marfat.com

سورۃ الاعراف میں ہے:

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ (پ۹-الاعراف:۱۵۶،۱۵۷)

اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے تو عنقریب میں نعتوں کو ان کیلئے لکھ دوں گا جو ڈرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں

رہا اللہ تعالیٰ کا عہد، وہ یہ تھا کہ ان کے بوجھ اور ان کے گلوں کے طوق ختم فرمادے گا۔ یہ بھی ارشادِ الٰہی ہے

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ (پ۳-آل عمران:۸۱)

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے

ایک اور مقام پر فرمایا:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (پ۲۸،الصف:۶)

اور یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ اپنے سے پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوں اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے۔

اتباع پر دُہرا اجر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے اللہ تعالیٰ نے تورات میں بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ میں بنی اسماعیل میں نبی اُمّی مبعوث فرماؤں گا جس نے ان کی اتباع کرتے ہوئے ان کے ساتھ آنے والے نور (قرآن) کی تصدیق کی میں اس کے گناہ معاف فرما کر اسے جنت میں داخل کروں گا اور دو اجر عطا کروں گا ایک حضرت موسیٰ اور دیگر بنی اسرائیلی رسولوں کی اتباع پر اور حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات کی اتباع پر دوسرا اجر عطا کروں گا اس کی تصدیق اس ارشادِ عالی میں ہے:

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ (پ۲۰-القصص:۵۲)

جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ اس پر ایمان لاتے ہیں

شیخ علی بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی تصدیق اس ارشادِ مبارکہ میں ہے

Marfat.com

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ یُؤْتِكُمْ كِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ (پ ۲۷-الحدید: ۲۸) اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ وہ اپنی رحمت کے دو حصے تمہیں عطا فرمائے گا

اس کی تصدیق اس روایت سے بھی ہے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ تین آدمیوں کو دو اجر ملیں گے۔ اہل کتاب میں سے جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا اور پھر حضور ﷺ پر تو اسے دو اجر عطا ہوں گے۔ دوسرا وہ آدمی جس نے اپنی لونڈی کو اچھی تربیت و تعلیم دی پھر اسے آزاد کر کے نکاح کروا دیا اس کے لیے دو اجر ہیں۔ تیسرا وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کی اور اپنے مالک کی اطاعت کی تو اسے بھی دو اجر ملیں گے۔

دو سوالات

پہلا سوال: اگر معاملہ یوں ہی ہے جو تم نے بیان کیا تو پھر ان میں سے بعض نے انکار کیوں کیا؟

اس کا جواب دو طرح پر ہے

اول۔ یہ کہ علم صرف ان کے علماء کو کتب کی وجہ سے حاصل تھا اور وہ زیادہ نہ تھے، ممکن ہے ان سے کتمان ہوا ہو۔

ثانی۔ یہ کہ نص، خفی تھی نہ کہ جلی تو اس میں شکوک و شبہات کا امکان تھا۔

دوسرا سوال: جس ذات کی ان میں بشارت دی گئی تھی تو کیا ان کتب میں ان کی جائے بعثت، وقت بعثت اور دیگر اس سے متعلقہ اشیاء کا ذکر تفصیلی تھا یا ذکر نہیں تھا؟

اب اگر وہ نص جلی (پہلی صورت) تھی اور اہل علم تک تواتر سے کتب میں منقول تھی تو اس کے کتمان پر انہیں قدرت نہیں ہوگی اور اب اس کا سابقہ انبیاء کے دین کا حصہ ہونا بداہۃً لازم اور معلوم ہوگا اور اگر دوسری صورتحال ہے تو پھر یہ نص، نبوتِ محمدی ﷺ پر دال ہی نہیں کیونکہ وہ کہہ سکتے ہیں کہ جس کی بشارت دی گئی ہے وہ عنقریب آئیں گے اور یہی جمہور یہود کا قول ہے۔

نص خفی تھی نہ کہ جلی

اس کا جواب یہ ہے جن لوگوں نے ارشاد گرامی "وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْۤ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ" کو توحید و نبوت پر دال دلائل میں غور و فکر پر محمول کیا جیسا کہ قول اول میں ہم نے بیان کیا۔ انہوں نے اس سوال کے قوی ہونے کی وجہ سے اسے اختیار کیا اور جو دوسرے قول کا معاون بننا چاہتا ہے وہ یوں جواب دے سکتا ہے کہ تعیین وقت و مکان اس طرح منصوص جلی نہ تھا کہ ہر کوئی اسے جان لیتا ہاں نص خفی تھی لہٰذا اس کا سابقہ دین انبیاء کا بداہۃً حصہ ہونا لازم نہیں آتا

فضل قدیر

Marfat.com

سابقہ کتب انبیاء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ وشہادتیں

اب ہم سابقہ انبیاء ومرسلین کی کتب سے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مذکور کچھ شہادتیں لا رہے ہیں۔

پہلی بشارت: تورات کے سفر اول کی نویں فصل میں ہے۔ جب حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے حضرت سارہ ناراض ہوئیں انہوں نے اللہ کا فرشتہ دیکھا جس نے کہا ہاجرہ تمہارا کیا ارادہ ہے اور تم کہاں جاؤ گی؟ کہا میں اپنی سردار حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے بھاگی ہوں، فرشتے نے کہا اپنی آقا کے پاس واپس جاؤ اور ان کا احترام کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری کھیتی اور اولاد میں کثرت فرمائے گا۔ عنقریب ایک بچے سے تم حاملہ ہونگی جب وہ پیدا ہو تو اس کا نام اسماعیل رکھنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا خشوع اور اس کی طرف متوجہ ہونا قبول فرمایا ہے اور وہ لوگوں کی آنکھوں کا تارا ہوگا۔ اس کا ہاتھ سب سے اوپر اور تمام کا ہاتھ خضوع کے ساتھ انہی کی طرف پھیلے گا اور تمام بھائیوں سے ان کا احترام زیادہ ہوگا۔

اس کلام سے استدلال یوں ہے۔

یہ کلام بطور بشارت ہے اور کوئی فرشتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جور وظلم یا ایسی کوئی بات نہیں کہہ سکتا جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ کی نسبت ہو اور یہ واضح ہے کہ حضرت اسماعیل اور ان کی اولاد نے کل یعنی معظم واکثر دنیا اور معظم واکثر اُمم میں تصرف وحکمرانی نہیں کی اور وہ اسلام سے پہلے بطور غلبہ تمام سے مختلط ہی نہ تھے کیونکہ قبل الاسلام وہ دیہات تک ہی محدود تھے وہ اوائل عراق وشام میں بھی خوف کے ساتھ ہی داخل ہوا کرتے تھے، جب اسلام آیا تو اس کی برکت سے وہ شرق تا غرب غالب آئے، اُمم کے ساتھ ان کا رابطہ ہوا۔ مختلف شہروں تک ان کے پاؤں پہنچے، ان کے گھر کا لوگوں نے ارادہ کیا اور وہ مجاورت کعبہ کی وجہ سے ان کے دیہاتوں میں داخل ہوئے۔ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صادق نہ ہوتے تو ان کی لوگوں سے ملاقات اور لوگوں کی ان کے ساتھ ملاقات اللہ تعالیٰ کی معصیت اور اس کی اطاعت سے شیطان کی اطاعت کی طرف خروج ہوتا اور اللہ تعالیٰ ایسی بشارت عطا فرمانے سے بالاتر ہے۔

دوسری بشارت: سفر خامس کی گیارہویں فصل میں ہے۔ رب تعالیٰ معبود ہے وہ میری مثل تم سے اور تمہارے اخوان سے نبی کھڑا فرمائے گا اور اسی فصل میں ہے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے فرمایا میں تمہاری مثل ان کے اخوان میں سے نبی کھڑا کرنے والا ہوں جو آدمی میرے نام پر میرے عطا کردہ کلمات ان سے نہ سنے گا میں اس سے انتقام لوں گا۔

یہ کلام واضح کر رہا ہے جس نبی کو اللہ تعالیٰ نے کھڑا فرمایا وہ بنی اسرائیل سے نہیں جیسا کہ کوئی بنو ہاشم کو کہے کہ تمہارے

Marfat.com

بھائیوں میں سے عنقریب امام ہوگا اور اس کے ذہن میں یہ ہو کہ وہ بنی ہاشم نہیں ہوگا پھر حضرت یعقوب علیہ السلام اسرائیل ہیں اور ان کا عیص کے سوا کوئی بھائی نہیں اور حضرت عیص کی حضرت ایوب علیہ السلام کے سوا کوئی اولاد نہیں اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہیں۔

تو یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی بشارت دی جائے حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت اسحاق (والد حضرت یعقوب) کے بھائی ہیں پھر ہر نبی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہے وہ اسرائیل کی اولاد سے ہے حالانکہ حضور علیہ السلام ان سے نہیں ہاں ان کے اخوان سے ہیں کیونکہ آپ اولاد اسماعیل سے ہیں جو حضرت اسحاق علیہ السلام کے اخ (بھائی) ہیں اگر یہ سوال ہو کہ "من بینکم" (تمہارے درمیان سے) کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ اس سے مراد حضور ﷺ نہیں ہو سکتے کیونکہ آپ بنی اسرائیل میں سے نہیں

ہم جواباً کہیں گے آپ ان کے درمیان ہی ہیں کیونکہ آپ ﷺ کا ظہور حجاز میں ہوا۔ بعثت مکہ میں ہوئی اور ہجرت مدینہ کی طرف اور وہاں آپ کا معاملہ کامل ہو گیا۔ مدینہ کے اردگرد بلاد یہود تھے جیسے خیبر، بنوقینقاع اور نضیر وغیرہ۔

اور یہ بھی ہے کہ حجاز شام کے قریب ہے اور اس وقت جمہور یہود شام میں تھے جب حضور حجاز میں آئے تو ان کے درمیان ہی ہوئے۔

اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے جب ان کے اخوان سے ہوئے تو ان کے درمیان ہی ہوئے۔

۳۔ اس سفر کی بیسویں فصل میں ہے، رب تعالیٰ طور سینا پر آیا اور ہم پر ساعیر سے طلوع ہوا اور جبال فاران سے ظاہر ہوا اپنے دائیں طرف کو عنفوان قدسین دیا اور انہیں عزت سے نوازا اور انہیں شعوب کی محبت دی اور جمیع قدسین کے لیے برکت کی دعا کی

وجہ استدلال یوں ہے۔ جبل فاران حجاز میں ہے کیونکہ تورات میں ہے حضرت اسماعیل نے تیر اندازی فاران کے جنگل میں سیکھی اور ان کا مکہ میں ہونا مسلم ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو 'انہیں عزت سے نوازا'، سے مراد حضرت اسماعیل نہیں ہو سکتے کیونکہ انہیں وہاں سکنی کے بعد عزت نہیں ملی اور نہ ہی وہاں قدسین کا اجتماع ہوا۔

تو اسے ضروری ہے حضور ﷺ کی ذات اقدس پر محمول کیا جائے۔

یہود کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ جب آگ طور سینا سے ظاہر ہوگی تو ساعیر سے بھی ہوگی اور جبل فاران سے بھی تو وہ تمام مقامات پر متفرق ہوئی۔

ہم کہتے ہیں یہ صحیح نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اگر کسی جگہ آگ پیدا کی تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس سے اللہ آیا ہے۔

اس سے مراد نزول وحی یا نزول عذاب وغیرہ ہو سکتا ہے اور تمہارے ہاں ظہور آگ کے ساتھ طور سینا کے علاوہ وحی وکلام آتا ہی نہیں تو اب یوں کہا جائے گا کہ اس کا ظہور ساعیر اور فاران سے ہوا تو اب اس کا نزول نہیں ہوگا

جیسا کہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ بادلوں سے آ گیا ہے جب ان میں آگ اور بجلی چمکتی ہے جیسا کہ موسم ربیع میں ہوتا ہے اور

Marfat.com

پھر کتاب حبقوق میں بھی ہماری بات کی تائید ملتی ہے کہ اللہ طور سینا اور جبل فاران کے قدس سے آیا۔ آسمان حضرت محمد ﷺ کے حسن سے منکشف ہوا، زمین ان کی تعریف کرنے والوں سے بھر گئی، ان کے جلوہ کی شعاع ایسے نور کی طرح ہے، اس کا شہر عزت کی بنا پر محفوظ ہوگا، منایا اس کے آگے چلیں گی، پھاڑنے والے پرندوں کے لشکر اس کے ساتھ ہوں گے، زمین پر چلیں گے، امتوں پر فکر اور ان کی تلاش کریں گے، ہوا کے پہاڑ ہل جائیں گے، رواجی اور وعدے آشکار ہو جائیں گے، رل مدین کے پردے متزلزل ہونگے، گھوڑوں پر سواری اور مدد واطاعت کی گردنوں پر بلند ہونگے۔

شیخ ابن رزین طبری نے یوں ہی نقل کیا ہے۔ رہے نصاریٰ شیخ ابوالحسین رحمۃ اللہ تعالیٰ کتاب الغرر میں کہتے ہیں میں نے ان کتب میں دیکھا، کہ وہ فاران کے پہاڑوں سے ظاہر ہوگا۔ محمد تعریف کئے گئے کے حسن سے آسمان کٹ جائے گا اور تیرے امر محمود سے تیر چلیں گے تو اپنی امت کے اخلاص اور مسیح کی کامیابی سے زمین پر غلبہ کرے گا۔

اس ہماری بات سے ظاہر ہو گیا تورات میں باری تعالیٰ کے ارشاد "ظهر الرب من جبال فاران" کا معنی ظہور نار نہیں بلکہ ایسی ذات کا ظہور ہے جو ان صفات سے متصف ہے اور وہ ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ کے علاوہ کوئی نہیں۔

اگر وہ کہیں اس سے اللہ تعالیٰ کی آمد مراد ہے اس لیے آخری کلمات میں " انقاذ مسیحك " ہے لیکن ہم کہیں گے اللہ تعالیٰ کی یہ صفات نہیں ہوسکتیں مثلاً وہ گھوڑوں پر سوار ہو یا اس کی نظر کی شعاع نور کی طرح ہو یا اس کے لیے مشاعر قدیمہ کا ثبوت ہو۔

رہے الفاظ " وانقاذ مسیحك " تو اس سے مراد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے یہود و نصاریٰ کے کذب سے حضرت مسیح علیہ السلام کو نکالا

۴۔ کتاب اشعیاء کی بائیس فصل میں ہے۔ اٹھو چراغ جلاؤ (مراد مکہ ہے) تمہارا وقت قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کرامت تجھ پر چمکے گی۔ زمین پر اندھیرے چھائے ہیں، امتوں پر ضباب کے سائیے ہیں اللہ نے تجھے نور کی روشنی دی، تجھ پر کرامت کا اظہار فرمایا، تیرے نور کی طرف امتیں چلیں گی، بادشاہ تیرے سورج کی روشنی پانے آئیں گے، اپنے ماحول کی طرف نگاہ اٹھا اور غور کر وہ تیرے ہاں جمع ہونگے، تیرا حج کریں گے، تیری اولاد دور شہروں سے تیرے پاس آئے گی کیونکہ تو تمام کا مرکز ہے۔ تمام شہروں کے لوگ اولاد مکہ کی طرح ہیں، تیرا لباس مزین اور سنورا ہوا ہے اور تو خوش ہے کیونکہ ذخائر بحر کا میلان تیری طرف ہے اور تمام لشکر تیری طرف حج کرنے آتے ہیں، کباش مدائن اور اہل سبا تیری طرف چلتے ہیں۔ وہ اللہ کی نعمتیں پا کر اس کی بزرگی بیان کرتے ہیں، فاران کی بکریاں تیری طرف چلتی ہیں اور مذبح کی طرف میری رضا کے مطابق ہی انہیں لے جایا جاتا ہے، اس وقت میرے گھر کیلئے حمد یہ کلمات ہوں گے۔

وجہ استدلال اس طرح ہے، یہ تمام صفات مکہ کی ہیں کیونکہ تمام لشکر اس کا حج کرتے ہیں اور اس کی طرف ذخائر بحر کا میلان

Marfat.com

ہے "احدث لبیت محمدتی حمدا" کا معنی یہ ہے قبل از اسلام عرب یہ تلبیہ کہا کرتے تھے:

لبیك لا شریك لك الا شریك هو لك تملكه وما ملك — میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک ہے تو اسکا مالک ہے وہ مالک نہیں

اسلام آنے کے بعد تلبیہ یہ بنا "لبیك اللهم لبیك لا شریك لك لبیك" یہ وہ حمدیہ کلمات ہیں جو اس کے گھر کے طواف کے لئے تیار کئے گئے۔ اگر کوئی یہ کہے اس سے مراد بیت المقدس ہے اور بعد میں اسے یہ مقام ملے گا ہمارا جواب یہ ہے پھر حکیم فدنا وقتك (تمہارا وقت قریب ہے) نہ فرماتا۔ حالانکہ وہ قریب نہ ہو بلکہ جو قریب ہو وہ اس کی رضا نہ ہو۔

اور یہ بھی دلیل ہے کہ کتاب اشعیاء بادیہ کے ذکر اور اوصاف سے بھری پڑی ہے اور یہ ان کے قول کے بطلان پر شاہد ہے۔

۵۔ سمان نے تفسیر میں تورات کے سفر اول کے حوالے سے لکھا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی فرمائی میں نے اسماعیل کے بارے میں تمہاری دعا قبول کی اور اسے برکت دی۔ میں نے اسے بڑی عظمت دی اس کے ہاں بارہ عظیم افراد پیدا ہونگے اور میں نے اسے اُمت عظیمہ کیلئے بنایا ہے۔ اس سے استدلال یوں ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں جس کی امت سب سے بڑی ہو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے تعمیر کعبہ سے فارغ ہو کر ہمارے نبی کیلئے یہ دعا کی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (پ۱-البقرہ:۱۲۹)

اے رب ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انہیں خوب ستھرا فرمادے۔ بے شک تو ہی ہے غالب حکمت والا

دعاء ابراہیمی اور بشارت عیسیٰ علیہ السلام

اس لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا میں اپنے والد ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور بشارت عیسیٰ ہوں اس کا ذکر قرآن میں یوں ہے:

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (پ۲۸-الصف:۶)

اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے

احمد، حمد سے ہے اور حمد سے مشتق نام ہمارے نبی ہی کے ہیں محمد، احمد، محمود۔

بعض نے کہا تورات میں آپ کا تذکرہ یوں ہے۔ آپ کی جائے ولادت مکہ، جائے سکونت طیبہ، ملک شام اور امت حمد کرنے والی ہوگی

Marfat.com

چھٹی بشارت: حضرت مسیح نے حواریین سے فرمایا میں جا رہا ہوں تمہارے پاس حق کی روح فارقلیط آئے گا جو اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا۔ وہ وہی فرمائیں گے جو اسے کہا جائے گا یہ اس کی تصدیق ہے۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ (پ ۹-الانعام: ۵) میں تو اسی کا تابع ہوں جو مجھے وحی آتی ہے

دوسرے مقام پر فرمایا:

قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ (پ ۱۱-یونس: ۱۵)

تم فرماؤ مجھے نہیں پہنچتا کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں میں تو اسی کا تابع ہوں جو میری طرف وحی آتی ہے میں اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے

فارقلیط کا معنی

اس کی دو تفاسیر ہیں:

۱۔ اس کا معنی۔ مقبول شفاعت کرنے والا اور یہ حضور علیہ السلام کی شان اقدس ہے۔

۲۔ بعض نصاریٰ نے کہا۔ اس کا معنی حق و باطل میں فرق کرنے والا، اصل میں یہ فاروق ہے جیسے کہ رونق دینے والے کو راووق کہا جاتا ہے۔

لیط، اس کا معنی کسی معاملہ کی تحقیق ہے جسے کہا جاتا ہے شیب اشیب ذو شیب اور یہ بھی ہماری شریعت کا وصف ہے کہ وہ حق و باطل میں فرق کرتی ہے۔

ساتویں بشارت: حضرت دانیال۔ نے بخت نصر کو اس کی خواب بتائے بغیر فرمایا تو نے ہولناک منظر دیکھا ہے جس کا سر سونے کا، بازو چاندی کے پیٹ اور رانیں تانبے کی، پنڈلیاں لوہے کی اور بعض خذف کی ہیں تو نے پتھر دیکھا جو کاٹنے والے کے بغیر کٹ گیا ایک آدمی نے بت کو دے مارا۔ وہ ریزہ ریزہ ہو گیا، اس کا لوہا، چاندی، سونا بکھر گیا اور گرد بن گیا جسے ہوا لے اڑی اس کا اثر باقی نہ رہا اور وہ پتھر بلند پہاڑ بن گیا جس سے زمین بھر گئی یہ تیرا خواب تھا اس کی تعبیر بھی سن لیجئے۔

جو سونے کا سر دیکھا اس سے تو مراد ہے تیرے بعد ایک مملکت ہو گی جو تجھ سے ادنیٰ ہو گی۔ تیسری مملکت جو تانبے کی مانند ہے تمام زمین پر پھیل جائے گی چوتھی مملکت قوت میں لوہے کی طرح ہو گی وہ آدمی جس کا بعض خذف ہے بعض مملکت عزیز اور

Marfat.com

بعض ذلیل ہوگی، بادشاہ کا نظام متفرق ہوگا۔ آسمان کا الہ ان دنوں مملکت ابدیہ قائم فرمائے گا جس پر زوال وتغیر نہیں آئے گا، وہ ممالک کو زوال کا شکار کردے گی۔ اس کا بادشاہ تمام بادشاہوں کو ختم کردے گا اور زمانے تک قائم رہے گی۔ یہ پتھر کی تفسیر ہے جو پہاڑ سے بغیر کاٹے کٹا تھا حتیٰ کہ اس نے لوہے، تانبے اور خذف کو ختم کر دیا اور اللہ ہی جانتا ہے جو آخر زمانہ میں ہوگا۔

یہ وہ بشارات ہیں جو ہمارے نبی ﷺ کے بارے میں سابقہ کتب میں وارد ہوئیں ہیں۔

اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ کی تفسیر

معتزلہ کہتے ہیں اس عہد سے وہ مراد ہے جس پر عقل دال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر مطیع کو ثواب دینا لازم ہے اور اس وصف وجوب کو عہد کہنا درست ہے کیونکہ اس کا پورا کرنا لازم ہوتا ہے بلکہ یہ اس عہد سے زیادہ مؤکد و پختہ ہوگا جو نذر و یمین کی وجہ سے لازم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ پہ کچھ لازم نہیں

اہل سنت کہتے ہیں اللہ پر بندے کے حوالے سے کوئی شی لازم نہیں اور اس آیت میں بھی اس پر دلالت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے نعمتوں کا ذکر فرمایا پھر اس پر عہد کی وفا بیان فرمائی جو واضح کر رہا ہے کہ سابقہ نعمتیں عہد عبودیت کا سبب ہیں۔

جب بات یوں ہے تو اداء عبادات، سابقہ نعمتوں کے سبب لازم ہونے والے کی ادائیگی ہوگی اور ادا واجب ولازم دوسرے واجب کا سبب نہیں بنتا تو ثابت ہوگیا اداء تکالیف ثواب کی موجب نہیں لہٰذا معتزلہ کا قول باطل ہے۔

حق تفسیر دو طرح ہے

بلکہ حق تفسیر دو وجہ پر ہے۔

۱۔ جب اللہ تعالیٰ نے ثواب کا وعدہ فرمایا اور جس کا وہ وعدہ فرماتا ہے اس کا نہ پایا جانا محال ہے اگر وہ نہ پایا جائے تو خبر صادق کذب ہوجائے گی اور یہ اس پر محال ہے اور محال کی طرف پہنچانے والا بھی محال ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کا موجود ہونا لازم ہوگا اور یہ یمین اور نذر سے ثابت شدہ سے زیادہ مؤکد ہوگا۔

۲۔ عہد سے مراد امر ہے اور عبد مامور ہوسکتا ہے البتہ اللہ تعالیٰ مامور نہیں بن سکتا ہاں بطور مشاکلت الفاظ اس کا اجراء واستعمال ہوجاتا ہے جیسے فرمایا:

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ (پ۵-النساء:۱۴۲)

وہ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دیا چاہتے ہیں اور وہی انہیں غافل کر کے مارے گا

فضل قدیر

Marfat.com

پھر فرمایا:

وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ (پ۳،آل عمران:۵۴) اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی

وَاِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ کی تفسیر

رھبۃ، کا معنی خوف ہے۔ اہل کلام وعقائد کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ سے خوف کا مطلب اس کے عتاب سے خوف ہوتا ہے، مکلف کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ دو طرح خائف ہوسکتا ہے۔

۱۔ مع العلم۔ (یقینی صورت میں)

۲۔ مع الظن۔ (ظنی صورت میں)

جب اس بات کا یقین ہو کہ اس نے تمام مامور بجالائے اور ممنوعات سے بچا تو اس کا خوف مستقبل کے حوالے سے ہوگا اس مفہوم کے اعتبار سے ہم ملائکہ اور انبیاء کے بارے میں خوف وڈر کی بات کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

یَخَافُوْنَ رَبَّھُمْ مِّنْ فَوْقِھِمْ (پ۱۴۔النحل:۵۰) اپنے اُوپر اپنے رب کا خوف کرتے ہیں اور وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم ہو

اگر ظن ہو یعنی اسے تمام مامور بجالانے اور تمام ممنوعات سے بچنے کا یقین نہ ہو تو اب وہ اہل ثواب نہ ہونے پر خوف رکھے گا اور واضح رہے دنیا میں جو جس قدر خوف والا ہوگا روز قیامت اسی قدر ہی بے خوف ہوگا اور بالعکس بھی

منقول ہے روز قیامت منادی آواز دے گا مجھے میری عزت اور جلال کی قسم میں بندے پر دو خوف جمع نہیں فرماتا اور نہ دو امن، جسے میں نے دنیا میں بے خوفی دی میں اسے روز قیامت خوف دلاؤں گا اور جسے میں نے دنیا میں خوف دیا اسے روز قیامت بے خوفی دوں گا۔

عرفاء کا قول

اہل معرفت فرماتے ہیں خوف دو طرح پر ہے خوف عتاب اور خوب جلال۔ اول اہل ظاہر کا جبکہ دوسرا اہل قلب کا حصہ ہے۔ اول زائل ہو جاتا ہے جبکہ دوسرا زائل نہیں ہوتا۔

آیت کریمہ یہ بھی واضح کررہی ہے کہ نعمتوں کی کثرت، معصیت کو بڑا بنا دیتی ہے اور عہد کی مخالفت عظیم برائی کا ارتکاب ہے۔

Marfat.com

اوراس پر بھی دلالت ہے کہ یہ رسول جس طرح عرب کی طرف مبعوث ہیں اسی طرح بنی اسرائیل کی طرف بھی ان کی بعثت ہے ارشادگرامی ''وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْن'' واضح کررہا ہے کہ لازم ہے بندے کو اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرنا چاہئے جس طرح خوف میں یہ لازم ہے اسی طرح اُمید اور آرزو میں بھی اسی کی طرف توجہ لازم ہے۔

یہ تمام بتارہا ہے کہ تمام اللہ کی قضا اور تقدیر سے ہے اگر بندہ اپنے فعل میں مستقل ہوتا تو لازم تھا کہ اس سے بھی اللہ تعالیٰ کی طرح ہی ڈرا جائے اوراب وہ حصرو پابندی بھی ختم ہوجاتا جو ''اِیَّایَ فَارْهَبُوْن'' میں ہے بلکہ پھرتو اپنے نفس سے ہی ڈرنا لازم ہو جائے گا کیونکہ ثواب وعتاب کی چابیاں اس کے ہاتھ میں ہونگی نہ کہ اللہ کے قبضہ میں لہٰذا پھر بندے پر صرف اپنی ذات سے ڈرنا لازم ہوجائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے ہرگز نہیں ڈرے گا۔

اس حکم میں اس کی نشاندہی بھی ہے کہ انسان خوف ورجا سامنے رکھتے ہوئے اطاعات بجالائے اور یہ بات ان کی صحت کے لیے نہایت ہی ضروری ہے۔

[۴۱] وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾

(اور ایمان لاؤ اس پر جو میں نے اتارا اس کی تصدیق کرتا ہوا جو تمہارے ساتھ ہے اور سب سے پہلے اس کے منکر نہ بنو اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑے دام نہ لو اور مجھی سے ڈرو)

مخاطب بنی اسرائیل ہیں

وَ اٰمِنُوْا کے مخاطب بنی اسرائیل ہیں۔اس پر یہ دو دلیلیں ہیں:

ا۔ اس کا عطف ''اُذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ'' پر ہے گویا کہا جارہا ہے میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیں اور میرا عہد پورا کرو اور میرے نازل کردہ کلام پر ایمان لاؤ۔

۲۔ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ کے الفاظ بھی اسی پر دال ہیں۔

بِمَآ اَنْزَلْتُ کی تفسیر

بِمَآ اَنْزَلْتُ، کے بارے میں دو اقوال ہیں۔اقوی یہی ہے کہ مراد قرآن ہے اس پر یہ دو دلائل ہیں:

Marfat.com

۱۔ منزل وصف بیان ہوا اور وہ قرآن کا ہے ارشاد ربانی ہے:

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنْزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ اس نے تم پر یہ سچی کتاب اتاری اگلی کتابوں کی تصدیق فرمائی اور اس نے اس سے پہلے توریت اور انجیل اتاری۔ (پ۳-آل عمران:۳)

۲۔ سابقہ کتب کی تصدیق کرنے والا بھی قرآن ہی ہے۔ حضرت قتادہ سے منقول ہے "اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ" سے مراد وہ کتاب اور رسول ہے جس کا ذکر تم تورات اور انجیل میں پاتے تھے۔

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ کی دو تفاسیر

پہلی تفسیر: قرآن میں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام حق ہیں، تورات اور انجیل حق، تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی تو قرآن پر ایمان، تورات اور انجیل پر ایمان کی تائید بھی کر رہا ہے گویا کہا جا رہا ہے اگر تم تورات اور انجیل پر ایمان میں کمال و مبالغہ چاہتے ہو تو قرآن پر ایمان لے آؤ کیونکہ اس پر ایمان، تورات و انجیل پر ایمان کا تقاضا کرتا ہے۔

دوسری تفسیر: تورات و انجیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے بارے میں بشارات موجود ہیں گویا حضور اور قرآن پر ایمان تورات و انجیل کی تصدیق ہے۔ حضور اور قرآن کی تکذیب ان دونوں کتب کی تکذیب ہوگی۔

یہ دوسری تفسیر اولیٰ ہے کیونکہ پہلی تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کو لازم نہیں بناتی کیونکہ تورات اور انجیل کے حق ہونے کی خبر دینا آپ کی نبوت پر ایمان کو لازم نہیں کرتا البتہ دوسری تفسیر آپ پر ایمان بھی لازم بناتی ہے کیونکہ تورات و انجیل جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جب صادق ہونے پر مشتمل ہیں تو ان دونوں پر ایمان یہ تقاضا کرتا ہے کہ حضور کی ذات اقدس بہر صورت صادق ہے اور یہ مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ گفتگو اس لیے فرمائی ہے تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر لازم ایمان کے حوالہ سے ان مخالفین پر حجت ہو لہٰذا دوسری تفسیر کا اولیٰ ہونا ثابت ہو گیا اور یہ تفسیر آپ کی نبوت پر دو طرح دال ہے۔

۱۔ حضرات انبیاء علیہم السلام پر نازل ہونے والی کتب کی شہادت حق ہی ہوتی ہے۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کتب کے بارے میں خبر دی اور آپ کو یہ معرفت وحی کے ذریعہ سے ہی حاصل ہوئی۔

وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ کی تفسیر

اس کا معنی یہ ہے کہ اول شخص کفر کرنے والا یا اول فریق یا اول لشکر یا تم میں سے کوئی بھی اولاً کفر کرنے والا نہ ہو، یہاں دو سوالات ہیں

Marfat.com

پہلا سوال: ان کو اول کفر کرنے والا کیسے کہا حالانکہ ان سے پہلے مشرکین عرب نے کفر کیا۔

اس جواب میں چند وجوہ ہیں:

پہلی وجہ: یہ ان پر تعریض وطعن ہے کہ ان کو چاہئے یہ تھا کہ وہ اولاً آپ کی ذات اقدس پر ایمان لانے والے بن جاتے کیونکہ انہیں آپ کی ذات وصفات کی معرفت حاصل تھی، اور یہ لوگ حضور ﷺ کے زمانہ کی دوسروں کو خبر دیتے، کفار کے خلاف آپ کی ذات کو وسیلہ بناتے لیکن جب آپ کی بعثت ہوئی تو ان کا معاملہ برعکس ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ (پ ۱-البقرہ:۸۹) تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا اس سے منکر ہو بیٹھے

دوسری وجہ: یہ مراد لینا بھی جائز ہے کہ اولیں انکار کرنے والوں کی نسل نہ بنو یعنی اہل مکہ کے مشرکوں کی طرح نہ ہو جاؤ جب تم تورات وانجیل کے ذریعے آپ کو جانتے ہو تو نہ جاننے والوں کی طرح نہ ہو جاؤ وہ تو مشرک ہیں اور وہ کسی کتاب کو نہیں جانتے۔

تیسری وجہ: اہل کتاب میں سے اول انکار کرنے والے نہ بنو کیونکہ یہ بنی اسرائیل میں سے قرآن کا انکار کرنے والے پہلے ہی تھے اگرچہ قریش نے ان سے پہلے کفر اختیار کیا تھا۔

چوتھی وجہ: یہ ان کے علماء سے فرمان ہے کہ تم اپنے لوگوں میں اپنی کتاب کے اول تکذیب کرنے والے نہ بنو کیونکہ حضور ﷺ کی تکذیب تمہاری کتاب ہی کی تکذیب ہے۔

پانچویں وجہ: اس سے مراد اُن کے کفر کی شدت وتغلیظ کا بیان ہے کیونکہ جب انہوں نے آپ ﷺ کے صدق پر معجزات کا مشاہدہ کیا اور پہلے تورات وانجیل میں بشارات بھی پڑھیں تو اب ان کا کفر نہ جاننے والے سے کہیں اشد ہوگا۔

اور کفر کی طرف پہل کرنے والا بعد والے سے اعظم گناہ کا مرتکب ہوگا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے جس نے کوئی برائی ایجاد کی اس پر اس کا بوجھ بھی ہوگا اور اس پر عمل کرنے والے کا بوجھ بھی۔

جب ان کا کفر عظیم تھا اور جو پہلے کفر کرے اس کا بھی کفر عظیم ہوتا ہے تو دونوں اس فعل میں مشترک ٹھہرے تو بطور استعارہ ایک کے اسم کا اطلاق دوسرے پر ہو سکتا ہے۔

چھٹی وجہ: معرفت رکھنے کے باوجود اول کفر والے نہ بنو اور قریش کا کفر تو معرفت کے ساتھ نہیں بلکہ وہاں جہالت تھی

Marfat.com

ساتویں وجہ: یہود میں سے پہلے انکار کرنے والے نہ بنو، جب آپ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو وہاں قریظہ اور نضیر تھے۔ انہوں نے آپ کا انکار کیا پھر باقی یہود نے ان کی پیروی میں کفر کیا تو گویا یہ فرمایا اہل کتاب میں سے تم پہلے انکار کرنے والے ہو۔ یہ اس ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے۔

وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ (پ۱-البقرہ:۴۷) اور یہ کہ اس سارے زمانے پر تمہیں بڑائی دی

یعنی تمہارے معاصر لوگوں پر تمہیں فضیلت دی ہے۔

آٹھویں وجہ: آپ ﷺ کا ذکر سنتے ہی انکار نہ کرو بلکہ اس میں تحقیق سے کام لیتے ہوئے اپنی عقول کو استعمال میں لاؤ۔

نویں وجہ: لفظ اول بطور صلہ ہے اور معنی ہوگا قرآن کے ساتھ کفر کرنے والے نہ بنو لیکن یہ ضعیف قول ہے۔

دوسرا سوال: اگر وہ کفر میں پہل نہ کریں تو پھر ان کے لیے کفر جائز ہونا چاہئے؟ اس کے متعدد جواب ہیں۔

پہلا جواب: کسی شی کے ذکر میں یہ دلالت نہیں ہوتی کہ اس کے ماسوا میں اس کے خلاف حکم ہوگا۔

دوسرا جواب: ارشاد باری تعالیٰ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ نشاندہی فرما رہا ہے کہ کفر اولاً اور آخراً ممنوع ہے۔

تیسرا جواب: اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی:

رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَھَا (پ۱۳-الرعد:۲) اس نے آسمانوں کو بلند کیا بے ستون کے کہ تم دیکھو

کی دلالت اس پر نہیں کہ ستون ہیں مگر انہیں دکھائی نہیں دیتے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ:

وَقَتْلِھِمُ الْاَنْبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ (پ-النساء:۱۵۵) اور وہ انبیاء کو ناحق شہید کرتے

کی دلالت اس پر نہیں کہ حق پر انبیاء کا شہید کرنا جائز ہے۔ اس آیت مبارکہ کے بعد والی آیت میں ہے۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا (پ۱-البقرہ:۴۱) اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑے دام نہ لو

تو اس کی دلالت اس پر نہیں کہ تم ثمن کثیر لیکر انہیں بیچ سکتے ہو، اس طرح کا معاملہ مذکورہ آیت میں ہے بلکہ اس سے مقصود ان کے کفر و عناد کو بُرا قرار دینا ہے کہ یہ ان سے سرزد ہو رہا ہے جو اپنی کتب میں حضور سرور عالم ﷺ کی نعت وصفت سے آگاہ تھے۔

چوتھا جواب: شیخ مبرد کہتے ہیں یہ ان لوگوں سے خطاب ہے جنہیں دوسروں سے پہلے مخاطب کیا گیا تو ان سے کہا جا رہا ہے کہ تم حضور ﷺ کے ساتھ کفر نہ کرو کیونکہ تمہارے بعد بھی کفر کرنے والے ہیں تو تم اولاً انکار کرنے والے نہ بنو کیونکہ یہ اولیت

Marfat.com

مزید گناہ کی موجب ہے یہ اس لئے کہ جب انہوں نے کفر میں پہل کی تو اب دوسرے لوگ ان کی اقتدا کریں گے یا نہیں اگر وہ ان کی اقتدا کرتے ہیں تو ان پر اپنے کفر اور بعد میں تا قیامت کفر کا بوجھ تمام ان پر آئے گا اور اگر وہ ان کی اقتدا نہیں کرتے تو ان میں دو امور جمع ہو گئے۔

۱۔ کفر میں پہل

۲۔ کفر میں انفرادیت

اور یہ بات نہایت ہی عیب و نقص ہے تو ''وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍ'' میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا کی تفسیر

ہم نے پہلے ارشاد باری تعالیٰ:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى — انہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے لیا

(پ۱-البقرۃ:۱۶)

کے تحت لکھا۔لفظ اشترا، استبدال کی جگہ آتا ہے جیسے کہ ثمن کو شی کے بدل وعوض کی جگہ لایا جاتا ہے۔جب دنیاوی کسی شی کو اللہ کے ثواب پر ترجیح دی جائے تو فاعل کے ہاں وہ ثمن ہوگی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے سرداران یہود مثلاً کعب بن اشرف، حیی بن اخطب وغیرہ غریب یہود سے ہدایا لیتے اور یہ سمجھتے اگر ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کر لی تو یہ ہدایا بند ہو جائیں گے لہٰذا انہوں نے اس حقیر رقم کی وجہ سے کفر پر اصرار کیا اور یہ حقیر اس لیے ہے کہ تمام دنیا، دین کی نسبت بہت ہی قلیل ہے۔دنیا کی نسبت دین کی طرف، متناہی کی غیر متناہی کے ساتھ ہے، پھر یہ ہدایا دنیاوی اعتبار سے بھی بہت کم تھے تو جو نہایت قلیل سے بھی نہایت قلیل ہو اس کی کثیر غیر متناہی سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟

واضح رہے یہ ممانعت صحیح ہے خواہ ان میں ایسا بد عملی والا تھا یا نہیں۔بلکہ اگر ثابت ہو جائے کہ ان میں ایسے علماء تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو مخفی رکھنے اور تورات میں اس بارے میں تحریف پر رشوت لیتے تھے تو کلام اور واضح ہو جائے گا۔

ارشاد ربانی وَاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ کا مفہوم وَاِيَّاىَ فَارْهَبُوْنِ کے قریب ہی ہے فرق یہ ہے کہ رھبت، خوف ہے اور اتقاء گویا اللہ تعالیٰ انہیں ڈرنے کا حکم فرما رہا ہے۔اسی لیے کہ جواز عتاب قائم ہے پھر انہیں تقویٰ کا حکم دیا کیونکہ تعین عتاب قائم ہے۔

Marfat.com

[۴۲] وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۴۲﴾

(اور حق سے باطل کو نہ ملاؤ اور دیدہ دانستہ حق نہ چھپاؤ)

آیت کا ربط

ارشادگرامی "وَآمِنُوا بِمَا أَنزَلْتُ" ترک کفر و گمراہی کا حکم تھا اور ارشاد مبارک وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ میں ترک دھوکہ اور گمراہ کرنے سے منع فرمایا۔

دوسرے کو گمراہ کرنے کے دو طریق ہیں کیونکہ غیر دلائل حق جانتا ہوگا تو اس کی گمراہی ان دلائل کے بارے میں اسے مشوش و پریشان کر دینا ہے اور اگر وہ نہیں جانتا تو اس سے دلائل مخفی رکھنا تا کہ اسے معلوم نہ ہو سکیں اسے گمراہ کرنے کا طریقہ ہے۔

ارشاد مبارک 'وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ' قسم اول کی اشارہ ہے اور وہ دلائل میں تشویش پیدا کرنا ہے اور ارشاد گرامی 'وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ' میں دوسری قسم کی طرف اشارہ ہے اور وہ اسے دلائل تک نہ پہنچنے دینا ہے۔

بِالْبَاطِلِ، میں اظہر یہی ہے کہ باء استعانت کی ہے جیسے کتبت بالقلم مفہوم یہ ہوگا حق کو ان شبہات کے ساتھ گڈمڈ نہ کرو جو تم سامعین پر وارد کرتے ہو اور یہ اس لیے کہ تم پر حضور ﷺ کے حوالے سے تورات وانجیل میں جو کچھ وارد ہے وہ نصوص خفیہ ہونے کی وجہ سے استدلال کی محتاج ہیں پھر یہ ان میں مجادلہ و جھگڑا بھی کرتے اور شبہات کے ذریعے ان میں فکر و تامل کرنے والوں کو مشوش کر دیتے ہیں یہی ارشاد گرام 'وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ' سے مراد ہے اور ان الفاظ مبارکہ میں یہی مذکور ہے۔

وَجَادَلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ (پ۲۴-غافر:۵) اور باطل کے ساتھ جھگڑے کہ اس سے حق کو ٹال دیں

وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ کی تفسیر

ارشاد مبارک 'وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ' سے مراد یہ ہے کہ تم اس بات سے آگاہ ہو کہ مخلوق کو گمراہ کرنے پر کس قدر ضرر عظیم روز قیامت تم پر عائد ہوگا یہ اس لیے کہ یہ تلبیس روز قیامت تک مخلوق کو قبول حق سے پھیر دے گی اور اس بات کی داعی و سبب ہوگی کہ روز قیامت تک وہ باطل پر قائم رہیں اور اس کے نقصان عظیم ہونے میں کوئی شک نہیں۔

یہ خطاب اگرچہ اہل کتاب کے بارے میں ہے لیکن باقی مخلوق کو بھی تنبیہ ہے کہ وہ ایسی بدعملی سے بچنے کی کوشش میں رہے۔ اب یہ خطاب اگرچہ صورۃً خاص تھا لیکن معناً عام ٹھہرا۔

Marfat.com

دوفوائد

یہاں دوفوائد ہیں:

پہلا فائدہ: الفاظ''وَتَکْتُمُوا الْحَقَّ''حکم نہی کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے بمعنی،ولا تکتموا ، یا''اِنْ''کے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

دوسرا فائدہ: قید علم کیوں؟

یہاں تلبیس وکتمان کا علم کے ساتھ مقید ہونا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ اگر علم نہ ہوتو یہ جائز ہوتے ہیں۔اس لیے کہ جب آدمی کسی شی کے بارے میں علم نہیں رکھتا تو اسے یہ بھی علم نہ ہوگا کہ یہ دونوں حق ہیں یا باطل اور جس شی کے حق یا باطل ہونے کے بارے میں آدمی نہ جانتا ہواس کی نفی یا اثبات کا فیصلہ اس کے لیے ہرگز جائز نہیں ہوگا بلکہ اس پر توقف (خاموشی) لازم ہے۔یہاں مقید کرنے کا سبب یہ ہے کہ علم کے باوجود نقصان دہ فعل پر اقدام اس صورت سے زیادہ بدتر اور فحش ہوگا جب آدمی کو اس کے نقصان دہ ہونے کا علم ہی نہ ہو۔جب انہیں تلبیس کے مفاسد کا علم تھا تو ان کا اس پر اقدام قبیح تر ہوگا۔آیت مبارکہ یہ بھی واضح کررہی ہے جو آدمی حق بات جانتا ہو۔اس کا اظہار اس پر لازم اور اس کا مخفی کرنا حرام ہوگا۔واللہ اعلم

[۴۳] وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ ﴿۴۳﴾

(اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والے کے ساتھ رکوع کرو)

آیت کا تعلق وربط

اللہ تعالیٰ نے جب پہلے ایمان کا حکم فرمایا پھر حق کو باطل کے ساتھ ملانے اور دلائل نبوت کو چھپانے سے منع فرمایا اس کے بعد ان پر لازم احکام ارشاد فرمائے اور ان شرائع میں سے جو مقدم اور اصل کی طرح ہیں ان کا ذکر فرمایا عبادات بدنی میں سب سے بڑی عبادت نماز اور عبادات مالی میں سے زکوٰۃ ہے۔یہاں چند مسائل ہیں۔

پہلا مسئلہ: تاخیر بیانِ اجمال میں جواز

جو لوگ خطاب کے موقعہ پر بیان مجمل میں تاخیر جائز نہیں سمجھتے ان کا قول یہ ہے حضور ﷺ نے انہیں نماز کے ارکان وشرائط سے آگاہ فرمادیا تھا تو اس کے بعد فرمان ہوا وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ گویا یہ فرمایا وہ نماز ادا کرو جو تم جان چکے ہو۔

فضل قدیر

Marfat.com

جو بیان مجمل میں تاخیر جائز رکھتے ہیں ان کا کہنا یہ ہے یہ جائز ہے انہیں نماز کا حکم ہو حالانکہ وہ اسے نہ جانتے ہو اور مقصود یہ ہو سامع اپنے نفس کو اس مامور وحکم کو بجالانے کیلئے تیار کرے اگر چہ وہ مامور کے بارے میں نہ جانتا ہو کہ وہ کیا ہے؟ جیسے سردار اپنے غلام سے کہے میں کل تجھے کسی شی کے بارے میں حکم دوں گا جسے تو نے بجالانا ہے اور اس کی غرض یہ ہوتا کہ غلام اس کی ادائیگی کے لیے وقت ثانی میں تیار ہو۔ اس حکم کے حسن وخوبی میں کوئی نزاع نہیں۔

دوسرا مسئلہ، لفظ صلاۃ کا مفہوم

معتزلہ کہتے ہیں صلوۃ اسماء شرعیہ سے ہے کیونکہ یہ شریعت میں نیا حکم تھا تو یہ ممکن نہیں کہ قبل از شرع اس کے لیے لفظ کی وضع ہو۔ پھر وجہ شبہ میں اختلاف ہے بعض نے کہا لغت میں دعا کے لیے ہے۔ اعشی نے کہا:

عليك مثل الذی صليت فاعتصمی عينا فان لجنب المرء مضطجعا

ایک اور شاعر نے کہا:

وقابلها الريح فی دنها و صلی علی دنها وارتسم

بعض نے کہا لغت میں بمعنی لزوم ہے۔ شاعر نے کہا:

لم أكن من جناتها علم الله و انی بحرها اليوم صالی

دیگر کا کہنا یہ ہے کہ یہ مصلی سے ہے وہ گھوڑا جس کی دوسرے اتباع کریں۔

اقرب یہ ہے کہ یہ دعا سے ماخوذ ہے کیونکہ کوئی نماز ایسی نہیں جس میں دعا یا اس کا قائم مقام نہ ہو البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ نماز ہو مگر اس میں غیر کی متابعت نہ ہو۔ جب وجہ شبہ تمام صورتوں میں پائی جاتی ہو تو اسے لینا اولیٰ ہوتا ہے اس سے جو صرف بعض صورتوں میں پائی جارہی ہو۔ اہل سنت کہتے ہیں اسم جزء کا اطلاق کل پر لغت کے مجازات معروفہ میں سے ہے۔ جب صلوۃ شرعیہ دعا پر مشتمل ہوتی ہے تو اس پر دعا کا اطلاق بطور مجاز ہی ہوگا۔ اگر معتزلہ کی مراد اسم شرعی سے یہی ہے تو حق اور اگر مراد یہ ہے کہ شرع نے ابتداء ہی اسے مسمیٰ (نماز) کے لیے وضع کیا تو یہ باطل ہے ورنہ یہ لفظ عربی نہ ہوتا اور یہ اس ارشاد گرامی کے منافی ہے:

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا (پ۱۲-یوسف:۲) بیشک ہم نے اسے عربی قرآن اتارا کہ تم سمجھو

لفظ زکوۃ کا مفہوم

زکوۃ کا لغوی معنی بڑھنا جیسے فصل بڑی ہوجائے تو کہا جاتا ہے زکا الزرع

Marfat.com

دوسرا مفہوم اس کا تطہیر و پاک کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً (پ۱۵-الکہف:۷۴) کیا تم نے ایک ستھری جان قتل کر دی

یعنی نفس طاہرہ۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (پ۳۰،الاعلیٰ:۱۴) فلاح پا گیا جس نے پاکیزگی حاصل کر لی

اور یہ بھی فرمان ہے:

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اَبَدًا (پ۱۸-النور:۲۱) اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم میں کوئی بھی کبھی ستھرا نہ ہو سکتا۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ (پ۲۲-الفاطر:۱۸) اور جو ستھرا ہوا تو اپنے ہی بھلے کو ستھرا ہوا۔

یعنی نفس کو اطاعت الٰہی سے پاک کر لیا۔

وجوہاتِ مشابہت

بیس دینار میں سے نصف دینار کی ادائیگی کو زکوٰۃ انہی دو وجہوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے کہا جاتا ہے کیونکہ اتنی مقدار نکالنے سے باقی میں اضافہ بطور برکت ہو جاتا ہے وہ یوں کہ اس عطیہ کی ادائیگی کے سبب اللہ تعالیٰ اس مال سے بلا کو اٹھا لیتا ہے تو معنوی طور پر یہ عطا کرنا اضافہ ہے اگرچہ بظاہر نقصان ہے اس لیے آپ ﷺ کا فرمان ہے تم پر صدقہ لازم ہے کیونکہ اس میں چھ خصائل ہیں تین دنیاوی اور تین اُخروی، دنیاوی رزق میں اضافہ، مال میں کثرت اور ملک کی تعمیر و آبادی۔ آخروی ستر، سایہ اور دوزخ سے آڑ۔

دوسری وجہ کی بنا پر بھی زکوٰۃ کہا جا سکتا ہے اس لیے کہ زکوٰۃ ادا کرنے والا تمام گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (پ۱۱-التوبہ:۱۰۳) اے محبوب ان کے مال سے زکوٰۃ حاصل کرو جس سے تم انہیں ستھرا اور پاکیزہ کر دو

Marfat.com

تیسرا مسئلہ: ارشاد مبارک 'وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَآتُوا الزَّکٰوۃَ' یہود سے خطاب ہے۔ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ کفار فروع شرع کے بھی مخاطب ہیں۔

وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ کی تفسیر

درج ذیل فوائد ہیں:

۱۔ یہود کی نماز میں رکوع نہ تھا اللہ تعالیٰ نے خصوصاً رکوع کا ذکر فرما کر انہیں اس پر ابھارا کہ وہ مسلمانوں والی نماز ادا کریں۔

۲۔ یہ مراد بھی ہے کہ باجماعت نماز ادا کرو، اس مفہوم کی صورت میں آیت میں تکرار ختم ہو جائے گا پہلے ارشاد میں اقامت نماز جبکہ دوسرے میں باجماعت ادائیگی کا حکم ہے۔

۳۔ امر رکوع سے مراد خضوع ہے لغت میں رکوع و خضوع ایک ہی ہیں تو اب تکبر مذموم سے ممانعت اور عاجزی و تذلل کا حکم ہو گا۔ جیسا کہ اہل ایمان سے فرمایا:

فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗۤ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ (پ ۶- المائدہ: ۵۴)

تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت

اور اپنے رسول ﷺ کی تربیت کرتے ہوئے فرمایا:

وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (پ ۱۹- الشعراء: ۲۱۵)

اور اپنی رحمت کا بازو بچھاؤ اپنے پیرو مسلمانوں کیلئے

اور آپ ﷺ کی مدح میں فرمایا:

فَبِمَا رَحْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنْتَ لَھُمْ وَلَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ (پ ۴- آل عمران: ۱۵۹)

تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب تم ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے

اسی طرح ارشاد ربانی ہے:

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ (پ ۶- المائدہ: ۵۵)

تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول ﷺ اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں

Marfat.com

گویا اللہ تعالیٰ نے جب نماز و زکوٰۃ کا حکم دیا تو اس کے بعد اتباع، خضوع اور ترک سرکشی کا فرمایا۔

شیخ اصم رحمۃ اللہ علیہ نے بعض سے نقل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ادائیگی زکوٰۃ کا حکم اس لیے دیا کہ وہ اسے ادا نہ کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی:

وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (پ ۶- المائدہ: ۶۲) — اور حرام خوری پر دوڑتے ہیں، بے شک بہت ہی برے کام کرتے ہیں

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ (پ ۶- النساء: ۱۶۱) — اور اس لیے کہ وہ سود لیتے حالانکہ وہ اس سے منع کیے گئے تھے اور لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے اور ان میں جو کافر ہوئے ہم نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر ان پر جو فریضہ تھا اس کا اظہار فرمایا تاکہ انہیں اس بات کا خوف پیدا ہو کہ کہیں ہمارے باقی مخفی امور و معاصی کو سامنے لا کر ذلیل نہ کر دیا جائے تو یہ ان غیبی اخبار میں شامل ہوگی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایک اہم دلیل ہیں۔

[۴۴] اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾

(کیا لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنی جانوں کو بھولتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو تو کیا تمہیں عقل نہیں)

اتأمرون۔ میں ہمزہ متنبہ کرنے کے ساتھ تقریر و پختگی اور ان کی حالت پر تعجب کیلئے ہے۔ البر، تمام اعمال خیر کیلئے جامع لفظ ہے مثلاً بر الوالدین (ان کی فرمانبرداری) عمل مبرور (جس پر اللہ راضی ہو) بعض اوقات بمعنی صدق جیسے کہا جاتا ہے بر فی یمینہ (اس نے قسم سچی کر دکھائی اور توڑی نہیں) 'صدقت و بررت' اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى (پ ۲- البقرہ: ۱۸۹) — ہاں بھلائی تو پرہیزگاری ہے

یہاں بتا دیا برّ تقویٰ کے لیے جامع ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر ہونے والی نعمتوں کی بنا پر انہیں ایمان اور اچھے اعمال کا حکم دیا تو ایک اور بنا پر انہیں ان کا شوق پیدا کیا جا رہا ہے وہ یوں کہ لوگوں کو نیکی پر ابھارنا اور خود غفلت برتنا عقلاً نہایت ہی قبیح ہے کیونکہ لوگوں سے یہ بات کہنے کا مقصد نصیحت ہوگی یا شفقت، یہ عقل مندی نہیں کہ انسان غیر پر شفقت یا اس کی خیر خواہی کرے مگر اپنے نفس کو کچھ نہ کہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اس عمل سے بچانے کے لیے ان الفاظ سے انہیں تنبیہ کی۔

Marfat.com

بِرّ سے کیا مراد ہے؟

اس مقام پر "بِر" کے یہ معانی ہو سکتے ہیں۔

۱۔ امام سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے یہود لوگوں کو اللہ کی اطاعت کا حکم اور اس کی نافرمانی سے منع کرتے لیکن خود اطاعت ترک کر کے، معصیت و نافرمانی اختیار کرتے۔

۲۔ امام ابن جریج کہتے ہیں وہ لوگوں کو نماز و زکوٰۃ کا حکم دیتے مگر خود اس کے تارک تھے۔

۳۔ جب کوئی خفیہ طور ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھتا تو وہ کہتے یہ قول میں سچے ہیں ان کا معاملہ حق ہے لہٰذا ان کی اتباع کرلو لیکن خود آپ کی اتباع نہ کرتے تاکہ کہیں ماننے والوں کے ہدایا سے محروم نہ ہو جائیں

۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جماعت یہود مشرکین عرب کو کہتی عنقریب رسول کا اظہار ہوگا اور وہ حق کی دعوت دیں گے انہیں آپ کی اتباع کا شوق دلاتے جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرما دیا تو انہوں نے حسد کی بنا پر آپ سے کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت اس سبب سے کی کہ وہ قبل از ظہور اتباع کا کہتے جب ظہور ہو گیا تو اتباع ترک کر کے آپ سے اعراض کر لیا۔ شیخ ابو مسلم کا مختار یہی ہے۔

۵۔ امام زجاج کا کہنا ہے یہ لوگوں کو صدقہ کا حکم دیتے اور خود بخل کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کی سختی، ربا اور حرام کا کھانا بیان کیا ہے۔

۶۔ ممکن ہے یہود منافقین ظاہراً آپ کی اتباع کا درس دیتے ہوں مگر ان کے دل آپ کے منکر ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اس پر انہیں زجر و توبیخ فرمائی۔

۷۔ یہود دوسروں کو تورات کی اتباع کا کہتے مگر خود اس کی مخالفت کرتے کیونکہ اس میں وہ ایسی چیزیں پاتے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر دال تھیں مگر ان پر ایمان نہ لاتے۔

"وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ" کی تفسیر

نسیان ایسا سہو ہوتا ہے جو حصول علم کے بعد ہو، بھولنے والا مکلف نہیں رہتا جو مکلف نہ ہو اس سے صادر عمل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مذمت چہ معنی دارد؟ تو ان مبارک الفاظ سے مراد یہ ہے کہ تم اپنے نفوس کے حق میں غافل ہو اور انہیں نافع اعمال سے دور رکھتے ہو۔

Marfat.com

ارشادگرامی ''وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ'' کا معنی یہ ہے کہ تم تورات پڑھتے پڑھاتے ہو اس میں افعال خیر کا حکم اور افعال بد سے ممانعت سے تم آگاہ ہو۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ، یہ ان کے افعال پر تعجب ہے اس کی نظیر یہ ارشاد باری ہے:

اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (پ ۱۷۔ الانبیاء: ۶۷) تُف ہے تم پر اور ان بتوں پر جن کو اللہ کے سوا پوجتے ہو تو کیا تمہیں عقل نہیں ہے

فوائد تعجب

سبب تعجب کے فوائد درج ذیل ہیں:

پہلا فائدہ: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے مقصود دوسرے کی حصول مصلحت کی طرف رہنمائی اور نقصان وفساد میں گرنے سے اسے خوف دلانا ہے۔ اپنے نفس پر احسان دوسروں پر احسان سے اولیٰ ہوتا ہے اور یہ چیز عقل ونقل سے ثابت ہے جو دوسرے کو نصیحت کرے مگر خود نصیحت حاصل نہ کرے وہ متضاد فعل کا مرتکب ہو رہا ہے جسے عقل قبول نہیں کرتی۔ اس لیے فرمایا: اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (کیا تمہیں عقل نہیں)

دوسرا فائدہ: بے عمل واعظ کے غلط اثرات

جو لوگوں کو وعظ کرے اور مخلوق پہ علم کا اظہار کرے لیکن خود نصیحت قبول نہ کرے ایسا وعظ لوگوں کی معصیت کی طرف رغبت کا سبب بن جاتا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں علم کے باوجود اس کا مرتکب ہونا بتا رہا ہے کہ ان خوف دلانے والی اشیاء کی کوئی اصل نہیں ورنہ یہ خود معصیت کا ارتکاب نہ کرتا تو ایسا آدمی لوگوں کو دین میں سستی اور معصیت پر جرأت دلانے کا کام کرتا ہے چونکہ واعظ کی غرض معصیت پر زجر تھی جب خود اس نے ایسا عمل کیا جو معصیت پہ جرأت تھی تو گویا یہاں دو متضاد چیزیں جمع ہوگئیں اور یہ عقلاء کے ہاں پسند نہیں۔ اس لیے فرمایا: اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (کیا تمہیں عقل نہیں)

تیسرا فائدہ: جو آدمی وعظ کرتا ہے اس کی کوشش ہوتی ہے کہ لوگوں کے دلوں پر اس کا نفوذ واثر ہو لیکن معصیت پر اقدام ان میں سے ہے جس سے دل قبولیت کے بجائے نفرت کرنے لگ جاتے ہیں۔ واعظ کی کوشش ہوتی ہے وعظ کا اثر دلوں پر ہو اور جو عصیان ونافرمانی کا ارتکاب کرتا ہے اس کی غرض یہ ہوگی کہ اس کا وعظ دلوں پر اثر نہ کرے تو یہی متناقض اشیاء کا اجتماع ہے۔ جو عقلاء کی شان کے لائق نہیں۔

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اہم قول

اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے دو آدمیوں نے میری کمر توڑ دی، وہ عالم جو دوسروں پر طعن کرے، وہ جاہل جو اپنے آپ کو بھول جائے۔

یہاں چند مسائل ابھی باقی ہیں:

پہلا مسئلہ: بے عمل کے لیے وعظ کا حکم

بعض کی رائے یہ ہے کہ عاصی، نیکی کا حکم اور برائی سے منع نہیں کر سکتا، اس آیت مبارکہ اور دیگر عقلی دلائل سے وہ استدلال کرتے ہیں۔ آیت مبارکہ "اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ" (کیا تم لوگوں کو نیکی کا کہتے ہو اور اپنے کو بھول جاتے ہو) یوں دلیل بناتے ہیں کہ اس چیز کو اللہ تعالیٰ نے بطور مذمت بیان فرمایا ہے اور دوسرے مقام پر یہ بھی ارشاد گرامی ہے:

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ — کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے کیسی سخت ناپسند ہے اللہ کو وہ بات کہ وہ کہو جو نہ کرو (پ۲۸-الصف: ۲،۳)

عقلی استدلال یہ کہ اگر ایسا کرنا جائز ہوتا تو زانی کیلئے وقت زنا عورت کے چہرہ ننگا کرنے پر اعتراض جائز ہوتا حالانکہ اس کا ناپسند ہونا ثابت و مسلمہ ہے۔

دو اُمور کا حکم

جواب، مکلف کو دو اُمور کا حکم ہے ۱۔ ترکِ معصیت ۲۔ دوسرے کو معصیت سے منع کرنا۔

ایک میں کمی دوسرے میں کمی کا تقاضا نہیں کرتی، رہا ارشاد گرامی " اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ " تو اس میں دونوں کا جمع کرنا منع ہے اور دو چیزوں کے اجتماع سے ممانعت دو صورتوں پر محمول ہو سکتی ہے۔

- نہی سے مراد ہر حال میں نسیانِ نفس سے ممانعت ہے۔
- یا نہی سے یہ مراد ہو کہ حالت نسیان نفس میں لوگوں کو نیکی کا شوق دلانے کی ممانعت ہو۔

ہمارے نزدیک آیت مبارکہ سے اول معنی مراد ہے نہ کہ ثانی اس صورت میں مخالف کا قول ساقط ہو جائے گا، رہی عقل دلیل تو وہ انہیں لازم آئے گی نہ کہ ہمیں

Marfat.com

دوسرا مسئلہ: فعل بندے کی تخلیق نہیں

معتزلہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا۔ فعلِ عبد، اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں وہ یوں کہ ارشاد ہے "اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ" یہ تبھی درست ہے جب فعل ان کا اپنا ہو اور اگر بطور اضطرار ان کے اندر یہ مخلوق و پیدا ہو تو پھر یہ درست نہ ہوگا کیونکہ کسی اسود (کالے) سے یہ نہیں کہا جاسکتا تو سفید کیوں نہیں؟ کیونکہ اس میں سواد کی تخلیق ہے۔

جواب، بندے کی قدرت میں ضدین کی صلاحیت ہے اگر ان میں سے کوئی ایک بلا مرجح حاصل ہو جاتی ہے تو محض اتفاق ہوگا اور امر اتفاقی پر زجر و توبیخ جائز نہیں اور اگر راجح کا حصول ہوتا ہے تو مرجح اگر بندے کی طرف سے ہے تو اس میں بحث لوٹ آئے گی اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوا ہے تو وہ طرف راجح اور دوسری مرجوح ہوگی اور مرجوح کا وقوع ممتنع ہوتا ہے کیونکہ جب حالت استوا کے وقت وہ ممتنع الوقوع تھی تو حالت مرجوحیت میں بطریق اولیٰ ممتنع ہوگی جب نقیضین میں سے ایک ممتنع ہے تو دوسری واجب ہوگی تو اب وہی اعتراض جو تم نے ہم پر کیا وہ تم پر بھی وارد ہو جائے گا اور حقیقی جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شان عالی ہے۔

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ

اس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے اور ان سب سے سوال ہوگا۔

(پ۱۷-الانبیاء:۲۳)

تیسرا مسئلہ: احادیث مبارکہ اور بے عمل واعظ

۱۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معراج کی رات میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جن کے منہ قینچی سے کاٹے جا رہے تھے۔ میں نے کہا بھائی جبریل علیہ السلام یہ کون ہیں؟ عرض کیا یہ دنیا دار خطباء ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے مگر اپنے آپ کو بھول جاتے

(مسند احمد، ۳:۱۲۰)

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ میں ایک آدمی ہوگا جس کی بدبو سے اہل دوزخ پریشان ہونگے، عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون ہوگا؟ فرمایا ایسا عالم جس نے اپنے علم سے نفع حاصل نہ کیا

(حلیۃ الاولیاء، ۳:۵۹)

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے اس آدمی کی مثال جو لوگوں کو خیر کی تعلیم دیتا ہے مگر خود عمل نہیں کرتا اس چراغ کی طرح ہے جو لوگوں کو روشنی دے رہا ہے مگر خود اپنے آپ کو جلا رہا ہے۔

۴۔ امام شعبی سے ہے اہلِ جنت میں سے کچھ لوگ اہلِ نار پر مطلع ہو کر پوچھیں گے تم دوزخ میں کیوں گئے حالانکہ ہم تمہاری تعلیم

Marfat.com

کی بنا پر جنت میں داخل ہوئے وہ جواباً کہیں گے ہم تمہیں خیر کا حکم دیتے تھے مگر خود نہیں کرتے تھے جیسے محاورہ ہے جس نے محض قول سے وعظ کیا اس نے کلام ضائع کیا اور جس نے عمل و کردار سے وعظ کیا اس کا تیر نشانے پر لگا۔ شاعر نے خوب کہا:

يا أيها الرجل المعلم غيره　　هلا لنفسك كان ذا التعليم

تصف الدواء لذي السقام وذي الضنا　　كيما يصح به وأنت سقيم

ابدأ بنفسك فانهها عن غيها　　فاذا انتهت عنه فأنت حكيم

فهناك يقبل ان وعظت ويقتدى　　بالرأي منك وينفع التعليم

(اے خیر کی تعلیم دینے والے پہلے اپنے نفس کو تعلیم دے تو بیماروں کو دوا دیتا ہے مگر تو خود بیمار ہے، اپنے نفس سے ابتدا کرو جب تو اسے گمراہی سے نکال لے گا تو حکیم بن جائے گا۔ اب تیری بات مقبول ہوگی اگر تو وعظ کرے گا، تیری رائے کی اقتدا کی جائے گی اور تعلیم سے نفع ہوگا)

اللہ کی طرف دعوت دی

یہ بھی کہا جاتا ہے ایک شخص کا کردار ہزار آدمی کیلئے زیادہ موثر ہے اس ہزار آدمی کے قول سے جو ایک آدمی کے لیے ہو۔ البتہ جس نے وعظ کیا اور خود بھی عمل کیا اس کا مقام اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت ہی عظیم ہے۔

منقول ہے امام یزید بن ہارون فوت ہوئے اور وہ واعظ و زاہد تھے۔ خواب میں ملے پوچھا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا؟ فرمایا۔ مجھے اس نے معاف فرمادیا، منکر نکیر نے جب پہلا سوال کیا تیرا رب کون ہے؟ تو میں نے کہا، تمہیں اس بوڑھے سے یہ پوچھتے ہوئے حیا نہیں آتا جس نے اتنے سال لوگوں کو اللہ کی طرف ہی دعوت دی۔

شیخ شبلی کا قول

شیخ شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نزع کے وقت کہا گیا: پڑھو۔ لا الہ الا اللہ۔ فرمایا:

ان بيتاً أنت ساكنه　　غير محتاج إلى السرج

(جس گھر میں تو سکونت پذیر ہو وہ چراغوں کا محتاج نہیں ہوتا)

Marfat.com

[۴۵] وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾

(اور صبر اور نماز سے مدد چاہو بیشک نماز ضرور بھاری ہے مگران پر (نہیں) جو دل سے میری طرف جھکتے ہیں)

آیت مبارکہ اور فوائد

آیت مبارکہ سے فوائد یہ ہیں:

پہلا فائدہ، مخاطب کون ہیں؟

اس ارشاد ربانی سے مخاطب کون ہیں؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا رسول پر ایمان لانے والے مخاطب ہیں کیونکہ جو نماز کا اصلاً منکر ہے اور دین محمدی ﷺ پر اسے استقامت نہیں اسے صبر وصلوٰۃ سے مدد لینے کی تلقین کا کوئی مفہوم نہیں لہٰذا اس خطاب کو انہی کی طرف متوجہ سمجھا جائے جو حضور ﷺ کی تصدیق کرنے والے ہیں اور اس میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ اولاً بنی اسرائیل کو خطاب ہو اور اس کے بعد حضور ﷺ پر ایمان لانے والوں کو مخاطب کیا جائے لیکن اقرب یہ ہے کہ بنی اسرائیل ہی مخاطب ہوں کیونکہ کسی دوسرے کو مخاطب بنانے سے نظم میں خلل وجدائی پیدا ہوجاتی ہے۔

سوال: پھر انہیں صبر و نماز کا حکم کیسے؟ حالانکہ وہ اس کے منکر ہیں؟

جواب: ہم نہیں مانتے کہ وہ ان چیزوں کے منکر ہیں کیونکہ ہر کوئی جانتا ہے یہاں صبر لازم ہے وہاں صبر ہی حسن ہے اور نماز خالق کے سامنے تواضع کا اظہار ہے اور ذکر اللہ میں مشغولیت دنیا کی کئی مشقتوں اور آفات سے بچالیتی ہے۔ اختلاف تو کیفیت میں ہے۔ نمازِ یہود کی کیفیت اور ہے اور اہل ایمان کی نماز دوسری کیفیت پر مشتمل ہے اور حکم تو اس ماھیت سے متعلق ہے جو ان کے درمیان مشترک ہے لہٰذا سوال ختم ہوجائے گا۔

اس گفتگو کی بنا پر ہم کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں جب ایمان کا حکم دیا، لوگوں کو گمراہ کرنے کو ترک کرنے کا فرمایا اور اچھے اعمال مثلاً نماز وزکوٰۃ ان پر لازم کی حالانکہ ان پر یہ شاق تھا کیونکہ اس میں ریاست کا چھوڑنا اور مال وجاہ سے اعراض تھا تو ضروری تھا اللہ تعالیٰ اس مرض کا علاج تجویز فرمائے۔ اس لیے فرمایا:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ

مدد حاصل کرو صبر و نماز سے

Marfat.com

دوسرا فائدہ: صبر وصلوٰۃ کے بارے میں درج ذیل آراہیں:

۱۔ گویا کہا گیا دنیاوی محبوب اشیاء کے ترک اور دین محمدی ﷺ کے قبول (جسے تمہاری طبائع بوجھ محسوس کر رہی ہیں) میں صبر سے مدد لو یعنی نفس کو لذات سے روک دو کیونکہ جب اپنے نفس کو اس کا مکلف بنالو گے تو انہیں بوجھ محسوس نہ ہوگا اور جب اس کے ساتھ نماز ملالو گے تو معاملہ کامل ہو جائے گا کیونکہ نماز میں مشغولیت، اللہ تعالیٰ کے ذکر، اس کے جلال وقہر اور اس کی رحمت وفضل کے ذکر میں مشغول ہونا ہے تو جب آدمی اس کی رحمت کا تذکرہ کرے گا تو اس کی اطاعت کی طرف آئے گا اور جب اس کے عتاب کا ذکر کرے گا تو معصیت سے رک جائے گا تو ایسے شخص پر اطاعت کا بجالانا اور ترک معصیت آسان ہو جائے گا۔

۲۔ یہاں صبر سے مراد روزہ ہے کیونکہ روزہ دار، کھانے اور پینے سے رکنے والا ہوتا ہے۔جس نے نفس کو خواہش وفرج سے روک لیا اس سے حبّ دنیا کی کدورات زائل ہوگئیں جب اس کے ساتھ نماز متصل ہوگی تو دل انوار معرفت الٰہی سے پُرنور ہو جائے گا۔صوم کو صلوٰۃ سے مقدم کرنے کی حکمت یہ ہے کہ صوم کی تاثیر غیر مناسب اشیاء کا ازالہ ہے اور نماز کی تاثیر مناسب اشیاء کا حصول ہے اور نفی اثبات پر مقدم ہوتی ہے۔

دوسرا یہ بھی ہے آپ ﷺ کا فرمان ہے صوم، دوزخ سے ڈھال ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ — بیشک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور بری بات سے

(پ۲۱-العنکبوت:۴۵)

کیونکہ نماز دنیاوی مشغولیت سے رکاوٹ بنتی ہے اور دل میں خشوع پیدا کرتی ہے۔اس کے سبب قرآن کی تلاوت، اس میں وعدہ، وعید، مواعظ اور آداب جمیلہ سے بھی آگاہی ہوتی ہے، مخلوق کے دار ثواب یا دار عتاب کی طرف لوٹ جانے کا ذکر آخرت کا شوق اور دنیا سے نفرت دلاتا ہے تو اس وقت انسان پہ ترک ریاست اور مخلوق سے منقطع ہو کر قبلہ خدمت خالق کی طرف متوجہ ہونا آسان ہو جاتا ہے۔اس کی نظیر یہ آیت کریمہ ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ — اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد چاہو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

(پ۲-البقرہ:۱۵۳)

Marfat.com

وَاِنَّهَا کی تفسیر

اس ضمیر میں مختلف آراء ہیں:

۱۔ یہ نماز کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی نماز خاشعین کے علاوہ پر بھاری ہے۔

۲۔ یہ اس استعانت کی طرف راجع ہے جس پر "وَاسْتَعِيْنُوْا" کی دلالت ہے۔

۳۔ یہ ان تمام امور کی طرف لوٹ رہی ہے جن کا بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور ان سے روکا یعنی "اُذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِي" سے لے کر "وَاسْتَعِيْنُوْا" تک اور عرب کبھی اختصاراً ضمیر لے آتے ہیں یا جب انہیں علم ہو کہ مخاطب جانتا ہے تو اشارہ پر اکتفا کر لیتے ہیں مثلاً کہتے ہیں "ما علیها افضل من فلان" (یعنی تمام زمین پر فلاں سے کوئی افضل نہیں) یا کہتے ہیں "ما بین لا بیتها اکرم من فلاں" (یعنی شہر مدینہ میں فلاں سے کوئی افضل نہیں) اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ (پ۱۴-سورۃ النحل:۶۱) اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے ظلم پر گرفت کرتا تو زمین پر کوئی چلنے والا نہ چھوڑتا

اور یہاں بھی زمین کا ذکر نہیں۔ (کیونکہ مخاطب جانتا ہے)

لَكَبِيْرَةٌ، کی تفسیر

ان پر شاق اور ثقیل ہے لیکن خاشعین پر آسان تو اب یہ ضروری ہے کہ ان کا ثواب زیادہ اور خاشعین کا کم ہو حالانکہ یہ بات ہی غلط ہے۔ اس کا جواب یہ ہے یہاں یہ مراد نہیں کہ انہیں ادائیگی نماز میں خاشعین سے زیادہ مشقت کرنا پڑتی ہے اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ خشوع والا نماز میں اعضاء، دل، سمع اور بصر تمام کو بروئے کار لاتے ہوئے ذکر، تذلل، خشوع اور تدبر سے کام لیتا ہے۔ جب وعید کا تذکرہ کرتا ہے تو اسے حسرت اور غم لاحق ہوتا ہے۔ جب وعدہ پڑھتا ہے تو اس کی مثل تصور اجاگر ہوتا ہے جب خاشع کا عمل یہ ہے تو عمل صلاۃ میں اس پر ثقل بھی زیادہ ہوگا تو یہاں مراد یہ ہے کہ نماز غیر خاشع پر ثقیل اس اعتبار سے ہے کہ اس کے بجالانے پر ثواب اور ترک پر عتاب نہیں مانتا لہٰذا اس پر یہ نہایت ہی دشوار عمل ہے

حاصل یہ ہے جب ملحد اس فعل میں نفع مانتا ہی نہیں تو اس پر بجالانا ثقیل ہوگا کیونکہ لایعنی کام میں مصروفیت طبیعت پر بڑھتے بوجھ کے کچھ سوا نہیں۔ رہا موحد تو وہ اسے ترک ہی نہیں کرے گا کیونکہ وہ اس عمل میں سب سے زیادہ عظیم نفع اور اس کے ترک میں سب سے زیادہ ضرر مانتا ہے تو اس پر اب یہ بوجھ نہ ہوگا کیونکہ اس کے بجالانے میں ثواب، عظیم کامیابی، نعیم عظیم حاصل کرنا ہے اور عذاب دردناک سے خلاصی پانا ہے کیا تم نے یہ ارشاد گرامی نہیں پڑھا۔

Marfat.com

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ — وہ اپنے رب سے ملاقات مانتے ہیں

یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے ثواب پانے اور اس کے عتاب سے خلاصی کی توقع رکھتے ہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھئے۔ مریض سے کہا جائے یہ کڑوی شی کھالے اب اگر وہ مانتا ہے کہ اس میں شفا ہے تو اس پر کھانا آسان اور اگر وہ نہیں مانتا تو اس پر معاملہ سخت مشکل ہو جائے گا۔ اسی پر آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی محمول ہے۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

آپ نے نماز کا یہ وصف مذکورہ وجوہات کی بنا پر فرمایا نہ یہ کہ آپ پر ثقیل نہ تھی اور یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ آپ ﷺ نماز ادا فرماتے حتیٰ کہ پاؤں مبارک سوجھ جاتے۔ خشوع سے مراد خضوع اور تذلل ہے۔

[۴۶] اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾

(جنہیں یقین ہے کہ انہیں اپنے رب سے ملنا ہے اور اسی کی طرف پھرنا ہے)

لفظ ظن کے بارے میں تحقیق

مفسرین کے یہاں دو اقوال ہیں:

پہلا قول: ظن بمعنی یقین

یہاں ظن بمعنی یقین و علم ہے کیونکہ وہ ظن جس کی نقیض جائز ہو ایسے ظن والا تو روز قیامت کے بارے میں یقین رکھنے والا نہیں ہو گا اور یہ تو کفر ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس ظن پر مدح فرمائی ہے اور مدح کفر ہرگز جائز نہیں لہٰذا یہاں ظن سے لازماً یقین ہی مراد ہے، اس مجاز کا سبب یہ ہے کہ یقین اور ظن دونوں اعتقاد راجح ہونے میں مشترک ہیں۔ فرق یہ ہے کہ یقین ایسا راجح ہوتا ہے جس کی نقیض جائز نہیں ہوتی اور ظن راجح ہے مگر نقیض سے مانع نہیں جب دونوں میں اشتراک ہو تو اس وجہ سے ہر ایک کا دوسرے پر اطلاق ہوتا رہتا ہے۔ اوس بن حجر نے کہا:

فارسلته مستيقن الظن انه — مخالط ما بين الشر اسيف خائف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

اِنِّىْ ظَنَنْتُ اَنِّىْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ — مجھے یقین تھا کہ میں اپنے حساب کو پہنچوں گا

(پ۲۹۔ الحاقۃ: ۲۰)

Marfat.com

دوسرے مقام پر فرمایا:

اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ (پ ۳۰-المطففین: ۴) کیا ان لوگوں کو یقین نہیں کہ انہیں اٹھنا ہے

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مخالفین کا رد فرمایا اور کہا انہیں دوبارہ زندہ ہونے کا ظن رکھنا چاہئے تو یہ ایسے اعتقاد پر نہیں ہوسکتا جس کی نقیض جائز ہو لہٰذا یہاں ظن بمعنی علم و یقین ہے۔

دوسرا قول: لفظ ظن کو ظاہر پر محمول رکھتے ہوئے ظن حقیقی ہی مراد لیا جائے تو پھر یہ اسباب ہوں گے۔

پہلی وجہ: ملاقات رب کو موت سے مجاز بنایا جائے کیونکہ یہ ملاقات موت کا سبب ہے تو یہاں سبب بول کر مسبب مراد لیا ہے اور یہ مشہور مجاز ہے کیونکہ مرنے والے کو کہا جاتا ہے: انه لقی ربه (اس کی رب سے ملاقات ہوگی) جب یہ واضح ہوگیا اب مفہوم یہ ہوگا یہ ثقیل ہے مگر ان خاشعین پر جو ہر لحہ موت کا ظن رکھتے ہیں، اس لیے کہ جو ہر لحظہ موت کی توقع رکھنے والے ہوں گے ان کے دل خشوع الٰہی سے خالی نہ ہوں گے لہٰذا وہ توبہ میں جلدی کرنے والے ہوں گے کیونکہ خوفِ موت، توبہ کی طرف دعوت دینے والی اشیاء میں سے نہایت ہی قوی چیز ہے اور پھر جب خشوع ہوگا تو ہر حال میں تقصیر و کوتاہی کے سرزد ہونے کا خطرہ لاحق رہے گا تو اب اس کی تلافی لازم ہوگی تو آدمی کا مذکورہ حال ہو تو یہ اسے توبہ کی طرف جلدی متوجہ کرلے گا۔

دوسری وجہ: ملاقات رب سے مراد ملاقات ثواب، رب ہے اور اس کا ظن ہے نہ کہ یقین کیونکہ عابد زاہد ثواب الٰہی ملنے کا یقین نہیں کرسکتا البتہ اس کا ظن رکھ سکتا ہے ہاں یہ ان اشیاء میں سے ہے جو انسان کو کمال خشوع کی دعوت دیتا ہے۔

تیسری وجہ: معنی یہ ہے کہ وہ یہ گمان رکھتے ہیں کہ ان کی ملاقات اپنے رب سے گناہوں کے ساتھ ہوگی کیونکہ خاشع آدمی بعض اوقات اپنے نفس اور اعمال کے بارے میں بدظن ہوتا ہے اور اس کے ظن پر اس بات کا غلبہ ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے رب کو گناہوں کے ساتھ ملے گا تو یہ چیز اسے توبہ کی طرف فی الفور متوجہ کر دیتی ہے تو اب یہ صفات مدح میں سے ہوگا۔

لیکن ابھی دو مسائل باقی ہے۔

پہلا مسئلہ: جوازِ دیدار الٰہی پر استدلال

بعض نے "مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ" سے دیدار الٰہی کے جواز پر استدلال کیا ہے لیکن معتزلہ کہتے ہیں لفظ لقاء (ملاقات) میں دیدار پر دلالت نہیں اور اس پر آیات مبارکہ، احادیث اور عرف شاہد ہیں۔

Marfat.com

۱۔ منافق کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ (پ۱۰۔التوبہ:۷۷) تو اس کے پیچھے اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق رکھ دیا اس دن تک کہ اس سے ملیں گے

اور منافق رب کا دیدار نہیں کر سکتا۔ اس لیے دوسرے مقام پر فرمایا:

وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا (پ۱۹۔الفرقان:۶۸) اور جو یہ کام کرے گا وہ سزا پائے گا

یہ چیز بطور تہدید یوں فرمائی:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ (پ۲،البقرہ:۲۲۳) اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تمہیں اللہ سے ملنا ہے

یہ کافر و مومن دونوں کو شامل ہے حالانکہ رؤیت و دیدار کافر کے لیے ثابت ہی نہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ لقاء سے مراد رؤیت نہیں حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جس نے دوسرے مسلمان کا مال غصب کرنے پر حلف اٹھایا۔

لَقِیَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَیْهِ غَضْبَانٌ (البخاری،۲۴۱۷) وہ رب سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر ناراض ہوگا

یہاں مراد دیدار الٰہی نہیں کیونکہ یہ تو اہل دوزخ کا عمل ہے۔

عرف میں بھی یہی ہے۔ مرنے والے کے لیے اہل اسلام کہتے ہیں لَقِیَ اللّٰه (اس کی اللہ سے ملاقات ہوگی) لیکن مراد دیدار الٰہی نہیں ہوتا۔

یہاں یہ بھی ذہن میں رہے لقاء سے مراد ایسا قرب بھی ہوتا ہے جو بلا حجاب ہو مثلاً جب امیر اور غلام کے درمیان حجاب ہو تو وہ کہے گا میری اس سے ملاقات نہیں ہوئی اگرچہ اس نے اسے دیکھا ہوتا ہے اور اگر اسے دخول کی اجازت ہو جائے تو وہ کہے گا میں اس سے ملا ہوں اگرچہ نابینا ہی کیوں نہ ہو، کہا جاتا ہے لقی فلاں جهدا شدیدا، لاقنی فلان حمامه، ان تمام مقامات پر لقاء کا معنی دیدار و رؤیت نہیں۔ اس پر یہ ارشاد ربانی بھی شاہد ہے:

فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓی اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ (پ۲۷۔القمر:۱۲) تو دونوں پانی مل گئے اس مقدار پر جو مقدر تھی

اور یہ جسم میں درست ہے مگر اللہ تعالیٰ کے بارے میں درست نہیں۔ اہل علم کہتے ہیں اصلاً لغت میں لقاء کا مفہوم ایک جسم کا دوسرے کے ساتھ اس طرح ملنا ہے کہ اس سے مس کرے "لقی هذا ذاك" اس وقت کہا جاتا ہے۔ جب کوئی شی دوسری کو مس کرے اور اس سے متصل ہو۔

Marfat.com

تو جب دو مدرک اجناس کے درمیان ملاقات، حصول ادراک کا سبب ہو اور وہاں لفظ کو مس کرنے پر محمول کرنا ممتنع ہو تو اب اسے ادراک پر ہی محمول کرنا لازم ہو جاتا ہے کیونکہ اقوی اقسام مجاز میں سبب بول کر مسبب مراد لینا بھی ہے۔

تو یہ ثابت ہو گیا اکثر اس باب میں لفظ لقاء سے ادراک ہی مراد لینا لازم ہے۔ ہاں کسی دلیل کی بنا پر بعض صورتوں میں یہ معنی ترک کیا جا سکتا ہے لیکن باقی تمام صورتوں میں ادراک ہی معنی لیا جائے گا، اس گفتگو کی بنا پر تمام سوالات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

ان کا جواب

ارشاد گرامی:

فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ (پ۱۰-التوبہ: ۷۷)

تو اس کے پیچھے اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق رکھ دیا اس دن تک کہ اس سے ملیں گے

اور منافق کو دیدار نہیں ہو سکتا۔

ہم جواباً کہیں گے یہاں اس مجبوری کی وجہ سے "اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَہٗ" سے مراد اس کا حساب وفیصلہ ہے مگر عبارت مقدر ماننا خلاف اصل ہے اور ایسا مجبوری کے موقعہ پر ہی کیا جا سکتا ہے۔ اس آیت مبارکہ میں ہمیں مجبوراً عبارت مقدر ماننا پڑی۔ ارشاد گرامی "اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ" یہاں الفاظ سے ظاہری معنی کے علاوہ لینے کی کوئی مجبوری نہیں اور نہ ہی اضافی عبارت کی تو یہاں لقاء کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہی ہے نہ کہ اس کے فیصلہ وحکم سے، اس کے بعد اگر وہ جواز رؤیت کے خلاف عقلی دلائل لائیں تو ہم ان کا ضعف واضح کر چکے لہٰذا اب اس وجہ کی بنا پر ظاہر آیت سے جواز رؤیت پر استدلال درست ہوگا۔

دوسرا مسئلہ: اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع سے مراد ایسا جگہ رجوع ہے کہ اس کے سوا ان کا کوئی مالک نہیں اور اس کے علاوہ ان کے نفع ونقصان کا بھی کوئی مالک نہیں جیسا کہ وہ اول خلق میں ایسے ہی تھے پھر انہیں اس اولین حالت کی طرح اللہ کی طرف لوٹا دیا جائے گا کیونکہ حالت زندگی میں غیر ان کے مالک بھی بنے اور ان کے نفع ونقصان کے بھی اگرچہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ تمام احوال میں ان کا مالک تھا۔

دو باطل فرقوں کا استدلال

دو باطل فرقوں نے اس آیت سے استدلال کیا۔

اول، مجسمہ: وہ کہتے ہیں غیر جسم کی طرف رجوع محال ہے جب اللہ کی طرف رجوع ثابت ہوا تو لازمی طور ماننا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہے

ثانی، تناسخیہ: ان کا کہنا یہ ہے کہ کسی شی کا رجوع دلالت کرتا ہے کہ وہاں وہ چیز پہلے موجود تھی تو یہ آیت بتا رہی ہے کہ ارواح قدیم ہیں اور وہ عالم روحانیات میں پہلے موجود تھے، ان دونوں کا جواب سابقہ گفتگو میں آ چکا ہے۔

فصل قدیر

Marfat.com

[۴۷] یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَ اَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۷﴾

(اے اولادِ یعقوب یاد کرو میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیا اور یہ کہ اس سارے زمانے پر تمہیں بڑائی دی)

تاکیدی حکم

اللہ تعالیٰ نے دوبارہ یہ کلام فرمایا تاکہ ان پر حجت میں تاکید اور ترکِ اتباع محمدی ﷺ پر خوب خوف دلایا جائے پھر اس کے ساتھ "وَاتَّقُوْا یَوْمًا" کے الفاظ میں وعید بھی متصل فرمائی گویا یہ فرمایا: اگر تم نے سابقہ نعمتوں کی بنا پر میری اطاعت نہیں کی تو میرے عتاب کے خوف سے مستقبل میں میری اطاعت کرلو۔

سوال: حضور ﷺ سے افضل ہونا

"وَ اِنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِیْنَ" یہاں یہ سوال پیدا ہوگا اس سے حضور ﷺ سے ان کا افضل ہونا لازم آرہا ہے حالانکہ یہ بالاتفاق باطل ہے اس کے جواب میں درج ذیل وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ: کل مراد نہیں

بعض نے کہا عالم سے لوگوں کی کثیر جماعت مراد ہے جیسے کہا جاتا ہے رأیت عالماً من الناس تو یہاں کثیر مراد ہیں نہ کہ کل۔ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ عالم، علم بمعنی دلیل سے مشتق ہے تو جو بھی اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلیل ہے وہ عالم ہے لہٰذا وہ عالم میں شامل ہوگا۔ متکلمین کے قول

اَلْعَالَمُ كُلُّ مَوْجُوْدٍ سِوَى اللهِ — اللہ کے سوا ہر موجود عالم ہے

کا یہی مفہوم ہے لہٰذا لفظ عالم کو بعض محدثات واشیاء تک محدود کرلینا ممکن نہیں۔

دوسری وجہ: زمانہ کے لوگ مراد ہیں

مراد یہ ہے کہ تمہیں اپنے زمانہ کے لوگوں پر فضیلت دی ہے اور جو بعد میں پیدا ہونے والی شی ہے وہ ابھی موجود نہیں لہٰذا وہ حالت عدم میں عالمین میں شامل نہیں ہوگی کیونکہ عالم کے لیے موجود ہونا شرط ہے اور شی حال عدم میں موجود ہی نہیں ہوتی لہٰذا وہ

Marfat.com

اس حال میں عالمین میں کیسے شامل ہوگی۔ حضور سرور عالم ﷺ اس وقت موجود نہ تھے لہٰذا آپ اس موقعہ پر عالمین میں شامل نہیں لہٰذا اگر اس وقت بنی اسرائیل عالمین سے افضل ہیں تو اس سے ان کی حضور ﷺ پر فضیلت ثابت نہ ہوگی۔ یہی جواب اس آیت مبارکہ کے حوالہ سے بھی ہے۔

اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ (پ۶-المائدہ:۲۰)

یاد کرو کہ تم میں سے پیغمبر کئے اور تمہیں بادشاہ کیا اور تمہیں وہ دیا جو آج سارے جہان میں کسی کو نہ دیا۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ (پ۲۵-الدخان:۳۲)

اور بیشک ہم نے انہیں دانستہ چن لیا اس زمانہ والوں سے

یہاں ان دونوں زمانوں کے لوگ ہی مراد ہیں اور وہ دوسرے پر اس لیے افضل تھے کہ انہیں حکومت، رسالت اور کتب الٰہیہ عطا ہوئی تھیں۔

تیسری وجہ: یہ ارشاد گرامی تمام عالمین کے لیے ہے لیکن فضل میں مطلق ہے اور مطلق کے صدق کے صورت واحدہ بھی کافی ہو جاتی ہے۔ تو یہ آیت اس پر دال ہوئی کہ بنی اسرائیل کو کسی ایک امر میں دیگر جہانوں سے فضیلت ہے اس کا یہ تقاضا نہیں کہ وہ تمام جہانوں سے تمام اُمور میں افضل ہیں بلکہ ممکن ہے یہ دوسروں سے کسی ایک معاملہ میں افضل ہوں وہ دوسرے اس کے علاوہ تمام امور میں ان سے افضل ہوں اس گفتگو سے یہ واضح ہو گیا کہ ارشاد گرامی:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ (پ۳-آل عمران:۳۳)

بیشک اللہ نے چُن لیا آدم اور نوح اور ابراہیم کی آل اولاد اور عمران کی آل کو سارے جہان سے

سے یہ استدلال درست نہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام ملائکہ سے افضل ہیں۔

چند فوائد

یہاں ابھی چند فوائد ہیں۔

پہلا فائدہ: امام ابن زید کا قول ہے۔ ان میں جو اہل ایمان تھے وہ یہاں مراد ہیں کیونکہ نافرمان بندر اور خنزیر بنا دیئے گئے تھے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِیْرَ (پ۶-المائدہ:۶۰)

اور ان میں سے کر دیئے بندر اور سور

دوسرے مقام پر فرمایا:

لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ (پ۶-المائدہ:۷۸)

لعنت کئے گئے وہ جنہوں نے کفر کیا بنی اسرائیل میں

Marfat.com

دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے جتنے خطابات فرمائے ہیں ان تمام میں عرب کو تنبیہ ہے کیونکہ نبی ﷺ کی وجہ سے انہیں فضیلت حاصل ہوئی۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے تمام واقعات تنبیہ اور رہنمائی ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ (پ-الزمر:۱۸) جو کان لگا کر بات سنیں پھر اس کے بہتر پر چلیں۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ (پ۲۴-الزمر:۵۵) اور اس کی پیروی کرو جو اچھی سے اچھی تمہارے رب سے تمہاری طرف اتاری گئی۔

تیسرے مقام پر فرمایا:

لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ (پ۱۳-یوسف:۱۱۱) بیشک ان کی خبروں سے عقلمندوں کی آنکھیں کھلتی ہیں۔

[۴۸] وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

(اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی جان دوسرے کا بدلہ نہ ہو سکے گی اور نہ کوئی سفارش مانی جائے اور نہ کچھ لے کر جان چھوڑی جائے اور نہ ان کی مدد ہو)

تین چیزیں اور آخرت

دن سے بچنے سے مراد اس دن کے اندر عذاب وشدائد سے بچنا ہے کیونکہ نفس یوم سے نہیں بچا سکتا۔ اس دن تو تمام اہل جنت ونار وہاں جمع ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دن کی شدت اور اس کی ہولناکی بھی واضح فرمادی ہے۔ اس لیے کہ عرب میں سے کوئی جب کسی مشکل میں پھنس جاتا تو اس کے معاونین اس کی مدد کرتے ہوئے انتہائی قوت سے اس کا اس طرح دفاع کرتے جیسے والد، اپنی اولاد کا کرتا ہے۔ اور اگر اس کے معاونین نہ ہوتے تو وہ عاجزی اور شفاعت کا سہارا لیتا تو وہ سختی کے بجائے نرمی پر اتر آتا اور دونوں حالتیں سختی اور نرمی کام نہ آتیں تو وہ فدیہ ادا کرنے کیلئے تیار ہو جاتا جو بصورت مال یا غیر مال ہوتا۔ اگر یہ تینوں صورتیں اسے نہ بچا سکتیں تو وہ تمام سہاروں اور دوستوں سے مایوس و نا اُمید ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہی بتایا کہ آخرت میں مجرموں کو یہ تینوں چیزیں نہیں بچا سکتیں۔

Marfat.com

۷۰ ہاں اس ترتیب پر دو سوالات ہیں۔

پہلا سوال: تکرار کا مقصد کیا

"لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا" سے جو فائدہ حاصل ہو رہا ہے وہی "وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ" سے حاصل ہو رہا ہے۔ تو تکرار کا مقصد کیا؟

جواب: پہلے جملہ مبارک سے مراد یہ ہے کہ مجرم پر نافذ سزا کوئی دوسرا نہیں اٹھائے گا اور نصرت یہ ہے کہ حکم معاقب وانجام سے اسے بچانے کا ارادہ کیا جائے، انشاء اللہ تعالیٰ ایک اور فرق بھی آ رہا ہے۔

دوسرا سوال: قبول فدیہ کو شفاعت کے بعد اور پہلے ذکر کی حکمت

یہاں اللہ تعالیٰ نے قبول شفاعت کو فدیہ سے پہلے ذکر کیا اور آگے اسی سورۂ مبارکہ کی ایک سو بیس آیات کے بعد قبول فدیہ کو ذکر شفاعت سے پہلے ذکر کیا ہے تو اس میں کیا حکمت ہے؟

جواب: جس کا میلان حُبِّ مال کی طرف، علوِنفس کی طرف میلان سے شدید ہوگا وہ فدیہ دینے کے بجائے شفیع کو مقدم کرے گا اور جس کا میلان اس کے برعکس ہوگا وہ فدیہ کو شفاعت سے پہلے لائے گا تو ترتیب بدلنے میں فائدہ یہ ہے کہ اس سے دونوں طرح کے لوگوں کی طرف اشارہ ہو گیا۔

الفاظ مبارکہ کی تفسیر

ارشادِ گرامی "لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا" ہے، شیخ قفال کہتے ہیں اہلِ لغت کے ہاں 'جزیٰ' کا معنی قضٰی (ادا) کے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بردہ بن یسار رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

تجزیك ولا تجزی احداً بعدك (البخاری: ۹۶۵) یہ دنبہ تمہارے لیے کافی ہے، تمہارے بعد کسی کیلئے کافی نہیں۔

اہلِ عرب سے بھی یہی منقول ہے۔

تجزیك، "تا" پر زبر اور غیر مہموز ہے یعنی تمہارا ذبح کرنا قائم مقام قربانی کے ہو گیا۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ روز قیامت کوئی نفس کسی دوسرے نفس کا کسی شی میں بھی قائم مقام نہیں بن سکے گا اور نہ ہی اس کی جزا و بدلہ کا اٹھانے والا ہوگا۔ بلکہ آدمی وہاں اپنے بھائی، والدہ اور باپ سے بھاگے گا۔

اس نیابت کا معنی یہ ہے کہ کسی مطیع کی اطاعت، عاصی کی سزا کے قائم مقام نہ ہوگی۔ اس دنیا میں یہ نیابت ہو جاتی ہے۔ مثلاً

Marfat.com

کوئی آدمی اپنے رشتہ دار اور دوست کا قرض ادا کر سکتا ہے مگر آخرت میں ایسا نہیں ہو سکتا، وہاں تو حسنات ونیکیوں کے ذریعے ہی حقوق کی ادائیگی ہو سکے گی۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اس شخص پر جس نے اپنے کسی بھائی پر ظلم کیا عزت، مال یا مرتبہ میں اور بدلہ سے پہلے اُسے موت آگئی تو وہاں نہ دینار ہوں گے اور نہ درہم۔اگر اس کے پاس نیکیاں ہوئیں تو اس سے لے لی جائیں گی۔اور اگر نیکیاں نہ ہوئیں تو اس پر مظلوم کے گناہ ڈال دیئے جائیں گے۔ (سنن ترمذی،۲۴۱۹)

صاحبِ کشاف کہتے ہیں "شیئاً"، مفعول ہے۔البتہ مفعول مطلق بھی ہو سکتا ہے یعنی قلیلاً من الجزا جیسے ارشاد گرامی ہے:

لَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا (پ۱۶۔مریم:۶۰) ان پر کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی

بعض نے لا یجزی پڑھا جو اجزاء عنہ سے (اس سے بے نیاز ہونا) ہے۔اب شیئاً من الجزاء کا مفہوم یہی ہوگا اور یہ جملہ محلاً منصوب یوماً کی صفت ہے۔

اگر یہ سوال ہو کہ موصوف کی طرف ضمیر کہاں ہے؟ تو ہم کہیں گے وہ مقدر ہے، عبارت یوں ہے "لَا تَجْزِیْ فِيْهِ"۔

نکرہ لانے کا مفہوم یہ ہوا کہ کوئی بھی نفس کسی دوسرے کی طرف کسی بھی شی میں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا، اس میں کلی طور پر ایسی نا اُمیدی اور مایوسی ہے جو ہر قسم کی امید کو جڑ سے کاٹ دینے والی ہے۔

وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ ، کی تفسیر

شفاعت، ایک آدمی کا دوسرے کیلئے شی مانگنا اور اس سے اس کی حاجت پوری کروانے کی کوشش کرنا ہے۔یہ شفع (جفت) سے ہے جو وتر (طاق) کی ضد ہے، صاحب حاجت تنہا تھا۔شفیع کی وجہ سے جوڑا بن گیا۔

'مِنْهَا' کی ضمیر دوسرے نفس عاصی کی طرف راجع ہے اور یہ وہی ہے جس سے فدیہ قبول نہ کیا جائے گا اور اگر وہ کسی شفیع کو لائے گا تو وہ شفاعت قبول نہ ہوگی

یہ ضمیر نفس کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے۔کہ اگر اس کی شفاعت کی گئی تو وہ مقبول نہ ہوگی جیسے اس کی طرف سے کوئی جزا نہیں اٹھائے گا۔

Marfat.com

وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ کی تفسیر

عدل۔(فدیہ) یہ معادلۃ الشئ (شئ کی مثل) سے ہے، کہا جاتا ہے، ما اعدل بفلان احداً (میں نے اس کی نظیر نہیں دیکھی)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ (پ۷-الانعام:۱)

پھر کافر لوگ اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں

اس کی نظیر یہ آیتِ مبارکہ بھی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعاً وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (پ۶-المائدہ:۳۶)

بیشک وہ جو کافر ہوئے جو کچھ زمین میں ہے سب اور اس کے برابر اگر ان کی ملک ہو کہ اسے دے کر قیامت کے عذاب سے اپنی جان چھڑائیں تو ان سے نہ لیا جائے گا اور ان کیلئے دکھ کا عذاب ہے

دوسرے مقام پر ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَباً وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ (پ۳-ال عمران:۹۱)

اور جو کافر ہوئے اور کافر ہی مرے ان میں سے کسی سے زمین بھر سونا ہرگز قبول نہ کیا جائے گا، اگرچہ اپنی خلاصی کو دے ان کیلئے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی یار نہیں

تیسرے مقام پر فرمایا:

وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا (پ۷-الانعام:۷۵)

اور اگر اپنے عوض سارے بدلے دے تو اس سے نہ لیے جائیں

وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ کی تفسیر

دنیا میں مدد، تعاون، دوستی اور قرابت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ اس دن وہاں نہ کوئی دوستی ہوگی اور نہ شفاعت اور نہ رشتے۔ وہاں آدمی اپنے بھائی، والدہ، والد اور رشتہ داروں سے بھاگے گا۔ شیخ قفال کہتے ہیں نصر سے مراد معاونت ہے جیسے فرمانِ نبوی ہے:

اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِماً اَوْ مَظْلُوْماً (البخاری:۲۴۴۳)

اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہے یا مظلوم

Marfat.com

اس سے اغاثہ (مدد کرنا) مراد ہے جب بارش زمین کی مدد کرے اور وہاں فصل لہلہائے تو عرب کہتے ہیں 'ارض منصورۃ' گویا بارش نے اس کی مدد کی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ (پ۱۷-الحج:۱۵)

جو یہ خیال کرتا ہو کہ اللہ اپنے نبی کی مدد نہ فرمائے گا دنیا اور آخرت میں تو اسے چاہیے کہ اوپر کو ایک رسی تانے پھر اپنے آپ کو پھانسی دے لے، پھر دیکھے کہ اس کا یہ داؤں کچھ لے گیا اس بات کو جس کی اسے جلن ہے

کا مفہوم یہ بھی بیان ہوا کہ جو یہ خیال کرے کہ اللہ اس طرح رزق نہیں دیتا جس طرح بارش علاقوں کو رزق دیتی ہے۔

انتقام کو بھی نصرت اور انتصار کہا جاتا ہے جیسے فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا (پ۱۷-الانبیاء:۷۷)

اور ہم نے ان لوگوں پر اس کی مدد دی جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں۔

یعنی ہم نے ان سے انتقام لیا۔

وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ میں یہ تمام مفاہیم ممکن ہیں کیونکہ روزِ قیامت ان کی فریاد رسی نہیں کی جائے گی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ انہیں عذاب دیا جائے گا اور کوئی ایسا نہیں جو ان کی طرف سے اللہ سے انتقام لے، الغرض نصر شدائد کا دفعہ کرنا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے مطلع فرما دیا وہاں اس کے عذاب کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

دو اہم مسائل

ابھی یہاں دو مسائل باقی ہیں۔

پہلا مسئلہ: آیت میں خوف اور شوق ہے

اس آیتِ مبارکہ میں انسان کو معاصی پر سب سے بڑا خوف اور اسے اس بات کا شوق دلایا ہے کہ توبہ کے ذریعے معصیت پر بخشش کروائی جا سکتی ہے، جب انسان کے ذہن میں یہ ہوگا کہ موت کے بعد ازالہ نہیں ہو سکتا نہ وہاں شفاعت ہے نہ مدد اور نہ فدیہ تو اسے یقین ہو جائے گا کہ اطاعت کے بغیر خلاصی نہیں۔ تو جب ہر گھڑی عبادت میں کوتاہی پر بے خوف نہ ہوگا اور توبہ سے بھی، کیونکہ اسے بقا کا کوئی یقین نہیں تو پھر ہر حال میں ڈرنے والا اور برائی سے پرہیز کرنے والا بن جائے گا۔ آیتِ مبارکہ

Marfat.com

اگرچہ بنی اسرائیل کے حوالے سے ہے مگر معناً اس کا خطاب تمام انسانوں کیلئے ہے کیونکہ اس میں اس دن کے اوصاف بیان ہوئے ہیں اور جو بھی وہاں ہوگا اس کیلئے یہ ہوں گے۔

دوسرا مسئلہ: رسول اللہ ﷺ کے لیے مقامِ شفاعت

تمام اُمت کا اتفاق ہے کہ آخرت میں حضور ﷺ کیلئے مقامِ شفاعت ہے۔ ان آیاتِ مبارکہ کو اس مفہوم پر محمول کیا گیا ہے۔

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

(پ۱۵-الاسراء:۷۹)

قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى

(پ۳۰-الضحیٰ:۵)

اور بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا عطا کرے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے

شفاعت کس لیے؟

اس میں اختلاف ہے کہ شفاعت کس کیلئے ہوگی۔ مستحق ثواب اہلِ ایمان کیلئے یا مستحق عقاب اہلِ کبائر کیلئے؟

معتزلہ اور شفاعت

معتزلہ کہتے ہیں مستحق ثواب کیلئے ہوگی اور شفاعت کی وجہ سے ان کے ان منافع میں اضافہ ہو جائے گا جس کا وہ استحقاق رکھتے تھے۔

اہلسنّت اور شفاعت

اہلسنّت کہتے ہیں شفاعت کی وجہ سے مستحقین عقاب کا عذاب ساقط ہوگا تو میدانِ محشر میں شفاعت کی وجہ سے وہ دوزخ میں داخل ہی نہ ہوں گے اور اگر داخل ہوں گے تو شفاعت کے ذریعے انہیں وہاں سے نکال کر جنت میں داخلہ نصیب ہوگا۔ لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ کفار کیلئے شفاعت نہیں۔

معتزلہ نے اہلِ کبائر کیلئے شفاعت کا انکار ان دلائل کی بنا پر کیا ہے۔

Marfat.com

معتزلہ کے دلائل

پہلی دلیل: یہ آیتِ مبارکہ تین وجہ سے شفاعت کی نفی کر رہی ہے:

۱۔ ارشادِ مبارک "لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا" ہے اگر شفاعت سے کسی کا عذاب ساقط ہو جائے تو ایک نفس دوسرے کیلئے بدلہ اور جزا کا سبب بن جائے گا۔

۲۔ وَلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ، لفظ شفاعت، نکرہ نفی کے تحت عموم پر دال ہے تو اس سے تمام اقسامِ شفاعت کی نفی ثابت ہو رہی ہے

۳۔ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ، اگر حضور ﷺ عاصیوں کے شفیع ہیں تو وہ ان کے مددگار ٹھہرے اور یہ اس کے خلاف ہے۔

یہ جواب نہیں بن سکتا

جواباً یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اگر اس آیت پر ان دو وجہ پر گفتگو کر دی جائے تو اعتراض ختم ہو جائے گا۔

۱۔ یہود یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ہمارے آباء ہماری شفاعت کر دیں گے ان کا رد کرتے ہوئے یہ آیت نازل کی گئی۔ تو وہ اس سلسلہ میں مایوس ہو گئے۔

۲۔ آیت کا ظاہر تو ہر قسم کی شفاعت کی نفی کر رہا ہے لیکن جب ہمارا اس پر اتفاق ہے کہ اہلِ اطاعت کے ثواب میں اضافہ کیلئے شفاعت اس سے مخصوص اور خارج ہے تو ہم صاحبِ کبیرہ مسلمان کے حق میں بھی دلائل کی بنیاد پر شفاعت کو مخصوص مانیں گے

دونوں کی تردید

لیکن دونوں کی تردید ہو سکتی ہے۔

اول کی اس طرح کہ اعتبار عموماً لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوصی سبب کا، دوسری کی یوں کہ اس آیت سے اضافہ منافع کیلئے شفاعت کی نفی مراد نہیں لی جا سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دن سے خوف دلاتے ہوئے فرمایا، اس میں شفاعت نفع نہیں دے گی، اگر نفی شفاعت نفع کو اضافہِ منافع کی طرف لوٹا دیں تو تحذیر و خوف حاصل نہ ہوگا کیونکہ اضافہ نفع، عدم حصول میں نہ کوئی خطرہ ہے اور نہ کوئی ضرر۔

اس کی تمثیل یوں سمجھو، اگر اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے اس دن سے ڈرو جس میں میں کسی کی شفاعت کی بنا پر مستحق ثواب کے منافع میں اضافہ نہیں کروں گا تو اس سے عاصی پر زجر نہ ہوگا۔ ہاں! اگر یوں کہا جائے اس دن سے ڈرو جس دن میں کسی کی شفاعت پر مستحق عقاب کے عذاب کو ساقط نہیں کروں گا تو اب معاصی پر زجر یقیناً ہوگا۔

Marfat.com

تو ثابت ہوگیا آیتِ مبارکہ میں اسقاطِ عقاب میں تاثیر شفاعت کی نفی ہے لیکن اضافہِ منافع میں اس کی تاثیر کی نفی نہیں۔

دوسری دلیل: کوئی شفیع مطاع نہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ — اور ظالموں کا نہ کوئی دوست اور نہ کوئی سفارشی جس کا کہا مانا جائے (پ ۲۴-المؤمن: ۱۸)

ظالم، (ظلم کرنے والا)، ہر کافر اور غیر کافر سب کو شامل ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے ظالمین کیلئے 'شفیع مطاع' (سفارشی مخدوم) کی نفی تو ہے مگر شفیع مقبول کی نفی نہیں فرمائی کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ وہاں شفیع مطاع (مخدوم) ہوگا ہی نہیں کیونکہ مطاع، مطیع سے فوق و بلند ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی فوق و بلند نہیں کہ وہ اس کی اطاعت کرے کیونکہ ہم کہہ سکتے ہیں ان دو وجہ سے آیت کا یہ مفہوم تم نہیں لے سکتے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے مطیع نہ ہونے پر سب کا اتفاق

اس پر عقلاء متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے فوق کوئی نہیں جو اللہ تعالیٰ کا وجود مانتے ہیں وہ تمام معترف ہیں کہ وہ کسی کے تابع نہیں اور جو منکر ہیں وہ انکار کے باوجود بھی اسے غیر کا مطیع و تابعدار قرار دینے کو محال مانتے ہیں۔

جب یہ ثابت ہوگیا تو تم نے آیت کو جس نفی پر محمول کیا ہے اس پر تو یہ دلیل ہی نہیں۔

۲۔ سفارشی سے مراد مقبول نہیں

جب اللہ تعالیٰ نے شفیع مطاع (مخدوم) کی نفی کی ہے اور شفیع، مشفوع الیہ (جس سے سفارش کی جائے) سے ادنیٰ ہوتا ہے کیونکہ جو اس سے فوق ہوگا وہ آمر و حاکم ہوگا۔ اسے شفیع کہا ہی نہیں جا سکتا تو لفظ شفیع بتا رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے ادنیٰ ہوگا لہٰذا ''ایطاع'' کو اس کے فوق پر محمول نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا یہاں شفیع سے مراد یہی ہوگا کہ وہ مقبول نہیں۔

تیسری دلیل: تمام شفاعتوں کی نفی

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے:

مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (پ ۳-البقرہ: ۲۵۴) — وہ دن آنے سے پہلے جس میں نہ تو خرید و فروخت ہے نہ (کافروں کیلئے) دوست اور نہ شفاعت اور کافر خود ہی ظالم ہیں

Marfat.com

آیت کا ظاہر تمام شفاعات کی نفی پر شاہد ہے۔

چوتھی دلیل: ظالموں کا کوئی مددگار نہیں

ارشادِ ربانی ہے:

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ (پ۳-البقرۃ:۲۷۰) اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں

اگر حضور ﷺ فاسق امتی کی شفاعت کریں تو پھر فساق، منصور و کامیاب ہوں گے کیونکہ جب وہ شفاعتِ رسول کی وجہ سے عذاب سے نجات پا گئے تو ان کی مدد میں رسول اللہ ﷺ نے انتہا فرمادی۔

پانچویں دلیل: ملائکہ اور شفاعت فاسق

جب ملائکہ فاسق کی شفاعت نہیں کریں گے

اللہ پاک کا مبارک ارشاد:

وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ (پ۱۷-الانبیاء:۲۸) اور شفاعت نہیں کرتے مگر اس کیلئے جسے وہ پسند فرمائے اور وہ اس کے خوف سے ڈر رہے ہیں

یہاں ملائکہ کے بارے میں اطلاع دی کہ کسی کی شفاعت نہیں کریں گے مگر جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ راضی ہو اور فاسق اللہ کے ہاں پسندیدہ نہیں۔ جب ملائکہ اس کی شفاعت نہیں کریں گے تو حضرات انبیاء علیہم السلام بھی نہیں کریں گے کیونکہ فرق کا کوئی قائل نہیں۔

چھٹی دلیل، شفاعت ساقط عذاب نہیں

ارشادِ ربانی ہے:

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ (پ۲۹-المدثر:۴۸) تو انہیں سفارشیوں کی سفارش کام نہ دے گی۔

اگر شفاعت کی تاثیر، اسقاطِ عذاب ہے تو شفاعت مفید ہونی چاہیے تھی، حالانکہ آیت اس کے خلاف ہے۔

ساتویں دلیل: امت کا اجماع ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف اس معاملہ میں رجوع کرنا چاہیے کہ وہ ہمیں حضور کی شفاعت کے اہل لوگوں ہی سے بنادے۔ اس لیے دعاؤں میں عرض کیا جاتا ہے "وَاجْعَلْنَا مِنْ اَهْلِ شَفَاعَتِهٖ" (ہمیں حضور کی شفاعت کے اہل بنادے)

اگر شفاعت کا مستحق وہ بن جاتا ہے جو دنیا سے کبائر پر مصر گیا تو پھر یہ ہونا چاہیے کہ اللہ سے یہ طلب کیا جاتا کہ وہ ہمارا خاتمہ

Marfat.com

کبائر پر اصرار کرنے والوں میں کرے، یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کہنا کیوں جائز نہیں کہ جب کبائر پر مصروف ہوں، وہ اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں اہلِ شفاعت میں سے بنادے، نہ یہ کہ وہ کہیں ہمارا خاتمہ کبائر پر اصرار کرنے والوں میں ہو جیسا کہ وہ دعا میں یہ پڑھتے ہیں: "اِجۡعَلۡنَا مِنَ التَّوَّابِیۡنَ" (اے اللہ! ہمیں توبہ کرنے والوں میں شامل فرمادے) اس میں یہ تو نہیں کہا پہلے ہم گناہ کریں اور پھر توبہ کریں وہ تو توبہ ہی کی توفیق مانگتے ہیں جب وہ گناہگار ہوں۔ دونوں رغبتیں ایک شرط سے مشروط ہیں اور وہ ہے تقدمِ اصرار اور تقدمِ ذنب۔

کیونکہ ہم اس کا جواب دو طرح دے سکتے ہیں۔

۱۔ اگر ہم "اَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡنَا مِنَ التَّوَّابِیۡنَ" (اے اللہ ہمیں توبہ کرنے والا بنا) میں شرط مانتے ہیں تو ہم پر کہاں لازم آتا ہے کہ "اِجۡعَلۡنَا مِنۡ اَھۡلِ الشَّفَاعَۃِ" (ہمیں اہلِ شفاعت بنا) میں بھی شرط مانیں۔

۲۔ اُمت دونوں رغبتوں میں اللہ تعالیٰ سے ہی مانگتی ہے کہ وہ انہیں اپنی پسندیدگی عطا فرمائے۔ مثلاً "اجعلنا من التوابین" میں یہ مانگتی ہے کہ وہ انہیں گناہوں پر توبہ کی توفیق دے دے اور دوسرے "اِجۡعَلۡنَا مِنۡ اَھۡلِ شَفَاعَتِہٖ" میں یہ مانگتی ہے کہ وہ انہیں حضور ﷺ کے اہلِ شفاعت میں بنادے۔

اب اگر اہلیت شفاعت، دنیا سے کبائر پر اصرار کے ساتھ جائے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی، تو پھر اہلیت شفاعت کا سوال یہ سوال بن جائے گا کہ وہ انہیں کبائر پر مصر، دنیا سے موت عطا فرمائے اور یہ بالاتفاق جائز نہیں، ہاں! ہم نے جو کہا اہلیت شفاعت اسے حاصل ہوگی جو دنیا سے مستحق ثواب بن کر فوت ہوا تو اب اہلیت شفاعت کا سوال کرنا بہتر اور حسن ہوگا اب دونوں میں فرق واضح ہوگیا

آٹھویں دلیل: اہلِ کبائر کے لیے شفاعت مفید نہیں

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِنَّ الۡفُجَّارَ لَفِیۡ جَحِیۡمٍ یَّصۡلَوۡنَھَا یَوۡمَ الدِّیۡنِ وَمَا ھُمۡ عَنۡھَا بِغَآئِبِیۡنَ (پ۳۰-الانفطار: ۱۴ تا ۱۶)

اور بیشک بدکار ضرور دوزخ میں ہیں۔ انصاف کے دن اس میں جائیں گے اور اس سے کہیں چھپ نہ سکیں گے

یہ آیات واضح کر رہی ہیں تمام فاجر و فاسق دوزخ میں داخل اور وہ اس سے غائب نہیں ہوں گے تو ثابت ہوا وہ اس سے نکل نہیں سکتے، تو جب معاملہ یوں ہے تو شفاعت کا کوئی فائدہ نہ ہوا، نہ عذاب کی معافی میں اور نہ دخول کے بعد آگ سے نکلنے میں۔

نویں دلیل: اہلِ کبائر کے لیے اِذن نہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ مَا مِنۡ شَفِیۡعٍ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ اِذۡنِہٖ (پ۱۱-یونس: ۳)

اللہ کام کی تدبیر فرماتا ہے، کوئی سفارشی نہیں مگر اس کی اجازت کے بعد

Marfat.com

یہاں ان سے شفاعت کی نفی ہے جنہیں اذن نہیں جیسے دوسرے مقام پر فرمایا:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (پ۳-البقرہ:۲۵۵)

وہ کون ہے جو اس کے یہاں سفارش کرے بغیر اس کے حکم کے

ایک اور مقام پر فرمایا:

لَا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا (پ۳۰-النباء:۳۸)

کوئی نہ بول سکے گا، مگر جسے رحمٰن نے اذن دیا اور اس نے ٹھیک بات کہی

تو اللہ تعالیٰ نے اہلِ کبائر کے حق میں کسی کو شفاعت کا اذن عطا نہیں فرمایا، اگر یہ اذن ہوتا تو عقل کی بنا پر مشہور و معروف ہوتا یا نقل کی بنا پر، عقل تو اس میں دخل نہیں دے سکتی۔

رہ گئی نقل تو اس کا ثبوت تواتر سے ہوگا یا احاد سے، اخبار احاد بھی یہاں کام نہیں آسکتیں کیونکہ وہ ظن کی مفید ہوتی ہے، حالانکہ مسئلہ یقینی ہے اور مسائل یقینیہ میں دلائل ظنیہ کے ساتھ استدلال جائز نہیں۔

اگر کہو تواتر ہے تو یہ باطل ہے، کیونکہ اگر ایسی صورت ہوتی تو جمہور مسلمان اسے جانتے اور اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگ شفاعت کا انکار کیوں کرتے تو جب اکثر انکار شفاعت پر ہیں تو واضح ہو گیا اس کا اذن نہیں۔

دسویں دلیل: توبہ کی قید کیوں؟

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ (پ۲۴-المومن:۷)

وہ جو عرش اٹھاتے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکیزگی بولتے اور اس پر ایمان لاتے اور مسلمانوں کی مغفرت مانگتے ہیں۔ اے رب ہمارے! تیری رحمت و علم میں ہر چیز کی سمائی ہے۔ تو انہیں بخش دے جنہوں نے توبہ کی اور تیری راہ پر چلے اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے

اگر شفاعت فاسق کو حاصل ہو سکتی تو پھر اسے توبہ اور اتباع سبیل کے ساتھ مقید کرنے کا کیا فائدہ؟

Marfat.com

گیارہویں دلیل: عدم شفاعت پر چار احادیث

ایسی احادیث جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اہلِ کبائر کو شفاعت حاصل نہیں ہوگی، چار ہیں۔

پہلی حدیث: "سُحقاً سُحقاً" نہ فرماتے

حضرت علاء بن عبدالرحمٰن اپنے والد سے اور وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ قبرستان میں تشریف لے گئے فرمایا: اے قوم مومنین! تم پر سلام ہو ہم بھی انشاء اللہ تعالیٰ تمہارے پاس آنے والے ہیں۔ میں چاہتا ہوں میں اپنے بھائیوں کو دیکھوں، صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں؟ فرمایا: بلکہ تم تو میرے صحابہ ہو، میرے بھائی ابھی تک نہیں آئے۔ عرض کیا یارسول اللہ ﷺ بعد میں آنے والی امت کو آپ کیسے پہچانیں گے؟ فرمایا: ایک آدمی کا پانچ کلیان گھوڑا ہو، کیا وہ اسے کالے رنگ کے گھوڑوں میں پہچان نہیں لے گا۔ عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ ضرور پہچان لے گا۔ فرمایا: وہ روز قیامت وضو کی برکت سے روشن چہروں کے ساتھ آئیں گے اور میں حوض پر ان کا انتظار کروں گا، کچھ لوگوں کو میرے حوض سے دور کیا جائے گا جیسے بھٹکے اونٹ کو دور کیا جاتا ہے، میں آواز دوں گا آنے دو، آنے دو، اگر آپ ان کے شفیع ہوتے تو "سُحقاً سُحقاً" (دور ہو جاؤ) نہ فرماتے، کیونکہ شفیع ایسے نہیں کہہ سکتے، پھر وہ دائمی عذاب سے چھڑانے والے شفیع کیسے بنیں گے۔ جب کہ وہ پانی کے جام انہیں نہیں دے رہے۔ (صحیح ابن حبان: ۳، ۱۰۴۶)

دوسری حدیث: حضرت عبدالرحمٰن بن ساباط، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور ﷺ نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے کعب! میں تمہیں امارت سفہاء (کم عقل) سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں، عنقریب ایسے حکمران آئیں گے جو ان کے پاس جائے گا اور ان کے ظلم پر معاون ہوگا اور ان کے جھوٹ کی تصدیق کرے گا، وہ میرا نہیں اور میں ان کا نہیں اور وہ میرے پاس حوض پر نہیں آئے گا اور جو ان کے پاس نہیں جائے گا نہ ان کے ظلم پر معاون ہوگا نہ ان کے جھوٹ کو سچا کہے گا وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں اور وہ میرے پاس حوض پر آئے گا۔ اے کعب بن عجرہ! نماز سراپا قربت، روزہ ڈھال اور صدقہ، گناہ کو نکال دیتا ہے جیسے آگ کو پانی ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ اے کعب بن عجرہ! حرام سے پلنے والا جسم جنت میں داخل نہ ہوگا۔

(مسند احمد: ۳، ۳۲۱)

حدیث سے تین طرح استدلال

اس حدیث سے استدلال تین طریقوں پر ہے:

Marfat.com

۱۔ جب وہ نبی ﷺ کے نہیں اور نبی ﷺ ان کا نہیں تو شفاعت کیسے فرمائیں گے؟

۲۔ ''وہ میرے حوض پر نہیں آئیں گے'' نفی شفاعت ہے کیونکہ وہ رسول ﷺ تک نہیں پہنچ پائیں گے، یہی وجہ ہے کہ وہ حوض پر وارد نہیں ہوسکیں گے، تو اس سے واضح ہوگیا کہ رسول ﷺ بطریق اولیٰ انہیں عتاب سے چھٹکارا نہیں دلائیں گے۔

۳۔ ''حرام سے پلنے والا جسم جنت میں داخل نہیں ہوسکتا'' (صحیح ابن حبان:۱۷۲۳)

صراحت ہے اہلِ کبائر کے حق میں شفاعت کا کوئی فائدہ نہیں۔

تیسری حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے، میں تمہیں قیامت کے روز ایسا نہ پاؤں کہ گردن پر بکری ہو جو فریاد کررہی ہو اور وہ کہہ رہا ہو یارسول اللہ! میری مدد فرماؤ، تو میں کہوں گا میں یہاں اللہ سے چھڑوانے کا کسی شئی میں مالک نہیں، میں نے تمہیں اسلام کا پیغام پہنچا دیا تھا۔ (البخاری:۳۰۷۳)

یہ ہمارے مقصود ومطلوب پر صراحت ہے جب آپ ﷺ، اللہ کی طرف سے کسی شئی کے مالک نہیں تو شفاعت آپ ﷺ کا حصہ کیسے ہوگی؟

چوتھی حدیث: تین کے خلاف کیس لڑوں گا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تین آدمیوں کے خلاف میں روزِ قیامت کیس لڑوں گا ایک جس نے مجھے ضامن بنایا پھر دغا دیا، دوسرا جس نے انسان کو بیچ کر وہ رقم استعمال کی، تیسرا جس نے کسی کو مزدور بنایا، کام پورا لیا مگر مزدوری پوری نہ دی۔ (البخاری:۲۲۲۷)

اس سے استدلال یوں ہے کہ جب حضور علیہ السلام ان کے مخالف ہیں تو ان کیلئے آپ کا شفیع بننا محال ہوگا، اس مسئلہ میں معتزلہ کے یہی دلائل ہیں۔

شفاعت پر اہلسنّت کے دلائل

اہلسنّت نے شفاعت پر یہ دلائل دیئے ہیں

پہلی دلیل: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (پ۷۔المائدہ:۱۱۸)

اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں۔ اور اگر تو انہیں بخش دے تو بیشک تو ہی ہے غالب حکمت والا ہے۔

Marfat.com

اس سے استدلال اس طرح ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ شفاعت حقِ کفار میں ہے یا حقِ فرمانبردار مسلمان یا صاحبِ صغیرہ مسلمان یا صاحبِ کبیرہ مسلمان کی توبہ کے بعد، یا اس کی قبل از توبہ کیلئے ہے۔

پہلی قسم: باطل ہے کیونکہ یہ ارشادِ گرامی ''اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ'' کفار کے لائق ہی نہیں۔

دوسری، تیسری، چوتھی قسم: یہ بھی باطل ہیں کیونکہ مطیع مسلمان، صاحبِ صغیرہ اور صاحبِ کبیرہ مسلمان پر توبہ کے بعد مخالف کے ہاں بھی عقلاً عذاب جائز نہیں، جب معاملہ یوں ہی ہے تو ارشادِ مبارک ''اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ'' ان کے مناسب نہیں، جب یہ تمام باطل ٹھہرے تو اب یہی صورت باقی ہے کہ یہ شفاعت اس صاحبِ کبیرہ مسلمان کیلئے ہو جس نے توبہ نہیں کی، جب ایسی شفاعت کا عقیدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ثابت ہے تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی یہی عقیدہ درست ہوگا کیونکہ فرق کا کوئی قائل ہی نہیں۔

دوسری دلیل: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حکایت فرمائی:

فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (پ۱۳۔ ابراہیم ۳۶)

تو جس نے میرا ساتھ دیا وہ تو میرا ہے۔ اور جس نے میرا کہا نہ مانا تو بیشک تو بخشنے والا مہربان ہے

''عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' سے مراد کافر نہیں لیا جا سکتا کیونکہ وہ بالاتفاق محلِ مغفرت نہیں نہ اس سے صاحبِ صغیرہ اور صاحبِ کبیرہ بعد از توبہ مراد لیا جا سکتا ہے کیونکہ ان کی مغفرت مخالف کے ہاں بھی عقلاً لازم ہے تو انہیں شفاعت کی ضرورت ہی نہیں۔ تو اب صرف وہ صاحبِ کبیرہ ہی رہ جاتا ہے جس نے توبہ نہیں کی۔ ہم نے ان آیاتِ مبارکہ سے جو استدلال کیا ہے اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہو رہی ہے جسے امام بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ ارشادِ باری تعالیٰ تلاوت کیا:

عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

اور جس نے میرا کہا نہ مانا تو بیشک تو بخشنے والا مہربان ہے

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول تلاوت فرمایا:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ

اگر تو ان کو عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں

پھر ہاتھ اٹھا کر روتے ہوئے عرض کیا:

اَللّٰهُمَّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ

اے اللہ! میری اُمت، میری اُمت

ا مثل قدیر

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے جبریل امین سے فرمایا: میرے محمد کے پاس جاؤ، تیرا رب بہتر جانتا ہے ان سے رونے کا سبب پوچھو! جبریل امین نے آکر پوچھا اور خبر دی تو آپ ﷺ نے اُمت کے حوالے سے عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جبریل، حضور ﷺ کے پاس جا کر کہو:

اِنَّا سَنُرْضِيْكَ فِيْ اُمَّتِكَ وَلَا نَسُوْئُكَ (مسلم: ۲۰۲)
میں آپ کو آپ کی اُمت کے حوالے سے راضی کروں گا اور آپ کو تکلیف میں نہیں ڈالوں گا

تیسری دلیل: سورۂ مریم میں ارشاد ربانی ہے:

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا وَلَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا (پ ۱۶-مریم: ۸۵ تا ۸۷)
جس دن ہم پرہیزگاروں کو رحمٰن کی طرف لے جائیں گے مہمان بنا کر اور مجرموں کو جہنم کی طرف ہانکیں گے پیاسے، لوگ شفاعت کے مالک نہیں مگر وہی جنہوں نے رحمٰن سے عہد پایا ہے۔

ظاہر آیت بتا رہا ہے کہ اس سے مقصود یہ نہیں کہ مجرم، دوسروں کیلئے شفاعت کے مالک نہیں یا یہ کہ ان مجرموں کیلئے دوسرے شفاعت کے مالک نہیں، کیونکہ مصدر کی اضافت جیسے فاعل کی طرف جائز اور صحیح ہوتی ہے اسی طرح مفعول کی طرف بھی جائز ہوتی ہے۔ البتہ! ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آیتِ مبارکہ کا دوسرے معنی لینا اولیٰ ہے کیونکہ پہلا معنی لینا تو واضح چیز کی وضاحت ہی قرار پائے گا، اس لیے کہ ہر کوئی جانتا ہے مجرم جنہیں دوزخ کی طرف ہانکا جا رہا ہے وہ دوسروں کی شفاعت کے مالک نہیں ہو سکتے، لہٰذا دوسرا معنی لینا ہی متعین ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو اب ہم کہتے ہیں آیتِ مبارکہ واضح کر رہی ہے کہ شفاعت اہلِ کبائر کیلئے ہے کیونکہ اس سے متصل فرمایا:

اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا (پ ۱۶-مریم: ۸۷)
مگر وہی جنہوں نے رحمٰن کے پاس سے عہد پایا

صورت حال یہ ہے کہ مجرموں کا یہ استحقاق نہیں کہ کوئی غیر ان کی شفاعت کرے البتہ اس صورت میں جب اللہ کی طرف سے انہیں عہد ملا اور جسے بھی اللہ کی طرف سے عہد ملا ہے وہ اس میں ضرور داخل ہوگا، صاحب کبیرہ کو اللہ سے عہد ملا ہے اور وہ توحید و اسلام ہے۔ لہٰذا وہ اس کے تحت داخل ہوں گے، زیادہ سے زیادہ آپ یہ سوال اٹھا سکتے ہیں کہ یہود کو عہد ملا ہے اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں، لہٰذا وہ بھی اس کے تحت داخل ہوں؟

ہم جواباً کہیں گے کہ یہود (کافر) کیلئے عدم شفاعت پر اجماع ہے جس کے پیشِ نظر انہیں ہم یہاں شامل نہیں کر سکتے۔ ہاں! ان کے علاوہ کو ہم شامل رکھیں گے۔

Marfat.com

چوتھی دلیل: اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی صفت بیان فرمائی:

وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى (پ۱۷-الانبیاء: ۲۸) اور شفاعت نہیں کرتے مگر اس کیلئے جسے وہ پسند فرمائے

وجہ استدلال یوں ہے کہ صاحب کبیرہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہے اور جو اللہ کے ہاں پسندیدہ ہوگا وہ اہلِ شفاعت میں سے ہے۔ پہلے دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ فاسق باعتبار ایمان اور توحید کے اللہ کے ہاں پسندیدہ ہے اور جو شخص اس وصف کے اعتبار سے وہاں پسندیدہ ہے وہ ضرور وہاں مرتضیٰ و پسندیدہ ہوگا کیونکہ مرتضیٰ عند اللہ "مرتضٰی عند الله بحسبِ ایمانه" کے مفہوم کا جز ہے، جب مرکب سچا ہے تو مفرد بھی سچا ہوگا، تو واضح ہوگیا صاحب کبیرہ اللہ کے ہاں مرتضیٰ ہے جب یہ ثابت ہوگیا تو اس کا اہلِ شفاعت میں ہونا لازم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى" میں یہاں شفاعت کی نفی ہے مگر مرتضیٰ کیلئے نفی نہیں اور نفی سے استثناء اثبات ہوتا ہے، لہٰذا مرتضیٰ لازمی طور پر اہلِ شفاعت میں شامل ہوگا۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ مرتضیٰ، شفاعت ملائکہ میں داخل ہے تو شفاعتِ انبیاء اور شفاعتِ مصطفیٰ ﷺ میں لازماً شامل ہوگا کیونکہ ان میں فرق کا کوئی قائل نہیں۔

صاحب کبیرہ مرتضیٰ (پسندیدہ) نہیں

سوال: اگر کوئی کہے کہ اس استدلال پر دو طرح اعتراض ہے۔

پہلی وجہ: فاسق مرتضیٰ نہیں، لہٰذا وہ شفاعت ملائکہ میں لازماً داخل نہیں ہوگا اور جب وہ ان کی شفاعت کا اہل نہیں تو لازماً وہ حضور ﷺ کی شفاعت میں بھی داخل نہ ہوگا۔ فاسق اپنے فسق و فجور کی وجہ سے مرتضیٰ نہیں اور جو باعتبار فسق کے مرتضیٰ نہیں وہ تمہارے والی دلیل کے مطابق بھی مرتضیٰ نہیں ہوسکتا اور جب وہ مرتضیٰ نہیں تو وہ شفاعت ملائکہ کا اہل بھی نہ ہوگا کیونکہ ارشادِ مبارک "وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى" تمام سے شفاعت کی نفی کر رہا ہے۔ البتہ مرتضیٰ کے حق میں ثابت ہے تو جب صاحبِ کبیرہ مرتضیٰ نہیں تو وہ لازماً نفی شفاعت کے تحت ہی داخل ہوگا۔

دوسری وجہ: جسے اللہ تعالیٰ پسند فرمالے

آیتِ مبارکہ سے یہ استدلال تب تام ہوگا جب ارشادِ باری 'وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى' کا معنی یہ ہو کہ ملائکہ شفاعت نہیں کریں گے مگر اس کی جسے اللہ تعالیٰ پسند فرمالے اور اگر اس کا مفہوم یہ ہو کہ وہ نہیں شفاعت کریں گے مگر اللہ تعالیٰ جس کی شفاعت کو پسند فرمالے تو اب آیت کی دلالت نہ ہوگی، البتہ اس صورت میں ہوگی جب یہ ثابت ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ صاحب کبیرہ کی شفاعت پسند فرماتا ہے۔

Marfat.com

پہلے کا جواب

علمِ منطق میں ثابت ہے کہ مہمل جملے آپس میں متناقض نہیں ہوتے مثلاً زید عالم اور زید لیس بعالم، آپس میں متناقض نہیں، کیونکہ ممکن ہے زید فقہ کا عالم ہو مگر عقائد کا عالم نہ ہو، جب یہ ثابت ہے تو یہ دو جملے ''صاحب الکبیرۃ مرتضی'' (صاحب کبیرہ پسندیدہ ہے) اور صاحب الکبیرہ لیس بمرتضٰی (صاحب کبیرہ پسندیدہ نہیں) کا آپس میں کوئی تناقض نہیں، اس لیے کہ ممکن ہے وہ دین کے اعتبار سے مرتضٰی اور باعتبار فسق مرتضٰی نہ ہو اور یہ بھی سامنے رہے جب وہ اسلام کے اعتبار سے مرتضٰی ہے تو مسمّٰی کا مرتضٰی ہونا ثابت ہوگا جب مستثنٰی محض اس کا مرتضٰی ہوتا ہے، تو صاحب کبیرہ کا مرتضٰی ہونا باعتبار ایمان ثابت ہے، لہٰذا وہ استثناء کے تحت داخل اور مستثنٰی منہ سے خارج ہوگا۔ جب اس کے بارے میں یہ ثابت ہو گیا تو وہ اہلِ شفاعت میں سے ہوگا۔

دوسرے کا جواب

جواب اس کا یہ ہے کہ آیت کو اس معنی کہ وہ نہیں شفاعت کرتے مگر جسے اللہ پسند فرمائے'' پر محمول کرنا بہتر ہے۔ اس سے کہ اس کا یہ معنی کیا جائے'' وہ شفاعت نہیں کرتے مگر اللہ جس کی شفاعت پسند فرمائے کیونکہ پہلا معنی اللہ تعالٰی کی رضا کی طرف راغب و متوجہ اور معاصی سے احتراز پر اُبھارتا ہے، دوسرے معانی کے اعتبار سے یہ فائدہ آیت سے حاصل نہیں ہوتا اور اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ اللہ تعالٰی کے کلام کی ایسی تفسیر کرنا بہتر ہوتا ہے جس میں زیادہ فائدہ ہو۔

پانچویں دلیل: اللہ تعالٰی کا کفار کے بارے میں فرمان ہے

فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ　(پ۲۹-المدثر:۴۸)　تو انہیں سفارشیوں کی سفارش کام نہ دے گی

یہاں کفار کو مخصوص کیا گیا ہے تو ضروری ہے۔ مسلمان کا حال مسئلہ خطاب کی بنا پر اس کے مخالف ہوگا۔

چھٹی دلیل: عاصیوں کیلئے دعاء مصطفٰی ﷺ

اللہ تعالٰی نے حضور ﷺ سے فرمایا:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ　(پ۲۶-محمد:۱۹)　اور اے محبوب! اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو

یہ ارشادِ مبارک واضح کر رہا ہے کہ اللہ تعالٰی نے حضور ﷺ کو تمام اہل ایمان مرد اور خواتین کیلئے استغفار کا حکم دیا ہے اور ہم نے پیچھے ''اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ'' کے تحت واضح کیا تھا کہ صاحبِ کبیرہ مومن ہے۔ جب وہ مومن ہے تو اس کیلئے آپ ﷺ

Marfat.com

کی استغفار بھی ثابت ہوگی۔ جب معاملہ یوں ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مغفرت بھی عطا فرمائے گا، ورنہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی دعا رد فرمانے کیلئے آپ کو دعا کا حکم دے رہا ہے جو محض تحقیر اور ایذا ہے اور یہ چیز نہ اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان ہے اور نہ ہی حضور ﷺ کے، تو واضح ہوگیا جب اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو عاصیوں اور گناہگاروں کیلئے دعا کا حکم دیا ہے تو وہ دعا قبول بھی فرمائے گا اور یہ بات تبھی پوری ہوگی جب اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمادے اور شفاعت سے یہی مراد ہے۔

ساتویں دلیل: دعاءِ مصطفیٰ ﷺ رد نہیں ہوتی

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا (پ۵۔النساء:۸۶)

اور جب تمہیں کوئی کسی لفظ سے سلام کرے تو تم اس سے بہتر لفظ جواب میں کہو یا وہی کہہ دو۔ بیشک اللہ ہر چیز پر حساب لینے والا ہے

اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو حکم دیا ہے جب انہیں کوئی تحیہ کہے تو اس کے بدلہ میں اس سے بہتر یا اس کی مثل لوٹائے، ہمیں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تحیہ پیش کرنے کا یوں حکم دیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (پ۲۲۔الاحزاب:۵۶)

اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو

صلاۃ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہے اور اس کے تحیہ ہونے پر کوئی شک نہیں، جب ہم اللہ تعالیٰ سے حضور ﷺ کیلئے طلب کرتے ہیں تو فرمانِ باری تعالیٰ "فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا" کا تقاضا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی تمام مسلمانوں کیلئے اللہ تعالیٰ سے رحمت طلب کریں اور یہی شفاعت کا مفہوم ہے۔

پھر ہم سب کا اتفاق ہے کہ حضور ﷺ کی دعا رد نہیں ہوتی تو ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت کو تمام مسلمانوں کے حق میں قبول فرمائے اور یہی ہمارا مطلوب ہے۔

آٹھویں دلیل: سفارش دونوں جہانوں میں مقبول

ارشاد باری تعالیٰ کا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (پ۵۔النساء:۶۴)

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب! تمہارے حضور حاضر ہوں۔ اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں

Marfat.com

یہاں آیتِ مبارکہ میں توبہ کا ذکر ہی نہیں، حالانکہ یہ آیت بتا رہی ہے جب رسول اللہ ﷺ گناہگاروں اور ظالموں کی سفارش کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرما دیتا ہے۔ یہ بات واضح کر رہی ہے کہ دنیا میں حضور ﷺ کی شفاعت اہلِ کبائر کے حق میں مقبول ہے۔ تو اب آخرت میں بھی وہ مقبول ہوگی کیونکہ ان دونوں میں فرق کا کوئی قائل نہیں۔

نویں دلیل: رسول ﷺ کے لئے لازماً مقام شفاعت ہے

ہم سب کا اتفاق ہے کہ حضور ﷺ کیلئے لازماً مقام شفاعت ثابت ہے، اب اس کا فائدہ بصورت اضافہ منافع ہوگا یا بصورت ازالۂ نقصان، اول صورت باطل ہے ورنہ لازم آئے گا ہم بھی حضور ﷺ کی شفاعت کرنے والے بن جائیں۔ اس لیے کہ جب ہم کہتے ہیں "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ" تو اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے آپ ﷺ کے فضل و شرف پر اضافہ مانگتے ہیں۔ جب یہ صورت باطل ہے تو دوسری ہی ہوگی اور وہی ہمارا مطلوب و مقصود ہے۔

سوال و جواب: ہم شافع نہیں بن سکتے

اگر کوئی یہ کہے کہ حضور ﷺ کیلئے شفاعت کرنے کا اطلاق دو وجہ سے ہم پر نہیں ہو سکتا۔

پہلی وجہ: شفیع کیلئے ضروری ہے کہ وہ "مشفوع لہ" (جس کیلئے شفاعت ہے) سے رُتبہ میں اعلیٰ ہو، ہم اگرچہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے خیر طلب کرتے ہیں مگر چونکہ ہمارا رتبہ آپ سے ادنیٰ ہے، لہٰذا ہم پر شافع کا اطلاق درست نہیں۔

دوسری وجہ: شیخ ابوالحسین کہتے ہیں دوسرے کیلئے منافع کا سوال اس وقت شفاعت بنتا ہے جب منافع اسی سوال کی بنا پر ہوں کہ اگر سوال نہ ہوتا تو وہ منافع بھی نہ ہوتے، یا اس سوال کی فعل میں کوئی تاثیر و فائدہ ہو اور اگر وہ فعل سراپا منافع ہے، خواہ ان کا سوال ہو یا نہ ہو اور سائل کی غرض فقط مسئول کا تقرب ہو اگرچہ مسئول لہ (جس کیلئے سوال ہے) اس سوال سے منفعت زائد کا مستحق نہ بنا ہو تو یہ اس کیلئے شفاعت نہ ہوگی، مثلاً بادشاہ نے بیٹے کو حکومت دینے کا عزم کر لیا اور بعض دوستوں نے اسے اس پر اُبھارا بھی ہو لیکن اس نے یہ عمل کرنا ہی تھا، خواہ وہ اسے کہتے یا نہ کہتے تو اس وقت ان لوگوں کا مقصد اس کے ہاں فقط تقرب ہے تاکہ انہیں اس کے ہاں مقام و مرتبہ مل جائے، اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے ابن سلطان کی سفارش کی ہے، یہی ہمارا حال ہے جب ہم اللہ تعالیٰ سے حقِ رسول اللہ ﷺ میں سوال کرتے ہیں، لہٰذا ہمارا شافع ہونا ہرگز درست نہیں۔

Marfat.com

پہلی وجہ کا جواب

ہم یہ تسلیم ہی نہیں کرتے کہ شفاعت میں رتبہ معتبر ہے۔ دلیل یہ ہے کہ شفیع کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ شفع (جفت) سے ہے اور اس مفہوم میں رتبہ کا اعتبار نہیں تو ان کا قول رتبہ والا باطل ہو جائے گا اور اس وجہ سے سوال ثانی بھی ساقط ہو جاتا ہے لیکن ہم دوسرے سوال کے جواب میں یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم اگرچہ اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو اکرام و عظمت عطا فرماتا ہے۔ خواہ امت اس کا سوال کرے یا نہ کرے لیکن ہمیں اس بات کا یقین نہیں کہ سوالِ امت کی بنا پر آپ کے اکرام میں یوں اضافہ جائز نہیں کہ اگر امت کا سوال نہ ہوتا تو وہ اضافہ حاصل نہ ہوتا تو جب یہ احتمال جائز ہے تو اب ہمارا رسول کیلئے شافع ہونے کا اعتقاد بھی جائز ہی رہے گا اور جب یہ چیز (امت کا شافع ہونا) بالاتفاق باطل ہے تو ان کا قول بھی باطل ہوگا

دسویں دلیل: اہلِ کبائر اور ملائکہ کی دعا

اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی یوں صفت بیان فرمائی ہے:

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا (پ۲۴۔غافر:۷)

اور وہ جو عرش اٹھاتے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکیزگی بولتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے اور مسلمانوں کی مغفرت مانگتے ہیں، اے رب ہمارے! تیرے رحمت و علم میں ہر چیز کی سمائی ہے

صاحبِ کبیرہ اہلِ ایمان میں سے ہے، لہٰذا یہ ان لوگوں میں شامل رہے گا جن کیلئے ملائکہ مغفرت طلب کرتے ہیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کے بعد آیا ہے۔

فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ (پ۲۴۔غافر:۷)

تو انہیں بخش دے جنہوں نے توبہ کی اور تیری راہ پر چلے اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے

لیکن یہ عام کو خاص نہیں کر سکتا، اس لیے کہ اصول فقہ میں ثابت ہے جب لفظ عام کے بعد اس کے بعض اقسام کا ذکر آئے تو وہ اس عام کو تخصیص کے ساتھ خاص نہیں بناتا۔

گیارہویں دلیل: احادیث اور شفاعت اہلِ کبائر

اہلِ کبائر کیلئے شفاعت پر احادیث شاہد ہیں، ہم یہاں تین کا ذکر کر رہے ہیں۔

Marfat.com

پہلی حدیث: آپ ﷺ نے فرمایا

شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ (سنن ابوداؤد: ۴۷۳۹) میری شفاعت میری اُمت کے اہلِ کبائر کیلئے ہے

معتزلہ کے تین اعتراضات

معتزلہ اس پر تین طرح اعتراض کرتے ہیں:

پہلا اعتراض: یہ خبر واحد ہے اور قرآن کے خلاف ہے۔ ہم نے متعدد آیات نفی شفاعت پر بیان کی ہیں اور جب خبر واحد قرآن کے خلاف ہو تو اس کا رد ضروری ہے۔

دوسرا اعتراض: یہ واضح کر رہی ہے کہ شفاعت صرف اہلِ کبائر کیلئے ہی ہے اور یہ درست نہیں، اس لیے کہ شفاعت آپ کا منصب عظیم ہے۔ اسے فقط اہلِ کبائر کیلئے مخصوص کرنا اور مستحق ثواب کو محروم کرنا جائز نہیں، کیونکہ اسے کم از کم برابر ہی تصور کرلیا جائے

تیسرا اعتراض: یہ مسئلہ، مسائل فرعیہ میں سے نہیں، لہٰذا اس میں ظن اور خبر واحد پر اکتفاء جائز نہیں اور خبر واحد ظن کی مفید ہوتی ہے۔ لہٰذا یہاں اس روایت سے استدلال درست نہیں۔

اس میں کئی احتمالات ہیں

اور اگر ہم اس کی صحت تسلیم بھی کرلیں تو اس میں پھر بھی کئی احتمالات ہیں۔

پہلا احتمال: لفظ کبیرہ لغت اور عرف شرع میں معصیت کے ساتھ مختص نہیں، بلکہ یہ طاعت کو بھی شامل ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے نماز کے بارے میں فرمایا: وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ، جب بات یوں ہے تو آپ کے ارشاد اہل الکبائر سے ضروری نہیں کہ مراد اہلِ معاصی کبیرہ ہوں، بلکہ ممکن ہے اہلِ طاعات کبیرہ مراد ہوں۔

اگر یہ سوال ہو کہ ہم مانتے ہیں لفظ کبیرہ طاعات و معاصی دونوں کو شامل ہے لیکن اہل الکبائر جمع اور اس پر الف لام ہے جو عموم پر دال ہے، لہٰذا یہ حدیث لازماً تمام اہل کبائر کیلئے ثبوت شفاعت پر دال ہوگی، خواہ وہ اہلِ طاعات کبیرہ ہوں یا اہلِ معاصی کبیرہ

ہم جواباً کہیں گے لفظ الکبائر اگرچہ عموم کیلئے ہے مگر لفظ ''اہل'' مفرد ہے جو عموم پر دال نہیں تو صدق خبر کیلئے اہلِ کبائر میں سے شخص واحد کا ہونا کافی ہے، تو ہم اسے اس شخص پر محمول کرلیں گے جو طاعات بجالانے والا ہے، کیونکہ تقاضا حدیث پر عمل کیلئے اس پر عمل کافی ہے۔

Marfat.com

دوسرا احتمال: ہم مان لیتے ہیں اہل الکبائر کا اطلاق اہل معاصی کبیرہ پر ہی ہے لیکن یہ عام ہیں بعد از توبہ یا قبل از توبہ دونوں ہو سکتے ہیں۔ ہم حدیث کو بعد از توبہ والوں پر محمول کرتے ہیں اور شفاعت کا یہ فائدہ ہو کہ فسق سے پہلے طاعت کے ثواب پر جو کمی آئی اس کا ازالہ ہو جائے۔

چلو ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ اس حدیث کی دلالت تمہارے قول کے مطابق ہی ہے مگر یہ اس کے دیگر الفاظ کے منافی ہے۔ "اَشَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ" (کیا میری شفاعت اہل کبائر کے لیے ہے؟) یہاں ہمزہ استفہام ہے جو انکار پر دال ہے

امام حسن نے حضور علیہ السلام سے یوں بھی نقل کیا ہے۔

مَا ادَّخَرْتُ شَفَاعَتِیْ اِلَّا لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ میں نے اپنی شفاعت اپنی امت کے اہل کبائر کیلئے ہی محفوظ رکھی ہوئی ہے (معجم ابو یعلیٰ: ۱، ۱۹۸)

انصاف کی بات

واضح رہے! انصاف کی بات یہی ہے کہ ایسے مسئلہ پر فقط اس ایک روایت سے ہی استدلال ممکن نہیں، البتہ باب شفاعت میں جو روایات مروی ہیں ان ساری روایات کے مجموعہ سے استدلال ہونا چاہیے اور وہ تمام ان تاویلات کے ساقط و باطل ہونے پر دال ہیں۔

دوسری حدیث: دعا شفاعت کے لئے محفوظ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کیلئے ایک مقبول دعا ہے اور ہر نبی نے اس میں جلدی کی ہے۔ لیکن میں نے اپنی دعا بطور شفاعت اپنی امت کیلئے محفوظ رکھی ہوئی ہے، وہ ان شاء اللہ اسے ملنے والی ہے جو میری امت میں فوت ہوا اور اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا (اسے امام مسلم نے صحیح میں نقل کیا) (مسلم: ۱۹۹)

اور اس سے استدلال یہ ہے کہ یہ روایت صریح ہے کہ آپ ﷺ کی شفاعت ہر اس امتی کو ملے گی جس نے اللہ کے ساتھ کسی شی کو شریک نہیں بنایا اور صاحب کبیرہ بھی شرک کرنے والا نہیں تو وہ لازمی طور پر شفاعت پائے گا۔

تیسری حدیث: محشر میں ان کی رسائی ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک دن آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں دستی کا گوشت پیش کیا گیا اور اسے آپ پسند فرمایا کرتے۔ آپ نے دانتوں کے ساتھ توڑ کر کھایا، پھر فرمایا: میں روزِ قیامت سربراہ ہوں گا تم جانتے ہو کیسے؟ عرض

Marfat.com

کیا: یارسول اللہ! نہیں۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ تمام اولین و آخرین کو ایک مقام پر جمع فرمائے گا حتیٰ کہ وہ بلانے والے کی آواز کو سنیں گے اور آنکھیں انہیں دیکھیں گی، سورج قریب ہوگا لوگ غم و اضطراب میں بے بس ہوں گے، ایک دوسرے سے کہیں گے تم اس حالت کو دیکھ نہیں رہے، تم ان کے پاس کیوں نہیں جاتے جو رب تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت کریں، پھر مشورہ ہوگا کہ تمہارے والد سیدنا آدم ہیں۔ ان کے پاس آکر عرض کریں گے اے آدم! آپ ابوالبشر ہیں، اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے دستِ اقدس سے بنایا اور اس میں اپنی روح پھونکی۔ ملائکہ کو سجدہ کا حکم دیا۔ اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کرو۔ تم ہمارا حال دیکھ رہے ہو، ہم کس حال میں ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام کہیں گے میرا رب آج اس قدر غضب میں ہے، نہ اس سے پہلے کبھی اتنا غضبناک ہوا اور نہ بعد میں ہوگا، اس نے مجھے درخت سے منع فرمایا مجھ سے لغزش ہوگئی، مجھے اپنی فکر ہے کسی اور کے پاس جاؤ۔ تم حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں آکر عرض کریں گے، آپ زمین والوں کی طرف پہلے رسول ہیں، آپ کو اللہ نے عبد شکور فرمایا ہے۔ اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری سفارش کرو تم ہمارا حال ملاحظہ کر ہی رہے ہو؟ وہ فرمائیں گے میرا رب آج اتنا غضب میں ہے، نہ اس سے پہلے اتنا غضب میں ہوا اور نہ کبھی ہوگا، میں نے اپنی قوم کے خلاف دعا کردی تھی تم کسی دوسرے نبی کے پاس جاؤ، تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ، تمام لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آکر عرض کریں گے، آپ اللہ تعالیٰ کے نبی خلیل ہیں، اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کرو، ہماری حالت تم دیکھ ہی رہے ہو۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے میرا رب آج اس قدر غضب میں ہے، نہ پہلے کبھی اتنا غضب میں ہوا اور نہ کبھی ہوگا۔ مجھے اپنے معاملات یاد آرہے ہیں، نفسی نفسی، تم کسی دوسرے کے پاس جاؤ۔ تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، تمام اہل محشر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آکر عرض کریں گے آپ اللہ کے رسول ہیں آپ کو اللہ نے رسالت اور کلام کے ذریعے باقی لوگوں سے فضیلت بخشی ہے۔ اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کرو، تم ہماری حالت دیکھ ہی رہے ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے، بلاشبہ میرا رب آج اس قدر غضب میں ہے کہ اس طرح نہ پہلے ہوا اور نہ بعد میں ہوگا۔ میں نے ایک آدمی کو قتل کردیا، حالانکہ حکم نہ تھا۔ نفسی نفسی! تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ تم حضرت عیسیٰ بن مریم کے پاس جاؤ، وہ ان کے پاس آکر عرض کریں گے آپ اللہ کے رسول اور کلمہ ہیں جو حضرت مریم کو القا ہوئے اور اس کا روح، تم نے گود میں گفتگو کی، تم ہمارا حال ملاحظہ کر رہے ہو۔ ہمارے رب کے حضور سفارش کرو۔ آپ فرمائیں گے میرا رب اس قدر غضب میں ہے کہ نہ پہلے تھا اور نہ بعد میں ایسا ہوگا، البتہ اپنی کوئی لغزش بیان نہیں کریں گے اور کہیں گے کہ تم کسی دوسرے کے پاس جاؤ۔ تم حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ فرمایا پھر تم میرے پاس آؤ گے اور یوں کہو گے یا محمد! آپ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے تمام

Marfat.com

معاملات پر مغفرت کی بشارت عطا فرمائی ہے۔ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کریں، تم ہمارا حال ملاحظہ کر رہے ہو۔ میں حاضر ہو کر اپنے رب سے اذن طلب کروں گا مجھے اجازت مل جائے گی جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر پڑوں گا، وہ مجھے حالت سجدہ میں جتنا چاہے گا رہنے دے گا، پھر مجھے فرمائے گا۔

يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ — اپنا سر اٹھاؤ اور کہو مانا جائے گا، مانگو عطا کیا جائے گا، شفاعت کرو قبول کی جائے گی۔

میں اپنے رب کی حمد کروں گا ایسی محامد کے ساتھ جس کی وہ مجھے تعلیم دے گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا۔ میرے لیے تعداد مقرر کی جائے گی جنہیں میں جنت میں داخل کروں گا۔ پھر واپس آؤں گا۔ میں اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو دیکھ کر حالتِ سجدہ میں جاؤں گا۔ وہ مجھے اس حال میں جتنا چاہے گا رہنے دے گا، پھر فرمائے گا سر اٹھاؤ، کہو سنی جائے گی، مانگو عطا ہوگا، شفاعت کرو قبول کی جائے گی، پھر اپنے رب کی حمد ایسے کلمات کے ساتھ کروں گا جن کی وہ مجھے تعلیم دے گا، پھر میں شفاعت کروں گا وہ میرے لیے مقدار مقرر فرمائے گا۔ میں انہیں جنت میں داخل کروں گا، پھر واپس آؤں گا میں اپنے رب کو دیکھ کر حالتِ سجدہ میں گر پڑوں گا، وہ مجھے اس حالت میں جس قدر چاہے گا رہنے دے گا، پھر فرمائے گا یا محمد! سر اقدس اٹھاؤ کہو سنا جائے گا، مانگو عطا کیا جائے گا اور شفاعت کرو قبول کی جائے گی، میں اپنے رب کی حمد کروں گا ایسی محامد کے ساتھ جن کی تعلیم وہ مجھے عطا فرمائے گا، پھر شفاعت کروں گا میرے لیے ایک مقدار مقرر کی جائے گی جنہیں میں جنت میں داخل کروں گا، پھر لوٹ کر آؤں گا اور عرض کروں گا یا رب یا رب! دوزخ میں وہی ہیں جنہیں قرآن نے روک لیا ہے۔ یعنی جن کیلئے دوزخ دائمی ہے۔ اس روایت کو ان الفاظ کے ساتھ بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے۔

(البخاری-۴۴۸۰، مسلم-۱۹۴)

معتزلہ کے اعتراضات

معتزلہ نے اس پر اور دیگر روایات پر ان اعتراضات سے گفتگو کی ہے۔

پہلا اعتراض: یہ طویل روایات ہیں، ان میں الفاظ رسول ﷺ کا ضبط ممکن نہیں، ظاہر یہی ہے کہ راوی اپنے الفاظ میں ذکر کر دیتے ہیں۔ لہٰذا اس صورت میں انہیں حجت نہیں بنایا جا سکتا۔

دوسرا اعتراض: یہ واقعہ واحد کے بارے میں ہے اور یہ زیادات اور نقصانات کے ساتھ مروی ہے اس سے بھی مذکورہ اتہام کی تائید ہوتی ہے۔

Marfat.com

تیسرا اعتراض: یہ روایات تشبیہ پر مشتمل ہیں جو باطل ہے اور یہ بات بھی اتہام کو پختہ کرتی ہے۔

چوتھا اعتراض: یہ ظاہر قرآن کے خلاف ہیں جس کی وجہ سے ہمارے بیان کی مزید تائید ہو جاتی ہے۔

پانچواں اعتراض: یہ ایسے عظیم واقعہ کی خبر ہے جس کی نقل کے دواعی واسباب زیادہ تھے، اگر یہ درست ہوتا تو یہ بطور تواتر منقول ہوتیں، حالانکہ ایسا نہیں جو ہماری بات کو خوب تقویت دے رہا ہے۔

چھٹا اعتراض: مسائل قطعیہ میں خبر واحد سے استدلال درست نہیں، کیونکہ یہ تو ظن کا فائدہ دیتی ہے۔

اہلسنّت کا جواب

اہلسنّت نے ان اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: یہ روایات اگرچہ احاد ہیں مگر بہت زیادہ ہیں اور تمام میں قدر مشترک یہ ہے کہ شفاعت کی وجہ سے اہلِ عذاب کو دوزخ سے نکالا جائے گا، تو اس معنی کے اعتبار سے یہ متواتر قرار پاتی ہیں، لہٰذا یہ حجت ہوں گی۔ واللہ أعلم۔

معتزلہ کے دلائل کا رد

معتزلہ کے تمام دلائل کا جواب ایک جملہ میں یوں دیا جا سکتا ہے کہ تمہارے دلائل سے شفاعت کی تمام اقسام کی نفی ہو جاتی ہے اور ہمارے دلائل سے ایسی شفاعت ثابت ہوتی ہے جو شفاعت خاصہ ہے۔ خاص اور عام کے درمیان جب تعارض ہو جائے تو خاص عام پر مقدم ہوتا ہے، لہٰذا ہمارے دلائل تمہارے دلائل پر مقدم ہوں گے لیکن ہم ان کی ہر دلیل کا مستقل جواب بھی ضروری دینا چاہتے ہیں۔

پہلی دلیل کا جواب

انہوں نے وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ (نفس سے شفاعت قبول نہیں کی جائے گی) سے استدلال کیا ہے۔ ہمیں تسلیم ہے اعتبار خصوصی سبب کا نہیں، عموم الفاظ کا ہوتا ہے لیکن ایسے عام کی سبب خاص کے ساتھ تخصیص ادنیٰ دلیل سے ہو جاتی ہے، جب ثبوت شفاعت پر کثیر دلائل موجود ہیں تو ان کی وجہ سے یہاں تخصیص ماننا لازمی ہے۔

Marfat.com

دوسری دلیل کا رد

ارشادِ گرامی "مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ" سے استدلال کا جواب یہ ہے اس کی نقیض ومخالف لِلظّٰلِمِیْنَ حَمِیْمٌ وَّ شَفِیْعٌ (ظالموں کیلئے دوست اور شفیع) ہے اور یہ موجبہ کلیہ ہے، جس کی نقیض سالبہ جزئیہ آتی ہے اور صدق کیلئے سلب کا تمام صورتوں میں تحقق ضروری نہیں، بلکہ بعض صورتوں میں پایا جانا کافی ہوتا ہے۔

جب یہ حقیقت ہے تو ہم کہتے ہیں بعض ظالموں کیلئے نہ دوست ہوگا اور نہ مقبول شفیع اور کفار کی یہی صورت حال ہے لیکن ہر ایک سے شفیع اور دوست کا انکار ہرگز جائز نہیں۔

تیسری دلیل کا رد

ارشادِ گرامی "مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ" سے استدلال کا جواب وہی ہے جو پہلی دلیل کا ہے۔

چوتھی دلیل کا رد

ارشادِ گرامی "وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ" سے استدلال کا جواب یہ ہے اس کی نقیض سامنے لاؤ، وہ للظالمین انصار موجبہ کلیہ ہے اور "وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ" سالبہ جزئیہ ہے، اس کا مدلول سلب عموم ہے جو عموم سلب کا مفید نہیں ہوتا۔

پانچویں دلیل کا رد

ارشادِ گرامی "فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِیْنَ" سے استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہ کفار کے بارے میں ہے، اس تخصیص کی بنا پر نشاندہی کر رہی ہے کہ اہلِ ایمان کے حق میں حکم اس کے برعکس ہی ہوگا یعنی انہیں شفاعت نفع دے گی۔

چھٹی دلیل کا رد

ارشادِ گرامی "وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی" اس پر تفصیلی گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

ساتویں دلیل کا رد

اہلِ اسلام کی دعا "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ اَهْلِ شَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ" سے استدلال کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک شفاعت کا فائدہ امر مطلوب کا حصول ہے اور وہ استحقاق ہے، زائد منافع کے حصول اور معاصی پر استحقاق نقصان کے دفع کے درمیان قدر مشترک ہے اور یہ قدر مشترک اس پر موقوف نہیں کہ آدمی عاصی ہی ہو، لہٰذا اعتراض از خود ختم ہوگیا۔

Marfat.com

آٹھویں دلیل کارد

ارشادِ مبارک "وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ" سے استدلال کا جواب مسئلہ وعید میں انشاء اللہ آ رہا ہے۔

نویں دلیل کارد

ان کا یہ کہنا کہ ایسی کوئی دلیل موجود نہیں جو واضح کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ کبائر کی شفاعت کی اجازت دی ہے۔ غلط و ممنوع ہے۔ ہم نے سابقہ گفتگو میں اس پر کسی قدر دلائل فراہم کر دیئے ہیں۔

دسویں دلیل کارد

ملائکہ کے بارے میں تھا "فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا"، ہم نے پہلے بیان کر دیا تھا کہ آیت کے آخری حصہ کا خصوص۔ اول حصہ کے عموم کے مانع نہیں بن سکتا۔

اس کے بعد انہوں نے جو احادیث بطور استدلال ذکر کی ہیں ان سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کچھ لوگوں کی یا بعض مواقع پر قیامت میں شفاعت نہیں فرمائیں گے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام اہلِ کبائر میں سے کسی کی شفاعت نہیں کریں گے اور نہ ہی یہ لازم آتا ہے کہ تمام مواقع پر شفاعت نہیں کریں گے۔

تفصیلی گفتگو سے یہ بات سامنے آ چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ شفاعت اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوگی۔ ممکن ہے بعض مقامات اور بعض اوقات میں آپ ﷺ کو اذن نہ ہو لیکن دوسرے مقامات پر آپ کو اذن شفاعت حاصل ہو۔ واللہ أعلم

فلاسفہ اور شفاعت

شفاعت کے بارے میں فلاسفہ کی رائے یہ ہے کہ ذات واجب الوجود کا فیض عام اور جود تام اس قدر ہے کہ وہ حاصل ہی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس قدر استعداد کسی میں کہاں؟ البتہ یہ ظاہر ہے کہ وہ فیض اسی شی سے حاصل کیا جائے جس نے واجب سے حاصل کیا ہو تو وہ شی اب واجب اور شی اول کے درمیان واسطہ بن جائے گی اس کی محسوس مثال کا بیان یوں ہے۔

سورج اپنے مدِ مقابل کو ہی روشن کرتا ہے، گھر کا اندرونی چھت اس کے مقابل نہیں۔ لہٰذا اس میں شمس سے قبول نور کی استعداد نہیں، ہاں صاف پانی سے بھر کر طشت رکھ دی جائے اور اس میں سورج کی روشنی پڑے تو اس کا عکس چھت تک جا سکتا ہے۔ تو اب صاف پانی سورج کے نور اور چھت کے درمیان رابطہ بن گیا، ارواح انبیاء کرام علیہم السلام، ارواح عامہ تک فیض واجب پہنچانے کیلئے واجب اور ارواح خلق کے درمیان واسطہ ہیں۔ یہ انہوں نے اپنے اصولوں کے مطابق شفاعت کے بارے میں رائے دی ہے

Marfat.com

بنی اسرائیل پر انعامات کی تفصیل

Marfat.com

[۴۹] وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾

(اور یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے نجات بخشی کہ تم پر برا عذاب کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی بلا تھی)

پہلے انعام کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر جب اجمالاً نعمتوں کا ذکر کیا تو اس کے بعد ان کی اقسام کا ذکر تفصیلاً کر دیا تاکہ تذکیر و نعمت میں مبالغہ اور حجت میں عظمت پیدا ہو گویا فرمایا میری نعمتوں کو یاد کرو، یاد کرو جب ہم نے تمہیں نجات دی، یاد کرو جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا یہ تمام انعامات ہیں اس آیت مبارکہ میں پہلے انعام کا ذکر ہے۔

و اذ نجینا کم کو انجینا کم اور نجینکم بھی پڑھا گیا۔

شیخ قفال کہتے ہیں انجاء اور تنجیہ کا معنی خلاصی پانا ہے اور شی کا دوسری شی سے جدا ہونا کہ متصل نہ ہوں 'نجی، انجی" دونوں لغتیں ہیں بلند جگہ کو 'نجوہ' کہتے ہیں اس لیے کہ وہاں چڑھ جانے والا نجات پاتا ہے اور اس لیے بھی کہ بلند مقام پست سے ممتاز ہوتا ہے گویا وہ اس سے خلاصی پالیتا ہے۔

لفظ آل کی تحقیق

صاحب کشاف لکھتے ہیں۔ آل کی اصل اہل ہے کیونکہ اس کی تصغیر اُھَیْل ہے ھا کو الف سے بدل دیا گیا ہے۔ اس کا استعمال صاحب عزت و شان میں ہوتا ہے مثلاً ملوک وغیرہ، آل حجام اور آل سکاف نہیں کہا جاتا۔

شیخ عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اہل، ال سے عام ہے مثلاً اہل کوفہ، اہل بلاد اور اہل علم کہا جاتا ہے مگر ال کوفہ، آل علم اور ال بلد نہیں کہا جاتا۔

گویا بات یوں ہے اہل، کسی شی کے خواص باعتبار تغلیب کے اور آل کسی آدمی کے باعتبار قرابت اور صحبت کے خواص ہوتے ہیں۔

ابو عبیدہ سے ہے کہ میں نے فصیح عرب کو کہتے ہوئے سنا، اَھْلُ مَکَّۃَ اٰلُ اللّٰہِ۔ (مکہ والے آل اللہ ہیں)

Marfat.com

لفظ فرعون کا مفہوم

فرعون، عمالقہ میں سے ہر بادشاہ مصر کا علم ہے جیسے روم کے بادشاہ کو قیصر، ملک فارس کے بادشاہ کو کسریٰ، ملک یمن کے بادشاہ کو تبع اور ترکوں کے بادشاہ کو خاقان کہا جاتا ہے۔

فرعون میں دو طرح کا اختلاف ہے۔

۱۔ اس کے نام میں اختلاف ہے۔ ابن جریج نے بعض سے مصعب بن ریان اور ابن اسحاق نے ولید بن مصعب نقل کیا ہے فراعنہ میں سے اس سے بڑھ کر ظالم اور سخت دل والا کوئی نہ تھا، وھب بن منبہ نے کہا اہل کتاب کہتے ہیں فرعون کا نام قابوس اور قوم قبط سے تھا۔

۲۔ ابن وھب کہتے ہیں فرعونِ یوسف علیہ السلام فرعونِ موسیٰ علیہ السلام ہی تھا لیکن یہ درست نہیں کیونکہ مصر میں دخول یوسف علیہ السلام اور دخول موسیٰ علیہ السلام کے درمیان چار صدیوں کا عرصہ ہے، محمد ابن اسحاق کا کہنا ہے یہ فرعونِ یوسف کے علاوہ ہے۔ اس کا نام ریان بن ولید تھا۔

آل فرعون سے قوم فرعون کے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے بنی اسرائیل کو ہلاک کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرعونیوں سے نجات دے کر فضیلت عطا فرمائی اور فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک فرما دیا۔ ارشاد گرامی "یَسُوْمُوْنَکُمْ" یہ سامہ خسفًا سے ہے یعنی ظالم کا والی بنا، عمرو بن کلثوم نے کہا:

اذا ما الملك سام الناس خسفًا　　　أبينا أن نقر الخسف فينا

(جب بادشاہ لوگوں کا ظلماً والی بنا تو ہم نے اس کی بادشاہی کا انکار کر دیا)

اس کا اصل 'سـام السـلعة' ہے جس میں طلب معنی ہے۔ گویا کہا یہ تمہارے لئے برا عذاب تلاش کرتے اور تمہارا ارادہ کرتے، سُوء بمعنی سی، ساء کا مصدر ہے۔ کہا جاتا ہے میں سوء خلق اور سوء فعل سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ مراد دونوں کا قبیح ہونا ہے۔ سوء العذاب اور عذاب سے اس کا اشد اور قبیح ہونا ہے۔

سُوءِ عذاب سے کیا مراد ہے؟

مفسرین کا اختلاف ہے امام محمد بن اسحاق کہتے ہیں ان کو انہوں نے اپنا خادم بنا رکھا تھا۔ بعض سے تعمیر کا کام لیتے بعض ان کی کھیتی باڑی کرتے، بعض پودے وغیرہ لگاتے اور جو ان میں کام نہ کرتے وہ جزیہ ادا کرتے، امام سدی کہتے ہیں انہیں سخت اور گندے کاموں میں لگاتے مثلاً کیچڑ بنانا، پہاڑ کھودنا۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا:

اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا (پ۹-الاعراف:۱۲۹) جتنا ہم ستائے گئے آپ کے آنے سے پہلے اور آپ کے تشریف لانے کے بعد

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا:

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (پ۱۹-الشعراء:۲۲) اور یہ کوئی نعمت ہے جس کا تو مجھ پر احسان جتاتا ہے کہ تو نے غلام بنا کر رکھے بنی اسرائیل

کسی انسان کا دوسرے کے اسی طرح ماتحت ہونا کہ جس طرح چاہے اس پر حکم چلائے خصوصاً جب اسے وہ سخت مشکل اور گندے کاموں میں استعمال کرے تو یہ بھی سخت عذاب کی قسم ہے حتیٰ کہ اس حالت میں انسان موت کی تمنا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم نعمت کا ذکر کر کے فرمایا ہم نے ان سے تمہیں نجات دی۔

اس کے بعد ایک اور نعمت کا ذکر فرمایا جو اس سے بھی اعظم ہے "یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ" وہ اولاد میں سے بچوں کو قتل کر دیتے اور بچیوں کو چھوڑ دیتے۔

یہاں چند مباحث ہیں۔

پہلی بحث: بچوں کا قتل نہ کہ لڑکیوں کا

بچوں کو قتل کرنا نہ کہ لڑکیوں کو اس میں کئی طرح نقصان ہے۔

۱۔ لڑکوں کا قتل مردوں کو فنا کرنا ہے اور یہ انقطاع نسل ہے کیونکہ جب خواتین ہی ہوں گی تو ان کا اس حوالے سے کوئی فائدہ نہ ہوا اور اس عمل سے آخر کار مرد و خواتین دونوں ختم ہو جائیں گے۔

۲۔ مردوں کا ختم ہو جانا خواتین کی معیشت وزندگی کو تباہ کرنا ہے۔ جب ذمہ دار مرد نہ رہیں گے تو وہ موت کی تمنا کرے گی کیونکہ بعض اوقات اس کی تنہائی سے زندگی کمزور ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ مشقت میں پڑ جاتی ہے پھر اس سے نجات حاصل کرنا ہی اس کا مقصد رہ جاتا ہے۔

۳۔ حمل طویل کی مشقتیں اور قوی امیدوں کے بعد بچے کا قتل سخت عذاب ہے۔

۴۔ والدین کو لڑکے، لڑکیوں سے زیادہ محبوب ہوتے ہیں یہی وجہ ہے لوگ بچیوں کو بوجھ محسوس کرتے ہیں اگرچہ لڑکے زیادہ ہوں، ارشاد مبارک ہے۔

Marfat.com

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ (پ۱۴۔النحل:۵۸) اور جب ان میں کسی کو بیٹی ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو دن بھراس کا منہ کالا رہتا ہے اور وہ غصہ کھاتا ہے

اس لیے عربوں کو بچی کے قتل سے منع فرمایا:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا (پ۱۵۔الاسراء:۳۱) اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو مفلسی کے ڈر سے ہم انہیں بھی روزی دیں گے اور تمہیں بھی بیشک ان کا قتل بڑی خطا ہے

اور یہ لوگ لڑکیوں کو قتل کرتے نہ کہ لڑکوں کو۔

۵۔ خواتین کا مردوں کے بغیر باقی رہنے کا معنی یہ ہے کہ وہ دشمنوں کے فراش بنیں گیں اور اس سے بڑھ کر ذلت ورسوائی کیا ہوسکتی ہے۔

دوسری بحث: حرف عطف واؤ کا نہ ہونا

اس سورت میں ''یُذَبِّحُوْنَ'' بغیر واؤ اور سورۂ ابراہیم میں واؤ کے ساتھ ہے وجہ یہ ہے اگر ''یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ'' کی تفسیر اسے بنائے جائے تو پھر واؤ کی ضرورت نہیں اور اگر اس کی تفسیر ذبح کے علاوہ باقی اشیاء کو بنایا جائے اور ذبح کو الگ کر دیا جائے تو پھر واؤ لانا ہوگا، دونوں مقامات پر دونوں احتمال موجود ہیں ہاں سورۂ ابراہیم میں حرف عطف لانے کا فائدہ یہ ہے کہ اس آیت سے پہلے ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (پ۱۳۔ابراہیم:۵) اور بیشک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے اجالے میں لا اور انہیں اللہ کے دن یاد دلا بیشک اس میں نشانیاں ہیں ہر بڑے صبر والے شکرگزار کیلئے

ایام اللہ کی تذکیر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کیے بغیر نہیں ہوسکتی لہٰذا ضروری تھا یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ کو الگ اور یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ، کو الگ عذاب کی نوع وقسم بنایا جائے تاکہ دونوں سے خلاصی مستقل نعمت قرار پائے اس لیے یہاں حرف عطف لایا گیا رہا معاملہ زیر بحث آیت کا تو یہاں جنس نعمت کا تذکرہ مقصود ہے۔

اُذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ یاد کرو میری نعمت جو میں نے تم پر کی

(پ۱۔البقرۃ:۴۰،۴۷،۱۲۲)

Marfat.com

خواہ سوءِ عذاب ذبح ہو یا اس کے علاوہ، ہم جنس نعمت کا تذکرہ ہے لہٰذا دونوں مقامات میں فرق ظاہر ہو گیا۔

تیسری بحث: مراد بچے ہیں

بعض نے فرمایا ''یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَ کُمْ'' سے مراد مرد ہیں نہ کہ بچے کیونکہ نساء کے مقابل ہیں اور وہ بالغہ عورتیں ہوتی ہیں اسی طرح ابناء سے مراد بھی بالغ مرد ہیں۔ انہوں نے فرمایا: فرعون ایسے مردوں کو قتل کا حکم دے دیتا جن کے خروج کا خطرہ ہوتا یا ان کے اجتماع سے اس کی حکومت کو خطرہ لاحق ہوتا۔

لیکن اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہاں مراد بچے ہیں نہ کہ بالغ مرد۔ ان وجوہ کی بنا پر یہ تفسیر بہتر ہے:

۱۔ اس صورت میں ابناء کا اطلاق اپنے ظاہر پر ہی رہے گا

۲۔ اتنے کثیر مردوں کے ہوتے ہوئے تمام کا قتل دشوار و متعذر رہے۔

۳۔ مشقت اور مختلف کام کرنے میں وہ ان کے محتاج بھی تھے۔

۴۔ اگر بالغ مراد ہوتے تو بچپن میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو تابوت سمندر میں ڈالنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

رہا معاملہ مقابلہ لفظ نساء کا جس کی وجہ سے یہاں رجال مراد لے رہے ہیں۔

اس کے دو جواب ہیں:

دو جواب

۱۔ ابناء جب حالت بچپن میں قتل ہو گئے تو وہ مرد نہ بن سکے لہٰذا ان پر رجال کا لفظ نہیں بولا جا سکتا باقی بچیوں کو جب قتل نہ کیا جاتا اور وہ خواتین کی عمر کو پہنچتیں تو ان پر نساء کا اطلاق درست ہے۔

۲۔ بعض نے کہا ''وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَ کُمْ'' کا معنی یہ ہے کہ وہ عورت کی شرمگاہ کی تحقیق کرتے کیا اسے حمل ہے یا نہیں؟ لیکن یہ باطل ہے۔ جو کچھ ان کے شکم میں تھا جب آنکھوں سے نظر نہیں آ رہا تو وہ تفتیش سے کیسے جان لیں گے اور نہ ہی وہ ہاتھ سے اسے خارج کر سکتے ہیں۔

چوتھی بحث: ابناء کا قتل کیوں؟

ابناء (بچوں) کو کیوں قتل کرتے اس کی یہ وجوہات بیان ہوئی ہیں۔

پہلی وجہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے فرعون اور اس کے حواریوں کو یہ بات پہنچی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم

Marfat.com

علیہ السلام سے وعدہ فرمایا ان کی اولاد میں انبیاء اور ملوک پیدا فرمائے گا انہیں اس کا خوف لاحق ہوا۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کچھ ایسے لوگ ہوں جن کے پاس چھری ہو اور وہ بنی اسرائیل کا جائزہ لیتے رہیں جب بھی کوئی بچہ پیدا ہو اسے وہ ذبح کر دیں جب انہوں نے دیکھا کہ بڑے مر رہے ہیں اور چھوٹے ذبح ہو رہے ہیں تو وہ ان کے ختم ہونے سے اس لیے ڈرے کہ ہمارے کام کون کرے گا؟ تو پھر ایک سال قتل کرتے اور ایک سال چھوڑ دیتے۔

دوسری وجہ: امام سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں فرعون نے خواب میں آگ دیکھی جو بیت المقدس کی طرف سے آئی اور اس نے مصر کے تمام گھروں کا احاطہ کرلیا اس نے قبطیوں کو جلایا اور بنی اسرائیل کو چھوڑ دیا۔ فرعون نے کاہن بلا کر پوچھا تو انہوں نے کہا: بیت المقدس سے ایسا آدمی آئے گا جو قبطیوں کو ختم کر دے گا۔

تیسری وجہ: نجومیوں نے فرعون کو اس بارے میں بتایا بلکہ انہوں نے سال کا تعین بھی کیا اس لیے اسی سال بچوں کو قتل کروایا گیا

لیکن اقرب پہلا قول ہے۔ کیونکہ علم رؤیا اور علم نجوم سے اس قدر مفصل معاملہ معلوم نہیں ہوتا بلکہ مجمل حاصل ہوتا ہے ورنہ غیبی خبروں کے معجز ہونے پر اعتراض ہو جائے گا (کیونکہ ان سے امر مفصل حاصل ہوتا ہے) اور عاقل کے شایاں شان یہی ہے کہ اس امر مجمل کی بنا پر اتنا بڑا اقدام نہیں اٹھا سکتا۔

سوال: فرعون، اللہ کا منکر ہے تو اب وہ رسولوں کا بطریق اولیٰ منکر ہوگا تو ان کا منکر ہوتے ہوئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اطلاع کی بنیاد پر اس نے اتنا بڑا قدم کیوں اٹھالیا؟

جواب: ممکن ہے فرعون، اللہ کے بارے میں جانتا ہو اور انبیاء کو سچا جانتا ہو وہ ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر کافر ہو یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ دین کے معاملہ میں متحیر اور تشکیک کا شکار تھا تو ممکن ہے وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو سچا جانتا ہو تو اس نے احتیاطاً یہ قدم اٹھایا ہو

پانچویں بحث: تذکرہ نعمتوں کے فوائد

ان نعمتوں کے تذکرہ میں کئی طرح سے فائدہ ہے۔

۱۔ جن اشیاء کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان میں سب سے بڑی یہ چیز ہے کہ وہ لوگ بادشاہوں اور ظالموں کے پنجے میں پس رہے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس ظلم سے چھٹکارا عطا فرمایا اور یہ بہت بڑی نعمت ہے کیونکہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا جو انہیں ہلاک کرنا چاہتے تھے انہیں اللہ نے ہلاک فرما دیا جو انہیں ذلیل کرنا چاہتے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل و رسوا فرما دیا تو اس کے اعظم نعمت ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اور نعمت کی عظمت انسان میں اتباع اطاعت کا موجب بنتی ہے اور وہ مخالفت و معاندت کو نہایت ہی قبیح بتاتی ہے

Marfat.com

اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس نعمت عظیمہ کا ذکر فرمایا تا کہ ان پر حجت تمام اور ان کا عذر ختم ہو جائے۔

۲۔ وہ یہ جانتے تھے کہ ہم نہایت ہی ذلت میں تھے اور ان کا دشمن نہایت عزت میں البتہ یہ حق پر اور دشمن باطل پر تھے ضروری تھا حق والوں کی ذلت اور باطل والوں کی عزت ختم کر دی جائے تو گویا اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے اے مخالفوں حضور ﷺ کے فی الحال ظاہری فقر اور قلت معاونین پر دھوکہ نہ کھاؤ اس لیے کہ آپ حق پر ہیں اور ضروری ہے عزت آپ کی طرف اور ذلت آپ کے دشمن کی طرف جائے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرمایا کہ ملک اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے عطا فرمائے، انسان عزت دنیوی کی وجہ سے غرور نہ کرے بلکہ طلب عزت اُخروی کیلئے سعی کرے۔

وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ کی تفسیر

شیخ قفال کہتے ہیں: یہ ابتلاء سے ہے جس کا مفہوم آزمائش و امتحان ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ (پ۱۷-الانبیاء:۳۵)

اور ہم تمہاری آزمائش کرتے ہیں برائی اور بھلائی سے جانچنے کو اور ہماری ہی طرف تمہیں لوٹ کر آنا ہے

دوسرے مقام پر فرمایا

وَبَلَوْنَاهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (پ۹-الاعراف:۱۶۸)

اور ہم نے انہیں بھلائیوں اور برائیوں سے آزمایا کہ کہیں وہ رجوع لائیں

بلویٰ دو طرح کا ہے نعمت کو بھی بلاء اور مشقت شدیدہ کو بلاء کہا جاتا ہے اکثر طور پر خیر میں ابلاء اور شر میں بلاء کا استعمال ہوتا ہے البتہ ایک دوسرے کی جگہ بھی آتے رہتے ہیں۔ زہیر نے کہا:

جزی اللّٰہ بالاحسان ما فعلا بکم و أبلاھما خیر البلاء الذی یبلو

(اللہ تعالیٰ احسان کے ساتھ بدلہ دے جو تمہارے ساتھ ہوا ہے اور بلا تمہارے لیے خیر کا سبب بنے)

جب یہ جان لیا یہاں بلاء مشقت ہے اگر "ذٰلکم" سے فرعون کے ظلم وستم کی طرف اشارہ ہے اور اگر اس سے انجار کی طرف اشارہ ہو تو پھر نعمت مراد ہے اور نعمت پر محمول کرنا اولیٰ ہے کیونکہ اس کا صدور رب تعالیٰ سے ہے اور اس لیے بھی کہ یہ قوم یہود پر حجت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اسلاف پر یہ انعام فرمایا تھا

Marfat.com

[۵۰] وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

(اور جب ہم نے تمہارے لیے دریا پھاڑ دیا تو تمہیں بچالیا اور فرعون والوں کو تمہاری آنکھوں کے سامنے ڈبو دیا)

دوسرے انعام کا تذکرہ

یہ دوسری نعمت ہے۔ "فَرَقْنَا" یعنی ہم نے پانی میں جدائی پیدا فرما دی تا کہ تمہارے لیے راستے بن جائیں، اسے مشدد بھی پڑھا گیا بمعنیٰ "فَصَّلْنَا" جس طرح دو چیزوں کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے۔ اسی طرح متعدد اشیاء کے درمیان بھی ہو سکتا ہے اس لیے کہ راستے ان کے قبائل کے مطابق بارہ تھے۔

سوال: بِكُمْ کا کیا معنی ہے؟

جواب: اس کے دو معانی ہو سکتے ہیں۔

پہلا معنی: جب وہ چلتے تو ان کے چلتے وقت پانی متفرق و جدا ہو جاتا گویا جس طرح کسی واسطہ کے ذریعے شی دو حصوں میں بٹ جاتی ہے ایسے ہی ان کے چلنے سے پانی ہٹ گیا۔

دوسرا معنی: تمہیں نجات دینے کے سبب پانی متفرق ہو گیا۔

چند مباحث

یہاں یہ مباحث ہیں:

پہلی بحث: بنی اسرائیل کی نجات کی تفصیل

منقول ہے جب یہ واضح ہو گیا کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو غرق کرنے کا فیصلہ فرما لیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا ان سے زیورات مانگ لو اس میں دو حکمتیں ہیں۔

پہلی حکمت: تا کہ حصولِ مال کیلئے ان کا پیچھا کرتے ہوئے نکلیں۔

دوسری حکمت: تا کہ ان کے اموال ان کے پاس رہیں۔

Marfat.com

پھر جبریل علیہ السلام نے شام کو آکر کہا: آج رات تم انہیں لے کر نکل جاؤ یہ حکم یوں بیان ہوا:

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ (پ۱۶-طٰہٰ:۷۷) اور بیشک ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے چل

ان کی تعداد چھ لاکھ تھی، بارہ قبائل تھے اور ہر ایک کی تعداد پچاس ہزار تھی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر نکل گئے فرعون کو اطلاع ملی اس نے کہا مرغ بانگ تک ان کا پیچھا نہ کرو، راوی کا کہنا ہے، اللہ کی قسم اسی رات کسی مرغ نے اذان ہی نہ دی جب صبح ہوئی تو فرعون نے بکری ذبح کی اور کہا: میرے اس بکری کا جگر تناول کرنے سے پہلے چھ لاکھ قبطی جمع ہو جاؤ۔ حضرت قتادہ سے منقول ہے لاکھ دو لاکھ آدمی جمع ہوئے گھوڑوں پر سوار ہو کر انہوں نے پیچھا کیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِیْنَ (پ۱۹-الشعراء:۶۰) تو فرعونیوں نے ان کا تعاقب کیا دن نکلے

یعنی طلوع شمس کے بعد۔

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓی اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ (پ۱۹-الشعراء:۶۱) پھر جب آمنا سامنا ہوا دونوں گروہوں کا موسیٰ والوں نے کہا ہم کو انہوں نے آلیا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

كَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ (پ۱۹-الشعراء:۶۲) یوں نہیں بیشک میرا رب میرے ساتھ ہے وہ مجھے اب راہ دیتا ہے

جب وہ سمندر کے کنارے پہنچے تو حضرت یوشع بن نون نے پوچھا: آپ کے رب کا حکم کیا ہے؟ سمندر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: سامنے کی طرف۔ انہوں نے اپنا گھوڑا پانی میں ڈال دیا اور چلے یہاں تک کہ گہرائی تک پہنچے تو گھوڑا تیرنے لگا واپس آئے پوچھا: موسیٰ رب تعالیٰ نے کہاں کا حکم دیا ہے؟ فرمایا: سمندر کا اور واللہ میں جھوٹ نہیں کہہ رہا۔ تین دفعہ ایسے ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی:

اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ (پ۱۹-الشعراء:۶۷) دریا پر اپنا عصا مارو تو دریا پھٹ گیا اور ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا

سمندر نے بارہ راستے بنادیے۔ فرمایا: داخل ہو جاؤ وہاں کیچڑ تھا ہوا چلی خشک ہو گیا اور خشک راستے بن گئے جیسا کہ فرمایا:

Marfat.com

فَاضۡرِبۡ لَهُمۡ طَرِيۡقًا فِي الۡبَحۡرِ يَبَسًا　(پ۱۶-طہ: ۷۷)　اور ان کیلئے دریا میں سوکھا راستہ نکال دے

پھر قبیلہ نے راستہ لیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے: ہم ایک دوسرے کو دیکھ نہیں رہے۔ آپ نے عصا مارا راستوں کے درمیان روشن دان بن گئے تو ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ فرعون آ پہنچا جب کنارے پر آیا ابلیس نے داخلہ سے منع کیا۔ اس نے نہ داخل ہونے کا ابھی ارادہ کیا تھا حضرت جبریل گھوڑی پر آئے فرعون کا گھوڑا اس کے پیچھے سمندر میں داخل ہو گیا، فرعون کے اندر داخل ہوتے ہی حضرت میکائیل نے آواز دی، اول سے لے کر آخر تک سب کو داخل کر دو جب تمام کے تمام داخل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے پانی کو حکم دیا کہ اسے غرق کر دے۔ باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ اَغۡرَقۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ وَ اَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ　اور ہم نے غرق کیا قوم فرعون کو اور تم دیکھ رہے تھے

منقول ہے یہ عاشوراء (دس محرم الحرام) کا دن تھا سیدنا موسیٰ علیہ السلام، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اس دن روزہ رکھا کرتے

دوسری بحث: دینی و دنیاوی انعامات

یہ واقعہ بہت سی دینی و دنیاوی نعمتوں پر مشتمل ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں دنیاوی نعمتوں کا سبب کسی طرح سے ہے

پہلی نعمت: جب وہ اس تنگی میں تھے کہ پیچھے فرعون اور اس کا لشکر اور سامنے سمندر تھا اگر وہ رکتے ہیں تو دشمن پکڑ کر ہلاک کر دیتا اور اگر چلتے ہیں تو غرق ہو جاتے ہیں اس سے بڑھ کر خوف کیا ہو سکتا ہے تو ایسے موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے سمندر پھاڑ کر نجات عطا فرمائی اس سے بڑھ کر رہائی و خوشی کیا ہوگی؟

دوسری نعمت: اللہ تعالیٰ نے انہیں اس نعمتِ عظیمہ اور معجزہ کاملہ سے نوازا تاکہ پتہ چلے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا کیا مقام ہے۔

تیسری نعمت: انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمن کو ہلاک کر دیا، ایسی حالت سے چھٹکارا پانا اعظم نعمت ہے اور اس وقت کیا عالم ہوگا جب اس کے ساتھ اکرام عظیم حاصل ہو اور دشمن بھی ہلاک کر دیا جائے۔

چوتھی نعمت: اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی زمین، دیار، نعمتوں اور اموال کا مالک بنا دیا

پانچویں نعمت: اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کر کے بنی اسرائیل کو ان سے نجات دی اور یہ نعمت عظیمہ ہے کیونکہ یہ ان سے کمزور و خائف تھے اگر اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کو اس ورطہ سے نجات دیتا مگر فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک نہ فرماتا تو خطرہ باقی رہتا کہ وہ جمع ہو کر کسی بھی طریقہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کو ایذا دیتے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر کے مکمل طور پر خوف کو جڑ سے نکال دیا۔

چھٹی نعمت: یہ ان کا غرق بنی اسرائیل کے سامنے ہوا۔ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ (تم دیکھ رہے تھے) سے یہی مراد ہے۔

Marfat.com

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں نعمت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں یہ کئی طرح سے دینی نعمتوں کا بھی سبب ہے۔

پہلی نعمت: جب قوم موسیٰ نے اپنی آنکھوں سے یہ عظیم معجزہ دیکھا تو ان کے دلوں سے شکوک وشبہات کا ازالہ ہوگیا کیونکہ ایسے کامل معجزہ کی وجود صانع حکیم اور صدق موسیٰ پر بدیہی دلالت ہے گویا اللہ تعالیٰ نے ان سے نظر دقیق اور استدلال شاقہ کا بوجھ اٹھالیا

دوسری نعمت: جب انہوں نے اپنی آنکھوں سے یہ دیکھا تو یہ چیز ان کیلئے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق اور ان کی اتباع کی طرف داعی بنی اور قوم فرعون کیلئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کے ترک اور فرعون کی تکذیب کے بھی داعی بن گئی۔

تیسری نعمت: انہوں نے اس حقیقت کو پالیا تمام اُمور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اس لیے کہ جو عزت فرعون کو حاصل تھی اس سے بڑھ کر دنیا میں عزت کہاں اور بنی اسرائیل پر جو سختی تھی اس سے بڑھ کر ذلت کہاں؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک لحظہ میں عزیز کو ذلیل اور ذلیل کو عزیز بنادیا اور یہ چیز دل کے علائق دنیا سے انقطاع اور کامل طور پر خدمت خالق کی طرف توجہ اور تمام اُمور میں اس پر توکل کا موجب ہے۔

اُمتِ محمدیہ پر انعامات

اس واقعہ سے امتِ محمدیہ کو جو انعامات حاصل ہوئے وہ بھی کثیر ہیں۔

پہلا انعام: یہ حضور علیہ السلام کیلئے اہلِ کتاب پر حجت ہے انہیں آپ کا حال معلوم تھا کہ آپ نے نہ کسی سے پڑھا اور نہ لکھا اور نہ ہی اہلِ کتاب سے نشست و برخاست ہوئی جب آپ ﷺ نے ان کی خبریں تفصیل کے ساتھ بیان کیں جو مطالعہ کتب کے بغیر نہیں دی جاسکتیں تو انہیں علم ہوا کہ یہ وحی کے ذریعے ہی خبر دیتے ہیں اور سچے ہیں تو یہ یہود پر آپ ﷺ کی طرف سے حجت اور ہمارے لیے آپ ﷺ کی تصدیق پر حجت ہوگی۔

دوسرا انعام: جو کچھ ان کے بارے میں ہوا جب ہم ان امورِ عظیمہ کا تصور کرتے ہیں تو متعین ہوجاتا ہے جو آدمی اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرے گا وہ دنیا و آخرت میں بدبخت ٹھہرے گا اور جس نے اس کی اطاعت کی وہ دنیا و آخرت میں سعید ٹھہرا تو اس چیز نے ہمیں طاعت میں شوق اور معصیت سے نفرت دلائی۔

تیسرا انعام: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت نے باوجود ان معجزات ظاہرہ اور براہین کاملہ کے اپنے نبی کی کئی اُمور میں مخالفت کی حتیٰ کہ کہا

اِجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ (پ۹-الاعراف:۱۳۲) ہمیں ایک خدا بنادے جیسے ان کیلئے اتنے خدا ہیں

Marfat.com

رہی اُمت محمدیہ ﷺ ان کے ہاں سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے جس کا اعجاز دلائل دقیقہ سے ہی معلوم ہوتا ہے مگر اس نے آپ کی اطاعت کی اور کسی معاملہ میں بھی اختلاف نہ کیا۔ یہ چیز واضح کر دیتی ہے کہ امت محمدیہ ﷺ امت موسوی سے افضل ہے

ابھی یہاں دو سوالات باقی ہیں:

پہلا سوال: ''سمندر کا پھٹ جانا'' اس کی دلالت وجودِ صانع قادر پر اور صدقِ موسیٰ علیہ السلام پر بدیہی کی طرح ہے اور یہ بات زمانہ تکلیف میں کیسے جائز ہے؟

جواب: ہمارے نزدیک تو اس کا جواب ظاہر ہے ہاں معتزلہ میں سے کعبی نے جواب کلی یوں دیا کہ مکلفین میں کچھ لوگ ذہانت، فطانت اور ذکاوت سے دور بلکہ وہ بلید ہوتے ہیں، بنی اسرائیل میں اکثر لوگ یوں ہی تھے لہٰذا معجزات کے مشاہدہ کی ضرورت تھی مثلاً سمندر کا پھٹ جانا، کوہِ طور کا بلند ہونا، مردوں کا زندہ ہونا کیا تم نے یہ نہیں دیکھا جب وہ ایسی قوم کے پاس سے گزرے جو بتوں کی پوجا کر رہی تھی تو انہوں نے کہا تھا:

یٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ — اے موسیٰ ہمیں ایک خدا بنا دے جیسے ان کے لیے اتنے خدا ہیں (پ۹-الاعراف:۱۳۸)

رہے عرب تو ان کا حال اس کے مخالف ہے کیونکہ یہ عقلمندی میں کمال پر تھے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے دلائل دقیقہ اور معجزات لطیفہ پہ ہی اکتفاء فرمایا۔

دوسرا سوال: فرعون عاقل تھا جب اس نے سمندر پھٹا ہوا دیکھا تو یہ تو جان لیا ہوگا کہ یہ میرا عمل و دخل نہیں بلکہ یہ اس قادر عالم کا فعل ہے جو باقی قادرین سے الگ ہے تو وہ کفر پر کیسے قائم رہا؟ اگر آپ کہیں وہ رب کے بارے میں پہلے ہی جانتا تھا مگر وہ عناد اور ضد کی وجہ سے کافر تھا، ہم کہیں گے جب وہ دل سے جانتا تھا تو اس نے اپنے آپ کو ہلاکت کے گڑھے میں کیوں ڈال لیا اور وہ سمندر میں داخل ہو گیا باوجودیکہ وہ اس وقت وجودِ صانع اور صدقِ موسیٰ علیہ السلام کے علم کے بارے میں مجبور کی طرح تھا۔

جواب: یہ ہے شی کی محبت جو انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے تو اسے جاہ و منصب کی محبت اور تلبیس نے اس ہلاکت میں داخل ہونے پر مجبور کر دیا۔

وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ کے متعدد معانی

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ''وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ'' اس کی متعدد تفاسیر ہیں۔

پہلی تفسیر: تم نے اپنی آنکھوں سے امواج سمندر کو فرعون اور اس کے لشکر کو نگلتے ہوئے دیکھا۔

Marfat.com

دوسری تفسیر: قوم موسیٰ علیہ السلام نے آپ سے کہا: اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے حال سے آگاہ فرمائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب کریم سے عرض کیا تو سمندر نے لاکھوں لوگوں کو فرعون کے ساتھ باہر پھینک دیا۔ بنی اسرائیل نے اپنی آنکھوں سے دیکھا: ان کے کفر کی بدبختی کی وجہ سے ان میں سے کسی کو بھی سمندر نے قبول نہ کیا۔ ارشاد فرمایا:

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً (پ۱۱۔یونس:۹۲) آج ہم تیری لاش کو اتار دیں گے کہ تو اپنے پچھلوں کیلئے نشانی ہو

یعنی ہم نے سمندر کی تنگی سے کھلی فضا میں نکال دیا تا کہ لوگ تمہیں دیکھ سکیں اور تم ان کیلئے مقامِ عبرت بن جاؤ۔

تیسری تفسیر: تم ان کے قریب ہو تم ان کی طرف متوجہ اور ان کے مقابل ہوا گر چہ آنکھوں سے انہیں دیکھ نہیں رہے۔ شیخ فراء کہتے ہیں یہ ایسے ہی ہے جیسے ہم تجھے مار رہے ہیں تمہارے اہل دیکھ رہے ہیں مگر وہ تمہاری مدد نہیں کر رہے یہ اسی وقت کہا جاتا ہے جب اہل قریب ہوں اگر چہ وہ دیکھ نہ رہے ہوں تو مراد اس کا معلوم ہوتا ہے۔

[۵۱-۵۲] وَإِذْ وٰعَدْنَا مُوسٰى أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَأَنْتُمْ ظٰلِمُونَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۲﴾

(اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا پھر اس کے پیچھے تم نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی اور تم ظالم ہو پھر اس کے بعد ہم نے تمہیں معافی دی کہ کہیں تم شکر کرو)

تیسرا انعام

شیخ ابو عمرو اور یعقوب نے اس سورت اور اعراف و طٰہٰ میں بغیر الف کے "وعدنا" اور باقی قراء نے تین مقامات پر الف کے ساتھ "واعدنا" پڑھا ہے۔ الف کے بغیر کی وجہ ظاہر ہے کہ وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے لیکن مواعدہ باب مفاعلہ ہے لہٰذا وہاں دو کا ہونا ضروری ہے اگر الف ہو تو یہ صورتیں ہیں:

۱۔ وعدہ اگر چہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے مگر قبولیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے ہوگی اور قبول وعدہ بھی وعدہ کے مشابہ ہے اس لیے کہ قبول کرنے والے کیلئے یہ کہنا ضروری ہوتا ہے کہ میں یہ کروں گا۔

۲۔ شیخ قفال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ بھی بعید نہیں کہ آدمی اللہ سے وعدہ کرے اور معنی ہوگا بندے نے اللہ سے عہد کیا۔

Marfat.com

۳۔ چونکہ دو کے درمیان ہے لہٰذا "واعدنا" فرمایا۔

۴۔ اور یہ اقویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کا وعدہ فرمایا کہ فلاں وقت کوہِ طور پر وحی کیلئے آؤ۔

لفظِ موسیٰ کی تحقیق

اس میں کئی وجوہ ہیں:

پہلی وجہ: فَعْلٰی کا وزن میم اصلی ہے "مَاسَ یَمِیْسُ" سے مشتق ہے۔ چلنے میں اکڑ نہیں، سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی چال مبارک ایسی ہی تھی

دوسری وجہ: یہ وزن مفعل میم زائدہ پر "اوسیت الشجرۃ" سے ہے یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب درخت سے پتے جھاڑ دیے جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سراقدس کے بال نہ تھے اس وجہ سے ان کا نام ہے۔

تیسری وجہ: یہ عبرانی دو کلمات مو (پانی) اور سی (درخت) سے مرکب ہے آپ کا نام اس وجہ سے بنا کہ والدہ نے فرعون سے خوف کی بنا پر تابوت میں رکھ کر سمندر میں بہا دیا، پانی کی موجیں فرعون کے گھر کے پاس درختوں میں لے گئیں حضرت آسیہ (فرعون کی بیوی) کی خادمائیں وہاں نہانے کیلئے آئیں انہوں نے تابوت دیکھا اور پکڑا تو اس مکان (پانی اور درخت) کی وجہ سے آپ کا نام یہ رکھا۔

پہلی دونوں وجوہ فاسد ہیں پہلی اس لیے کہ بنی اسرائیل اور قبطی لغت عرب نہیں جانتے تھے لہٰذا ان کی مراد یہ نہیں ہوسکتی دوسری وجہ اس لیے کہ یہ اسم علم ہونے کی وجہ سے معنی ذات کا مفید نہیں ہوسکتا۔

اقرب تیسری وجہ ہے لوگوں میں یہی معروف و معتاد ہے آپ کا نسب یہ ہے۔ موسیٰ بن عمران بن یصہر بن فاہث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام۔

اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً کی تفسیر

اس میں چند فوائد ہیں:

پہلا فائدہ: تورات ملنے کا وعدہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا تھا اگر ہم سمندر سے سالم و محفوظ گزر گئے تو میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے

Marfat.com

پاس سے کتاب لاؤں گا جس میں تمہارے لیے اوامر و نواہی ہوں گے جب آپ بنی اسرائیل کے ساتھ سلامتی سے گزر گئے اور فرعون کو اللہ تعالیٰ نے غرق کر دیا تو انہوں نے کہا: اپنے وعدہ کے مطابق ہمارے لیے کتاب لاؤ تو آپ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو اس نے چالیس دن کا وعدہ فرمایا جس کا بیان یوں ہے:

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ (پ ۹۔ الاعراف: ۱۴۲)

اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا وعدہ فرمایا اور ان میں دس اور بڑھا کر پوری کیں تو اس کے رب کا وعدہ پوری چالیس رات کا ہوا اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا: میری قوم پر میرا نائب رہنا اور اصلاح کرنا اور فسادیوں کی راہ کو دخل نہ دینا

آپ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنایا اور طور پر چالیس راتیں ٹھہرے، اللہ تعالیٰ نے ان پر تورات بصورت الواح (تختیاں) نازل کی اور وہ زبر جد کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے سرگوشی اور بلا واسطہ کلام فرمایا اور انہیں قلم کی آواز بھی سنائی۔

حضرت ابوالعالیہ سے ہے ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ وہ چالیس راتیں بے وضو نہ ہوتے حتیٰ کہ طور سے نیچے تشریف لائے۔

دوسرا فائدہ: چالیس راتیں فرمایا کیونکہ مہینوں کی ابتدا راتوں سے ہوتی ہے۔

تیسرا فائدہ: ارشادِ گرامی "وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰى" کا معنی یہ ہے ہم نے موسیٰ سے چالیس راتیں گزارنے کا وعدہ کیا جیسا کہ کہا جاتا ہے فلاں جب سے گیا ہے: "الیوم اربعون یوما ای تمام الاربعین" حاصل یہ کہ یہاں مضاف حذف اور مضاف الیہ اس کے قائم مقام ہے جیسا کہ فرمان ہے:

وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْۤ اَقْبَلْنَا فِيْهَا وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ (پ ۱۳۔ یوسف: ۸۲)

اور اس بستی سے پوچھ دیکھئے جس میں ہم تھے اور اس قافلہ سے جس میں ہم آئے اور ہم بیشک سچے ہیں

پھر یہ مراد نہیں کہ کوئی چالیس راتیں ہوں بلکہ وہ معین تھیں تیس ذوالقعدہ کی اور دس عشرہ ذوالحج کی اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں جانتے تھے۔

"وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰى" میں یہ بھی احتمال ہے کہ تم چالیس راتیں پہاڑ پر آتے رہو یہاں تک کہ تم پر تورات نازل ہوگی، احادیث میں دوسرے احتمال کی تائید ملتی ہے۔

Marfat.com

چوتھا فائدہ: تیس اور چالیس میں موافقت کیسے؟

یہ آیت مبارکہ بتا رہی ہے کہ پہلے ہی وعدہ چالیس راتوں کا ہوا تھا لیکن سورۂ اعراف کے الفاظ مبارکہ:

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ (پ۹-الاعراف:۱۴۲)

اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا وعدہ فرمایا اور ان میں دس اور بڑھا کر پوری کیں

بتا رہا ہے کہ پہلے تیس راتوں کا وعدہ تھا ان میں موافقت کیسے ہے؟

امام حسن بصری نے جواب دیا معاملہ یوں نہیں کہ پہلے تیس کا وعدہ تھا پھر دس کا ہوا، وعدہ ہی چالیس کا تھا جیسے اس آیت میں ارشاد فرمایا:

ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ (پ۲-البقرۃ:۱۹۶)

تو تین روزے حج کے ایام میں رکھے اور سات جب اپنے گھر پلٹ کر جاؤ یہ پورے دس ہوئے

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ کی تفسیر

اس میں چند مباحث ہیں:

پہلی بحث: ثُمَّ، کا لفظ لایا گیا، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے میقات پر ستر افراد کے ساتھ تورات لینے کیلئے آنے کا فرمایا تو اس میں ان کا مقام اور فضیلت بنی اسرائیل کا اظہار تھا تا کہ حاضرین کو ان کے بلند درجہ، غائبین کو ان کی معرفت اور دین کی تکمیل پر تنبیہ ہو جائے اور یہ سب بڑی نعمت تھی اس کے بعد انہوں نے جو جہل و کفر جیسی بدتر انواع کا اظہار کیا تو پھر یہ عمل تعجب تھا یہ ایسے ہو گیا جیسے کوئی کہے میں نے تجھ پر اتنے احسانات کیے پھر تو مجھے ایذا و تکلیف دے رہا ہے۔

دوسری بحث: اہل سیر نے لکھا ہے جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تورات نازل کرنے کا وعدہ فرمایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا:

اُخْلُفْنِىْ فِىْ قَوْمِىْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ (پ۹-الاعراف:۱۴۲)

میری قوم پر میرا نائب رہنا اور اصلاح کرنا اور فسادیوں کی راہ کو دخل نہ دینا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر تشریف لے گئے، بنی اسرائیل کے پاس وہ کپڑے اور زیورات تھے جو انہوں نے قبطی قوم سے اُدھار لیے تھے، حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا: وہ کپڑے اور زیورات تمہارے لیے حلال نہیں انہیں جلا دو۔ انہوں

Marfat.com

نے جمع کر کے انہیں آگ لگادی۔ سامری جو حضرت موسیٰ کے ساتھ چل رہا تھا اس نے حضرت جبریل کی سواری کے پاؤں دیکھے جب وہ فرعون کو سمندر میں داخل کرنے کیلئے آئے تھے وہاں سے اس نے مٹھ مٹی لے لی تھی، سامری نے سونا چاندی جمع کر کے بچھڑے کی صورت بنائی اور وہ مٹی اس کے منہ میں ڈالی تو اس سے آواز نکلنا شروع ہوگئی، اس نے قوم سے کہا:

هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى (پ۱۶-طٰہٰ:۸۸) یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ کا معبود

قوم نے اسے اپنا خدا بنالیا۔

سائل یہ کہہ سکتا ہے کہ عقلاء کی جماعت عظیم اس پر کیسے متفق ہوسکتی ہے جسے عقل بداہۃً فاسد مانتی ہو اور مذکورہ حکایت ان وجوہات پر ایسی ہی ہے۔

پہلی وجہ: ہر عاقل بداہۃً جانتا ہے کہ سونے سے بنایا گیا بت نہ حرکت کرسکتا ہے اور نہ محسوس کرسکتا ہے اور نہ ہی اس میں شعور ہے لہٰذا اس کا آسمانوں اور زمین کا الٰہ بننا محال ہوگا مان لیا اس سے گائے جیسی آواز آئی لیکن اتنی سی بات عقلاً بھی اس کے الٰہ ہونے کا شبہ کیسے پیدا کرسکتی ہے؟

دوسری وجہ: اس قوم نے اس سے پہلے ایسے معجزات ظاہرہ دیکھے ہوئے تھے جو وجودِ صانع اور صدقِ موسیٰ علیہ السلام پر انہیں مجبور کردینے والے تھے باوجود اس قوی دلالت اور اس سونے سے بنائے گائے کی آواز پیدا ہونے کے، محال ہے کہ انہیں اس آواز والے جسم کے بارے میں الٰہ ہونے کا شبہ پیدا ہوا۔

جواب یہ ہے کہ اس واقعہ کی تصحیح صرف ایک صورت میں ہوسکتی ہے کہ یہ کہا جائے سامری نے قوم سے کہا ہو موسیٰ علیہ السلام نے بھی یہی لانا تھا اس لیے کہ وہ قویٰ فلکیہ سے طلسمات حاصل کرتے ہیں اور اس واسطہ سے وہ معجزات پر قادر ہیں۔ میں بھی ان کے طلسم کی طرح کرسکتا ہوں اس نے آواز والا بچھڑا بناڈالا اور انہیں تاثر دیا خوارق میں وہ موسیٰ جیسے ہوسکتے ہیں۔

یا شاید وہ قوم اللہ تعالیٰ کیلئے جسم مانتی تھی اور حلولیت کی قائل تھی تو انہوں نے بعض اجسام میں الٰہ کا حلول تسلیم کرلیا اور اس شبہ میں واقع ہوگی۔

تیسری بحث: اس واقعہ میں متعدد فوائد ہیں۔

پہلا فائدہ: اس میں نشاندہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت افضل ہے اس لیے کہ یہود ان براہین کاملہ کا مشاہدہ کرنے کے باوجود

Marfat.com

اس قدر رادنی اور کمزور شبہ میں مبتلا ہوئے لیکن امتِ محمدیہ ﷺ باوجودیکہ وہ معرفتِ معجزہ قرآن میں دلائل دقیقہ کی محتاج ہے مگر وہ بڑے سے بڑے شبہ سے بھی دھوکہ نہیں کھاتی جس سے واضح ہوجاتا ہے کہ یہ امت ان سے افضل، عقل میں اکمل اور پاکیزگی دل میں ازکی ہے۔

دوسرا فائدہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ واقعہ بیان فرمایا حالانکہ کسی سے آپ نے نہیں پڑھا جو واضح کررہا ہے کہ آپ کی رہنمائی وحی کرتی ہے۔

تیسرا فائدہ: اس میں تقلید اور دلائل سے جہالت پر تحذیر وخوف عظیم ہے اس لیے اگر وہ قوم دلائل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معرفت کاملہ کا علم رکھتی تو سامری کے شبہ میں کیوں پڑتی۔

چوتھا فائدہ: مشرکین عرب، یہود اور نصاریٰ کی مخالفت پر حضور علیہ السلام کیلئے تسلی ہے گویا اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے اے نبی! آپ صبر سے کام لیں جیسے موسیٰ نے اس عجیب واقعہ میں صبر کیا۔ ان کو اللہ نے فرعون سے نجات دی اور ظہور موسیٰ علیہ السلام سے لے کر اس وقت تک انہوں نے کس قدر معجزات عجیبہ دیکھے تھے مگر وہ کمزور سے کمزور شبہ کا شکار ہوگئے لیکن موسیٰ علیہ السلام نے اس پر صبر کیا تو قوم کی اذیت پر حضور علیہ السلام کا صبر کرنا اس سے اولیٰ ہوگا۔

پانچواں فائدہ: حضور ﷺ کے ساتھ مجادلہ اور عداوت میں سب سے سخت یہود تھے گویا اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے یہ اپنے آباء واجداد پر فخر کرتے ہیں جب ان کے اسلاف جہالت، بلادت اور عناد میں اس حد کو پہنچے ہوئے تھے تو ان کے اخلاف کا عالم کیا ہوگا؟

وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ کی تفسیر

پہلی بحث: ظلم کی تفسیر میں دو اقوال ہیں۔

پہلا قول: شیخ ابومسلم کہتے ہیں لغت میں ظلم کا معنی نقص ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے

كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا — دونوں باغ اپنے پھل لائے اور اس میں کچھ کمی نہ دی

(پ۱۵۔الکہف: ۳۳)

تو معنی یہ ہوگا جب انہوں نے خالق، زندہ کرنے اور مارنے والے کی عبادت ترک کرکے بچھڑے کی پوجا شروع کردی تو یہ دنیا و دین کی خیرات میں ناقص ہوگئے۔

Marfat.com

دوسرا قول: جب فعل کا یہ وصف ہے تو اسی کا فاعل ظالم ٹھہرے گا پھر جب آدمی ایسا فعل کرے جو اسے عذاب و نار تک لے جائے تو کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا اگرچہ فی الحال وہ نفع و لذت میں ہو جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (پ ۲۱ - لقمان: ۱۳) بیشک شرک بڑا ظلم ہے

دوسرے مقام پر فرمایا

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ (پ ۲۲ - فاطر: ۳۲) تو ان میں کوئی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے

ان کا غیر کی عبادت کرنا شرک تھا اور شرک انسان کو دوزخی بنا دیتا ہے اسی لیے انہیں ظالم کہا۔

دوسری بحث: معتزلہ نے اس سے کئی طرح سے استدلال کیا کہ معاصی، اللہ تعالیٰ کی تخلیق نہیں۔

پہلی وجہ: اللہ تعالیٰ نے ان پر مذمت کی ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہوتے تو ان کا فاعل مستحق ذم ہوتا۔

دوسری وجہ: اگر یہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ان سے ایسا ہوتا تو ان کے بجالانے پر وہ اس کے مطیع قرار پائے کیونکہ ارادہ کیے ہوئے فعل کو بجالانا طاعت ہے۔

تیسری وجہ: اگر عصیان اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہوتی تو اس پر مذمت ایسے ہی ہو جائے گی جیسے کسی کے کالے، گورے، طویل و کوتاہ ہونے پر مذمت ہوتی ہے۔ (حالانکہ ان میں کسی کا قصور نہیں)

جواب یہ ہے کہ فعل مدح و ذم سے استدلال ہے اور یہ دو۔ مسئلہ داعی اور مسئلہ علم کے مخالف ہے جس کا تذکرہ متعدد بار آچکا ہے

تیسری بحث: آیت میں یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ کفر سے نقصان کفار کو ہی ہوتا ہے کیونکہ اس کے سبب سے وہ اپنے نفس پر ہی ظلم کرتے ہیں باقی اللہ تعالیٰ کا جلال، اتقیاء کی طاعت سے کمال کے حصول اور اشقیاء کی معصیت سے نقص سے پاک ہے۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ کی تفسیر

معتزلہ کہتے ہیں "عَفَوْنَا" سے مراد ان کی توبہ ہے جو بصورت ایک دوسرے کے قتل کے تھی لیکن یہ دو وجہ سے ضعیف ہے۔

پہلی وجہ: قبول توبہ عقلی طور پر واجب ہے اگر یہاں وہ مراد ہوتی تو اسے مقام انعام پر لانا جائز نہ ہوتا کیونکہ واجب کی ادائیگی، انعام نہیں ہوتا حالانکہ ان آیات سے مقصود انعامات الٰہیہ کا شمار ہے

Marfat.com

دوسری وجہ: لازم عذاب کا اسقاط عفو قرار پاتا ہے، جس عذاب کا اسقاط لازم نہ ہو اس کا اسقاط عفو نہیں کہلاتا مثلاً ظالم کا مظلوم کو عذاب دینا جائز نہیں اگر وہ اسے ترک کر دیتا ہے تو اس ترک کو عفو نہیں کہا جا سکتا یہی صورت یہاں ہے جب یہ ثابت ہو گیا تو ہم کہتے ہیں یہاں حصول توبہ میں کوئی شک ہی نہیں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ　　تو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع لاؤ تو آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو　(پ ۱-البقرۃ:۵۴)

جب بات یوں ہے تو یہ آیت بتا رہی ہے کہ عقلاً قبول توبہ لازم نہیں تو جب یہ ثابت ہے تو ثابت ہو جائے گا جب اللہ تعالیٰ نے اس کا عذاب ساقط فرما دیا جو عقلاً و شرعاً جائز تھا حالانکہ یہ بھی معتزلہ کے خلاف جاتا ہے۔

جب یہ حقیقت تسلیم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم موسیٰ کے کفار سے درگزر فرمائی تو اُمت محمدیہ کے فاسقوں سے وہ بطریق اولیٰ درگزر فرمائے گا کیونکہ یہ خیر اُمت ہیں۔

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ کی تفسیر

لفظ "لَعَلَّ" کے بارے میں پہلے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کے تحت گفتگو گزر چکی ہے حقیقت و ماہیت شکر میں طویل گفتگو ہے جو عنقریب انشاء اللہ آ رہی ہیں۔ پھر معتزلہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا کہ انہیں اس نے معاف فرما دیا اور مؤاخذہ نہیں کیا تا کہ وہ شکر گزار بنیں، یہ واضح کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے شکر کا ہی ارادہ کرتے ہیں۔

جواب: اگر اللہ تعالیٰ ان سے شکر کا ہی ارادہ فرماتا ہے تو کیا اس شرط کے ساتھ کہ شاکر کیلئے داعیہ شکر حاصل ہو یا اس کے بغیر۔ اول صورت باطل ہے اس لیے کہ اگر وہ اسی شرط کے ساتھ ارادہ فرماتے تو یہ شرط اگر داعیہ کی طرف سے ہو گی تو ایک داعیہ دوسرے داعیہ کی طرف محتاج ہو گا اور اگر وہ اللہ کی طرف سے ہے کہ اس نے داعی پیدا کر دیا تو لامحالہ شکر حاصل ہو گا اور اگر اس نے داعی پیدا نہ کیا تو حصول شکر محال ہو گا لیکن یہ معتزلہ کے قول کی ضد ہے اور اگر اس داعیہ کے بغیر حصولِ شکر کا ارادہ ہے تو وہ محال کا تقاضا ہو گا کیونکہ فعل داعی کے بغیر محال ہوتا ہے۔

تو ثابت ہو گیا کہ اشکال ان پر بھی وارد ہوتا ہے۔

Marfat.com

[۵۳] وَاِذْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ﴿۵۳﴾

(اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور حق و باطل میں تمیز کر دینا کہ کہیں تم راہ پر آؤ)

چوتھا انعام

فرقان سے مراد تورات یا اس میں داخل شئی یا اس سے خارج شئی مراد ہو سکتی ہے یہاں تین ہی احتمال ہوئے پہلا احتمال یوں کہ تورات کی دو صفات ہیں وہ نازل کردہ ہے اور حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے جیسے تم کسی آدمی کی سخاوت اور خیرات بیان کرنا چاہو تو کہتے ہو: رأیت الغیث واللیث۔ اس کی نظیر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی وَ ھٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَ ضِیَآءً وَّ ذِکْرًا (پ۱۷-الانبیاء:۴۸)
اور بیشک ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فیصلہ دیا اور اجالا اور نصیحت پرہیزگاروں کیلئے

فرقان کا دوسرا معنیٰ

دوسرا احتمال یوں کہ فرقان سے مراد تورات میں بیان کردہ دین ہو اس لیے کہ جب وہ سامنے آئے گا تو وہ باطل سے ممتاز ہوگا تو اب فرقان سے تورات کا بعض حصہ ہوگا اور وہ بیان اصول اور فروع دین ہے۔

فرقان کا تیسرا معنیٰ

تیسرے احتمال کی تفصیل کئی طرح سے ہے۔

پہلی وجہ: فرقان سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئے مثلاً ہاتھ کا چمکنا، عصا اور دیگر نشانیاں۔ فرقان کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حق و باطل میں فرق کر دیا۔

دوسری وجہ: فرقان سے مراد مدد اور وہ نجات ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو قوم فرعون سے دی، اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ (پ۱۰-الانفال:۴۱)
اور اس پر جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلہ کے دن اُتارا جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں

یہاں وہ نصر و مدد مراد ہے جو بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی وہ یوں کہ ظہور نصرت سے پہلے دونوں فریقوں میں سے ہر

فضل قدیر

Marfat.com

کوئی توقع کررہا تھا کہ میں غالب اور مخالف مغلوب ہو جائے گا جب مدد الٰہی کا ظہور ہوا راجح، مرجوح سے ممتاز اور شمع صادق، طمع کاذب سے جدا ہوگئی۔

تیسری وجہ: شیخ قطرب کہتے ہیں فرقان سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے سمندر کا پھٹ جانا ہے۔

سوال: سمندر پھٹ جانے کا ذکر پیچھے اس فرمان میں آچکا ہے:

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (پ۱-البقرہ:۵۰)

اور جب ہم نے تمہارے لیے دریا پھاڑ دیا تو تمہیں بچالیا اور فرعون والوں کو تمہاری آنکھوں کے سامنے ڈبو دیا

اور دوسرا اسی آیت کے آخر میں ”لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ“ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ ان کا تعلق کتاب سے ہی ہے کیونکہ ان کا ذکر ہدایت کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔

جواب: پہلے کا یہ ہے کہ ارشادِ گرامی ”وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ“ میں یہ نہیں ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کیلئے ہے البتہ زیر بحث آیت میں تخصیص پر تصریح ہے کہ یہ ان کیلئے ہی ہے۔

دوسرے سے جواب یہ ہے کہ سمندر کا پھٹ جانا دلائل میں سے ہے شاید مراد یہ ہو کہ ہم نے موسیٰ کو فرقان بحر عطا کیا۔ جس سے وہ وجودِ صانع اور صدق موسیٰ علیہ السلام پر استدلال کر سکیں اور یہ بھی ہدایت ہی ہے۔

پھر ہدایت سے بھی کبھی فوز و نجات مراد ہوتا ہے جیسا کہ اس سے رہنمائی مراد ہوتی ہے گویا اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے اس نے دین میں نعمت کتاب عطا فرمائی اور فرقان عطا کیا جس کی برکت سے انہیں دشمنوں سے بطور نعمت عاجلہ خلاصی نصیب ہوگی۔

بعض کی غلطی

بعض لوگوں نے غلطی کھائی اور کہا: اس سے مراد قرآن ہے اور وہ موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا یہ باطل ہے اس لیے کہ فرقان حق و باطل میں فرق کرنے والا ہوتا ہے اور ہر دلیل کی یہی شان ہوتی ہے لہٰذا اس لفظ کو قرآن کے ساتھ مخصوص کر دینے کی کوئی وجہ نہیں۔ کچھ لوگوں نے کہا: وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ سے مراد ہے کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرقان عطا فرمایا۔ تاکہ اے اہلِ کتاب تم اس سے ہدایت پاؤ۔ علماء نحو میں سے اس قول کی طرف شیخ فراء، ثعلب اور قطرب گئے ہیں لیکن یہ نہایت تعسف والی بات ہے اور اس کی یہاں کوئی ضرورت نہیں۔

Marfat.com

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ کی تفسیر

"لعل" "اور" اهتداء" کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔ معتزلہ نے اس سے یوں استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام سے ہدایت کا ارادہ فرمایا۔ لہٰذا یہ اس قول کو باطل قرار دے گا کہ وہ کافر کا کفر سے ارادہ کرتا ہے اور یہ بھی کہ اہلسنّت کے ہاں یہ ہے اللہ تعالیٰ ہی ہدایت یافتہ میں ہدایت اور گمراہ میں گمراہی پیدا کرنے والا ہے تو پھر کتاب اور فرقان نازل فرما کر کہنا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ اس کا کیا فائدہ؟

اور یہ معلوم ہے کہ جب ہدایت اس نے تخلیق فرمادی تو انزال کتاب کا فائدہ کیا وہ اس لیے کہ اگر ہدایت کی تخلیق ہو اور کتاب نہ ہو تب بھی ہدایت ہوگی اور اگر کتاب واحد کی جگہ ہزار کتاب نازل ہو لیکن ہدایت کی ان میں تخلیق نہ ہو تو ہدایت حاصل نہ ہوگی تو یہ کہنا کیسے جائز ہے کہ میں نے کتاب نازل کی تا کہ تم ہدایت پاؤ؟ یاد رہے پہلے اس کے جواب پر کئی دفعہ گفتگو ہو چکی ہے

[۵۴] وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

(اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا، اے میری قوم تم نے اپنی جانوں پر بچھڑا بنا کر ظلم کیا تو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کرو تو اُس میں ایک دوسرے کو قتل کرو یہ تمہارے پیدا کرنے والے کے ہاں تمہارے لیے بہتر ہے تو اس نے تمہاری توبہ قبول کی بلاشبہ وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان)

پانچواں انعام

بعض مفسرین نے کہا یہ اور اس کے بعد والی آیت سابقہ آیات سے منقطع ہیں کیونکہ ان میں انعامات کا تذکرہ تھا اور یہاں قتل کا حکم ہے جو نعمت نہیں لیکن یہ بات کئی دلائل کی بنا پر ضعیف ہے۔

پہلی وجہ: اللہ تعالیٰ نے یہاں ان کا بڑا گناہ بتا کر اس سے خلاصی کی صورت بیان فرمائی جو دین میں سب سے بڑی نعمت ہے جب اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیاوی نعمتوں کا شمار فرمایا تو ان پر دینی انعامات کا شمار بطریق اولیٰ ہونا چاہیے پھر یہ نعمت جو توبہ کے طریق کی صورت میں ہے اس کا بیان پہلے ذکر معصیت کے بغیر نہیں تو اس کا ذکر بھی تمام نعمت سے ہے تو اس آیت میں جو کچھ بیان ہوا اس کا شمار انعامات الٰہیہ میں ہوتا ہے لہٰذا ان کے ساتھ تذکیر جائز ہے۔

فضل قدیر

Marfat.com

دوسری وجہ: اللہ تعالیٰ نے انہیں قتل کا حکم دیا لیکن تمام کے ختم ہونے سے پہلے حکم اٹھالیا تو یہ باقی لوگوں کے اور حضور ﷺ کی ظاہری حیات میں موجود لوگوں کے حق میں نعمت ٹھہرا۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کے آباء سے قتل کا حکم ختم نہ کرتا تو یہ ابناء و بچے کہاں ہوتے تو حضور ﷺ کے پاس موجود لوگوں کیلئے اسے بطور انعام ذکر کرنا بہت ہی خوب ہے۔

تیسری وجہ: اُمت محمدی کے لئے آسان توبہ

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ان کی توبہ قتل کے بغیر تمام نہیں ہو سکتی لیکن سرورِ عالم ﷺ نے انہیں فرمایا اب توبہ کیلئے قتل کی ضرورت نہیں تم کفر سے رجوع کر کے ایمان لے آؤ اللہ تعالیٰ تمہارا ایمان قبول فرمالے گا تو سابقہ توبہ کی تشدید کا بیان اس پر تنبیہ ہے کہ یہ کس قدر بڑا انعام ہے کہ توبہ کی قبولیت اتنی آسان ہے۔

چوتھی وجہ: اس میں حضور ﷺ کی اُمت کیلئے توبہ میں خوب شوق پیدا کرنا ہے اس لیے کہ جب اُمت موسیٰ اس قدر مشقت اور شدت کے باوجود توبہ کرتے ہیں تو ہمیں تو بطریق اولیٰ شوق توبہ ہونا چاہیے کیونکہ محض ندامت اختیار کرنا توبہ ہے اور یہ حقیقت ہے کہ انسان کا کسی بڑی مصلحت کی طرف راغب ہونا بھی عظیم نعمت ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ کی تفسیر

یاد کرو موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو فرمایا جب وہ اللہ تعالیٰ کے جائے وعدہ سے واپس لوٹے اور انہوں نے بچھڑے کی پوجا کرتے دیکھا "یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ"

ظلم کے بارے مفسرین کے دو اقوال ہیں:

پہلا قول: تم نے اس ثواب میں کمی کر لی جو تمہیں عہدِ موسیٰ علیہ السلام پر قائم رہنے سے ملنا تھا۔

دوسرا قول: ظلم یہ ہے کہ آدمی ایسی چیز پر اصرار کرے نہ وہ اس کا استحقاق رکھتا ہو نہ اس میں نفع ہو اور نہ دفع نقصان، نہ علمی طور پر اور نہ طبی طور پر۔ جب انہوں نے بچھڑے کی پوجا کی تو اپنے نفوس کو نقصان پہنچایا اس لیے کہ جو دائمی ضرر کا سبب بنے وہ تو سب سے بڑا ظلم ہوا اس لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (پ۲۱۔لقمان:۱۳) بیشک شرک بڑا ظلم ہے

لیکن اس ظلم کے ساتھ قید ہے کہ یہ اپنے حق میں ہے تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ کسی دوسرے پر ہوا کیونکہ اصل ظلم میں متعدی ہونا ہے اس لیے ارشاد فرمایا: اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ

Marfat.com

ارشادِ گرامی "بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ" میں (لفظ اللہ) حذف ہے کیونکہ انہوں نے صرف اس قدر ظلم نہیں کیا اس لیے کہ اگر وہ اسے اللہ نہ بناتے تو ان کا فعل ظلم نہ بنتا لہٰذا اس سے مراد اللہ بنانا ہے۔ جب آیت کا ابتدائی حصہ اس حذف پر دال ہے تو حذف حسن ٹھہرا۔

فَتُوبُوا إِلَى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ کی تفسیر

یہاں چند سوالات ہیں:

پہلا سوال: اس ارشادِ گرامی کا تقاضا یہ ہے کہ توبہ کی تفسیر قتل نفس ہو جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں فرماتا حتیٰ کہ طہارت کو اپنے مقام پر لائے پھر آپ نے چہرہ دھویا اور پھر ہاتھ پھر چہرہ و بازو تو یہ "یضع الطهور مواضعه" کی تفسیر ہے لیکن یہ بات تو باطل ہے کیونکہ توبہ گذشتہ فعل قبیح پر ندامت اور آئندہ اسے نہ کرنے کا عزم ہے اور قتل نفس کے مخالف ہے اور اسے مستلزم نہیں لہٰذا اس کے ساتھ تفسیر کا کیا جواز؟

جواب: یہاں قتل نفس تفسیر توبہ نہیں بلکہ یہ بیان ہے کہ ان کی توبہ قتل نفس کے بغیر تمام و حاصل نہیں اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی فرمائی کہ ان کی توبہ کیلئے قتل شرط ہے جس طرح عمداً قاتل کی توبہ تب تمام ہوتی ہے جب وہ اپنا آپ اولیاء مقتول کے سپرد کردے اب وہ راضی ہو جائیں یا اسے قتل کردیں۔

یہ بھی ممکن ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں مرتد کی توبہ بغیر قتل قبول نہ ہو۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو ہم کہتے ہیں کبھی مجازاً شرط شی پر اسم شی کا اطلاق ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ توبہ کا ارادہ کرنے والے غاصب سے کہا جائے "ان توبتك رد ما غضبت" (تیری توبہ مغصوب شی کی واپسی ہے) یہی معاملہ یہاں ہے۔

دوسرا سوال: اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی "فَتُوبُوا إِلَى بَارِئِكُمْ" کا کیا معنیٰ؟ کیونکہ توبہ تو باری تعالیٰ کی بارگاہ میں ہی ہوتی ہے؟

جواب: یہاں توبہ میں ریاکاری سے منع کرنا مقصود ہے گویا انہیں فرمایا اگر تم توبہ کا اظہار کرو مگر دل سے نہ کرو تو تم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کر رہے ہو جو تمہارے دلوں پہ مطلع ہے پھر تم لوگوں کیلئے توبہ کر رہے ہو اور اس میں کوئی فائدہ نہیں بلکہ تم نے گناہ بارگاہ الٰہی میں کیے ہیں۔

تیسرا سوال: اس مقام پر ذکر باری کو کیوں مخصوص فرمایا؟

جواب: باری وہ ذات اقدس ہے جو تخلیق میں تفاوت سے بری ہو۔

مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَٰنِ مِنْ تَفَاوُتٍ (پ۲۹-الملک:۳) تو رحمٰن کے بنانے میں کیا فرق دیکھتا ہے

حالانکہ وہ آپس میں اشکال مختلفہ اور صور مخالفہ ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے ممتاز ہیں گویا یہ اس بات پر تنبیہ ہے جس کا شان

Marfat.com

یہ ہے وہی عبادت کے لائق ہے اس گائے سے جو عبادت میں ضرب المثل ہے۔

چوتھا سوال: فَتُوبُوْا کی فا اور "فَاقْتُلُوْا" کی فا میں کیا فرق ہے؟

جواب: پہلی فا سبب کیلئے ہے کیونکہ ظلم توبہ کا سبب ہے اور دوسری فا تعقیب کیلئے ہے کیونکہ قتل اتمام توبہ میں سے ہے تو فَتُوبُوْا کا معنی ہے توبہ کے بعد قتل کرو تا کہ وہ تمہاری توبہ کا تمہ بنے۔

پانچواں سوال: "فَاقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ" سے کیا مراد ہے کیا ہر آدمی اپنے آپ کو قتل کرے یا اور مراد ہے؟

جواب: اس بارے میں اختلاف ہے۔ بعض مفسرین نے کہا: یہ مراد نہیں کہ توبہ کرنے والا ہر شخص اپنے آپ کو قتل کرے۔ یہ قاضی عبدالجبار کا مختار ہے۔ اس پر دو وجہ سے استدلال ہے

۱۔ اہلِ تفسیر نے جس پر اعتماد کیا وہ یہ ہے کہ مفسرین کا اجماع ہے انہوں نے اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں سے قتل نہیں کیا اگر اس کا حکم ہوتا تو یہ ترک فعل سے عاصی قرار پاتے۔

۲۔ جب حقیقت فعل قتل سامنے آگئی تو ہم کہتے ہیں یہ جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا حکم دے اس لیے کہ عبادات شرعیہ میں حسن، مکلف کے مصالح کی وجہ سے ہے اور مصلحت امور مستقبلہ میں ہی ہوتی ہے اور بعد از قتل حالت تکلیف نہیں رہتی کہ قتل میں مصلحت ہو بخلاف اس صورت کے جب اللہ تعالیٰ موت دیتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور یہ اس لیے حسین ہے کہ یہ دوسرے مکلف کیلئے مفید ہے اور اس مکلف کو اس کا عوض عظیم ملتا ہے اور بخلاف اس صورت کے جب اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے آپ کو زخمی کرنے یا کسی عضو کو کاٹنے کا حکم دے جس پر موت واقع نہ ہو اس لیے کہ جب وہ اس فعل کے بعد زندہ ہے تو ممکن ہے وہ فعل۔ افعال مستقبلہ میں اصلاح کا مفید ہو۔

سوال: ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ قتل فی الحال خروج روح کا نام ہے بلکہ یہ ایک ایسا فعل ہے جو خروج روح کا سبب ہے فی الحال ہو یا بعد میں۔ دلیل اس پر یہ ہے ایک آدمی حلف اٹھاتا ہے میں کسی انسان کو قتل نہیں کروں گا اب اس نے کسی کو شدید زخمی کر دیا اور وہ بندہ زخمی ہونے کے بعد ایک لحظہ زندہ رہا تو اس آدمی کی قسم ٹوٹ جائے گی اور ہر صاحب زباں اسے قتل ہی قرار دے گا اور استعمال میں اصل، حقیقت ہے تو واضح ہو گیا قتل کا اطلاق اس فعل پر ہوتا ہے جو خروج روح تک پہنچانے والا ہے۔ فی الحال یا بعد میں۔ اور تم نے یہ بھی تسلیم کر لیا کہ زخمی کرنے کا حکم وارد ہو سکتا ہے جس کے بعد فی الحال خروج روح نہ ہو جب یہ معاملہ درست ہے تو پھر یہ بھی جائز ہے کہ یہاں قتلِ نفس کے بارے میں ہی حکم ہو۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ قتل خروج روح فی الحال کا نام ہے تو اس کا حکم کیوں نہیں ہو سکتا؟ ان کا قول، حکم میں مصلحت مستقبلہ

Marfat.com

ہونا ضروری ہے۔ اس کا رد یہ ہے کہ اولاً ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ حکم میں مصلحت کا ہونا لازمی ہے اور دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے کفر کے بارے میں جانتا ہے اسے بھی ایمان کا حکم دیتا ہے حالانکہ یہاں کوئی مصلحت نہیں بلکہ اس تکلیف کا فائدہ حصول عتاب کے سوا کچھ نہیں۔

ثانیاً اگر ہم تسلیم کرلیں کہ مصلحت کا ہونا لازمی ہے تو تم یہ پابندی کیوں لگاتے ہو کہ اس میں اس مکلف کی ہی مصلحت ہو یہ کیوں جائز نہیں کہ اس کا اپنے آپ کو قتل کرنا کسی دوسرے کی مصلحت ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس لیے حکم دیا ہو کہ دوسرے کو اس سے نفع ہو پھر اللہ تعالیٰ اسے عوض عظیم بھی دے رہا ہے۔

ثالثاً اگر مان لیں کہ مصلحت بھی اس مکلف کیلئے ضروری ہے تو یوں کہنا کیوں ناجائز ہوگا کہ اس مکلف کو یہ علم کہ اس فعل کا اسے حکم ہے یہی اس کیلئے مصلحت ہے مثلاً جب اسے حکم ہوا کل تو اپنے نفس کو قتل کردے تو اس بات کا اس کے علم میں آجانا اسے اس وقت سے لے کر کل تک برائی چھوڑنے کا سبب بن جائے گا۔

جب یہ تمام احتمالات ممکن ہیں تو قاضی صاحب کے تمام اعتراضات ختم ہوجائیں گے بلکہ وجہ اول جس پر اہلِ تفسیر نے اعتماد کیا وہی اقوی ٹھہرے گی لہٰذا اب آیت مبارکہ کا ظاہر مراد نہ لینا لازم ہوگا پھر یہاں دو وجہیں ہیں۔

پہلی وجہ: ان توبہ کرنے والوں کو یہ حکم تھا کہ تم ایک دوسرے کو قتل کرو تو "اُقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ" کا معنی ہوگا تاکہ تم ایک دوسرے کو قتل کرو اور یہ دوسرے مقام پر اس ارشاد کی طرح ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا — اور اپنی جانیں قتل نہ کرو بیشک اللہ تم پر مہربان ہے

(پ۵-النساء:۲۹)

اس کا مفہوم ہے کہ ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔

تحقیق یہ ہے کہ اہلِ ایمان آپس میں نفس واحدہ کی طرح ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی کے تحت مفسرین نے کہا:

وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ — اور آپس میں طعنہ نہ کرو اور ایک دوسرے کے برے نام نہ رکھو۔

(پ۲۶-الحجرات:۱۱)

اپنے اہلِ ایمان بھائیوں کے، اسی طرح اس ارشادِ مبارک کے تحت کہا:

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا — کیوں نہ ہو جب تم نے اسے سنا تھا کہ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنوں پر نیک گمان کیا ہوتا

(پ۱۸-النور:۱۲)

Marfat.com

یعنی اپنی مثل اہلِ اسلام میں سے، اسی طرح ایک اور ارشادِ گرامی ہے:

فَسَلِّمُوْا عَلٰی اَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَیِّبَةً (پ ۱۸-النور: ۶۱)　　تو اپنوں کو سلام کرو ملتے وقت کی اچھی دعا اللہ کے پاس سے مبارک پاکیزہ

تم ایک دوسرے کو سلام کہو۔

پھر مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ توبہ کرنے والوں نے دوصفوں میں کھڑے ہو کر ایک دوسرے کو قتل کیا۔

دوسری وجہ: اللہ تعالیٰ نے ان تائبین کے علاوہ سے فرمایا ان توبہ کرنے والوں کو قتل کرو تو ارشادِ ربانی "اُقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ" سے مراد یہ ہوگی کہ تم قتل کے لئے جھک جاؤ۔

یہ وجہ ثانی اقرب ہے اس لیے کہ وجہ اول میں مشقت زیادہ ہے کیونکہ جب پوری جماعت کسی گناہ میں ملوث ہوتی ہے تو وہ ایک دوسرے پر، دوسروں سے زیادہ ترس کرتے ہیں تو جب ان کو حکم دیا جائے کہ تم ایک دوسرے کو قتل کرو تو اس میں بڑی مشقت ہوگی

پھر روایات مختلف ہیں۔

پہلی روایت: جو ستر افراد کوہِ طور پر گئے تھے اور انہوں نے بچھڑے کی پوجا نہ کی تھی انہیں حکم ہوا کہ اس کی پوجا کرنے والوں کو قتل کرو۔ مقتولین کی تعداد ستر ہزار تھی اس لیے تیس دن تک سلسلہ قتل جاری رہا۔ یہ شیخ محمد بن اسحاق کے قول کی بنا پر ہے۔

دوسری روایت: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قتل کا حکم دیا تو انہوں نے مان لیا تو آپ نے ان سے قتل پر صبر کا عہد لیا تو ان سے ہر قبیلہ الگ الگ جمع ہو گیا۔ حضرت ہارون علیہ السلام ان بارہ ہزار افراد کے ساتھ تشریف لائے جنہوں نے بچھڑے کی پوجا نہ کی تھی۔ ان کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔ آپ نے توبہ کرنے والوں سے فرمایا: یہ تمہارے بھائی ہیں جو تلواریں لہراتے ہوئے تمہارے پاس آئیں گے تو اللہ سے ڈرو اور صبر کرو۔ اس پر اللہ کی لعنت ہو جو اپنی نشست سے اٹھا یا اس نے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا یا ہاتھ و پاؤں سے بچنے کی کوشش کی سب ہی نے آمین کہا۔ شام تک انہیں قتل کیا اس پر حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام اُٹھے اور دعا کرنے لگے۔ اے ہمارے رب! کچھ باقی رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی جو قتل ہوا میں نے اسے معاف فرمادیا اور جو باقی ہیں ان کی توبہ قبول کرتا ہوں، تو ستر ہزار افراد قتل ہوئے۔ یہ امام کلبی سے روایت ہے۔

تیسری وجہ: بنی اسرائیل دو طرح کے تھے، بعض نے بچھڑے کی عبادت کی اور بعض نے عبادت تو نہیں کی مگر کرنے والوں پر اعتراض نہ کیا تو جو منع کرنے والے نہ بنے تو انہیں عبادت کرنے والوں کو قتل کا حکم دیا۔

Marfat.com

مفسرین نے لکھا جب آدمی اپنے والد، بیٹے اور پڑوسی کو دیکھتا تو اللہ کے حکم پر عمل اس کیلئے ممکن نہ رہتا تو اللہ تعالیٰ نے کالے بادل بھیج دیئے اور پھر قتل کا حکم دیا تو شام تک قتل جاری رہا پھر حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام نے یوں دعا کی: یا رب بنی اسرائیل تمام کو ہلاک نہ فرما بلکہ کچھ باقی رکھ۔ تو بادل ہٹ گئے، تورات نازل ہوگئی اور تلواریں ان کے ہاتھوں سے گر پڑیں۔

چھٹا سوال: جب وہ ارتداد سے توبہ کر چکے تو پھر قتل کا حکم کیوں؟ حالانکہ ایسا تائب قتل نہیں کیا جاتا۔

جواب: شریعتیں مختلف میں ممکن ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں توبہ کے بعد بھی مرتد کو قتل کا حکم ہو یا عمومی طور پر ہم پر ایک کا ہی حکم ہو یا حکم اسی قوم سے ہی خاص ہو۔

ساتواں سوال: کیا یہ روایت درست ہے کہ ان میں کچھ ایسے لوگ تھے جو قتل نہیں ہوئے مگر ان کی توبہ قبول ہوئی؟

جواب: یہ ممکن ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ 'اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ' بلاواسطہ خطاب ہے یہ بعض سے بھی ہوسکتا ہے یا اگر عام ہو تو اس میں تخصیص ہوسکتی ہے۔

'ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ' کی تفسیر

جس کی خاطر یہ مشقت اٹھائی جارہی ہے یہاں اس پر تنبیہ ہے اس لیے کہ ان کی حالت، ضررِ دنیا اور ضررِ آخرت کے درمیان دائر تھی پہلی صورت کو قبول کر لینا اولیٰ ہے کیونکہ یہ متناہی اور ختم ہونے والی ہے مگر ضررِ آخرت غیر متناہی اور نہ ختم ہونے والا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ موت تو آنی ہی ہے اور قتل میں صرف تقدم و تاخر ہی ہے البتہ عتاب سے نجات اور ثواب کا پانا غرضِ اعظم ہے

فَتَابَ عَلَيْكُمْ کی تفسیر

یہاں بھی حذف ہے اور اس میں دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔

اول یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول مقدر مانا جائے اگر تم ایسا کرلو تو تم پر اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے گا۔

دوسرا یہ کہ یہ خطاب بطور التفات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اگر تم نے موسیٰ کا حکم مان لیا تو تمہارا رب تم پر رحم فرمائے گا۔

فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ کا مفہوم پیچھے فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ کے تحت گزر چکا ہے۔

Marfat.com

[۵۵-۵۶] وَإِذْ قُلْتُمْ يَٰمُوسَىٰ لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى ٱللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ ٱلصَّٰعِقَةُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنَٰكُم مِّنۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۶﴾

(اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم ہرگز تم پہ یقین نہ لائیں گے۔ جب تک علانیہ خدا کو نہ دیکھ لیں تو تمہیں کڑک نے آلیا اور تم دیکھ رہے تھے۔ پھر مرنے کے بعد ہم نے تمہیں زندہ کیا کہ کہیں تم احسان مانو)

چھٹے انعام کا تذکرہ

یہ چھٹا انعام ہے جس کی تفصیل چند وجوہ سے ہے۔

پہلی وجہ: گویا اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے میری نعمت یاد کرو جب تم نے موسیٰ سے کہا: ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ ہم اللہ تعالیٰ کو واضح طور پر دیکھ لیں تو تمہیں کڑک نے آلیا پھر تمہیں اس نے زندہ کیا تا کہ اپنی سرکشی سے توبہ کرلو، عتاب سے نجات اور ثواب حاصل کرو۔

دوسری وجہ: اس میں حضور ﷺ کے زمانہ نبوت کے لوگوں کو بھی خوف دلایا گیا ہے اگر انہوں نے بھی ایسا عمل کیا تو یہ سزا ہو سکتی ہے

تیسری وجہ: انہیں اس بارے میں تنبیہ دی ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کے معجزات کا انکار کیا جیسا کہ ان کے بڑوں نے بڑی بڑی نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر دیا تھا اور اس پر تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام سے ان کی مثل نشانیوں کا ظہور نہیں فرمایا کیونکہ وہ جانتا ہے اگر انہیں ظاہر کیا تو یہ انکار کریں گے اور اپنے بڑوں کی طرف عذاب کے مستحق قرار پائیں گے۔

چوتھی وجہ: اس میں ان کی طرف سے پہنچنے والی پریشانی پر حضور علیہ السلام کو تسلی دی ہے اور آپ کے دل اقدس کو صبر پر ثابت کیا۔ جیسا کہ اُولوالعزم رسل نے صبر کیا۔

پانچویں وجہ: اس میں اس شبہ کا بھی ازالہ ہے کہ اگر حضور علیہ السلام کی نبوت سچی ہوتی تو اہلِ کتاب اس پر ایمان لانے میں پہل کرتے کیونکہ انہیں آپ کے بارے میں معلوم تھا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ ان کے بڑوں نے نبوت

Marfat.com

موسیٰ علیہ السلام پر بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کیا تھا لیکن ہر وقت مرتد رہے اور ان کی مخالفت کرتے ہوئے انہیں برا کہتے رہے لہٰذا حضور علیہ السلام سے ان کی مخالفت پر کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے اگرچہ انہوں نے اپنی کتب میں آپ کے بارے میں اطلاعات پائی تھیں

چھٹی وجہ: جب اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو ان واقعات کی تفصیل سے آگاہ فرمایا حالانکہ آپ اُمی تھے ہرگز تعلیم حاصل نہ کی تھی تو اب ماننا پڑے گا کہ یہ آپ کو بذریعہ وحی ہی حاصل ہوئے۔

دوسری بحث: مفسرین کے اس واقعہ کے بارے میں دو اقوال ہیں:

پہلا قول: یہ واقعہ بچھڑے کے پوجنے والوں کو قتل کے حکم کے بعد کا ہے، امام محمد بن اسحاق کہتے ہیں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام طور سے قوم کی طرف آئے، انہیں بچھڑے کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا۔ اپنے بھائی اور سامری سے جو کہنا تھا کہا بچھڑے کو جلا کر سمندر میں پھینک دیا۔ قوم میں ستر افراد کو منتخب کر لیا جب طور کی طرف چلے تو انہوں نے کہا: موسیٰ اپنے رب سے کہو ہم اس کا کلام سننا چاہتے ہیں۔ آپ نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا۔ جب پہاڑ کے قریب ہوئے بادل آگئے اور پہاڑ کو ڈھانپ لیا اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قریب ہوئے آپ اس میں داخل ہو گئے اور ان سے بھی فرمایا داخل ہو کر اپنی حفاظت کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنے رب سے گفتگو کرتے تو ان کی پیشانی سے نور چمکتا جسے کوئی انسان دیکھنے کی طاقت نہ رکھتا۔ قوم نے موسیٰ علیہ السلام کے رب تعالیٰ کی گفتگو سنی جس میں ہدایات تھیں یہ کرو اور یہ نہ کرو۔ جب گفتگو اختتام پذیر ہوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بادل ہٹے تو قوم نے کہا: ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کو واضح طور پر دیکھیں۔ تو انہیں کڑک نے آلیا اور وہ تمام مر گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کی: اے اللہ! میں بنی اسرائیل سے ستر افراد لایا تا کہ ان کی قبولیت توبہ پر میرے گواہ بن جائیں اب میں واپس جا رہا ہوں اور ایک بھی ساتھ نہیں اب وہ لوگ میرے بارے میں کیا کہیں گے۔ اس وقت تک دعا جاری رہی کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام کی ارواح لوٹا دیں پھر بچھڑے کی عبادت کرنے والوں کی توبہ کے بارے میں عرض کیا: تو فرمایا: وہ اپنے آپ کو قتل کریں۔

دوسرا قول: یہ واقعہ قتل کے بعد کا ہے۔ امام سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں جب بنی اسرائیل نے عمل عبادت سے توبہ کی بایں طور کہ ایک دوسرے کو قتل کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کچھ لوگوں کو لے کر آؤ تا کہ اس برائی پر معافی مانگیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ستر افراد چنے جب طور پر آئے تو انہوں نے کہا: ہم رب کو دیکھے بغیر تم پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ کڑک نے انہیں آلیا وہ تمام مر گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس پر رو دیے اور عرض کیا: یارب! میں بنی اسرائیل سے کیا کہوں گا

Marfat.com

پہلے میں نے انہیں قتل کا حکم دیا پھران میں سے انہیں چن کر لایا اب میں واپس جاؤں گا ان میں سے کوئی بھی ساتھ نہیں تو میں انہیں کیا کہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی: یہ ستران میں سے ہیں جنہوں نے بچھڑے کو خدا مانا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ (پ۹-الاعراف:۱۵۵)

وہ نہیں مگر تیرا آزمانا تو اس سے بہکائے جسے چاہے اور راہ دکھائے جسے چاہے تو ہمارا مولا ہے تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے

پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ فرمایا: جب کھڑے ہوئے تو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے کیسے زندہ فرمادیا؟ حضرت موسیٰ سے کہنے لگے: رب تعالیٰ تمہاری دعا قبول فرماتا ہے یہ دعا کرو وہ ہمیں نبی بنادے آپ نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی۔

واضح رہے آیت مبارکہ میں ایسی کوئی دلالت نہیں جس کی بنا پران دو اقوال میں سے کسی کو ترجیح ہو اور اس پر بھی دلالت نہیں کہ جنہوں نے دیدار الٰہی کا مطالبہ کیا تھا وہ بچھڑے کو الٰہ ماننے والے تھے یا نہ ماننے والے تھے۔

'لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ' کی تفسیر

اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم تمہاری تصدیق نہیں کریں گے اور نہ تمہاری نبوت کا اعتراف جب تک ہم اعلانیہ اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ لیں۔ صاحب کشاف لکھتے ہیں: جهرة، مصدر ہے اور یہ جهرت بالقراة و بالدعاء (میں نے دعا اور قرأت میں جہر کیا) سے ماخوذ ہے تو جو آنکھوں سے دیکھتا ہے وہ اعلانیہ رؤیت پاتا ہے اور دل سے دیکھنے والا مخفی رکھنے والا ہوتا ہے۔ مصدر لایا گیا تاکہ رؤیت کی نوع پر دلالت ہو، فعل کی وجہ سے منصوب ہے جیسے کہ فعل جلوس کی بنا پر قرفصاء کو نصب دیا جاتا ہے یا یہ حال ہے بمعنی ذوی جهرة، اسے ھا پر زبر کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اب یہ مصدر ہوگا جیسے غلبہ یا جاہر کی جمع۔

شیخ قفال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جهرة کا اصل معنی ظہور ہے۔ جب شئی کو منکشف کیا جائے تو کہا جاتا ہے "جهرت الشئی" اسی طرح کہا جاتا ہے جهرت البئر کیونکہ پانی مٹی کے نیچے تھا اسے کھودا تو پانی ظاہر ہوگیا جب کسی آدمی کا آواز بلند ہو تو کہا جاتا ہے صوت جهير، رجل جهوري الصوت، روشن چہرے کو "وجه جهير" کہا جاتا ہے۔ انہوں نے جهرة بطور تاکید ذکر کیا تاکہ کسی کو رؤیت علمی یا خیال و تصور (خواب) کا وہم نہ ہو۔

Marfat.com

فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ کی تفسیر

یہاں چند مباحث ہیں

پہلی بحث: معتزلہ نے یہاں استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ممتنع ہے۔ قاضی عبدالجبار رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں اگر دیدار ممکن و جائز ہوتا تو انہوں نے ایک جائز امر کا مطالبہ کیا تھا تو اب لازم تھا ان پر عذاب نازل نہ ہوتا جیسا کہ کھانے اور رزق میں تبدیلی کا مطالبہ کیا تو عذاب نازل نہ ہوا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے

لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ (پ-البقرۃ:۶۱) — ہم سے تو ایک کھانے پر ہرگز صبر نہ ہوگا تو آپ اپنے رب سے دُعا کیجئے کہ زمین کی اگائی ہوئی چیزیں ہمارے لیے نکالے

شیخ ابوالحسین رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التصفح میں لکھا: اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی سوال دیدار کا تذکرہ کیا وہاں اسے عجیب و عظیم قرار دیا۔ اس پر متعدد آیات شاہد ہیں۔

۱۔ اس آیت کو دیکھ لیجئے اگر ان کا مطالبہ جائز ہوتا تو "لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً" کو دیگر امتوں کے ان مطالبات کے مطابق ہی لیا جاتا جو انہوں نے انبیاء علیہم السلام سے کیسے تھے مثلاً ہم اس وقت ایمان لائیں گے جب یہ مردہ زندہ ہو تو اسے نہ عجیب و عظیم قرار دیا اور نہ ہی کڑک نے آلیا۔

۲۔ ارشادِ ربانی ہے:

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ (پ-النساء:۱۵۳) — اے محبوب! اہلِ کتاب تم سے سوال کرتے ہیں کہ ان پر آسمان سے ایک کتاب اُتار دو تو وہ موسیٰ سے اس سے بھی بڑا سوال کر چکے کہ بولے ہمیں اللہ کو اعلانیہ دکھا دو تو انہیں کڑک نے آلیا ان کے گناہوں پر

اس مطالبہ کو ظلم قرار دیا اور اسی وقت اس کی سزا دی اگر دیدار جائز ہوتا تو ان کے سوال کو ایک اضافی معجزہ کا مطالبہ قرار دے دیا جاتا۔

سوال: یہاں اللہ تعالیٰ نے آسمان سے کتاب کے اُتارنے کو بھی دیدار کے برابر قرار دیتے ہوئے اسے نافرمانی قرار دیا تو جیسے نزالِ کتاب فی نفسہٖ ممتنع نہیں اسی طرح سوال دیدار بھی ممتنع نہ ہوگا؟

نفل قدیر

Marfat.com

جواب: ظاہر آیت کا تقاضا تو یہی ہے کہ دونوں ممتنع ہوں مگر انزال کتاب بالاتفاق اس سے خارج ہے تو اب دیدار ہی ممتنع رہے گا

۳۔ ارشادِ گرامی ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيْرًا (پ۱۹-الفرقان:۲۱)

اور بولے وہ جو ہمارے ملنے کی اُمید نہیں رکھتے ہم پر فرشتے کیوں نہ اتارے یا ہم اپنے رب کو دیکھتے بیشک اپنے جی میں بہت ہی اُونچی کھینچی اور بڑی سرکشی پر آئے

اگر دیدار ممکن و جائز ہوتا تو پھر اسے بطور انعام منافع اعظم میں سے ہونا چاہیے اور اس کی آرزو تکبر و نافرمانی نہیں بنی چاہیے کیونکہ جو اللہ تعالیٰ سے دینی یا دنیاوی نعمت مانگتا ہے اس پر عتاب نہیں ہوتا تو ان کا یہ مطالبہ اس طرح ہو جانا چاہیے تھا کہ ہم ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ آپ کی دعا سے اس مردہ کو زندہ کر دیا جاتا ہے۔ واضح رہے ان تمام کا خلاصہ ایک جملہ ہے کہ اگر دیدار جائز ہوتا تو اس کا سوال تکبر و برائی نہ بنتا۔

معتزلہ کا رد

یہ تمام باتیں قابلِ سماعت نہیں

۱۔ ان کا یہ کہنا کہ طعام میں تبدیلی اگر ممکن نہ ہوتی تو اس پر عتاب ہوتا اسی طرح باقی معجزات کا معاملہ بھی ہے ہم جواباً کہتے ہیں تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ جب اس ممکن کا سائل سرکش نہیں تو کہاں لازم ہے ہر ممکن کا طالب سرکش نہ ہو اور پھر ایسے مقام پر ایسی مثالیں دینا اہلِ علم کے شایانِ شان نہیں اور یہ کیوں؟ اللہ تعالیٰ نے دیدار کے ساتھ ایسی اشیاء کا بھی ذکر فرمایا ہے جن کے جواز کے ہم بالاتفاق قائل ہیں اور وہ آسمان سے کتاب کا انزال یا نزول ملائکہ ہے اور دونوں کے مجموعہ پر سرکشی کا حکم ہے جو قطعی طور پر واضح کر رہی ہے کہ سرکشی کا حکم اس لیے نہیں کہ مطالبہ ممتنع شی کا تھا۔

شیخ ابوالحسین رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ ظاہر کا تقاضا یہی تھا کہ دونوں ممتنع ہوں لیکن ایک آیت سے خارج ہے اس لیے باقی پر عمل ہوگا۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں تم نے اس پر تو کوئی دلیل ذکر نہیں کی کہ جب ممتنع مطلوب ہو پھر ہی سرکشی اور عظیم برائی کا ثبوت ہوتا ہے چند محاورات اور مثالوں کا ذکر کیا جو اس باب میں مفید نہیں لہٰذا تمہارا قول ظاہر کا تقاضا ہے کہ یہ تمام ممتنع ہوں باطل ہو گیا۔ ہماری گفتگو سے معتزلہ کا قول ساقط ٹھہرا۔

سوال: تو سوال دیدار کو گناہ عظیم قرار دینے کا سبب کیا ہے؟

اس کا کئی طرح جواب ہے:

Marfat.com

۱۔ دیدارِ الٰہی صرف آخرت میں ہی حاصل ہوگا لہٰذا دنیا میں اس کا مطالبہ منع اور منکر ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے اس بندے سے تکلیف ختم جو دیدارِ الٰہی پالے تو گویا اس کی آرزو وازالہ تکلیف کی طلب ٹھہری اور یہ قول معتزلہ سے بطریقِ اولیٰ ثابت ہوگا اس لیے کہ دیدار، علم ضروری و بدیہی کو متضمن ہے جو تکلیف کے منافی ہے۔

۳۔ جب صدقِ مدعی پر دلائل تام ہوں تو زائد دلائل کا مطالبہ ضد اور ہٹ دھرمی کہلاتا ہے ایسے لوگ سزا کے مستحق ٹھہرتے ہیں

۴۔ یہ بھی ممکن ہے اللہ تعالیٰ ایسی اہم مصلحت کو جانتا ہو جس کی وجہ سے اس نے دنیا میں اپنا دیدار مخلوق سے ممنوع رکھا ہے اس لیے دنیا میں اس کی طلب کو تائید قرار دیا جیسے کہ وہ آسمان سے انزال کتاب اور انزال ملائکہ میں فسادِ عظیم کے بارے میں جانتا ہے اور اس لیے اس کا مطالبہ ناپسند فرماتا ہے۔

دوسری بحث: صاعقہ کی تفسیر

مفسرین کے صاعقہ کے بارے میں دو اقوال ہیں۔

پہلا قول: اس سے موت مراد ہے یہ حضرت حسن اور قتادہ کا قول ہے اس پر ان کی دلیل یہ ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے:

فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ (پ۲۴-الزمر:۶۸)

تو بیہوش ہو جائیں گے جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں مگر جسے اللہ چاہے پھر وہ دوبارہ پھونکا جائے گا جبھی وہ دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے

لیکن یہ دلیل ان دلائل کی بنا پر ضعیف ہے۔

پہلی دلیل: اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے

فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (پ۱-البقرۃ:۵۶)

تو تمہاری آنکھوں کے سامنے تمہیں کڑک نے آلیا۔

اگر صاعقہ موت ہوتی تو ان کا اسے دیکھنا ممتنع ہوتا۔

دوسری دلیل: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ (پ۹-الاعراف:۱۴۳)

اور موسیٰ گرا بے ہوش پھر جب ہوش ہوا بولا پاکیزگی ہے تجھے میں تیری طرف رجوع لایا اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں

فضل قدیر

Marfat.com

ان کے حق میں صاعقہ کا اثبات فرمایا مگر یہ موت نہ تھی کیونکہ اس کے بعد فرمایا: فَلَمَّا اَفَاقَ۔ (پھر جب انہیں افاقہ ہوا) تو افاقہ موت سے نہیں غشی سے ہوتا ہے۔

تیسری دلیل: صاعقہ سے بے ہوش ہو گئے اور یہ سبب موت کی طرف اشارہ ہے نہ کہ موت۔

چوتھی دلیل: ان کے مشاہدہ کی صورت میں صاعقہ کا نزول باب عتاب میں اعظم ہے اس سے کہ وہ اچانک آلیتی اور انہیں علم نہ ہوتا اس لیے فرمایا: وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ۔ (تم دیکھ رہے تھے) تو یہ عتاب کے بڑے ہونے پر تنبیہ ہے۔

دوسرا قول: محققین کا قول ہے "صاعقہ" سے سبب موت مراد ہے اس لیے سورۃ الاعراف میں فرمایا:

فَلَمَّاۤ اَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ		جب انہیں کڑک نے آلیا

سبب کون سی شی ہے؟ اس میں تین آراء ہیں:

۱۔ یہ آگ آسمان سے آئی تھی جس نے انہیں جلا دیا۔

۲۔ یہ چیخ تھی جو آسمان کی طرف سے نازل ہوئی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے لشکر بھیجے انہوں نے ان کی آواز سنی تو وہ ایک دن اور رات بے ہوش مردہ پڑے رہے۔

ثُمَّ بَعَثۡنٰكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَوۡتِكُمۡ کی تفسیر

بعث (زندہ کرنا) موت کے بعد ہی ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَضَرَبۡنَا عَلٰۤى اٰذَانِهِمۡ فِى الۡكَهۡفِ سِنِيۡنَ عَدَدًا ۙ ثُمَّ بَعَثۡنٰهُمۡ لِنَعۡلَمَ اَىُّ الۡحِزۡبَيۡنِ اَحۡصٰى لِمَا لَبِثُوۡۤا اَمَدًا (پ۱۵-الکہف:۱۱،۱۲)		تو ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر گنتی کے کئی برس تھپکا پھر ہم نے انہیں جگایا کہ دیکھیں دو گروہوں میں کون ان کے ٹھہرنے کی مدت ٹھیک بتاتا ہے

سوال: کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کلام میں شامل ہیں؟

جواب: وہ شامل نہیں۔ اس کی دو وجہ ہیں

پہلی وجہ: یہ بلا واسطہ خطاب ہے تو اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شمولیت لازمی نہیں۔

دوسری وجہ: اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس میں شامل ہیں تو ان کی تخصیص و خروج "فَلَمَّاۤ اَفَاقَ" (جب انہیں افاقہ ہوا) کی وجہ سے لازمی ہے کیونکہ لفظ افاقہ کا استعمال موت کیلئے نہیں ہوتا۔

Marfat.com

امام ابنِ قتیبہ کہتے ہیں یہ کہنا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی اس وقت موت آ گئی تھی دلیل مذکور کی بنا پر غلط ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ کی تفسیر

مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دار دنیا میں انہیں مرنے کے بعد زندہ فرمایا تا کہ انہیں مکلّف بنایا جائے انہیں ایمان لانے پر قدرت حاصل ہو اور اپنے جرائم کی تلافی کر سکیں۔ مکلّف بنانے پر "لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ" کے الفاظ شاہد ہیں۔ لفظ شکر تمام طاعات کو شامل ہے، ارشادِ ربانی ہے:

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ اے داؤد والو! شکر کرو اور میرے بندوں میں کم ہیں شکر والے

(پ ۲۲۔سبا: ۱۳)

سوال: موت کے بعد انہیں مکلّف بنانا کیسے درست ہے؟ اگر یہ درست ہے تو اہلِ آخرت کو موت کے بعد اٹھانے پر مکلّف بنانا کیوں جائز نہیں؟

جواب: آخرت میں مکلّف بنانے سے ان کا مرنا پھر زندہ ہونا مانع و رکاوٹ نہیں۔ مانع وہاں یہ ہے کہ اب وہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ جنت کی لذات اور دوزخ کے آلام وغیرہ کو ماننے پر مجبور ہو چکے ہوں گے اور ایسے علم ضروری کے بعد تکلیف باقی نہیں رہتی تو جب مانع یہ ٹھہرا تو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں صاعقہ کی وجہ سے موت دی وہ ان کے ماننے پر مجبور نہیں ہوئے لہٰذا انہیں مکلّف ٹھہرانا درست ہے۔ ان کا مرنا پھر زندہ ہونا نیند یا غشی کی طرح ہے۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے اللہ تعالیٰ اس موت کے ساتھ ان کی مقدر عمریں ختم فرما دیں اور انہیں پھر دوبارہ زندگی عطا فرمائی جیسے اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو زندگی عطا فرمائی جو بستی سے گزرے اور وہ گری پڑی تھی اپنے چھتوں پر اور انہیں زندہ فرمایا جو اپنے گھروں سے ہزاروں کی تعداد میں موت کے خوف کی وجہ سے نکلے تھے۔

لیکن یہ ضعیف بات ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں صاعقہ کے ساتھ موت دی وہ لکھی ہوئی تھی اور یہاں اسی کی خبر دی جا رہی ہے تو یہ ان کے اول موت کا وقت تھا اس کے بعد دوسرے وقت میں ان کی حیات ختم ہوئی ہے۔

اس سے معتزلہ کا استدلال کہ یہ "لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ" کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا سب سے ایمان کا مطالبہ ہے اس کا جواب ہم پہلے متعدد دفعہ بیان کر آئے ہیں۔

Marfat.com

46/46

[۵۷] وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۵۷﴾

(اور ہم نے ابر کو تمہارا سائبان کیا اور تم پر من وسلویٰ اُتارا کھاؤ ہماری دی ہوئی ستھری چیزیں اور انہوں نے کچھ ہمارا نہ بگاڑا ہاں اپنی ہی جانوں کا بگاڑ کرتے تھے)

ساتویں انعام کا تذکرہ

ں اللہ تعالیٰ نے ساتواں انعام ذکر فرمایا ہے۔ اسی بات کا تذکرہ انہیں الفاظ سے سورۃ الاعراف میں بھی آیا ہے۔ اس یت کا ظاہر بتاتا ہے یہ سایہ ان کے زندہ ہونے کے بعد ہوا کیونکہ فرمایا: "ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ" وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ۔ یہاں بعض کا بعض پر عطف ہے اگرچہ اس کا خلاف منع نہیں اس لیے کہ مقصد ان نعمتوں کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر فرمائیں۔ مفسرین فرماتے ہیں "ظَلَّلْنَا" کا معنی ہے بادلوں نے تم پر سایہ کرنا شروع کیا۔ یہ مقام تیہ میں ہوا اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو ان کے تابع فرمادیا۔ ان کے چلنے کے ساتھ وہ چل پڑتے دھوپ سے انہیں محفوظ رکھتے۔ ان پر کھانے کیلئے طلوع فجر سے لے کر طلوع آفتاب تک ایک صاع 'مَنّ' کا نزول ہوتا یہ برف کی طرح ترنجبین تھا۔ اللہ تعالیٰ رف سلویٰ بصورت بٹیر بھیجتا جنہیں حسبِ ضرورت آدمی ذبح کرلیتا۔ "كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا ظَلَمُونَا" یٰنی انہوں نے ظلم کیا بایں طور کہ ان نعمتوں کا انکار کیا یا جتنی اجازت تھی اس سے زائد لیا یا ان کے علاوہ کا مطالبہ کیا تو انہوں نے ہمارا کیا بگاڑا۔ کلام کو مختصر کردیا گیا ہے کیونکہ وَمَا ظَلَمُونَا کی اس پر دلالت موجود ہے۔

Marfat.com

[۵۸-۵۹] وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۚ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾

(اور جب ہم نے فرمایا اس بستی میں جاؤ پھر اس میں جہاں چاہو بے روک ٹوک کھاؤ اور دروازہ میں سجدہ کرتے داخل ہوں اور کہو ہمارے گناہ معاف ہوں ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے اور قریب ہے کہ نیکی والوں کو اور زیادہ دیں تو ظالموں نے وہ بات بدل دی جو فرمائی گئی تھی اس کے سوا تو ہم نے آسمان سے اُن پر عذاب اُتارا بدلہ ان کی بے حکمی کا)

آٹھویں انعام کا تذکرہ

یہ آٹھواں انعام ہے۔ اس آیت کا سابقہ نعمتوں پہ عطف ہے اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان دنیاوی نعمتوں مثلاً بادلوں کا سایہ اور مَن وسلویٰ کا نزول ذکر کیا تو ساتھ ہی دینی انعام بھی بیان فرمایا کہ انہیں ایسی بات کا حکم دیا جس سے ان کے گناہ معاف ہو جائیں انہیں ایسے راستہ کی نشاندہی کی جو انہیں عذاب سے خلاصی عطا فرمادے۔ اس آیتِ مبارکہ میں دو قسم کی گفتگو ہے۔

پہلی قسم: اس کا تعلق تفسیر سے ہے۔ ارشادِ گرامی 'وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ' یہ حکم تکلیفی ہے اس پر دو وجہ سے دلالت ہے:

پہلی وجہ: اللہ تعالیٰ نے حالت سجدہ میں دخول باب کا حکم دیا ہے اور یہ فعل شاق تھا لہٰذا یہ حکم تکلیفی قرار پائے گا اور حالت سجدہ میں دخول باب، دخولِ قریہ سے مشروط ہے۔ (اصول یہ ہے) کہ جس کے بغیر واجب کی تکمیل نہ ہو وہ بھی واجب ہی ہوتا ہے لہٰذا دخولِ قریہ کا حکم امر تکلیفی ہوگا نہ کہ امر مباح۔

دوسری وجہ: ارشادِ گرامی

اُدْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ (پ۶-المائدۃ:۲۱) اس پاک زمین میں داخل ہوں جو اللہ نے تمہارے لیے لکھی ہے اور پیچھے نہ پلٹو

Marfat.com

ہمارے مدعٰی پر دلیل ہے۔

قریہ سے مراد

ظاہر قرآن تو کسی مخصوص بستی پر دال نہیں ہاں اخبار و آثار سے اس کی نشاندہی ہوتی ہے اور اس میں مختلف اقوال ہیں:

پہلا قول: حضرت قتادہ، ربیع اور ابو مسلم اصفہانی بیت المقدس مراد لیتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے سورۃ المائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اُدْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ داخل ہوں اس پاک زمین میں جو اللہ نے تمہارے لیے لکھی

تو دونوں آیات میں ایک ہی قریہ مراد ہونے میں کوئی شبہ ہیں۔ (اور یہاں بیت المقدس مراد ہے)

دوسرا قول: شہر مصر مراد ہے۔

تیسرا قول: حضرت ابنِ عباس اور ابوزید رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ بیت المقدس کے قریب اریحا بستی ہے اور اس سے بیت المقدس مراد نہ ہونے پر انہوں نے یہ دلیل دی ہے کہ ارشاد گرامی "فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا" میں فا تعقیب پر دال ہے جو لازم کر رہی ہے کہ ان سے یہ تبدیلی حیات موسیٰ میں اس حکم کے بعد ہوئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وصال تیہ میں ہو گیا وہ بیت المقدس تشریف ہی نہیں لائے۔ لہٰذا اس بستی سے مراد بیت المقدس نہیں۔

قول اول والوں کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں یہ کہیں ذکر نہیں کہ ہم نے اس بستی میں داخلہ کا حکم حضرت موسیٰ علیہ السلام یا یوشع علیہ السلام کی زبان کے ذریعے دیا تھا اگر ہم یہاں حضرت یوشع علیہ السلام مراد لے لیں تو مذکورہ اشکال ختم ہو جائے گا۔ ارشادِ ربانی "فَكُلُوْا مِنْهَا حَیْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا"۔ اس کی تفسیر پیچھے سیدنا آدم علیہ السلام کے واقعہ میں گزر چکی کہ یہ حکم برائے اباحت ہے۔

ارشادِ مبارک "وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا" میں دو مباحث ہیں۔

پہلی بحث: باب کے بارے میں دو آراء ہیں:

۱۔ حضرت ابنِ عباس، ضحاک، مجاہد اور قتادہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں: بیت المقدس کا باب حطہ مراد ہے۔

۲۔ شیخ اصم نے بعض سے نقل کیا باب سے قریہ کی ایک جانب اور داخلہ مراد ہے۔

دوسری بحث: سجود میں اختلاف ہے، امام حسن رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے سجدہ ہی مراد ہے یعنی چہرہ کا زمین پر لگانا۔ لیکن یہ بعید

Marfat.com

ہے اس لیے کہ ظاہر بتا رہا ہے کہ انہیں حالتِ سجدہ میں دخول کا حکم تھا اگر ہم اس سے سجدہ ہی مراد لیں تو ایسا کرنا ممکن نہ ہوگا۔ بعض نے غیر سجدہ مراد لیا آگے پھر دو آراء ہیں:

۱۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا یہاں رکوع مراد ہے اس لیے کہ دروازہ چھوٹا اور تنگ تھا، داخل ہونے والے کیلئے وہاں جھکنا ضروری تھا۔

یہ قول بھی بعید ہے کیونکہ وہ باب ہی اس قدر تنگ تھا کہ گزرنے والا جھکنے پر مجبور ہو جاتا تو پھر حکم کی ضرورت ہی نہ تھی۔

۲۔ اس سے خضوع مراد ہے اور یہی اقرب ہے کیونکہ جب حقیقی سجدہ مراد لینا یہاں دشوار ہے تو اسے تواضع پر محمول کرنا لازم ہوگا اس لیے کہ جب انہوں نے توبہ کی تو گناہ پر توبہ کرنے والوں کیلئے خضوع و تواضع کا اظہار ضروری ہوتا ہے۔

وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ کی تفسیر

یہاں چند اقوال ہیں:

پہلا قول: قاضی کا قول۔ اللہ تعالیٰ نے جب انہیں حالت خضوع میں دخول باب کا حکم دیا تو ساتھ فرمایا: یہ الفاظ کہو جو توبہ پر دال ہوں اس لیے کہ توبہ دل کی صفت ہے اس پر دوسرا مطلع نہیں ہوسکتا۔ جب کسی آدمی کا گناہ مشہور ہو جائے اور وہ توبہ کرنا چاہے تو لازم ہے اس کی توبہ کی اطلاع بھی مشاہدہ گناہ کرنے والوں تک پہنچے کیونکہ توبہ اس کے بغیر تام نہیں ہوگی۔ گونگے کی توبہ کلام کے بغیر بھی درست ہے تاکہ غیر کو معلوم ہو جائے اس نے گناہ سے توبہ کی طرف رجوع کرلیا ہے اور اس سے تہمت کا ازالہ بھی ہو جائے اسی طرح جو مذہب کو غلط جانتا تھا جب اس پر حق آشکار ہو گیا تو لازم ہے ان لوگوں کو اطلاع پہنچے کہ اس نے غلطی سے رجوع کرلیا ہے تاکہ یہ تہمت باقی نہ رہے کہ یہ باطل پر قائم ہے اور ان تمام کی دشمنی محبت و پیار میں بدل جائے گی۔ اسی سبب سے اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو حالت خضوع (جو حالت قلبی ہے) میں داخل ہونے کے ساتھ ایسے الفاظ کے تذکرہ کا حکم دیا جو ان کی توبہ پر دال ہوں اور وہ ہیں قُوْلُوْا حِطَّةٌ حاصل کلام یہ ہے کہ قوم کو باب سے حالت خضوع میں داخل ہونے کا حکم دیا اور ساتھ فرمایا: زبان سے بھی گناہوں کی معافی مانگو تاکہ وہ ندامت قلبی، خضوعِ اعضاء اور استغفارِ لسانی کو جمع کرنے والے ہو جائیں اور یہ قول نہایت ہی خوبصورت اور تحقیق کے اقرب ہے۔

دوسرا قول: شیخ اصم کہتے ہیں یہ اہلِ کتاب کے الفاظ ہیں عرب ان کے مفہوم سے آگاہ نہیں۔

تیسرا قول: صاحب کشاف کہتے ہیں حطة، فعلة کے وزن پر حط سے ہے جیسے جلسة، رکبة یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے،

Marfat.com

مسألتنا حطة۔ (ہمارا سوال گناہوں کا اسقاط ہے) یا تیرا حکم "حطة" ہے۔ اصلاً اس پر نصب ہے معنی ہوگا "حط عنا ذنوبنا حطة" (ہمارے گناہوں کو ہم سے خوب ساقط فرمادے) رفع، معنی ثبات پیدا کرنے کیلئے لایا گیا جیسے:

صبر جمیل فکلانا مبتلی

اصل میں صبراً تھا "یعنی اصبر صبراً" امام ابن ابی عبلہ نے نصب ہی پڑھا ہے۔

چوتھا قول: شیخ ابو مسلم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ان کا مفہوم ہے کہ ہمیں حکم ملا ہے کہ ہم اس بستی میں اُتریں اور ٹھہریں۔
قاضی نے اس کا رد کیا اور کہا اگر مراد یہ ہوتی تو ان کے گناہوں کی مغفرت اس سے متعلق نہ ہوتی حالانکہ ارشادِ ربانی "وَقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ" کے الفاظ بتا رہے ہیں غفران ذنوب (گناہوں کی بخشش) قول حطة کی وجہ سے ہے۔ اس کا جواب ممکن ہے جب وہ اس قریہ میں اترے اور حالت سجدہ میں تواضع کے ساتھ داخل ہوئے تو غفران و بخشش کا تعلق اس سے بن گیا

پانچواں قول: شیخ قفال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ان کا مفہوم یہ ہے اے اللہ ہم سے گناہ ساقط فرمادے ہم تیری رضا کیلئے یہاں اتر رہے ہیں اور تیری بارگاہ میں ارادہ تذلل رکھتے ہیں لہٰذا ہمیں معاف فرمادے۔

سوال: کیا ان مخصوص الفاظ کا ذکر کرنا لازم تھا یا نہیں؟

جواب: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ہے انہیں انہی مخصوص الفاظ کے ذکر کا حکم تھا۔ اور اس کا احتمال ہے لیکن دو وجہ سے اقرب اس کے خلاف ہے۔

پہلی وجہ: یہ الفاظ عربی ہیں اور وہ عربی کے تکلم پر قدرت نہ رکھتے تھے۔

دوسری وجہ: اور یہی اقرب ہے کہ انہیں اس بات کا حکم تھا کہ وہ ایسے الفاظ کہیں جن کی توبہ، ندامت اور خضوع پر دلالت ہوتی کہ اگر وہ لفظ حطة کی جگہ اَللّٰھم انا نستغفرك و نتوب الیك (اے اللہ ہم تجھ سے معافی مانگتے ہیں اور تیری طرف ہی رجوع و توبہ کرتے ہیں) کہہ دیتے تو مقصود حاصل ہو جاتا اس لیے کہ توبہ سے مقصود قلبی ہے یا لسانی قلبی توبہ، ندامت اور لسانی توبہ ایسے لفظ بولنا ہے جو ندامت قلبی پر دال ہوں اور یہ چیز کسی مخصوص لفظ پر موقوف نہیں۔

نَّغْفِرْ لَكُمْ کی تفسیر

مغفرت پر گفتگو ہو چکی ہے، یہاں دو مباحث ہیں

Marfat.com

پہلی بحث: اللہ تعالیٰ نے یہ کلمات بطور احسان ذکر کیے ہیں اگر عقلاً قبول توبہ اللہ پر لازم ہے جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں تو پھر یہ تذکرہ مناسب نہیں بلکہ یہ تو ادائیگی وجوب ہوگی اور ایسی ادائیگی کو بطور احسان ذکر کرنا جائز نہیں۔

دوسری بحث: یہاں متعدد قرائتیں ہیں:

۱۔ شیخ ابو عمرو اور ابنِ منادی رحمہما اللہ علیہ نے نون اور فا کے نیچے زیر پڑھی ہے۔

۲۔ امام نافع رحمۃ اللہ علیہ نے یا اور فا پر زبر پڑھی۔

۳۔ باقی قراء اہلِ مدینہ اور جبلہ نے مفضل سے تا، اس پر پیش اور فاء پر زبر پڑھی ہے۔

۴۔ امام حسن، قتادہ، ابو حیوہ اور جحدری رحمہم اللہ نے یا پر پیش اور فا پر زبر پڑھی۔

شیخ قفال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ان تمام صورتوں میں معنی ایک ہی ہے اس لیے کہ جب خطاء اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادی تو وہ معاف ہوگی، جب اس نے معاف فرمادی تو اللہ تعالیٰ ہی اسے معاف فرما سکتا ہے، کسی اسم مؤنث سے پہلے فعل ہو اور اس کے اور فاعل کے درمیان کوئی حائل ہو جائے تو فعل کی تذکیر و تانیث دونوں جائز ہوتا ہے مثلاً ارشادِ مبارک ہے

وَاَخَذَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ — اور ظالموں کو چنگھاڑ نے آلیا تو صبح اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل پڑے رہ گئے (پ ۱۲-ہود: ۶۷)

خطیئة سے مراد جنس ہے نہ کہ ایک عدد، ارشادِ گرامی خَطَایَاکُمْ میں متعدد قرائتیں ہیں۔

۱۔ شیخ جحدری رحمۃ اللہ علیہ نے خطیئتکم، مدہ، ہمزہ اور اس کے بعد تا مرفوع واحد پڑھا۔

۲۔ شیخ اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے مدہ، ہمزہ، اس کے بعد الف اور تا مکسورہ۔

۳۔ امام حسن رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یوں ہی پڑھا البتہ تا پر پیش۔

۴۔ شیخ کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے خطایاکم، طا کے بعد یا سے پہلے ہمزہ ساکن۔

۵۔ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے یا کے بعد ہمزہ ساکن اور کاف۔

۶۔ شیخ کسائی رحمۃ اللہ علیہ طا اور تا دونوں کے نیچے زیر اور باقی قراء نے یا میں امالہ کیا ہے۔

Marfat.com

وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ کی تفسیر

یہاں محسن سے مراد وہ شخص ہے جو مذکور حکم یا جو تمام احکام بجالایا۔ بصورت اول اضافی وعدہ یا منافع دنیا کے بارے میں ہے یا منافع دین کا، احتمال اول میں معنیٰ ہوگا جو یہ حکم بجالایا اسے دنیا میں وسعت اور اس بستی کے علاوہ بھی بستیوں کی فتح دیں گے اور احتمالِ ثانی میں معنی یہ ہوگا جو ہماری طاعت وتوبہ بجالایا اس کی خطائیں ہم معاف کریں گے اور اس لیے اضافہ یہ کہ انہیں ثوابِ عظیم سے نوازیں گے۔ جیسا کہ فرمایا

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۭ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (پ ۱۱۔ یونس: ۲۶)

بھلائی والوں کیلئے بھلائی ہے اور اس سے بھی زائد اور ان کے منہ پر نہ چڑھے گی سیاہی اور نہ خواری وہی جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

ہم احسان کے بدلے احسان اور اس پر اضافہ فرمائیں گے جیسا کہ ایک نیکی کے عوض دس اور اس سے زائد دی جاتی ہیں اور محسن سے مراد وہ ہے جو توبہ وطاعات بجالایا تو معنی ہوگا ہم تمہارے حالت سجدہ میں داخلہ اور تمہارے قول حطہ کو مغفرت ذنوب میں مؤثر کردیں گے۔ پھر جب تم دیگر طاعات بجالاؤ گے تو ہم ان طاعات زائدہ پر ثواب عطا کریں گے۔

آیت کا ایک اور معنی بھی ہوسکتا ہے، جو خاطی تھا ہم نے اس فعل کے عوض اس کے گناہ معاف فرمادیے اور جو خاطی نہ تھا بلکہ محسن تھا ہم نے اس کے احسان میں اضافہ کرتے ہوئے اس کی طاعت کو حسنات میں لکھ دیا اور اس میں ہم نے اپنی طرف سے اضافہ بھی عطا کیا تو اہلِ ایمان کیلئے مغفرت اور فرمانبرداروں کیلئے اضافہ ہوگا۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا کی تفسیر

یہاں دو اقوال ہیں:

پہلا قول: شیخ ابومسلم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں "فَبَدَّلَ" کے الفاظ بتارہے ہیں انہوں نے حکم پر عمل ہی نہیں کیا نہ یہ کہ وہ اس کے بدل کے طور دوسرا لفظ لائے کیونکہ تبدیلی قول کا استعمال مخالفت میں بھی ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

Marfat.com

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ

(پ۲۶۔الفتح:۱۱تا۱۵)

اب تم سے کہیں گے جو گنوار پیچھے رہ گئے تھے کہ ہمیں ہمارے مال اور گھر والوں نے مشغول رکھا اب حضور ہماری مغفرت چاہیں اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں۔ تم فرماؤ تو اللہ کے سامنے کسے تمہارا کچھ اختیار ہے اگر وہ تمہارا برا چاہے یا تمہاری بھلائی کا ارادہ فرمائے بلکہ اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے بلکہ تم یہ سمجھے ہوئے تھے کہ رسول اور مسلمان ہرگز گھروں کو واپس نہ آئیں گے اور اسی کو اپنے دلوں میں بھلا سمجھے ہوئے تھے اور تم نے بُرا گمان کیا اور تم ہلاک ہونے والے لوگ تھے اور جو ایمان نہ لائے اللہ اور اس کے رسول پر تو بیشک ہم نے کافروں کیلئے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے اور اللہ ہی کیلئے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اب کہیں گے پیچھے بیٹھ رہنے والے جو تم غنیمتیں لینے چلو تو ہمیں بھی اپنے پیچھے آنے دو وہ چاہتے ہیں اللہ کا کلام بدل دیں۔

تو یہاں قول میں اختلاف نہیں بلکہ عمل مخالف تھا اسی طرح معاملہ یہاں ہے تو اب یہ معنی یہ ہوا انہیں جب تو اضع اور سوال مغفرت کا حکم دیا تو انہوں نے اللہ کے حکم پر عمل نہ کیا اور نہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

دوسرا قول: جمہور مفسرین کہتے ہیں یہاں تبدیلی سے مراد بطور بدل دوسرا لفظ لانا ہے س لیے تبدیل، بدل سے مشتق ہے لہٰذا حصول بدل کا ہونا ضروری ہوگا جیسے کہا جاتا ہے ''فُلَانٌ بَدَّلَ دِيْنَهٗ'' (یعنی وہ ایک دین سے دوسرے دین کی طرف منتقل ہو گیا) اس قول کی تائید یہ ارشادِ باری بھی کرتا ہے: ''قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ''

پھر اس بارے اختلاف ہے کہ یہ قول و فعل کیا تھا۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے جس دروازہ سے انہیں حالت سجدہ میں گزرنے کا حکم تھا اس میں وہ گھسیٹ کر یہ کہتے ہوئے گزرے: ''حِنْطَةٌ مِّنْ شَعِيْرَةٍ'' (جو سے گندم)

Marfat.com

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے ہے وہ پشت کر کے استہزاءً یہ کہتے ہوئے گزرے: حنطة "(گندم)

حضرت ابنِ زید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مذاق کرتے ہوئے انہوں نے کہا: موسیٰ ہمارے ساتھ حطہ کی صورت میں مذاق کر رہے ہیں۔ الفاظ مبارک "اَلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا" اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ اسی لیے فرمایا کہ وہ دنیا اور دین کی خیرات میں نقصان کیلئے کوشاں تھے یا اس لیے کہ انہوں نے اپنے نفوس کو نقصان پہنچایا اور یہ ظلم ہی ہے جیسا کہ پہلے گزرا

'فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ' کی تفسیر

یہاں دو فوائد ہیں:

پہلا فائدہ: "اَلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا" کے تکرار سے ان کے معاملہ کی قباحت اور ان کے ظلم کی وجہ سے ان پر نزول عذاب پہ یقین کا اظہار ہے۔

دوسرا فائدہ: رجز سے مراد عذاب ہے اور اس پر دلیل یہ ارشادِ پاک ہے

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ — جب ان پر عذاب پڑتا کہتے: اے موسیٰ! ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کرو اس عہد کے سبب جو اس کا تمہارے پاس ہے

اسی طرح فرمانِ الٰہی ہے

لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ (پ۹۔الاعراف:۱۳۴) — بیشک اگر تم ہم پر عذاب اٹھاؤ گے تو ہم ضرور تم پر ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ کر دیں گے

شیخ زجاج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں رجز اور رجس دونوں بمعنیٰ عذاب ہیں۔

'بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ' کی تفسیر

فسق، مصدر خروج، جب کھجور اپنی گٹھلی سے نکلے تو فسقت الرطبة کہا جاتا ہے۔ شریعت میں اللہ تعالیٰ کی طاعت سے معصیت کی طرف نکلنا۔ شیخ ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہاں فسق وہ ظلم ہی ہے جس کا تذکرہ "عَلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا" میں ہے اور تکرار کا فائدہ تاکید ہے لیکن حق یہ ہے کہ یہ دو وجوہ کی بنا پر تکرار نہیں:

پہلی وجہ: ظلم کبھی صغائر سے ہوتا ہے اور کبھی کبائر سے یہی وجہ ہے کہ انبیاء کے بارے میں بھی ظلم کا لفظ آیا ہے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا اور اس لیے بھی کہ فرمایا "اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ" اگر ظلم کبیر ہی ہوتا تو یہاں لفظ عظیم تکرار ہوتا تو فسق کبائر سے

Marfat.com

ہوگا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاً ظلم کہا ثانیاً اسے فسق فرمایا تا کہ واضح ہوجائے کہ ان کا ظلم صغائر سے نہیں کبائر سے ہے۔

دوسری وجہ: ممکن ہے وہ اسم ظالم کے مستحق عمل تبدیلی کی وجہ سے ہوں اور ان پر اس تبدیلی بلکہ اس سے پہلے فسق کی وجہ سے عذاب نازل ہوا ہو تو اس صورت میں تکرار نہیں رہے گا۔

دوسری قسم: اس آیت مبارکہ پر دوسری گفتگو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہی آیت سورۃ الاعراف میں ذکر کی ہے۔

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ

(پ۹-الاعراف:۱۶۱،۱۶۲)

یاد کرو جب ان سے فرمایا گیا اس شہر میں بسو اور اس میں جو چاہو کھاؤ اور کہو گناہ اترے اور دروازے میں سجدہ کرتے داخل ہوں ہم تمہارے گناہ بخش دیں گے۔عنقریب نیکوں کو زیادہ عطا فرمائیں گے تو ان میں سے کئی ظالموں نے بات بدل دی اس کے خلاف جس کا انہیں حکم تھا تو انہوں نے ان پر آسمان سے عذاب بھیجا بدلہ ان کے ظلم کا

اذکار میں تبدیلی کا حکم

کچھ اہلِ علم نے "فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا" سے اس پر استدلال کیا کہ جو اذکار منقول ہیں ان میں تغیر و تبدیلی جائز نہیں۔اصحاب شافعی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نماز کی تکبیر تحریمہ کسی بھی لفظ تعظیم اور تسبیح سے ادا نہیں ہوسکتی اور نہ ہی فارسی میں قرأت جائز ہے

شیخ ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: وہ اس لیے مذمت کے مستحق بنے تھے کہ انہوں نے تبدیلی ایسے دوسرے قول کے ساتھ کی جو پہلے کے ساتھ معنی میں متضاد تھا لہٰذا وہ سزا کے مستحق ٹھہرے اگر لفظ دوسرا اور ہو مگر معنی باقی ہو تو پھر مذمت نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ "فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ" کا ظاہر ہر اس کو شامل جو ایک قول کو دوسرے کے ساتھ بدل ڈالے خواہ ان میں معناً اتفاق ہو یا نہ ہو۔

چند سوالات

یہاں چند سوالات ہیں:

پہلا سوال: سورۃ البقرہ میں "وَاِذْ قُلْنَا" فرمایا اور اعراف میں "وَاِذْ قِيْلَ لَهُمْ"؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ابتدا قرآن میں تصریح کردی کہ اس کی قائل خود اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے تا کہ ازالہ وہم ہوجائے۔اسی

Marfat.com

لیے اول کلام میں فرمایا "اُذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ" پھر ہر ہر نعمت کا شمار فرمایا تو اس مقام کے مناسب "وَاِذْ قُلْنَا" (جب ہم نے فرمایا) ہی تھا اور سورۃ الاعراف میں "وَاِذْ قِيْلَ لَهُمْ" فرمایا کیونکہ اب وہم کا ازالہ ہو چکا اس لیے کہ سورۃ البقرہ میں تصریح ہو چکی (کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس قائل ہے)

دوسرا سوال: سورۃ البقرہ میں "وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا" فرمایا اور اعراف میں "اُسْكُنُوْا"

جواب: دخول، سکونت سے مقدم ہوتا ہے یہاں دونوں ہی تھے لیکن پہلی سورت میں دخول کا ذکر کر دیا اور بعد کی سورت میں بعد والی چیز کا تذکرہ فرما دیا۔

تیسرا سوال: البقرہ میں فا کے ساتھ "فَكُلُوْا" فرمایا لیکن اعراف میں واؤ کے ساتھ "وَكُلُوْا"

جواب: اس کا ذکر پیچھے "وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا" کے تحت آ چکا ہے۔

چوتھا سوال: بقرہ میں "نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ" اور اعراف میں فرمایا: "نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ"

جواب: خطایا جمع کثرت جبکہ خطیئات جمع سالم۔ قلت کیلئے ہے جب بقرہ میں اس قول کی نسبت اپنی طرف فرمائی تو فرمایا: "وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ"۔ تو ایسی چیز کا اتصال ضروری تھا جو اس کے جود و کرم پر شاہد ہو اور وہ کثیرہ ذنوب کی مغفرت ہے۔ لہٰذا جمع کا وہ لفظ لایا گیا جو کثرت پر دال ہے اور اعراف میں قول کی نسبت اپنی طرف نہیں کی بلکہ فرمایا: "وَاِذْ قِيْلَ لَهُمْ" تو جمع قلت کا تذکرہ ہی مناسب تھا۔ حاصل یہ ہے کہ جب فاعل کا ذکر آیا تو اس کے کرم کے شایانِ شان کثیر خطایا کی مغفرت کا ذکر ہی مناسب تھا لیکن جب فاعل کا نام نہیں لیا گیا تو کثرت کا ذکر بھی نہ کیا۔

پانچواں سوال: بقرہ میں "رَغَدًا" لیکن اعراف میں حذف کر دیا۔

جواب: یہ خطایا اور خطیئات کے طریق پر ہی ہے جب فعل کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی تو وہاں انعام اعظم کا ذکر کیا کھاؤ بے ٹوک اور جب فعل کی نسبت اپنی طرف نہ کی تو انعام اعظم کا تذکرہ بھی نہ کیا۔

چھٹا سوال: بقرہ میں فرمایا: وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ لیکن اعراف میں موخر "قُوْلُوْا حِطَّةٌ" کو مقدم کر دیا۔

جواب: واؤ صرف جمع کیلئے آتا ہے۔ (نہ کہ ترتیب کیلئے) اور دوسری یہ بات بھی ہے یہ بھی احتمال ہے مخاطب لوگوں میں بعض گناہ گار ہوں اور بعض نہ ہوں تو گناہ گار کا اشتغالِ عبادت سے پہلے گناہوں کے اسقاط میں مشغول ہونا ضروری ہے اس لیے کہ توبہ از گناہ مستقبل میں عبادات میں معروفیت ہونے سے پہلے ہوتی ہے۔ تو اب لوگوں کو پہلے حطہ کا مکلف بنایا گیا پھر باب سے حالت سجدہ میں گزرنے کا حکم دیا اور جو لوگ گناہ گار نہ تھے ان کیلئے اولاً عبادت اور ثانیاً توبہ کا ذکر ہی اولیٰ تھا تاکہ نفس میں عاجزی

Marfat.com

ہو اور عبادت پر گھمنڈ نہ ہو تو ایسے لوگ اولاً حالت سجدہ میں داخل ہوں اور ثانیاً یہ حطہ کہیں۔ جب ان دونوں اقسام کا احتمال ہے تو اب ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ دونوں کا دو سورتوں میں ذکر لاتا۔

ساتواں سوال: بقرہ، میں واؤ کے ساتھ "وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ" فرمایا جبکہ اعراف میں واؤ کے بغیر "سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ" فرمایا۔

جواب: اعراف میں دو چیزوں کا تذکرہ ہے:

۱۔ قول حطہ۔ یہ توبہ کی طرف اشارہ ہے۔

۲۔ حالت سجدہ میں دخول باب۔ یہ عبادت کی طرف اشارہ ہے۔

پھر ان کی دو جزا کا ذکر فرمایا:

۱۔ "نَغْفِرْلَكُمْ خَطَايَاكُمْ" (ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے) یہ حطہ کے مقابل ہے۔

"سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ" (ہم نیکوں کو زیادہ دیں گے) یہ حالتِ سجدہ میں دخول باب کے مقابل ہے

تو یہاں واؤ ترک کر دیا کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ یہ دونوں ہر ایک کے مقابل اور جزا ہیں۔ (اس صورت میں یہ الگ الگ کی جزا ہیں) لیکن بقرہ میں دو افعال کے مجموعہ کو مجموعی طور پر مغفرت اور اضافہ کو بطور جزا بیان کر دیا۔

آٹھواں سوال: بقرہ میں فرمایا: "فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا" تو اعراف میں "مِنْهُمْ" کے اضافہ کی کیا حکمت ہے؟

جواب: سورۂ اعراف میں "منھم" کے اضافہ کی حکمت یہ ہے کہ یہاں واقعہ کی ابتدا یوں ہوئی۔ فرمایا:

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ (پ ۹۔ الاعراف: ۱۵۹)

اور موسیٰ کی قوم سے ایک گروہ ہے کہ حق کی راہ بتاتا اور اسی سے انصاف کرتا

یہاں فرمایا کہ ان میں سے کچھ ایسے تھے جنہوں نے یہ کہا: اس کے بعد انعامات اور اوامر کا تذکرہ آیا جب واقعہ اختتام پذیر ہونے لگا تو فرمایا: "فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ" تو یہاں بھی "مِنْهُمْ" کا ذکر کیا تا کہ اول و آخر میں موافقت ہو جائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کے ظالم، ان میں سے ہدایت پانے والے کے مقابل ہو گئے تو پہلے ذکر امت عادلہ (نیک) کا ہوا اور پھر امت جابرہ (ظالم) کا اور یہ دونوں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے ہی تھے۔ یہاں لفظ "مِنْهُمْ" لانے کا سبب یہی ہے

بقرہ میں "فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا" سے پہلے قوم کے درمیان کسی امتیاز و تخصیص کا ذکر نہیں ہوا حتیٰ کہ واقعہ کے آخر میں تخصیص لازم ہو جاتی تو اب فرق واضح ہو گیا۔

Marfat.com

نواں سوال: سورۂ بقرہ میں "فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا" فرمایا لیکن سورۂ اعراف میں "فَاَرْسَلْنَا"

جواب: لفظ انزال میں ابتدائی طور پر عذاب کی آمد پر دلالت ہے جبکہ ارسال میں عذاب کا ان پر تسلط اور ان کا بالکل استیصال ہے اور یہ آخرت میں ہوگا۔

دسواں سوال: بقرہ میں "يَفْسُقُوْنَ" فرمایا جبکہ اعراف میں "يَظْلِمُوْنَ"

جواب: اللہ تعالیٰ نے جب بقرہ میں ان کے ظلم کو فسق قرار دے دیا تو اعراف میں لفظ ظلم پر ہی اکتفا فرمایا کیونکہ فسق کا ذکر بقرہ میں آچکا ہے۔ واللہ اعلم۔

[۶۰] وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝

(اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کیلئے پانی مانگا تو ہم نے فرمایا اس پتھر پر اپنا عصا مارو فوراً اس میں سے بارہ چشمے بہہ نکلے ہر گروہ نے اپنا گھاٹ پہچان لیا کھاؤ اور پیو اللہ کا دیا اور زمین میں فساد اٹھاتے نہ پھرو)

عام قراء نے اثنتا عشرۃ شین پر سکون پڑھا جبکہ شیخ ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے شین کے نیچے زیر بعض نے اس پر زبر پڑھی ہے۔ وجہ اول یہی ہے یہ اخف ہے اور اکثر قراء کا موقف ہے۔

نویں انعام کا تذکرہ

یہ بنی اسرائیل پر شمار کردہ انعامات میں سے نواں ہے اور جو دنیا و دین کی نعمتوں کا جامع ہے۔ دنیاوی اس لحاظ سے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی کے ذریعے ان کی حاجت شدید پوری فرمادی ورنہ وہ مقام تیہ میں مرجاتے جیسا کہ اگر ان میں من وسلویٰ نہ اترتا پھر بھی ہلاک ہوجاتے۔ باری تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ　　اور ہم نے اُنہیں خالی بدن نہ بنایا کہ کھانا نہ کھائیں

(پ۱۷-الانبیاء:۸)

دوسرے مقام پر پانی کے بارے میں فرمایا:

Marfat.com

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (پ۱۷، الانبیاء:۳۰) اور ہم نے ہر جاندار چیز پانی سے بنائی

بلکہ مقام تیہ میں پانی کا انعام، معمول کے مطابق پانی سے اعظم ہے کیونکہ جب انسان کو ویرانے میں پانی کی ضرورت پیش آتی ہے تو اس کی اُمید کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اس لئے کہ وہاں پانی تو کجا سبزہ تک نہیں ہوتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے عصا کی ضرب سے وہاں پانی نکالا تو واضح ہو گیا کوئی نعمت اس کا مقابلہ نہیں کر پاتی۔

دینی نعمتیں اس لحاظ سے کہ یہ وجود صانع، اس کی قدرت اور علم پر نہایت ہی کامل دلائل ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صدق پر بھی سب سے سچے دلائل ہیں۔

چند مسائل

پہلا مسئلہ: واقعہ تیہ میں پیش آیا

جمہور مفسرین کے رائے ہے کہ یہ استسقاء مقام تیہ پر ہوا اس لیے جب اللہ تعالیٰ نے سایہ کیلئے بادل بھیجے اور ان پر منّ وسلویٰ نازل کیا۔ ان کے کپڑے نہ پرانے ہوئے اور نہ میلے۔ انہیں پیاس کا خوف لاحق ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس پتھر سے پانی عطا فرما دیا

شیخ ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے مقام تیہ پر ایسے معجزہ کو ماننے سے انکار کرتے ہوئے کہا: یہ مستقل کلام ہے (اس کا پیچھے تعلق نہیں) اور استسقاء کا معنی بارش طلب کرنا ہے جیسا کہ قحط کے موقعہ پر لوگوں کا معمول ہے تو اللہ تعالیٰ نے پتھر سے پانی جاری فرما کر بادل اور بارش سے بڑھ کر قبولیت فرمائی لیکن حق یہ ہے آیت مبارکہ میں ایسی کوئی دلیل نہیں جس سے معلوم ہو کہ یہ حق ہے یا وہ۔ اگرچہ اقرب یہی کہ ایسا تیہ میں ہوا اور اس پر دو دلائل ہیں۔

پہلی دلیل: آبادیوں میں اکثر پانی کی طلب نہیں کی جاتی البتہ شاذ و نادر۔

دوسری دلیل: یہ منقول ہے کہ وہ پتھر اپنے ساتھ اٹھائے چلتے کیونکہ وہ اسی لیے تھا جیسا کہ منّ وسلویٰ ان پر ہر سحر اُترتا اسی طرح پانی بھی ہر وقت ان کے لئے جاری رہتا اور یہ بات ایام تیہ کے ہی مناسب ہے۔

دوسرا مسئلہ: عصا کا تعارف

عصا، میں اختلاف ہے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے یہ عام درخت کا تھا۔ بعض نے کہا: یہ جنتی آبنوس سے تھا اس کی لمبائی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قد انور کے مطابق دس ہاتھ تھی۔ اس کی دو شاخیں تھیں جو تاریکی میں روشن ہوتیں۔

Marfat.com

قرآن اس کی مقدار یہ بتاتا ہے کہ اس پر ٹیک لگائی جاسکتی تھی اور بہت بڑا اژدہا بن جاتا۔ یہ اس وقت ہے جب وہ لمبائی اور موٹائی میں کچھ بڑا ہو لیکن اس پر جو اضافہ بیان کیا جاتا ہے وہ قرآن سے ثابت نہیں۔

نوٹ: ایسے معاملات میں سکوت ہی لازم ہوتا ہے کیونکہ اس پر نہ نص قاطع ہے اور نہ اس پر کسی عمل کی بنیاد ہے حتیٰ کہ ہمیں اخبار احاد سے ظن حاصل کرنا پڑے لہٰذا ترک ہی اولیٰ ہے۔

تیسرا مسئلہ: پتھر کا تعارف

الحجر، میں الف لام اگر عہد خارجی ہے تو حجر معین کی طرف اشارہ ہوگا۔ منقول ہے کہ یہ کوہ طور کا پتھر تھا جسے ساتھ لے لیا گیا شکل میں مربع تھا۔ اس کی ہر طرف سے تین چشمے جاری ہوتے جو نہر کی صورت میں ہر قبیلہ کے پاس جاتے۔ ان کی تعداد چھ لاکھ اور وسعت جگہ بارہ میل تھی۔ بعض نے کہا: یہ پتھر جنت سے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ آیا تھا وراثت میں منتقل ہوتے ہوتے حضرت شعیب علیہ السلام تک آیا انہوں نے پتھر اور عصا حضرت موسیٰ کو عطا فرمائے۔

بعض کہتے ہیں: یہ وہی پتھر ہے جس پر آپ نے غسل کے وقت کپڑے رکھے تھے جبکہ مخالفین نے آپ کو نامرد کہا تھا اور یہ کپڑے لے کر بھاگا۔ حضرت جبریل نے کہا: اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے اس پتھر کو ساتھ رکھ لو، اس میں میری قدرت اور تمہارا معجزہ ہے۔ تو آپ اسے ہر سفر میں ساتھ رکھتے یا الف لام جنسی ہے یعنی اس شئی کو مارو جو حجر کہلاتی ہے۔

امام حسن سے ہے کہ کسی معین پتھر کو مارنے کا حکم نہ تھا۔ یہ قول حجت میں اظہر اور قدرت میں زیادہ واضح ہے۔

یہ بھی منقول ہے بنی اسرائیل نے کہا تھا اگر ہم ایسی جگہ جائیں جہاں پتھر نہ ہو تو ہمارا کیا بنے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سفر میں پتھر ساتھ رکھتے۔ جب وہاں ٹھہرتے تو آپ اسے رکھ دیتے اور عصا سے ضرب لگاتے تو چشمہ جاری ہو جاتا۔ ضرب لگاتے پانی بند ہو جاتا۔ کہنے لگے: اگر عصا موسیٰ گم ہو گیا تو ہم تو پیاسے مارے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کی پتھر کو ضرب نہ لگاؤ بلکہ زبانی حکم دو یہ تمہاری فرمانبرداری کرے گا۔

پتھر کونسا تھا؟ بعض نے سنگ مرمر کہا اور ہر طرف سے وہ ہاتھ کے برابر تھا، بعض نے کہا وہ انسان کے سر کی طرح تھا، ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ ان تمام کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے۔

چوتھا مسئلہ: "فَانْفَجَرَتْ" میں فا محذوف سے متعلق ہے یعنی فضرب فانفجرت۔ (اس نے ضرب لگائی تو بہہ نکلا) یا عبارت یوں ہوگی "فان ضربت فقد انفجرت" (اگر تم ضرب لگاؤ گے تو پانی جاری ہو جائے گا)

Marfat.com

یہاں چند سوالات ہیں:

پہلا سوال: اللہ تعالیٰ نے عصا مارنے کا حکم دیا اگر بغیر ضرب پانی جاری ہو جائے کیا یہ جائز نہیں اور محذوف عبارت کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔

جواب: اس میں کوئی ممانعت نہیں کہ اللہ تعالیٰ ضرب لگانے کا حکم دیں لیکن اس سے پہلے بقدر حاجت پانی عطا فرما دے۔

لیکن صحیح یہی ہے کہ انہوں نے ضرب لگائی تو پانی جاری ہو گیا اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو کوئی حکم دے اور وہ اسے بجا نہ لائے تو رسول عاصی قرار پائے گا۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر بغیر ضرب چشمہ جاری ہو جائے تو ضرب کا عمل عبث ہو جائے گا گویا اس کی ضرورت ہی نہ رہے

اور تیسری بات یہ ہے کہ احادیث میں ہے کہ اس کی عبارت یوں ہے "فَضَرَبَ فَانْفَجَرَتْ" (انہوں نے ضرب لگائی تو پانی) جیسے کہ باری تعالیٰ کے فرمان "فَانْفَلَقَ" میں یہی ہے "فَضَرَبَ فَانْفَلَقَ" (آپ نے ضرب لگائی تو سمندر پھٹ گیا)

دوسرا سوال: یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "فَانْفَجَرَتْ" لیکن اعراف میں ہے فَانْبَجَسَتْ۔ ان دونوں میں تضاد ہے کیونکہ انفجار کثیر پانی اور انبجاس قلیل پانی ہوتا ہے۔

جواب: اس کا جواب تین طرح پر ہے:

۱۔ الفجر، اصلاً شق ہونے کے معنی میں ہے۔ انفجار، انشقاق اس سے فاجر جو فسق کی طرف نکلنے کی وجہ سے مسلمانوں کی قوت کو کمزور کرتا ہے۔ انبجاس، قلیل اور تنگ شق ہونا ان میں عموم وخصوص والا اختلاف ہے نہ کہ متضاد۔

۲۔ ممکن ہے اولاً قلیل پانی جاری ہو ثانیاً کثیر جیسے چشموں میں ہوتا ہے ابتداً تھوڑا پانی ظاہر ہوتا ہے پھر دائمی طور پر نکلنے کی وجہ سے کثیر ہو جاتا ہے۔

۳۔ یہ بھی ممکن ہے ان کی ضرورت پہلے شدید تھی پانی کثیر آیا جیسے جیسے حاجت کم ہوئی پانی بھی قلیل ہوتا گیا۔

تیسرا سوال: چھوٹے پتھر سے اس قدر کثیر پانی کا خروج عقل کیسے مان لے؟

جواب: سائل، وجودِ فاعل مختار (اللہ تعالیٰ) کو مانتا ہے یا نہیں مانتا۔ اگر مانتا ہے تو سوال ختم اس لیے کہ وہ قادر ہے جسم کو جیسے چاہے پیدا فرما دے جیسے کہ سمندر وغیرہ کو پیدا فرمایا ہے اور اگر نہیں مانتا تو اسے قرآن کے معانی اور تفسیر پر غور وفکر سے کیا فائدہ؟ اور یہ ان تمام معجزات کے بارے میں جواب ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا اور عقل انہیں بعید سمجھتا ہے۔ مثلاً مردوں کا زندہ ہونا، گونگے اور بہروں کا صحت مند ہونا وغیرہ

Marfat.com

یہ بھی سامنے رہے کہ فلاسفہ اسے یقینی طور پر غلط نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان کے ہاں عناصر اربعہ میں ہیولیٰ مشترک ہے وہ کہتے ہیں اس پر کون وفساد دونوں طاری ہو سکتے ہیں ہوا کا پانی بننا اور اس کا عکس صحیح ہے اسی طرح اگر ہوا کو چاندی کے کوزے میں رکھیں تو وہ منجمد ہو جاتی ہے کیونکہ اس کے اردگرد سے پانی کے قطرے حاصل کرتی ہے اور وہ قطرے اس لیے ہوتے کہ ہوا پانی بن جاتی ہے لہٰذا ثابت ہوا ان کے ہاں بھی ایسا فی الجملہ ہو سکتا ہے اور حرارت سفلیہ، اتصالات فلکیہ کے تابع ہیں تو یہ کوئی بعید نہیں کہ اتصال فلکی ایسا ہو جو اس عالم میں ایسے نادر معاملہ کے وقوع کا تقاضا کرے۔ لہٰذا فلاسفہ ایسی بات کو قطعی طور پر غلط نہیں کہہ سکتے۔

رہے معتزلہ تو وہ یہ مانتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے تو ہم انہیں کہتے ہیں تو پھر بندے کا خلق جسم پر قادر ہونا کیوں جائز نہیں۔ انہوں نے اس سلسلہ میں دو نہایت ہی ضعیف دلائل دیئے ہیں جن کا تذکرہ ہم آیت سحر کے تحت کر کے ان کا ضعف اور بطلان واضح کر دیں گے۔

جب حقیقت یہی ہے تو وہ قطعی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے ورنہ معجزات اور کرامات کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اہلِ سنت تو یہ مانتے ہیں کہ موجد اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہے اور تمام خارق عادت افعال کو وہی پیدا فرماتا ہے لہٰذا ان کا یہ استدلال درست ٹھہرا کہ ان کا ظہور مدعی کے ہاتھوں ہوتا ہے تاکہ اس کا صدق ثابت ہو۔

چوتھا سوال: کیا تم یہ کہتے ہو وہ پانی پتھر میں تھا پھر ظاہر ہوا یا اللہ تعالیٰ نے ہوا کو پانی بنا دیا یا ابتداً ہی پانی پیدا فرمایا؟

جواب: اول صورت باطل ہے کیونکہ جسم صغیر تداخل کے علاوہ جسم عظیم پر محیط نہیں ہو سکتا اور یہ محال ہے آخری دونوں وجہ کا احتمال ہے۔ وجہ اول کی صورت میں ممکن ہے اللہ تعالیٰ اجزاءِ ہوا کی خشکی ختم فرمائے ان میں رطوبت پیدا فرما دی ہو اور وجہ ثانی میں اجزاء کو پیدا فرما کر ان میں رطوبت رکھ دی۔

واضح یہاں گفتگو اسی طرح کی ہے جیسے حضور ﷺ سے بعض غزوات میں معجزات کا صدور ہوا پانی کم تھا آپ ﷺ نے برتن میں ہاتھ رکھا آپ ﷺ کی مبارک انگلیوں سے چشمے بہہ نکلے حتیٰ کہ تمام صحابہ کو وہ پانی پورا ہو گیا۔

پانچواں سوال: اس اعتبار سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ افضل ہے یا حضور ﷺ کا؟

جواب: ہر ایک ہی کامل اور قاہر معجزہ ہے لیکن حضور ﷺ کا اقویٰ ہے اس لیے کہ پتھر سے پانی کا جاری ہونا معمول ہے لیکن انگلیوں سے چشموں کا بہہ نکلنا خلاف معمول ہے لہٰذا یہ اقویٰ ٹھہرے گا۔

چھٹا سوال: بارہ چشمے کیوں بنائے؟

جواب: لوگ کثیر تھے اور جب کثرت اور پانی کی حاجت شدید تھی تو ان کا آپس میں جھگڑنا اور تنازعہ ممکن تھا بلکہ بعض اوقات ایسا

Marfat.com

تنازعہ فتنہ عظیم کا سبب بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس انعام کو کامل کر دیا اور ہر قبیلہ کیلئے ایک چشمہ جاری فرمایا اور معمول یہ ہے کہ دوسرے قبائل سے لڑائی کا امکان ہوتا ہے جبکہ آپس میں نہیں ہوتی۔

ساتواں سوال: پانی کا جاری ہونا معجزہ ہونے پر کس کس طرح دال ہے؟

جواب: متعدد وجوہ سے دال ہے:

۱۔ ظہور ماء خود معجزہ ہے۔

۲۔ چھوٹے پتھر سے اس قدر کثیر پانی کا خروج۔

۳۔ ان کی ضرورت کے مطابق پانی کا نکلنا۔

۴۔ ضربِ عصا کی وجہ سے پانی کا نکلنا۔

۵۔ ضرورت نہ رہنے پر پانی کا ختم ہو جانا۔

ان پانچوں وجوہ کا حصول اسی وقت ہوگا جب تمام ممکنات میں قدرت تامہ نافذہ، جمیع معلومات کا علم اور دہر و زمانہ پر حکمتِ عالیہ ہو اور یہ شان سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو حاصل نہیں۔

عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ کی تفسیر

انہوں نے اپنا گھاٹ اس لیے پہچان لیا کہ ان میں سے ہر ایک کو یہی حکم تھا کہ وہ اپنی معین نہر سے پانی پیئے تا کہ حاجت ماء کے وقت ان میں تنازعہ نہ ہو جائے۔ گھاٹ کی نسبت ان کی طرف کی جانے کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے ہر قبیلہ کیلئے ان کی جہت سے نکلنے والے پانی کو مباح فرما دیا تو ان کی ملکیت کی طرح ہو گیا لہٰذا ان کی طرف اضافت جائز ہو گئی۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ اللَّهِ کی تفسیر

یہاں عبارت محذوف ہے ہم نے ان سے یا موسیٰ نے ان سے کہا: کھاؤ اور پیو۔ کلوا (کھاؤ) کہنے کی دو وجہ ہیں۔

پہلی وجہ: جیسے من و سلویٰ کا تذکرہ آیا ہے گویا فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہیں بصورت من و سلویٰ بغیر مشقت و محنت کے تمہیں دیا ہے اسے کھاؤ اور اس پانی سے پیو۔

دوسری وجہ: غذائیں پانی کے ساتھ ہی ہوتی ہیں جب انہیں پانی عطا کیا تو گویا اللہ تعالیٰ نے انہیں ماکول و مشروب عطا فرما دیا۔ معتزلہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ حلال ہی رزق ہوتا ہے نہ کہ حرام اس لیے کہ 'كُلُوا وَاشْرَبُوا' (کھاؤ اور پیو) کا

Marfat.com

حکم کم از کم اباحت پر دلیل ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ رزق کا مباح ہونا ضروری ہوگا اگر حرام بھی رزق ہو تو رزق کا مباح و حرام دونوں ہونا لازم آجائے گا جو جائز نہیں۔

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ کی تفسیر

عثی، سب سے بڑا فساد، ان سے کہا جا رہا ہے کہ لڑائی کے وقت فساد میں زیادہ نہ بڑھو اس لیے کہ وہ اس میں نہایت ہی تجاوز کرنے والے تھے، مقصود یہ ہے کہ پانی کی شدید حاجت کے وقت لوگوں کے درمیان لڑائی جھگڑا پیدا ہو جاتا ہے تو گویا فرمایا اگر پانی کی وجہ سے لڑائی ہو جائے تو تنازعہ میں زیادتی نہ کرو۔ واللہ اعلم

[۶۱] وَإِذْ قُلْتُمْ يَٰمُوسَىٰ لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَٰحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنۢبِتُ الْأَرْضُ مِنۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۖ قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِى هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِى هُوَ خَيْرٌ ۚ اهْبِطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُم مَّا سَأَلْتُمْ ۗ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُو بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِـَٔايَٰتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّۦنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۶۱﴾

(اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم سے تو ایک کھانے پر ہرگز صبر نہ ہوگا تو آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ زمین کی اُگائی ہوئی چیزیں ہمارے لیے نکالے کچھ ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز۔ فرمایا کیا ادنیٰ چیز کو بہتر کے بدلے مانگتے ہو اچھا مصر یا کسی شہر میں اترو وہاں تمہیں ملے گا جو تم نے مانگا اور ان پر مقرر کر دی گئی خواری اور ناداری اور خدا کے غضب میں لوٹے۔ یہ بدلہ تھا اس کا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور انبیاء کو ناحق شہید کرتے یہ بدلہ تھا ان کی نافرمانیوں اور حد سے بڑھنے کا)

مشہور قرأت "یُخْرِجْ لَنَا" یا پر پیش اور را کے نیچے زیر "تُنْبِتُ" تا پر پیش، با کے نیچے زیر ہے۔ امام زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ "یَخْرُجْ" کی یا پر زبر اور را پر پیش اور "تَنْبُتُ" میں تا، پر زبر اور با پر پیش پڑھا کرتے۔

Marfat.com

یہ سوال نافرمانی نہیں

اکثر ظاہری مفسرین کہتے ہیں کہ ان کا یہ مانگنا معصیت تھی حالانکہ ہمارے نزدیک معاملہ ایسے نہیں۔اس پر دلیل اسی آیت سے ہے "کُلُوْا وَاشْرَبُوْا" کے الفاظ ہیں جو منّ وسلویٰ کے نزول کے وقت فرمائے اور یہ حکم ایجابی نہیں بلکہ مباح ہے جب حقیقت یہی ہے تو ان کا قول "لَن نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ" معصیت نہ ہوگا اس لیے کہ جس کیلئے ایک طعام مباح ہو اس کیلئے دوسرے کا مطالبہ درست ہوتا ہے خواہ وہ خود کرے یا بواسطہ رسول۔جب ان کے ہاں یہ بات مسلمہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا زیادہ قبول ہے تو ان کا یہ عمل درست تھا اور اس میں کوئی معصیت نہیں۔

دوسرے طعام کے سوال کی مختلف اغراض

اس کی متعدد اغراض ہوسکتی ہیں:

پہلی غرض: جب ایک قسم کا طعام انہوں نے چالیس دن تک کھایا تو وہ اس سے پریشان ہوگئے لہٰذا دوسرے کی تمنا کی۔

دوسری غرض: شاید اصل خلقت کے لحاظ سے یہ کھانا ان کا معمول ہو ان کے عادت ہر قسم کے کھانے ہوں، بچپن میں جو آدمی کا معمول بن جائے، اگرچہ وہ ادنیٰ درجہ کا ہو تو اس میں اس کی رغبت وشوق غیر عادی سے زیادہ ہوگی اگرچہ وہ غیر عادی اعلیٰ ہی کیوں نہ ہو۔

تیسری غرض: شاید وہ تیہ میں رہ رہ کر تھک گئے، انہوں نے ایسے کھانوں کا سوال اٹھایا جو شہروں میں ہی تھے تو ان کا مقصد شہر [illegible] جانے۔

چوتھی غرض: کسی ایک کھانے پر ہی ہمیشہ اکتفا کرلینا نقصان شہوت، ضعفِ ہضم اور قلت رغبت کا اور مختلف کھانوں کا تناول، تقویت شہوت اور کثرت لذت کا سبب ہوتا ہے تو ثابت ہوگا ایک قسم کی جگہ دوسری کا مطالبہ عقلاء کا مقصود ہوتا ہے تو ان میں ایسی کوئی شہادت نہیں جو بتائے کہ یہ عمل ممنوع ہے۔

تو ثابت ہوگیا یہ معصیت نہیں اور اس کی تائید اس ارشادِ ربانی سے ہو رہی ہے۔

اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ — اچھا مصر (یا کسی شہر میں) اُترو وہاں تمہیں ملے گا جو تم نے مانگا

یہ تو ان کی دعا کی مقبولیت کی طرح ہے اگر وہ اس میں عاصی وگنہ گار ہوتے تو اس کیلئے دعا بھی معصیت و نافرمانی ٹھہرتی

Marfat.com

حالانکہ ایسی بات حضرات انبیاء علیہم السلام سے صادر نہیں ہوسکتی۔

یہ سوال نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ عطا کو جب قبول نہ کیا تو ان کے مطالبہ کے مطابق انہیں دے دیا گیا جیسا کہ فرمایا:

وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا — اور جو دنیا کی کھیتی چاہے ہم اسے اس میں سے کچھ دیں گے

(پ۲۵، الشوریٰ:۲۰)

کیونکہ ہم جواباً کہہ سکتے ہیں یہ بات خلافِ ظاہر قرآن ہے۔

معصیت ہونے پر دلائل

اس سوال کو معصیت قرار دینے والوں کے دلائل یہ ہیں:

پہلی دلیل: ان کا قول "لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ" واضح کر رہا ہے کہ وہ انزالِ منّ وسلویٰ کو ناپسند جانتے اور یہ ناپسندیدگی معصیت ونافرمانی ہے۔

دوسری دلیل: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرمانا:

أَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ — کیا تم ادنیٰ چیز کو بہتر کے بدلے مانگتے ہو

استفہامِ انکاری ہے اس کے معصیت ہونے کو واضح کر رہا ہے۔

تیسری دلیل: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے مطلوبہ کھانے کو ادنیٰ اور پہلے کو خیر وبہتر فرمایا۔ یہ بھی ہماری تائید ہے۔

جوابات کے دلائل

پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ "لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ" کی دلالت اس پر نہیں کہ وہ فقط اسے پسند نہیں کرتے تھے بلکہ اس پر ہے کہ وہ دوسری شی مانگ رہے ہیں اس لیے کہ "لَنْ نَّصْبِرَ" کی مستقبل پر دلالت ہے کیونکہ کلمہ "لَنْ" نفی مستقبل کیلئے آتا ہے تو اس کی دلالت اس پر نہیں کہ ملنے والے کھانے کو ناپسند جانتے تھے

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ استفہام انکاری کبھی اس پر ہوتا ہے کہ تم دنیا کی زیادہ نفع مند شی سے محروم ہو رہے ہو اور کبھی اس میں آخرت کے لحاظ سے انفع سے محرومی پر دلالت ہوتی ہے۔

Marfat.com

تیسری کا جواب جو اس کے قریب ہی ہے کہ شی کو بعض اوقات خیر و شر اس لیے کہہ دیا جاتا، کہ اس سے نفع موجود اور یقینی ہے اس لحاظ سے کہ وہ فری بلا مشقت حاصل ہے جیسا کہ موجود شی کے بارے میں کہا جاتا ہے اور غائب میں ملنے کا شک ہوتا ہے لہٰذا اسے ادنیٰ کہہ دیا جاتا ہے اس لیے کہ وہ محنت کے بغیر حاصل نہ ہوگی اور نہ اس کا حصول یقینی ہوتا ہے تو ممکن ہے "اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ" کا مفہوم یہی ہو یا اس کا بعض ہو لہٰذا ان کا یہ سوال معصیت نہیں بلکہ مباح ہے، جب بات واضح ہوگئی تو ارشاد گرامی

وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ اور ان پر مقرر کردی گئی خواری اور ناداری اور وہ خدا کے غضب میں لوٹے

یہ ماقبل پر سزا نہیں بلکہ اس کے بعد کیلئے ہے جو فرمایا:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ یہ بدلہ تھا اس کا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور انبیاء کو ناحق شہید کرتے

تو واضح ہوگیا ان پر ذلت و مسکنت کا تسلط اور ان کا محلِ غضب و عتاب بننا ان کے کفر کی وجہ سے ہے نہ یہ کہ انہوں نے دوسرے کھانے کا سوال کیا تھا۔

دوسرا مسئلہ: مراد ایک طریق ہے

ارشادِ ربانی "لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ" سے ایک ہی قسم کا کھانا مراد نہیں بلکہ ان کا ایک طریق پر ہونا مراد ہے۔ مثلاً ... کا ایک ہی طریق و نہج ہو تو کہا جاتا ہے فلاں کے دستر خوان پر طعامِ واحد ہوتا ہے۔

تیسرا مسئلہ: قرأت قِثَّائِهَا

وَقِثَّآئِهَا، میں مشہور قرأت قاف کے نیچے زیر ہے، امام اعمش اور طلحہ نے قاف پر پیش پڑھی ہے 'وَفُوْمِهَا' میں مشہور قرأت فاء کے ساتھ ہے۔ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اسے "و ثومھا" پڑھا ہے اور یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت ہے۔ مفسرین کہتے ہیں یہ لفظ بصل کے زیادہ مناسب ہے۔

معنی فوم میں اختلاف

فوم کے بارے میں اختلاف ہے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک گندم مراد ہے، انہی سے منقول خبز ہے اور یہ حضرت مجاہد، عطاء اور ابن زید رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے، بعض عرب سے محاورہ منقول ہے فوموا لنا۔ یعنی ہمارے لیے خبز لاؤ۔

Marfat.com

بعض نے کہا: ثوم (لہسن) مراد ہے اور یہی حضرت ابن عباس اور مجاہد سے بھی مروی ہے۔ شیخ کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ہی اختیار کہا۔ اس پر دلائل یہ ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی قرأت میں 'وثومہا' ہے۔

۲۔ اگر اس سے مراد گندم ہوتی تو یہ کہنا کہاں جائز ہوتا: اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ ھُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ ھُوَ خَیْرٌ۔ اس لیے کہ گندم سب سے اعلیٰ طعام ہے۔

۳۔ ثوم، حطہ عدس اور بصل کے زیادہ موافق ہے۔

چوتھا مسئلہ: قرأت مشہور "اَتَسْتَبْدِلُوْنَ" ہے لیکن حضرت ابی بن کعب 'اَتَبْدِلُوْنَ' باء ساکن پڑھتے۔ شیخ زہیر فرقبی "اَدنأ" "دناءۃ" سے مشتق مانتے اور ہمزہ کے ساتھ پڑھتے۔

ادنیٰ سے مراد میں اختلاف ہے

خلاصہ گفتگو یہ ہے یہ چیز دینی مصلحت میں ادنیٰ ہوگی یا منفعتِ دنیا میں۔ پہلی صورت مراد نہیں اس لیے کہ جس طعام پر وہ پہلے تھے اگر وہ دینی اعتبار سے ان کے مطلوبہ طعام سے انفع ہوتا تو ان کی سنی نہ جاتی حالانکہ سنی گئی اور فرمایا "اِھْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَکُمْ مَّا سَاَلْتُمْ"، تو اب مراد منفعت دنیا ہی ہے۔ پھر یہاں یہ مراد لینا جائز نہیں کہ جس پر تم ہو وہ تمہارے مطلوبہ طعام سے افضل ہے کیونکہ ہم پہلے واضح کر چکے کہ بعض اوقات ایک کھانا کچھ لوگوں کے ہاں لذیذ ہوتا ہے لیکن بعض کے ہاں ناپسند بلکہ مراد وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا کہ من وسلویٰ کا حصول یقینی ہے اور جس کا تم مطالبہ کر رہے ہو اس کا حصول مشکوک ہے اور یقینی شی، مشکوک سے بہتر ہوا کرتی ہے یا اس لیے کہ یہ من وسلویٰ بغیر محنت مل رہا ہے بلکہ تمہارا مطلوب، مشقت ومحنت کے بعد ملے گا لہٰذا پہلا طعام اولیٰ ہے۔

یقینی شی غائب سے بہتر

سوال: وہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ جو ہمیں فری بغیر محنت کے مل رہا ہے چونکہ ہماری طبع اسے ناپسند کرتی ہیں لہٰذا اس طعام کا تناول ہمارے لیے اس سے زیادہ شاق ہے جسے ہماری طبائع پسند کرتی ہیں اگرچہ ہمیں وہ مشقت کے بعد ہی ملے۔

جواب: ہم تسلیم کرتے ہیں اس اعتبار سے تعارض آسکتا ہے لیکن ہمارے قول کو اس پر ترجیح حاصل ہو سکتی ہے کہ یقینی موجود شی، غائب مشکوک پر راجح ہی ہوا کرتی ہے۔

Marfat.com

پانچواں مسئلہ: کونسا شہر مراد ہے

اِهْبِطُوْا، کی معروف قرأت باء کے نیچے زیر ہے لیکن اس پر پیش بھی پڑھا گیا ہے۔ مِصْرًا کی قرأت مشہور تنوین کے ساتھ ہے۔ دوسبب (معرفہ اور تانیث) کے باوجود یہ منصرف ہے کیونکہ اس کا وسط ساکن ہے جیسے کہ

وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ وَ اَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ وَ زَكَرِيَّا وَ يَحْيٰى وَ عِيْسٰى وَ اِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَ لُوْطًا وَ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (پ۷۔ الانعام:۸۴-۸۶)

اور ان سے پہلے نوح کو راہ دکھائی اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو اور ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو یہ سب ہمارے قرب کے لائق ہیں اور اسمٰعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو اور ہم نے ہر ایک کو اس کے وقت میں سب پر فضیلت دی

ا عُجمہ اور معرفہ ہے۔

ا ر اس سے مراد شہر لیا جائے تو اس میں فقط ایک ہی سبب رہے گا، مصحف حضرت عبداللہ میں اور قرأت اعمش میں یہ بغیر تنوین ہے جیسے "اُدْخُلُوْا مِصْرا"

"اِهْبِطُوْا مِصْرًا" میں مفسرین کا اختلاف ہے حضرت ابن مسعود اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہما تنوین نہیں پڑھتے تھے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ الف کا اضافہ کاتب کی طرف سے ہے۔ یہ معرفہ ہے لہٰذا اس سے مخصوص شہر ہی مراد لینا چاہیے تو وہ شہر ہے جس میں فرعون رہتا تھا۔ یہی حضرت ابو العالیہ اور ربیع سے منقول ہے۔

جن لوگوں نے تنوین پڑھی اور یہی قرأت مشہورہ ہے ان کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض نے کہا: مراد فرعون کا شہر ہی ہے مگر اس پر تنوین لفظ نوح ولوط کی طرح ہے۔ دوسروں کا کہنا ہے یہ کسی بھی شہر میں داخلہ کا حکم ہے گویا فرمایا تم کسی بھی شہر میں چلے جاؤ جہاں تمہیں یہ اشیاء مل جائیں۔ الغرض مفسرین نے اختلاف کیا ہے کہ اس مصر سے مراد وہی شہر ہے جس میں یہ پہلے رہتے تھے یا کوئی اور شہر ہے۔ اکثر نے کہا: وہ سابقہ فرعون والا شہر مراد نہیں ہوسکتا، دلیل یہ ارشادِ ربانی ہے:

اُدْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِىْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ (پ۶ المائدۃ:۲۱)

اس پاک زمین میں داخل ہوں جو اللہ نے تمہارے لیے لکھی ہے اور پیچھے نہ پلٹو

Marfat.com

آیت سے تین طرح استدلال

اس سے تین طرح استدلال ہے:

۱۔ "اُدْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ" اس زمین پر داخلہ کا حکم ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ کسی دوسری زمین پر داخلہ منع ہے۔

۲۔ "کَتَبَ اللّٰہُ" کے الفاظ کا تقاضا ہے کہ ان کا یہ قیام وہاں دائمی ہو۔

۳۔ "وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰی اَدْبَارِكُمْ" اس بارے میں صریح ہے کہ تم بیت المقدس سے واپس نہیں آسکتے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے ارضِ مقدس میں داخلہ کا حکم دینے کے بعد فرمایا

فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ (پ۶، المائدہ:۲۶) تو وہ زمین ان پر حرام ہے۔ چالیس برس تک بھٹکتے پھریں زمین میں

تو پہلے داخلہ کا حکم دیا پھر واضح کر دیا کہ اس مدت کے دوران وہ اس (شہر) میں داخل نہیں ہو سکتے تو جب عذر زائل ہو گیا تو ان پر داخلہ لازم ہو جائے گا جب معاملہ یوں ہے تو اب مصر سے اس شہر کے علاوہ مراد لینا ناجائز ہوگا۔

ان دلائل کا ضعف

اگر یہ کہا جائے یہ دلائل ضعیف ہیں۔

پہلی دلیل: اس لیے کہ فرمان "اُدْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ" امر ہے جو یہاں ندب کیلئے ہے تو ممکن ہے ان کیلئے اس ارض مقدس کا داخلہ مندوب و مستحب ہو باوجودیکہ انہیں دخول مصر سے منع نہ کیا گیا ہو۔

دوسری دلیل: اس لیے کہ فرمان "کَتَبَ اللّٰہُ لَكُمْ" اس ندبیت و استحباب کے دوام پر دال ہو۔

تیسری دلیل: فرمان "وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰی اَدْبَارِكُمْ" کا معنی یہ نہیں کہ تم مصر نہیں جا سکتے بلکہ اس کے دو معانی ہو سکتے ہیں۔

پہلا: اوامر و احکام میں نافرمانی نہ کرو کیونکہ عرب حکم کی نافرمانی کرنے والے کے بارے میں کہتے ہیں "اِرْتَدَّ عَلٰی عَقِبِہٖ" (اس نے حکم عدولی کی) یہاں عصیان سے مراد یہ ہے کہ داخلہ ارضِ مقدس کے اولیٰ ہونے کا انکار کیا جائے۔

دوسرا: نہی وقت معین تک فقط مخصوص ہو۔

ہم جواباً کہتے ہیں اصول فقہ میں ثابت ہے ظاہر امر سے وجوب ہی مراد ہوتا ہے تو اس اصل کی بنا پر ہماری دلیل تام ٹھہری۔

Marfat.com

اگر ہم اسے ندب کیلئے بھی تسلیم کرلیں تو ترک ندب کا اذن، ترک مندوب کا اذن ہوگا جو حضرات انبیاء علیہم السلام کے شایان شان نہیں معترض نے جو کہا: "وَلَا تَرْتَدُّوْا" کا معنی لوٹنا نہیں۔ ہم جواباً کہتے ہیں اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے دخول ارض مقدس کا حکم دیا اور پھر فرمایا: "وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِكُمْ" تو اس سے فی الفور ذہن میں یہی بات جاتی ہے کہ نہی کا تعلق اس شی کے ساتھ ہی ہوگا جس کا تعلق امر سے ہے۔ قائل کا یہ کہنا، نہی کو وقت معین تک مخصوص رکھا جائے، ہم جواباً کہتے ہیں تخصیص خلافِ ظاہر ہے

مراد شہر فرعون پر دو دلائل

شیخ ابو مسلم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہاں شہر فرعون مراد لینا جائز ہے اس پر دو دلائل ہیں:

پہلی وجہ: اگر ہم "اِهْبِطُوْا مِصْرًا" بغیر تنوین پڑھیں تو یہ یقیناً کسی معین شہر کا علم ہوگا اور تمام عالم میں اس نام کا کوئی شہر ہی نہیں۔ لہٰذا اسے شہر مصر پر ہی محمول کریں گے اور اس لیے بھی کہ لفظ میں علم اور وصف دونوں کا احتمال ہو تو علم پر محمول کرنا اولیٰ ہوتا ہے۔ مثلاً ظالم اور حادث جب یہ دونوں بطور علم ہوں تو انہیں علمیت پر محمول کرنا ہی اولیٰ ہے۔

اگر ہم اس پر تنوین پڑھیں تو اب ہم اگر اسے اسم علم بنائیں تو ہم کہیں گے اس پر تنوین سکون وسط کی وجہ سے آئی ہے جیسا کہ نوح، لوط اب بھی تقریر سابقہ ہی ہوگی۔

اور اگر ہم اسے اسم جنس قرار دیں تو یہ فرمان "اِهْبِطُوْا مِصْرًا" اختیار کا تقاضا کرتا ہے جیسے کہا جاتا ہے "اَعْتِقْ رَقَبَةً" (غلام آزاد کرو) تو اس میں تمام دنیا کے غلاموں کے حوالے سے اختیار ہے۔

دوسری وجہ: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ارضِ مصر کا وارث بنایا، اگر وہ زمین ان کی وراثت ہے تو پھر وہاں ان کے داخلہ کو حرام قرار دینا ممنوع ہوگا "یہ ان کی وراثت ہے" پر دلیل ارشاد ربانی ہے:

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ وَّ كُنُوْزٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ كَذٰلِكَ وَ اَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (پ ۱۹- الشعراء: ۵۷، ۵۹)

تو ہم نے انہیں باہر نکالا باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے ہم نے ایسا ہی کیا اور ان کا وارث کر دیا بنی اسرائیل کو

تو یہ ثابت ہے کہ وہ اس زمین کے وارث ہیں تو وہاں کا داخلہ ان پر کیسے حرام کیا جا سکتا ہے اس لیے کہ وارث ہونا مفید ملک ہے اور ملکیت میں تصرف کی اجازت کاملہ ہوتی ہے۔

سوال: آدمی گھر کا مالک ہوتا ہے مگر کسی اور وجہ سے اس کا داخلہ وہاں ممنوع ہو سکتا ہے مثلاً کوئی شخص اپنے اُوپر چند دن مسجد میں اعتکاف لازم کر لیتا ہے تو وہ گھر کا مالک ہے مگر وہاں داخلہ حرام ہے تو یہاں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مصر کا وارث بنایا۔ یعنی اس میں تصرف کی اجازت دی مگر وہاں کا داخلہ ان پر ممنوع قرار دے دیا اس لیے کہ انہیں ارض مقدس میں ٹھہرنے کا حکم تھا

Marfat.com

جواباً ہم کہتے ہیں ملکیت، تصرف ثابت کرتی ہے اور تصرف سے ممانعت خلاف دلیل ہے۔

دلائل کا رد

فریق اول نے شیخ ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں دلائل کا رد کیا۔ پہلی دلیل کا جواب یہ ہے ہم قرأت مشہورہ لیتے ہیں اور اس میں تنوین ہے رہا تمہارا کہنا یہ اختیار کا تقاضا کرتا ہے اس کا جواب یہ ہے بات درست ہے لیکن ہم مذکورہ دلیل کی بنا پر اس عموم کو نہیں مانتے

دوسری وجہ کا جواب یہ ہے ہمارا اختلاف اس میں نہیں کہ ملکیت سے تصرف ثابت ہوتا ہے البتہ کسی عارضہ کی وجہ سے اس اصل کو ترک کیا جاسکتا ہے مثلاً شی رہن یا کرایہ پر ہو اور مستاجرہ، لہٰذا ہم یہاں بھی دلیل مذکورہ کی وجہ سے اصل کو ترک کر رہے ہیں

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ کی تفسیر

معنیٰ یہ ہے کہ ذلت نے ان کا اسقدر احاطہ کرلیا حتیٰ کہ وہ ان پر اس طرح غالب ہے جیسے کوئی قبہ کے اندر ہو یا یہ ان کے ساتھ اس طرح چمٹ و متصل ہوگی جیسے مٹی دیوار کے ساتھ۔ ذلت کے حوالے سے اقرب یہی ہے اس سے مراد ان کا مستحق ہوجانا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فساد پھیلانے والوں کے بارے میں فرمایا:

ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا — یہ ان کے لیے ذلت ہے دنیا میں

جزیہ مراد نہیں

کچھ لوگوں نے اس سے مراد جزیہ لیا جیسے کہ فرمان ہے:

حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ — جب تک اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ دیں چھوٹے بن کر

(پ۱۰، التوبۃ:۲۹)

لیکن یہ قول بعید ہے کیونکہ جزیہ ابتداً ہی ان پر مقرر نہیں ہوا تھا۔

ارشادِ ربانی "وَالْمَسْكَنَةُ" اس سے مراد فقر و فاقہ اور شدید مشقت ہے، یہ جنس عقوبت کی طرح بھی ہوسکتی ہے۔

کچھ علماء نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے قرار دیا ہے کہ آپ نے ان پر ذلت و فقر کے تسلط کی اطلاع دی اور اسی طرح ہوا تو غیبی خبر قرار پانے کی وجہ سے یہ کلام معجز ٹھہرا۔

وَبَآءُوْ کی تفسیر

اس کے چند معانی ہیں:

Marfat.com

۱۔ البوء۔ رجوع تو ''بَآءُوْا'' کا معنی ہے وہ غضب کے ساتھ لوٹے، بآء کا استعمال شر میں ہی ہوتا ہے۔

۲۔ البوء۔ برابر ہونا ''بَآءُوْا'' کا معنی ہوگا ان پر اللہ کا غضب غالب آ گیا۔

۳۔ شیخ زجاج کہتے ہیں: ''بَآءُوْا'' وہ مستحق ہو گئے۔ اس پر ارشادِ ربانی ہے:

اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓءَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ (پ۶، المائدہ:۲۹) میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تیرا اور میرا گناہ دونوں تیرے ہی پلہ پڑیں تو تُو دوزخی ہو جائے اور بے انصافوں کی یہی سزا ہے

یعنی تو دونوں کے گناہ کا مستحق ٹھہرے گا، غضب الٰہی سے مراد ارادۂ انتقام ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ کی تفسیر

پہلے جس ذلت، مسکنت اور غضب کا ذکر ہے یہ اس کی علت ہے، معتزلہ کا کہنا ہے اگر ان میں کفر اللہ کی تخلیق کی وجہ سے آیا کہ ذلت و مسکنت اس کی تخلیق سے آئی تو پھر کیا وجہ ان دونوں میں سے ایک دوسرے کی جزا بر عکس کیوں ہے؟

اس کا جواب ہے کہ یہ مسئلہ علم اور داعی سے معارضہ ہے اور کفر کی حقیقت کا تذکرہ پیچھے آ چکا ہے۔

وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ کی تفسیر

معنی یہ ہے کہ یہ لوگ ان بد افعالیوں کی وجہ سے ہی ان عذابوں کے مستحق بنے ہیں۔ یہاں چند سوالات ہیں:

کفر کے بعد قتل کا ذکر

پہلا سوال: فرمانِ الٰہی ''یَكْفُرُوْنَ'' کے تحت قتلِ انبیاء داخل ہے پھر اس کا دوبارہ ذکر کیوں؟

جواب: وہاں آیاتِ الٰہیہ سے کفر کا ذکر تھا اور وہ ان سے جہل اور ان کا انکار ہے، اس کے تحت قتلِ انبیاء داخل نہیں۔

ناحق کا ذکر کیوں؟

دوسرا سوال: بِغَیْرِ الْحَقِّ فرمایا۔ حالانکہ قتل انبیاء اسی کی بنا پر ہوتا ہے؟

جواب: تین طرح سے جواب ہے۔

پہلا جواب: کبھی باطل کی بجا آوری حق ہوتی ہے مثلاً اسے بجا لانے والے کے دل میں شبہ ہو اور وہ اسے حق اعتقاد کرتا ہو اور کبھی اسے اس کے باطل ہونے کا یقین ہوتا ہے۔ دوسری کے زیادہ قبیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں تو ''یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ'' کا مفہوم یہ ہے کہ انہوں نے انبیاء کو اس لیے قتل نہیں کیا کہ ان کے اعتقاد و خیال میں یہ حق تھا بلکہ وہ اس کی قباحت کو جانتے تھے اس کے باوجود انہوں نے اس کا ارتکاب کیا۔

...قدیر

Marfat.com

دوسرا جواب: یہ تکرار برائے تاکید ہے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ (پ ۱۸۔ المومنون: ۱۱۷) اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے خدا کو پوجے جس کی اس کے پاس کوئی سند نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے یہاں ہے۔

حالانکہ دوسرا الٰہ ماننے والے کیلئے برہان کا ہونا محال ہے۔

تیسرا جواب: اگر اللہ تعالیٰ ان کی مذمت فرماتے ہوئے محض قتل کا ذکر کرتے تو وہ کہہ سکتے تھے انہیں اللہ تعالیٰ نے قتل کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ کی طرف سے قتل (موت) حق ہے اور ماسوی اللہ سے بغیر حق ہے۔

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا کی تفسیر

یہاں تکرار برائے تاکید ہے لیکن بغیر لفظ اول ہے جیسے کوئی آدمی اپنے غلام کے بہت سے گناہ دیکھے آخر میں اسے تنبیہ کرتے ہوئے کہے: هذا بما عصيتني و خالفت أمري، هذا بما تجرأت علي واغتررت بحلمي۔ (تو نے میری نافرمانی کی اور میرے حکم کی مخالفت کی تو نے مجھ پر جرأت کی اور میرے حلم کی وجہ سے تو نے دھوکہ کھایا) تو اسے خاموش کرنے کیلئے مختلف الفاظ میں گناہوں کو شمار کرے۔

"وَكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ" اس سے ظلم مراد ہے۔ یعنی یہ حق سے باطل کی طرف متجاوز ہو گئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر انزال عذاب کا ذکر کیا تو اس کی علت بیان کرتے ہوئے اولاً اسے واضح کیا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حق میں کیا مثلاً اس سے جہالت، اس کی نعمتوں کا انکار، اس کے بعد دوسری چیز لائی جو برائی میں اس کے بعد تھی قتل انبیاء، پھر تیسری جز میں ان کے خاص خاص معاصی، پھر چوتھی میں ان کے متعدی گناہ مثلاً تعدی و ظلم اور یہ کس قدر خوبصورت ترتیب ہے۔

حق معرفہ اور نکرہ کیوں؟

سوال: یہاں "يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ" فرمایا یعنی الحق پہ الف لام لا کر معرفہ ذکر کیا اور آل عمران میں فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ (پ ۳، آل عمران: ۲۱) وہ جو اللہ کی آیتوں کے منکر ہوئے اور پیغمبروں کو ناحق شہید کرتے

یہاں لفظ حق نکرہ ہے اسی طرح ایک اور مقام پر اسی سورت میں ہے

Marfat.com

وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ لَيْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ (پ۴، آل عمران:۱۱۲،۱۱۳)

اور پیغمبروں کو ناحق شہید کرتے یہ اس لیے کہ نافرمانبردار اور سرکش تھے سب ایک جیسے نہیں کتابیوں میں کچھ وہ ہیں کہ حق پر قائم ہیں اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں رات کی گھڑیوں میں اور سجدہ کرتے ہیں۔

تو یہ فرق کیوں؟

جواب: جس سبب کی وجہ سے قتل لازم ہوتا ہے اہلِ اسلام کے ہاں وہ معروف ہے۔حضور ﷺ کا فرمان ہے کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہوتا۔سوائے تین میں سے ایک کے ساتھ۔ایمان کے بعد کفر،شادی کے بعد زنا،قتل نفس۔ (البخاری:۶۸۷۸)

بغیر الحق معرفہ ذکر کیا تا کہ اس تعین کی طرف اشارہ ہو جائے اور نکرہ اس لیے کہ عموم میں تاکید ہو جائے کہ وہاں کوئی حق نہ تھا نہ وہ جسے اہلِ اسلام جانتے ہیں اور نہ ہی اس کے علاوہ کوئی حق تھا۔

[۶۲] اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

(بیشک ایمان والے نیز یہودیوں اور نصرانیوں اور ستارہ پرستوں میں سے وہ کہ سچے دل سے اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائیں اور نیک کام کریں ان کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور نہ انہیں کچھ اندیشہ ہو اور نہ کچھ غم)

ھَادُوْا، میں مشہور قرأت دال پر پیش ہے: حضرت ضحاک اور مجاہد نے دال پر زبر اور واؤ ساکن پڑھا۔صابنین اور صابنون میں قرأت مشہورہ دونوں میں ہمزہ ہے۔امام نافع،شیبہ،زہری سے ہے کہ ''صابنین'' یا ساکنہ اور بغیر ہمزہ ہے اور صابنون میں بامضموم اور حذف ہمزہ ہے۔شیخ عمری دونوں میں ہمزہ لاتے ہیں۔ابو جعفر دونوں میں یا ہمزہ کے بدل لاتے ہیں،ترکِ ہمزہ میں دو وجہ ہو سکتی ہیں۔

اول یہ ''صبا یصبو'' سے ہو جب کوئی کسی شی کی طرف میلان کرے اور اسے چاہے تو یہ کہا جاتا ہے۔ثانی،ہمزہ بدل کر پڑھا جائے ''صابنین، صابنون، مختار ہمزہ ہے کیونکہ یہ اکثر کی قرأت اور معنی تفسیر سے اقرب ہے اہل علم کے ہاں اس کا معنی ایک دین سے دوسرے دین کی طرف جانے والا ہے۔

فضل قدیر

Marfat.com

آیت کا ربط

اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے جب وہ وعدہ یا وعید کا ذکر کرتا ہے۔ تو اس کے ساتھ ہی اس کا متضاد ذکر فرمادیتا ہے تاکہ کلام تام ہو جائے، یہاں جب اس نے اہلِ کتاب کفار کا حکم اور ان پر نازل ہونے والے عذاب کا ذکر فرمایا تو ساتھ یہ بھی اطلاع دی کہ وہ اہلِ ایمان کو اجرِ عظیم اور ثواب کریم عطا فرماتا ہے تاکہ واضح ہو جائے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نیکی کرنے والے کو انعام اور برائی کے مرتکب کو سزا دیتا ہے۔ جیسے ارشاد فرمایا:

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَاءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى (پ ۲۷، النجم: ۳۱)

تاکہ برائی کرنے والوں کو ان کے کیے کا بدلہ دے اور نیکی کرنے والوں کو نہایت اچھا صلہ عطا فرمائے

تو یہاں بھی اسی سنت مبارکہ کی وجہ سے فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔

مراد کون ہے؟

مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہاں کون مراد ہے اور اس اختلاف کا سبب آیت کا آخری حصہ ہے۔ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ کیونکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مراد اور ہوں اور مَنْ اٰمَنَ سے اور، اشکال میں اس کی نظیر یہ ارشادِ ربانی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا (پ ۵-النساء: ۱۳۶)

اے ایمان والو! ایمان رکھو اللہ اور اللہ کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اپنے اُن رسولوں پر اتاری اور اس کتاب پر جو پہلے اتاری اور جو نہ مانے اللہ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور قیامت کو تو وہ ضرور دُور کی گمراہی میں پڑا

متعدد تفاسیر

اس اشکال کی وجہ سے متعدد تفاسیر سامنے آئیں۔

پہلی تفسیر: حضرت ابنِ عباس کہتے ہیں اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضور ﷺ کی آمد سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور پھر یہود و نصاریٰ کے اباطیل سے بری و دور رہے۔ مثلاً قس بن ساعدۃ، بُحیر اراہب، حبیب نجار، زید بن عمرو بن نفیل، ورقہ بن نوفل، سلمان فارسی، ابوذر غفاری اور وفد نجاشی گویا اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے۔ جو لوگ حضور کی بعثت سے پہلے ایمان لائے اور جو یہود کے دین باطل اور نصاریٰ کے دین باطل پر تھے ان میں سے جو بھی حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بعد اللہ پر، آخرت پر اور حضور پر ایمان لے آیا اس کیلئے اللہ کے ہاں اجر ہے

Marfat.com

دوسری تفسیر: اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتداء میں طریقہ منافقین بیان کیا اور پھر طریقہ یہود تو اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی "اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" اسے وہ لوگ مراد ہیں جو صرف زبانی ایمان لائے مگر دل سے نہیں اور یہ منافق ہیں تو پہلے منافقین پھر یہود اور پھر نصاریٰ وصابئین کا ذکر کیا۔ گویا فرمایا: یہ تمام باطل عقیدہ والے اگر ایمان حقیقی لے آئیں تو یہ اللہ کے ہاں اہلِ ایمان شمار ہوں گے۔ یہ حضرت سفیان ثوری کا قول ہے۔

تیسری تفسیر: اس سے مراد حضور ﷺ پر حقیقۃً ایمان لانے والے ہی ہیں پھر "مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ" کی دلالت مستقبل پر ہے تو مراد یہ ہوگی کہ ماضی میں ایمان لانے والے اگر مستقبل میں اس پر ثابت رہے اور ان کا ایمان دائمی رہا تو وہ اجر پائیں گے۔ یہ اہلِ کلام کا قول ہے

وَالَّذِیْنَ هَادُوْا کی تفسیر

هَادُوْا کے اشتقاق میں چند آراء ہیں:

۱۔ جب انہوں نے بچھڑے کی پوجا سے توبہ کی اور کہا:

اِنَّا هُدْنَآ اِلَیْكَ قَالَ عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ (پ۹، الاعراف: ۱۵۶)

بیشک ہم تیری طرف رجوع لائے۔ فرمایا میرا عذاب میں جسے چاہوں دوں اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے تو عنقریب میں نعمتوں کو ان کیلئے لکھ دوں گا جو ڈرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں

یعنی ہم تیری طرف رجوع و توبہ کرتے ہیں تو اس بنا پر ان کا نام یہ ٹھہرا۔ یہ حضرت ابنِ عباس سے مروی ہے۔

۲۔ ان کا یہ نام اس لیے پڑا حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے کا نام یہوذا تھا۔ عرب دال پڑھتے ہیں ان کا معمول یہ ہے کہ وہ جب کسی عجمی لفظ کو عربی کی طرف لاتے تو بعض حروف بدل دیتے ہیں۔

۳۔ شیخ ابوعمرو بن علاء کا قول ہے ان کے اس نام کی وجہ یہ ہے کہ یہ تورات کی تلاوت کے وقت حرکت کرتے اور پھر یہود کا معنی حرکت ہے

لفظ نصاریٰ کی تحقیق

اس میں متعدد وجوہ بیان ہوئی ہیں:

پہلی وجہ: جس بستی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوا اس کا نام ناصرہ ہے تو اس کی نسبت سے یہ نصاریٰ کہلائے یہ حضرت ابن عباس، قتادہ اور ابن جریج کا قول ہے۔

فضل قدیر

Marfat.com

48/48

دوسری وجہ: یہ ایک دوسرے کے معاون و مددگار بنا کرتے تھے۔

تیسری وجہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے کہا تھا: مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ۔ تو انہوں نے کہا: ہم آپ کے معاون ہیں۔ صاحب کشاف کہتے ہیں نصاریٰ، نصرانی کی جمع ہے۔ کہا جاتا ہے: رجل نصران، امراۃ نصرانۃ، نصرانی میں یا مبالغہ کی ہے جیسے کہ احمری میں اور یہ اس لیے کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کے معاون تھے۔

وَالصَّابِئِیْنَ کی تفسیر

یہ صبا سے ہے، کسی کا ایک دین سے دوسرے دین کی طرف جانا، عرب حضور ﷺ کو صابی کہتے۔ کیونکہ آپ ان کے دین کے مخالف دین سامنے لائے۔ جب ستارے اپنے مقام سے طلوع ہوں تو کہا جاتا ہے۔ صبأت النجوم۔ جب ہم کسی شی کو لے کر نکلیں تو کہا جائے گا۔ صبأ نابہ۔

اس میں مفسرین کے چند اقوال ہیں:

۱۔ حضرت مجاہد اور حسن کا قول ہے یہ مجوسی اور یہود کا گروہ ہے نہ ان کا ذبیحہ کھایا جائے اور نہ ان سے نکاح جائز ہے۔

۲۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ ملائکہ کی عبادت کرتے اور ہر روز پانچ نمازیں سورج کی طرف ادا کرتے، انہوں نے یہ بھی کہا: ادیان پانچ ہیں چار شیطان کے اور ایک رحمٰن کیلئے ہے۔ صابئون، ملائکہ کی عبادت کرتے، مجوسی آگ کی، مشرکین بتوں کی اور یہود و نصاریٰ۔

۳۔ یہی اقرب ہے کہ ایسی قوم جو ستاروں کی عبادت کرتی، پھر ان کے دو اقوال ہیں۔

پہلا قول: عالم کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر اس نے ان ستاروں کی تعظیم اور انہیں نماز، دعا اور تعظیم کا قبلہ بنایا ہے۔

دوسرا قول: اللہ تعالیٰ نے افلاک اور ستارے پیدا فرمائے پھر یہ ستارے اس جہان میں تدبیر کرتے ہیں۔ خیر، شر، صحت اور مرض کے یہ ہی خالق ہیں۔ لہٰذا انسان پر ان کی تعظیم لازم ہے کیونکہ یہ اس عالم کیلئے تدبیر کرنے والے الٰہ ہیں اور اللہ کی یہ عبادت کرتے ہیں۔ یہی وہ مذہب ہے جو ان کلدانیوں کی طرف منسوب ہے جن کا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رد فرماتے ہوئے ان کے عقیدہ کو باطل ثابت کیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان چار فرقوں کے بارے میں واضح کیا کہ اگر یہ اللہ پر ایمان لے آئے تو انہیں آخرت میں ثواب حاصل ہوگا تاکہ اصحاب گمراہی پر واضح ہو جائے کہ اگر وہ اپنی گمراہی سے رجوع کر کے دین حق پر ایمان لے آئیں تو اللہ تعالیٰ ان کے ایمان و طاعت کو قبول فرمائے گا اور انہیں اپنی بارگاہ سے دور نہیں فرمائے گا۔ یاد رہے ایمان باللہ میں اس کے لوازمات یعنی

Marfat.com

ایمان بالرسل بھی شامل ہیں۔ اسی طرح ایمان بالیوم الآخر میں آخرت کے تمام احکام پر ایمان بھی شامل ہے۔ یہ دونوں اقوال و عقائدان تمام کو جامع ہیں جو چیزیں دین ہیں خواہ وہ حالت تکلیف میں ہوں اور حال آخرت میں بصورت ثواب وعتاب ہوں۔

عِندَ رَبِّهِمْ سے یہاں مکان مرادنہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے اور نہ ہی حفاظت مراد ہے جیسے امانتوں کی ہوتی ہے بلکہ معنی یہ ہے ان کا اس قدر اجر یقینی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حاصل ہے۔

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ کی تفسیر

بعض نے کہا: ان سے دنیاوی خوف وحزن کا زوال مراد ہے۔ بعض نے آخرت میں حالت ثواب کے وقت زوال کی بات کی ہے اور یہ اصح ہے اس لیے کہ یہ نفی عام ہے اور یہ وصف دنیا میں خصوصاً مکلفین کو حاصل ہو نہیں سکتا کیونکہ وہ تو ہر وقت خوف و حزن سے خالی نہیں ہو سکتے یہ اسباب دنیا کا ہوگا یا امور آخرت کا، تو گویا اللہ تعالیٰ نے ان سے آخرت میں اجر کا وعدہ فرمایا ہے پھر اس اجر کی صفت بیان کی کہ وہ خوف وحزن سے خالی ہوگا اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ نعمت دائمی ہو اگر اس کا انقطاع اور ختم ہو جانا ممکن ہو تو انہیں حزن عظیم لاحق ہو جائے گا۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ میں اس فرمان کا ذکر یوں کیا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصَّابِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (پ۶-المائدۃ:۶۹)

بیشک وہ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور اسی طرح یہودی اور ستارہ پرست اور نصرانی ان میں جو کوئی سچے دل سے اللہ اور قیامت پر ایمان لائے اور اچھے کام کرے تو ان پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ کچھ غم

سورۃ الحج میں یوں ذکر کیا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصَّابِئِيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (پ۱۷-الحج:۱۷)

بیشک مسلمان اور یہودی اور ستارہ پرست اور نصرانی اور آتش پرست اور مشرک بیشک اللہ ان سب میں قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا بیشک ہر چیز اللہ کے سامنے ہے۔

ان آیات میں تقدیم وتاخیر ہے صابئین پر ایک مقام پر پیش جبکہ دوسری میں زبر ہے تو اس میں کیا فائدہ ہے؟

جواب: جب کلام فرمانے والی ذات اقدس احکم الحاکمین ہے تو بلاشبہ ان تبدیلیوں میں ضرور حکمتیں اور فوائد ہیں۔ اگر انہیں پالیں تو ہم نے کمال کو پالیا اور اگر ہم نہیں پا سکیں تو پھر ہماری عقول کا قصور ہوگا نہ کہ کلام حکیم کا۔ واللہ اعلم

فضل قدیر

Marfat.com

[۶۳-۶۴] وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَا اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾

(اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور تم پر طور کو اُونچا کیا تو پکڑو جو کچھ ہم تم کو دیتے ہیں زور سے اور اس کے مضمون یاد کرو اس امید پر کہ تمہیں پرہیزگاری ملے۔ پھر اس کے بعد تم پھر گئے تو اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم خسارے والوں میں ہو جاتے)

دسویں انعام کا تذکرہ

یہ دسواں انعام ہے اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی مصلحت کیلئے ان سے عہد لیا تو یہ ان کے حق میں انعام ہی ٹھہرا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ کی تفسیر

یہاں دو مباحث ہیں:

پہلی بحث: میثاق، ایسے اُمور کی وجہ سے ہوتا ہے جو طاعت و فرمانبرداری کے موجب و سبب ہوں۔

میثاق سے کیا مراد ہے؟

لہٰذا لفظ میثاق کے بارے میں مفسرین کی یہ آراء ہیں۔

۱۔ ایسے عقلی دلائل جو وجودِ صانع اور اس کی حکمت پر دال ہیں اسی طرح جو حضرات انبیاء و رسل کے صدق پر شاہد ہیں اور تمام عہدوں اور مواثیق سے پختہ ہے اس لیے کہ اس میں تبدیلی اور خلف نہیں ہو سکتا، یہ شیخ اصم کا قول ہے۔

۲۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام الواحِ تورات لے کر واپس آئے تو فرمایا: اس میں کتاب اللہ ہے۔ قوم نے کہا: ہم تمہارے قول کو تسلیم نہیں کرتے یہاں تک کہ اعلانیہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں اور وہ فرمائے یہ میری کتاب ہے اسے پکڑ لو۔ تو انہیں کڑک نے آلیا وہ مر گئے پھر انہیں زندہ فرمایا پھر کہا: کتاب اللہ کو پکڑ لو۔ انہوں نے

Marfat.com

انکار کیا تو ان پر طور بلند کیا اور کہا: کتاب اللہ کو پکڑو ورنہ تم پر پہاڑ گرا دیا جائے گا تو انہوں نے کتاب لے لی اور طور کو ہٹا دیا گیا تو یہ میثاق ہے اس لیے کہ طور کا بلند ہونا بہت کامل اور عجب نشانی تھی جو عقول کو حیران، تکذیب کرنے والے کو تصدیق پر اور شک کرنے والوں کو یقین دلاتی ہے۔

جب انہوں نے یہ دیکھا تو جان لیا یہ موسیٰ علیہ السلام کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانی تھی جو کچھ یہ لائے ہیں اس کی تصدیق کرو توبہ کرو اور عہد و پیمان کرو آئندہ تم بچھڑے کی عبادت نہیں کرو گے اور تورات کا نظام لاؤ گے تو یہی عہد تھا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنے بارے میں کیا، یہ شیخ ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا مختار ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد عہد لیے ہیں۔

پہلا عہد: جب انہیں پشت آدم سے نکالا اور انہیں اپنے نفوس پر گواہ بنایا۔

دوسرا عہد: لوگوں پر اپنے انبیاء کی اتباع لازم کی یہاں یہی عہد مراد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے لیکن یہ ضعیف ہے

دوسری بحث: مِيْثَاقَكُمْ کہنے کی حکمتیں

شیخ قفال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے "مِيْثَاقَكُمْ" فرمایا نہ کہ "مَوَاثِيْقَكُمْ" اس میں دو حکمتیں ہو سکتی ہیں:

پہلی حکمت: مقصد اس پر دلالت ہے کہ یہ عہد ان میں سے ہر ایک سے لیا جیسے فرمان ہے:

ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا وَمِنْكُمْ مَنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (پ۲۴، غافر: ۶۷)

پھر تمہیں نکالتا ہے بچہ پھر تمہیں باقی رکھتا ہے کہ اپنی جوانی کو پہنچو پھر اس لیے کہ بوڑھے ہو اور تم میں کوئی پہلے ہی اٹھا لیا جاتا ہے اور اس لیے کہ تم ایک مقررہ وعدہ تک پہنچو اور اس لیے کہ سمجھو

یعنی تم میں سے ہر ایک کو طفل کی صورت میں پیدا کیا۔

دوسری حکمت: یہ عہد واحد شی کا تھا جو ان میں سے ایک سے بھی اسی طرح لیا گیا جیسے دوسرے سے تو بلاشبہ میثاق واحد ہی تھا تو اگر جمع 'مَوَاثِيْقَكُمْ' کہا جاتا تو پھر وہاں زیادہ عہد کا ہونا ضروری تھا نہ کہ واحد۔

Marfat.com

وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ کی تفسیر

اس کی نظیر یہ ارشادِ گرامی ہے:

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّ ظَنُّوْۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (پ۹۔الاعراف:۱۷۱)

اور ہم نے جب پہاڑ ان پر اٹھایا گویا وہ سائبان ہے اور سمجھے کہ وہ ان پر گر پڑے گا اور جو ہم نے تمہیں دیا پکڑو زور سے اور یاد کرو جو اس میں ہے کہ کہیں تم پرہیزگار ہوں

اس میں درج ذیل مباحث ہیں:

پہلی بحث: وَرَفَعْنَا کا واو کون سا ہے؟

''وَرَفَعْنَا'' میں تفسیر حضرت ابن عباس کے مطابق واوٗ عاطفہ ہے معنی یہ ہوگا اخذ میثاق پہلے تھا جب انہوں نے کتاب قبول نہ کر کے عہد توڑا تو ان پر پہاڑ بلند کیا گیا۔ تفسیر ابو مسلم کے مطابق واوٗ عاطفہ نہیں بلکہ حالیہ ہے جیسے کہا جاتا ہے ''فعلت ذلك والزمان زمان'' گویا فرمایا: جب ہم نے تم سے طور کے بلند کرنے کے وقت عہد لیا۔

دوسری بحث: طور مخصوص پہاڑ

طور سے بعض نے ہر پہاڑ مراد لیا ہے۔ عجاج کہتے ہیں:

دانی جناحیه من الطور فمر تقضی البازی اذا البازی کسر

شیخ خلیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا: طور سے معین و معروف پہاڑ کا نام ہے۔ یہی اقرب ہے کیونکہ الف لام کا تقاضا یہی ہے کہ وہ معین ہو اور اس نام سے معروف ہو۔ یہی وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ سے مناجات کی جاتیں۔ یہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے اسے ان کے پاس منتقل کر کے ان پر بلند کیا ہو۔ اگرچہ وہ ان سے دور تھا اس لیے کہ جو قادر مطلق ہوا میں پہاڑ کو معلق فرما سکتا ہے وہ جگہ سے اکھاڑ کر دور سے منتقل بھی فرما سکتا ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ہے اللہ تعالیٰ نے فلسطین کے پہاڑ کو اپنی جگہ سے اکھڑنے کا حکم دیا تو وہ پہاڑ اکھڑ کر ان کے اوپر بادل کی طرح ہو گیا ان کے ٹھہرنے کی جگہ فرسخ در فرسخ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تورات قبول کرو ورنہ میں تم پر پہاڑ گرادوں گا۔ جب انہوں نے محسوس کیا بھاگنے کی صورت نہیں تو تورات کو قبول کر لیا اور اس طرح سجدہ ریز ہوئے کہ خوف سے پہاڑ کی طرف ہی دیکھ رہے تھے یہی وجہ تھی کہ یہود نصف چہرہ پر سجدہ کرتے ہیں۔

Marfat.com

تیسری بحث: اللہ تعالیٰ تمام ممکنات پر قادر ہے

کچھ ملحدین ہوا میں پہاڑ کے بلاستون معلق ہونے کا انکار کرتے ہیں رہی زمین تو یہ اس لیے ٹھہری ہے کہ یہ طبعاً مرکز کی طالب ہے لہٰذا یہ مرکز میں ہی ہے۔ ان کے فاسد قول پر ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ تمام ممکنات پر قادر ہے اور ثقیل شی کا ہوا میں معلق ہونا ممکن ہے لہٰذا بلا شبہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے، ان دونوں باتوں پر تفصیلی گفتگو کتب اصول میں ہے۔

چوتھی بحث: یہ جبر نہیں تھا

بعض ملحدین نے کہا: پہاڑ کا سایہ کرنا درست نہیں۔ اگر اس کا وقوع مان لیا جائے تو وہ ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے اور یہ مکلف ہونے کے منافی ہے۔ شیخ قاضی نے جواب دیا اس میں جبر نہیں کیونکہ زیادہ سے زیادہ اس کے گرنے کا ہی خوف تھا جب وہ ایک مدت اسی حال میں رہتا جیسا کہ آسمانوں کو وہ اپنے اوپر بلاستون ملاحظہ کر رہے ہیں تو ممکن ہے خوف زائل ہو جاتا لہٰذا اس کی وجہ سے جبر بھی ختم اور مکلف ہونا باقی رہا

خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ کی تفسیر

یعنی خوب محنت اور عزیمت کاملہ کے ساتھ اسے حاصل کرلو اور تغافل و تکاسل سے دور رہو۔ شیخ جبائی کہتے ہیں یہ آیت واضح کررہی ہے کہ فعل سے پہلے استطاعت ضروری ہے اس لیے کہ اگر پہلے قوت حاصل نہ ہو تو یہ کہنا درست ہی نہیں کہ قوت سے پکڑو۔ جیسے قلم نہ ہو تو یہ نہیں کہا جاتا قلم سے لکھو۔

اہلِ سُنّت کہتے ہیں مفہوم یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے عطا کیا ہے اسے خوب کوشش اور عزیمت سے پکڑو اور ہمارے نزدیک عزیمت بعض اوقات فعل سے پہلے ہوتی ہے۔

وَاذْکُرُوْا مَا فِیْہِ کی تفسیر

کتاب میں جو کچھ ہے اسے یاد کرو، آگے پڑھاؤ، اسے بھول نہ جاؤ اور نہ اس سے غفلت برتو۔

سوال: اسے تم نے نفس یاد پر کیوں محمول نہ کیا؟

جواب: وہ یاد جو ضد نسیان ہے اللہ تعالیٰ کا فعل ہے تو اس کا حکم کہاں دیا جا سکتا ہے البتہ اس کو پڑھنے پڑھانے پر محمول کرنا درست ہے

لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (تا کہ تم صاحب تقویٰ ہو جاؤ)۔

شیخ جبائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے یہ استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام سے طاعت کا ارادہ فرمایا لیکن اس کا جواب پیچھے گذر چکا ہے۔

Marfat.com

ارشادِ گرامی "وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ" بتا رہا ہے کہ انہوں نے اس پر عمل کیا ورنہ وہ عہد کرنے والے قرار نہ پاتے اور نہ بعد کا ارشادِ گرامی "ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ" (پھر تم پھر گئے) درست رہتا تو اس فرمان سے واضح ہو رہا ہے کہ انہوں نے اس عہد کو قبول کیا اور اس کا التزام بھی کیا۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ کی تفسیر

پھر تم نے عہد و وفا سے اعراض کیا۔ شیخ قفال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں بالجملہ یہ معلوم ہوتا ہے انہوں نے قبولیت تورات اور رفع طور کے بعد تورات کے بہت سے احکام سے اعراض کرلیا۔ اس میں تحریف کردی۔ اس پر عمل چھوڑ دیا، انبیاء کو شہید کیا، ان کے ساتھ کفر کرتے ہوئے ان کی نافرمانی کی۔ ممکن ہے اس میں کچھ چیزیں بعض کے ساتھ مخصوص ہوں۔ بعض احکام پر پہلے لوگوں نے عمل نہ کیا اور بعض پر بعد والوں نے نہ کیا۔ وہ مقام تیہ میں دن رات متعدد عجائبات کا مشاہدہ کرتے رہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت، ان پر اعتراضات اور انہیں ہر اذیت دیتے رہے، اپنے ٹھکانے میں اعلانیہ معاصی کا ارتکاب کرتے۔ حتیٰ کہ ان میں بعض زمین میں دھنس گئے۔ بعض کو آگ نے جلا کر راکھ کردیا۔ طاعون ان پر مسلط کردیا گیا یہ تمام تورات کے تراجم میں موجود ہے جس کا یہ اقرار کرتے ہیں پھر ان کے بعد والوں نے جو کچھ کیا وہ کسی سے مخفی نہیں حتیٰ کہ انہیں بیت المقدس کی تخریب و تباہی سے سزا دی گئی۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ انہوں نے کفر کرتے ہوئے انہیں شہید کرنے پر تل گئے۔ تو ان میں اگرچہ ان کے اعراض تورات کی تفصیل نہیں لیکن یہ معروف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ان کے بڑوں کے عناد کی اطلاع دی ہے، جب ان کا حال اپنے نبی اور ان کی کتاب کے ساتھ یہ ہے تو ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب اور آپ کے حق ہونے کا انکار کرنا کوئی عجیب نہیں۔

فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخَاسِرِيْنَ کی تفسیر

یہاں دو مباحث ہیں:

پہلی بحث: شیخ قفال نے تفسیر دو وجہ پر لکھی ہیں:

۱۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تمہیں مہلت نہ دیتا اور اپنا عذاب مؤخر نہ کرتا تو تم ان ہلاکت والوں میں ہو جاتے جنہوں نے جہنم کی آگ کے عوض اپنے نفوس کو بیچ ڈالا۔ یہ قول بتا رہا ہے وہ اس گھاٹے سے اس لیے بچ گئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے مہلت دی۔ حتیٰ کہ توبہ کرلیں۔

۲۔ "ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ" پر خبر کی انتہا ہو چکی۔ "فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ" کا تعلق اول کلام سے ہے یعنی

Marfat.com

اگر اللہ تعالیٰ کا لطف بصورت بلندی پہاڑ تم پر نہ ہوتا تو تم ہمیشہ کتاب کو مسترد کرتے لیکن اس نے تم پر فضل و رحم کرتے ہوئے مہربانی کی حتی کہ تم نے توبہ کرلی۔

دوسری بحث: سوال: کلمہ "لَـــوْلَا" ایک شی کے ثبوت سے دوسری کی نفی پر دلالت کرتا ہے تو یہاں اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ گھاٹے کی نفی، اللہ تعالیٰ کے فضل کو لازم ہے تو یہاں خسران ہوگا وہاں لطف الٰہی نہیں ہوگا تو اس کا تقاضا یہ ٹھہرے گا کہ کافر پر اللہ تعالیٰ کا لطف کسی صورت نہیں ہوسکتا اور یہ بات معتزلہ کے خلاف ہے۔

شیخ کعبی رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً کہا: اللہ تعالیٰ نے فضل میں تمام کو برابر بنایا مگر اس سے نفع بعض اٹھاتے ہیں اور بعض نہیں اٹھاتے جس طرح کوئی والد اپنی اولاد سے کہے تم سب برابر ہو مگر اس سے نفع بعض اٹھائیں تو اب یہ کہنا درست ہوگا "لـــولا ان ابـــاك فضلك لكنت فقيراً" (اگر تجھ پر تیرے والد کا فضل نہ ہوتا تو تو فقیر ہوتا)

یہ جواب ضعیف ہے اس لیے کہ اہلِ لغت نے تصریح کی ہے "لولا" دوسری شی کے ثبوت کی وجہ سے شی کی نفی کرتا ہے جب یہ اصول مسلم ہے تو اس جوابِ کعبی کی کیا حقیقت؟

[۶۵-۶۶] وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿۶۵﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾

(اور بیشک ضرور تمہیں معلوم ہے تم میں سے وہ جنہوں نے ہفتہ میں سرکشی کی تو ہم نے اُن سے فرمایا کہ ہو جاؤ بندر دھتکارے ہوئے۔ تو ہم نے (اس بستی کا) یہ واقعہ اس کے آگے اور پیچھے والوں کیلئے عبرت کر دیا اور پرہیزگاروں کیلئے نصیحت)

پہلی تشدید وسزا

جب اللہ تعالیٰ نے پہلے ان پر متعدد انعامات کا شمار کیا تو ان کا اختتام ان پر بعض تشدیدات کی تفصیل پر کیا، یہاں ان میں سے پہلی کا ذکر ہے۔ یہاں چند مسائل ہیں:

Marfat.com

پہلا مسئلہ: مچھلیاں پکڑنے میں تجاوز

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ہے یہ قوم حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں مدینہ وشام کے درمیان ساحل سمندر کے مقام ایلہ پر رہتی تھی۔ پورے سال میں ایک ماہ تمام زمین کی مچھلیاں یہاں جمع ہوا کرتیں۔ حتیٰ کہ ان کی کثرت کی وجہ سے پانی دکھائی نہ دیتا اور اس ماہ کے علاوہ ہر ہفتہ کے روز ایسا ہوتا، اس قریہ کا ذکر اس ارشادِ ربانی میں ہے:

وَاسْأَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ (پ۹، الاعراف:۱۶۳)

اور ان سے حال پوچھو اس بستی کا کہ دریا کنارے تھی جب وہ ہفتے کے بارے میں حد سے بڑھتے

انہوں نے سمندر کے پاس حوض بنالیے اور ان کی طرف نہریں بنالیں، مچھلیاں وہاں چلی جاتی اور یہ اتوار کے روز انہیں شکار کرلیتے۔ یہ حوض میں ان کا انہیں قید کرنا ان کی زیادتی اور تجاوز تھا۔ وہ اس طریقہ پر مچھلیاں پکڑ کر غنا اختیار کرتے مگر عذاب سے ڈرتے رہتے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا چلا گیا ان کی اولاد نے ان کا طریقہ اپنائے رکھا اور خوب مال بنایا۔ کچھ لوگ اہلِ مدینہ سے وہاں گئے جو ہفتہ کو شکار کرنا پسند کرتے انہوں نے انہیں منع کیا لیکن انہوں نے کہا جب سے ہم یہ عمل کررہے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے مال میں اضافہ ہی کیا ہے۔ ان سے کہا گیا مغرور نہ ہوجاؤ ممکن ہے تم پر عذاب وہلاکت نازل ہوجائے، تو ایسی قوم پر عذاب بصورت بندر بن جانے کے آیا تین دن تک رہے پھر ہلاک کردیے گئے۔

دوسرا مسئلہ: دو اُمور کا اظہار

اس واقعہ سے مقصود دو امور ہیں۔

۱۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کا اظہار ہے اس لیے "وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ" یہ ان یہود سے خطاب کی طرح ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں تھے۔ آپ نے انہیں اس واقعہ کی خبر دی حالانکہ آپ اُمّی تھے نہ کسی سے پڑھا اور نہ لکھا اور نہ ہی اہلِ کتاب سے ملے تو واضح ہوجاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا علم وحی کے ذریعے ہی حاصل ہوا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے آگاہ فرمایا کہ اس نے اصحاب سبت کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا تو گویا وہ فرمارہا ہے کیا تمہیں خوف نہیں کہ تمہاری سرکشی کی وجہ سے تم پر وہی عذاب نازل ہوجائے جو ان پر ہوا تھا، میری لمبی مہلت کی وجہ سے مغرور نہ ہوجاؤ، اس کی نظیر یہ ارشادِ الٰہی ہے:

Marfat.com

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُم مِّن قَبْلِ أَن نَّطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَىٰ أَدْبَارِهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ (پ۵۔ النساء: ۴۷)

اے کتاب والو ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے اُتارا تمہارے ساتھ والی کتاب کی تصدیق فرماتا قبل اس کے کہ ہم بگاڑیں کچھ مونہوں کو تو انہیں پھیر دیں ان کی پیٹھ کی طرف یا انہیں لعنت کریں جیسی لعنت کی ہفتہ والوں پر

تیسرا مسئلہ: یہاں کلام محذوف ہے گویا فرمایا تم جانتے ہو جس نے بھی تم میں سے یوم سبت میں تجاوز کیا کہ مذکور سزا اس کی جزا ہو جائے لفظ "اعتداء" واضح کر رہا ہے کہ یوم سبت میں جو کچھ انہوں نے کیا: وہ تمام ان پر حرام تھا یہاں تو اس کی تفصیل نہیں مگر اس آیت میں ہے:

وَاسْأَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ

پوچھ ان بستی والوں سے جو سمندر کے کنارے تھی۔

پھر یہ بھی کہنا ممکن ہے کہ انہون نے فقط شکار کرنے میں تجاوز کیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے شکار بھی کیا اور اسے حلال بھی جانا

چوتھا مسئلہ: صاحب کشاف کہتے ہیں: السبت ، سبتت الیھود (ہفتہ کے دن کا یہود احترام کرتے) سے مصدر ہے۔

سوال: ہفتہ کے روز جب اللہ تعالیٰ نے شکار سے منع کیا تو باقی دنوں کے سوا صرف اس دن میں مچھلیوں کی کثرت کیوں ہوتی جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ (پ۹، الاعراف: ۱۶۳)

ہفتے کے دن ان کی مچھلیاں پانی پر تیرتی ان کے سامنے آتیں اور جو دن ہفتہ کا نہ ہوتا نہ آتیں اس طرح ہم انہیں آزماتے تھے ان کی بے حکمی کے سبب

کیا یہ فتنہ کا اُبھارنا اور ارادہ گمراہی نہیں؟

جواب: اہلِ سُنّت کے مذہب پر جواب یہ ہوگا کہ ارادۂ اضلال، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جائز ہے۔ اور معتزلہ کے مذہب پر جواب یہ ہے کہ اضافہ ثواب کی غرض سے تکالیف میں تشدید حسن ہے۔

فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: صاحب کشاف کہتے ہیں: "قِرَدَةً خَاسِئِينَ" خبر ہے یعنی تم بندر بننے اور دھتکار کو جمع کر لو اور یہ ذلت و دھتکار ہے۔

Marfat.com

دوسرا مسئلہ: فرمان "کُوْنُوْا قِرَدَۃً خَاسِئِیْنَ" امرنہیں اس لیے کہ خود وہ اپنے آپ کے بندر کی صورت میں بدلنے پر قادر نہ تھے بلکہ یہاں سرعتِ تکوین مراد ہے۔ جیسے ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّمَا اَمْرُنَا لِشَیْءٍ اِذَا اَرَدْنَاہُ اَنْ نَقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنَ (پ۱۴۔النحل: ۴۰)

جو چیز ہم چاہیں کہ اس سے فرمانا یہی ہوتا ہے کہ ہم کہیں ہو جاؤ وہ فوراً ہو جاتی ہے

دوسرے مقام پر فرمایا:

قَالَتَا اَتَیْنَا طَائِعِیْنَ (پ۲۴۔فصلت: ۱۱، پ۲۴۔حٰم سجدۃ: ۱۱)

دونوں نے عرض کی کہ ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوئے

مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر جس عذاب کا ارادہ فرماتے اس سے وہ عاجز نہیں بلکہ جب فرمایا "کُوْنُوْا قِرَدَۃً خَاسِئِیْنَ" وہ اسی طرح بن گئے یعنی جب اس نے ان کے بندر ہونے کا ارادہ فرمایا تو وہ اسی وقت ہو گئے۔ یہ اس ارشادِ گرامی کی طرح ہے

کَمَا لَعَنَّا اَصْحٰبَ السَّبْتِ وَکَانَ اَمْرُ اللّٰہِ مَفْعُوْلًا (پ۵۔النساء: ۴۷)

جیسی لعنت کی ہفتہ والوں پر اور خدا کا حکم ہو کر رہے

یہ بھی ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے اس تکوین کے موقع پر کلام فرمایا ہو البتہ تکوین میں مؤثر قدرت اور ارادہ ہی ہے۔

سوال: جب اس کلام کا تکوین پر اثر ہی نہیں تو اس کا فائدہ کیا؟

جواب: اہلِ سُنّت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے احکام و افعال، رعایت مصالح پر ہرگز موقوف نہیں۔ رہے معتزلہ تو ان کے ہاں ممکن ہے یہ کلام لفظی بعض ملائکہ یا ان کے علاوہ کیلئے ہو۔

تیسرا مسئلہ: حضرت مجاہد سے منقول ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو مہر کے ذریعے مسخ فرما دیا نہ یہ کہ ان کی صورتیں مسخ کر دیں، اس کی مثال یہ ارشادِ ربانی ہے:

کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (پ۲۸۔الجمعۃ: ۵)

گدھے کی مثال ہے جو پیٹھ پر کتابیں اٹھائے کیا ہی بُری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ کی آیتیں جھٹلائی اور اللہ ظالموں کو راہ نہیں دیتا

اور اس کی نظیر یہ ہے کہ استاذ نہایت ہی کند ذہن ناکام طالب علم سے کہے: کُنْ حِمَارًا۔ (گدھا بن جا)

انہوں نے صورتوں کے مسخ کے خلاف دو دلائل دیئے ہیں

Marfat.com

پہلی دلیل: انسان اس ڈھانچے اور بنا کا نام ہے جو شاہد و محسوس ہے اگر اسے باطل کر کے ان اجسام کو بندر کی شکل دے دی جائے تو یہ انسان کا اعدام اور بندر کی ایجاد ہوگی۔ اس قول کے مطابق مسخ کا حاصل یہ ٹھہرا۔ اللہ تعالیٰ نے ان عوارض کو معدوم فرمادیا جن کی وجہ سے وہ اجسام انسان تھے اور ان میں ایسے عوارض پیدا کر دیے جن کی وجہ سے وہ بندر ٹھہرے تو یہ معدوم کرنا اور ایجاد کرنا ہوا نہ کہ مسخ کرنا۔

دوسری دلیل: اگر ہم اسے درست مان لیں تو ہمیں یقین نہیں رہے گا جسے ہم دیکھ رہے ہیں یہ بندر و کتا ہے یا انسان عاقل، اور یہ مشاہدات میں تشکیک پیدا کر دے گا۔

جواب: پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ انسان صرف ڈھانچے و ہیکل کا نام نہیں اس لیے کہ انسان بعض اوقات کمزوری کے بعد فربہ یا اس کے برعکس ہو جاتا ہے تو اجزا بدل گئے لیکن انسان معین، موجود اور باقی رہا وہ زائل نہ ہوا تو انسان اس ہیکل کے علاوہ امر کا نام ہے اور وہ امر بدن میں بطور جسم سرایت کیے ہے یا بدن کی کسی جانب میں، مثلاً قلب، دماغ یا وہ موجود مجرد ہے جیسے کہ فلاسفہ کہتے ہیں، تمام صورتوں میں اس شی کا ہیکل میں تغیر کے باوجود باقی رہنا ممکن ہے اور یہی مسخ ہے۔ اس صورت میں ایسے فرشتہ کیلئے جو جثہ عظیم رکھتا ہو حجرہ رسول ﷺ میں داخل ہونا جائز ہوگا۔

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ امان از عذاب تو اجماع امت کی وجہ سے حاصل ہے تو جب جواز مسخ ثابت ہو گیا تو آیت مبارکہ کو اپنے ظاہر پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے اور اس میں حضرت مجاہد کی تاویل کی ضرورت نہیں۔ اگرچہ وہ بھی زیادہ بعید نہیں کیونکہ جب انسان ظہور معجزات اور روشن دلائل کے بعد بھی اپنی جہالت پر مصر رہتا ہے تو اسے عرف عام میں گدھا اور بندر کہا جاتا ہے تو جب یہ مجاز مشہورہ میں سے ہے تو ایسا معنی لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

دو سوالات

اب یہاں دو سوالات باقی ہیں:

پہلا سوال: بندر بننے کے بعد ان کا فہم، عقل اور علم زائل ہو گیا لہٰذا انہیں نازل کردہ عذاب کے بارے میں علم ہی نہ ہوگا اور محض بندر بنا دینا تکلیف دہ نہیں اس لیے کہ بندر حالت سلامتی میں آلام میں نہیں ہوتے تو عذاب کی کیا صورت تھی؟

جواب: یہ تو کہا جا سکتا ہے جس امر کی بنا پر انسان عاقل اور صاحب فہم ہوتا ہے وہ باقی رہا البتہ جب صورت اور خلقت بدل گئی تو نطق اور افعال انسانی ختم ہو گئے البتہ شومیٔ معصیت کی وجہ سے جو تغیر و تبدل آیا اسے وہ جانتے تھے اور نہایت ہی خوف و شرمندگی

فضا، قدیر

Marfat.com

کی کیفیت ان پر طاری ہوئی، تو اعضا میں تغیر کے سبب بھی انہیں رنج والم لاحق ہوا اصلی بندر اگر تکلیف میں نہیں تو اس سے یہ لازم کہاں کہ انسان کو اس خوفناک شکل میں بدل دیا جائے تو اسے تکلیف نہ ہو۔

دوسرا سوال: یہ بندر باقی رہے یا اللہ نے انہیں ختم فرما دیا اگر ہم باقی مانیں تو کیا ہمارے دور کے بندروں کو ہم ان مسخ شدہ کی شکل قرار دے سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: عقلاً سب کچھ جائز ہے البتہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ وہ تین دن تک باقی رہے پھر انہیں ہلاک کر دیا گیا

چوتھا مسئلہ: ''خَاسِئًا'' کی تحقیق

اہلِ لغت کہتے ہیں ''خاسی'' کا معنی ذلیل، گھٹیا اور دھتکارا ہوا ہے مثلاً جب کتا لوگوں کے قریب جاتا ہے تو کہا جاتا ہے۔ اِخسَأْ، دور ہو جا ذلیل ورسوا ہو کر یہاں تیرا کوئی مقام نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

یَنْقَلِبْ اِلَیْکَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّھُوَ حَسِیْرٌ — نظر تیری طرف ناکام پلٹ آئے گی تھکی ماندی۔

تو اس میں احتمال ہے کہ نظر عداوت سے دیکھنا ممنوع اور ذلیل وحقیر ہے کیونکہ ارشاد ہے:

فَارْجِعِ الْبَصَرَ ھَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ کَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْکَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّھُوَ حَسِیْرٌ — تو نگاہ اُٹھا کر دیکھ تجھے کوئی رخنہ نظر آتا ہے۔ پھر دوبارہ نگاہ اٹھا نظر تیری طرف ناکام پلٹ آئے گی تھکی ماندی۔

(پ۲۹۔الملک: ۳،۴)

گویا فرمایا بار بار نگاہ اٹھا کر آسمان کو اس طرح دیکھو جس طرح نقص کا متلاشی دیکھتا ہے اگرچہ کثرت کے ساتھ دیکھو لیکن اس میں نقص نہیں پاؤ گے، تمہاری نظر ذلیل ہو کر لوٹ آئے گی جس طرح کوئی کسی شی کی بڑی طلب کرنے کے باوجود کامیاب نہیں بلکہ خائب وخاسر لوٹتا ہے تو یہ نگاہ بھی خائب، ذلیل اور دھتکاری ہوئی ہوگی اس لیے کہ اس نے عداوت کا ارادہ کیا تھا۔

فَجَعَلْنٰھَا کی تفسیر

اس ضمیر کے مرجع کے بارے میں اختلاف ہے:

۱۔ شیخ فراء کہتے ہیں یہ مسخ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

۲۔ شیخ اخفش کہتے ہیں لفظ قردۃ (بندر) کی طرف ہے۔

۳۔ قریہ (بستی) یعنی ہم نے اصحاب سبت کی بستی کو عبرت بنایا۔

۴۔ یہ اُمت کی طرف ہے یعنی ہم نے اس اُمت کو مقامِ عبرت بنایا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے: وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِیْنَ اعْتَدَوْا مِنْکُمْ فِی السَّبْتِ۔ تو اس کی دلالت اُمت وجماعت یا اس کی مثل پر ہے۔

Marfat.com

اقرب پہلی دونوں وجہ ہیں کیونکہ جب مذکور مقدم کی طرف ضمیر لوٹانا ممکن ہو تو پھر غیر کی طرف نہیں لوٹانی چاہیے اور سابقہ آیت میں ان کا اور ان کی سزا کا ذکر ہے۔

نکال کا مفہوم

نکال کے بارے میں شیخ قفال کہتے ہیں یہ ایسی سخت سزا کو کہتے ہیں جو ایسی معصیت سے لوگوں کو جھڑک دے۔ اصلاً اس میں منع اور روکنا ہے اسی سے ہے "نکول من الیمین" (قسم سے رک جانا) بیڑی اسی طرح بھاری لگام کو بھی نکل کہا جاتا ہے کیونکہ یہ منع اور رکنے کا کام دیتی ہیں اس کی نظیر یہ ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا (پ ۲۹-المزمل:۱۲) بیشک ہمارے پاس بھاری بیڑیاں ہیں اور بھڑکتی آگ

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا (پ ۵-النساء:۸۴) اور اللہ کی آنچ (جنگی طاقت) سب سے سخت تر ہے اور اس کا عذاب سب سے زبردست

معنی یہ ہوا اس قوم پر جو کچھ عذاب کی صورت میں ہوا ہے دوسروں کو روکنے کا سبب ہے یعنی ہمارا اس سے مقصد تشفی و ازالہ نہیں جو انسان کا ہوتا ہے۔ اور یہ مقصد ان کا اس لیے ہوتا ہے کہ انہیں معاصی نقصان دیتے ہیں اور ان کی ملکیت میں کمی اور مؤثر ہوتے ہیں رہا ہمارا معاملہ تو ہم مصالح عباد کی وجہ سے عتاب کرتے ہیں اور ہمارا عتاب زجر اور نصیحت ہوتا ہے۔

قاضی کہتے ہیں تھوڑی سی مذمت نکال نہیں کہلاتی۔ البتہ اس وقت جب یہ عظیم، کثیر اور کثرت پا جائے تو اسے نکال کہا جا سکتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سارق مصرّ پر بطور جزا و نکال قطع ید نافذ فرمائی اور ارادہ یہ فرمایا کہ یہ بطور اہانت و رسوائی ہو تو یہ بھی اسی ذلت و رسوائی کے مقام پر آ گیا جو مذمت عظیم کیلئے ہوتا ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ نے جب ہفتہ کے روز تجاوز کرنے والے اور مچھلیوں کے شکار کو حلال، دنیا کی خاطر حرام کو حلال اور اپنے عہد توڑنے والے لوگوں پر نزول عذاب کا ذکر کیا تو واضح کر دیا یہ ان پر بطور عقوبت و سزا ہے نہ کہ بطور اپنی کسی مصلحت کیلئے ہے اس لیے کہ یہ ممکن تھا ان کا مسخ اور تبدیلی صورت بمنزل ان امراض کے ہو جائیں جو صورت بدل دیتی ہیں تو اب یہ بطور مشقت و تکلیف ہو جاتا ہے نہ کہ بطور عقوبت تو اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرما دی: "فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا" کہ یہ ان کی بداعمالی پر بطور سزا ہے۔

Marfat.com

لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا کی تفسیر

اس کی چند تفاسیر ہیں:

۱۔ ان سے پہلے، ان کے معاصر اور ان کے پیچھے آنے والی قوم اور زمانوں کیلئے ہے کیونکہ ان کا مسخ سابقہ کتب میں مذکور تھا انہوں نے اس سے عبرت حاصل کی اور ہر شخص نے جسے بعد والوں میں اس واقعہ کی خبر پہنچی۔

۲۔ "مَا بَيْنَ يَدَيْهَا" سے مراد اسی وقت موجود قومیں اور لوگ ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ان تمام اور بعد میں آنے والوں کیلئے عقوبت بنایا جنہوں نے اس فعل کا ارتکاب کیا، حضرت حسن کا یہی قول ہے

وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ کی تفسیر

اس کی دو تفسیریں ہیں۔

۱۔ جو آدمی ان کے عذاب سے آگاہ ہوگا وہ نصیحت حاصل کرتے ہوئے ڈرے گا اگر اس نے ایسا فعل کیا تو ان جیسا عذاب آ سکتا ہے اگر دنیا میں نہیں تو اس عتاب سے ڈرے گا جو دیر سے آئے گا مگر دائمی اور بڑا ہوگا۔

متقین کی تخصیص کی وجہ وہی ہے جو پیچھے "هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ" کے تحت آئی۔ جب ایسی نصیحت اور زجر و توبیخ سے یہی نفع حاصل کرتے ہیں تو انہی کا تذکرہ کیا۔ اس لیے کہ اس سے دوسرے نفع حاصل ہی نہیں کرتے۔

۲۔ اس کا معنی یہ ہوگا کہ اہلِ تقویٰ آپس میں ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں کہ دیکھو ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تو مَوْعِظَةً کی مُتَّقِيْنَ کی طرف اضافت اس لیے ہے کہ ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں اور یہ وصف انہی سے خاص ہے دوسروں کو حاصل نہیں۔

Marfat.com

[۶۷-۷۳] وَإِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهٖٓ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً قَالُوْٓا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ
أَعُوْذُ بِاللّٰهِ أَنْ أَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ قَالَ إِنَّهٗ يَقُوْلُ إِنَّهَا
بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا
لَوْنُهَا قَالَ إِنَّهٗ يَقُوْلُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا
مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّآ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ إِنَّهٗ يَقُوْلُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ
الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا
يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ
بِبَعْضِهَا كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾

(اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو بولے آپ ہمیں مسخرہ بناتے ہیں۔ فرمایا خدا کی پناہ کہ میں جاہلوں میں سے ہوں۔ بولے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں بتائے گائے کیسی ہو۔ کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے نہ بوڑھی اور نہ ادسر بلکہ ان دونوں کے بیچ میں تو کرو جس کا تمہیں حکم ہوتا ہے۔ بولے اپنے رب سے دُعا کیجئے ہمیں بتادے اس کا رنگ کیا ہے کہا وہ فرماتا ہے وہ ایک پیلی گائے ہے جس کی رنگت ڈہڈہاتی دیکھنے والوں کو خوشی دیتی۔ بولے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ ہمارے لیے صاف بیان کردے وہ گائے کیسی ہے بیشک گائیوں میں ہم کو شبہ پڑ گیا اور اللہ چاہے تو ہم راہ پا جائیں گے۔ کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے جس سے خدمت نہیں لی جاتی کہ زمین جوتے اور نہ کھیتی کو پانی دے بے عیب ہے جس میں کوئی داغ نہیں۔ بولے اب آپ ٹھیک بات لائے تو اسے ذبح کیا اور (ذبح) کرتے معلوم نہ ہوتے تھے۔ اور جب تم نے ایک خون کیا اور ایک دوسرے پر اس کی تہمت ڈالنے لگے اور اللہ کو ظاہر کرنا تھا جو تم چھپاتے تھے۔ تو ہم نے فرمایا اس مقتول کو اس گائے کا ایک ٹکڑا مارو۔ اللہ یونہی مُردے جلائے گا۔ اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے کہ کہیں تمہیں عقل ہو)

نقل قدیر

Marfat.com

49/49

دوسری تشدید واقعہ قتل

یہ تشدید کی دوسری قسم ہے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر مفسرین نے نقل کیا ایک اسرائیلی نے اپنے رشتہ دار کو قتل کر دیا تا کہ اس کی وراثت حاصل کرے پھر اسے چوک میں پھینک دیا اور کیس سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس لے گیا انہوں نے تفتیش کی مگر قاتل نہ ملا۔ کہنے لگے اللہ تعالیٰ سے عرض کرو۔ آپ نے عرض کیا تو فرمایا اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے گائے ذبح کرو۔ انہوں نے اس پر تعجب کیا تو پھر سوال در سوال کی صورت میں اپنے آپ پر سختی بڑھاتے چلے گئے۔ جب وہ متعین ہوگئی تو یہ گائے ایک انسان کے پاس تھی اس نے کئی گنا قیمت لے کر فروخت کی۔ اسے خرید کر ذبح کیا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اس کا کوئی حصہ مقتول کو لگا دو انہوں نے جب ایسا کیا تو وہ زندہ ہو گیا اور اس نے قاتل کا نام لیا تو وہ وہی تھا جو کیس لے آیا تھا اسے انہوں نے بطور قصاص قتل کر دیا۔

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: ذبح کی صورت میں الم و تکلیف حسن ہے ورنہ اللہ تعالیٰ اس کا حکم نہ دیتے، حسن و خوبصورت ہونے کی وجہ ہمارے ہاں یہ ہے کہ وہ مالک الملک ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا اور معتزلہ کے ہاں اعواض و اغراض کی وجہ سے حسن ہے۔

دوسرا مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے دنیا کی کسی گائے کے ذبح کا حکم دیا اور یہی واجب مخیر ہے تو ہمارے قول (اختیاری واجب) کی صحت پر یہ دلیل ہے۔

تیسرا مسئلہ: عموم کے قائلین کا اتفاق ہے کہ ارشادِ باری تعالیٰ "اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً" کا مفہوم ہے کہ جو گائے چاہو ذبح کرو تو یہ الفاظ عموم کا فائدہ دے رہے ہیں۔

منکرین عموم کے دلائل

منکرین عموم کا کہنا ہے ان کی دلالت عموم پر ان وجوہ کی بنا پر نہیں:

پہلی وجہ: جب کوئی کہتا ہے ''اذبحوا بقرة'' (گائے ذبح کرو) تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ معین گائے ذبح کرو جس کی صفات یہ ہیں۔ دوسری یہ کہ جو گائے چاہو ذبح کرو تو ذبح کا مفہوم مشترک ہو گیا اور مشترک ان میں کسی ایک کو مستلزم نہیں تو اب "اذبحوا بقرة" کا حکم اسے مستلزم نہیں کہ تم جو چاہو ذبح کرو تو ثابت ہو گیا یہاں عموم نہیں اگر عموم ہوتا تو 'اذبحوا بقرة ای بقرة شئتم' تکرار بن جائے گا اور 'اذبحوا بقرة معينة' نقض ہوگا حالانکہ ایسا نہیں ہے تو عموم کا قول فاسد ٹھہرا۔

Marfat.com

دوسری وجہ: اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی "اذبحوا بقرۃ" ،لا تذبحوا بقرۃ کی نقیض اور مخالف ہے جونفی عام کو مفید ہے لہٰذا اذبحوا بقرۃ سے عموم نفی کا رفع ہوگا اور ارتفاع عموم نفی کیلئے وجہ واحد پر خصوص کا ثبوت کافی ہوتا ہے تو اب " اذبحوا بقرۃ "فقط ایک گائے کے حکم کا مفید ہوگا رہا یہ اطلاق کہ وہ کوئی گائے ہو تو نفی کے ختم کرنے کیلئے اس کی ضرورت نہیں لہٰذا ضروری ہے یہ ان الفاظ سے مستفاد و حاصل نہ ہو۔

تیسری وجہ: ارشادِ مبارک "بقرۃ" مفرد نکرہ ہے جو ذاتی اعتبار سے فرد معین پر دال ہوتا ہے البتہ قول دال کے اعتبار سے غیر معین اور ہر ہر فرد کا فائدہ نہیں دیتا۔ مثلاً "رأیت رجلا" (میں نے ایک آدمی دیکھا) یہ فرد معین پر دال ہے جب اس خبر میں ایسا ہے تو لازم ہے امر میں بھی معین ہی ہو۔

قائلین عموم کہتے ہیں اگر وہ کوئی بھی گائے ذبح کر لیتے تو وہ عہدہ برا ہو جاتے تو یہ عموم پر شاہد ہے۔

جواب، یہ تو مدعیٰ اور دلیل ایک ہو گئے اس لیے کہ اگر یہ ثابت ہو جائے تو پھر '' اذبح بقرۃ " کا مفہوم بھی یہی ہوگا کہ جو چاہو گائے ذبح کرو اور اس میں اختلاف ہے اس مسئلہ میں یہی گفتگو کی گئی ہے جب تم نے اسے سمجھ لیا تو اب آگے بڑھیے۔

معین گائے کا حکم تھا یا نہیں؟

اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی (اذبحوا بقرۃ) کے بارے میں اختلاف ہے کیا یہ کسی معین گائے کے ذبح کا حکم تھا یا ہر گائے کے بارے میں تھا۔ جو وقت خطاب سے تاخیر بیان کو جائز رکھتے ہیں ان کا کہنا ہے حکم معین گائے کا تھا البتہ ابھی اس کی تفصیل نہیں آئی تھی۔ جو تاخیر بیان جائز نہیں مانتے وہ کہتے ہیں حکم مطلقاً گائے کا تھا لیکن جب قوم نے سوالات کئے تو حکم تکلیف میں بدل گیا اس لیے کہ تکلیف اول میں اگر وہ اطاعت کر لیتے تو وہ کافی ہو جاتی اور اختیار جنس بقر میں تھا اور یہی بہتر تھا لیکن جب انہوں نے نافرمانی کی، حکم بجا نہ لائے اور سوالات شروع کر دیئے تو مصلحت کی تبدیلی میں کوئی ممانعت نہیں جیسا کہ عام مشاہدہ ہے کوئی مدبر اپنی اولاد کو آسان کام کا اختیار دیتا ہے اور گر وہ نہ کرے تو پھر اسے تبدیلی مصلحت کی وجہ سے مشکل کام کا حکم دیتا ہے اور یہی معاملہ یہاں ہے

پہلے فریق کے دلائل

فریق اول نے یہ دلائل دیئے ہیں

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ" اور "مَا لَوْنُهَا" اور "إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ"، "إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ"، "إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ" ان تمام کا حمل اسی پر ہے جس کے ذبح کا حکم تھا اور یہ تمام ضمائر و اشارات بتا رہے ہیں کہ ہر گائے کا حکم نہ تھا بلکہ معین کا حکم تھا

Marfat.com

۲۔ دوسرے سوال کے جواب میں جو صفات آئی ہیں یہ اسی گائے کی ہیں جس کے ذبح کا اولاً حکم تھا یا یہ اس کی صفات ہیں جس کا سوال (ثانی) کے وقت ذبح لازم ہوا اور ماقبل حکم تھا وہ منسوخ ہو گیا اگر پہلی صورت ہے تو ہمارا مدعیٰ ثابت ہے۔ اگر دوسری صورت ہے تو اس کا تقاضا یہی ہے کہ آخر ان صفات کا پایا جانا ضروری ہے اگرچہ ان کا مذکور صفات کا حصول پہلے لازم نہ تھا اور تمام اہل اسلام کا اجماع ہے کہ یہ تمام صفات معتبر ہیں لہٰذا دوسری صورت فاسد ٹھہری۔

سوال: ضمائر، بقرہ کی طرف نہیں بلکہ یہ قصہ اور شان کی طرف بھی لوٹ سکتے ہیں اور یہ عربوں میں معروف ہے۔

جواب: یہ کہنا کئی وجھوں کی بنا پر باطل ہے:

پہلی وجہ: اگر یہ ضمائر قصہ اور شان کی طرف لوٹ رہے ہوں تو ان کا مابعد مفید نہیں رہے گا اس لیے کہ "بقرہ صفراء" کا فائدہ اب کیا ہو گا بلکہ کسی اور شی کو مضمر ماننا لازم ہو گا جو خلاف اصل ہے اور اگر ان کو پہلے حکم کی طرف مان لیں تو یہ اعتراض لازم نہیں آئے گا

دوسری وجہ: ضمائر کا قصہ اور شان کی طرف لوٹانا خلافِ اصل ہے اس لیے کہ ضمیر اس کی طرف لوٹتی ہے جس کا ذکر ہو رہا ہو اور قصہ و شان کا ذکر ہو نہیں رہا لہٰذا ان کی طرف ضمیر نہیں لوٹائی جائے گی البتہ بعض مواقع پر ہمیں مجبوراً ایسا کرنا پڑتا ہے لیکن ان کے علاوہ کو اپنے اصل پر ہی رکھا جائے گا۔

تیسری وجہ: "مَا لَوْنُهَا" اور "مَا هِيَ" کی ضمیر تو بلاشبہ مامور گائے کی طرف ہی لوٹ رہی ہے ورنہ جواب سوال کے مطابق نہیں رہے گا

۳۔ اگر انہوں نے بطور عناد سوالات کیے ہوتے تو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیان فرمایا اس سے احتمالات زائل نہیں ہوتے اس لیے کہ انہوں نے اتنا ہی بتایا اس کا رنگ زرد، عمر میں متوسط اور قوت میں کامل ہو تو اس کے بعد بھی کثیر احتمالات ہو سکتے ہیں جب انہوں نے اس پر خاموشی اختیار کرتے ہوئے اکتفاء کر لیا تو معلوم ہو گیا وہ معاند نہ تھے۔ (تو حکم معین گائے کا ہی ہے)

دوسرے فریق کے دلائل

۱۔ ارشادِ مبارک "اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً" کا معنی یہ ہے کہ تم جو گائے چاہو ذبح کر لو اور یہ عموم پر دال ہے اور اسی کا تقاضا ہے کہ اس کے بعد صفات کا اعتبار کرنا حکم جدید تھا۔

۲۔ اگر مراد معین گائے کا ذبح تھا تو طلب تفصیل پر ناراضگی نہ ہوتی بلکہ وہ قابل ستائش ٹھہرتے، جب اللہ تعالیٰ نے ان پر خفگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: "فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ"۔ (تو کرو جس کا تمہیں حکم ہے) اور فرمایا: "فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ" (انہوں نے ذبح کی مگر وہ ذبح کرتے معلوم نہ ہوتے تھے) تو معلوم ہو رہا ہے کہ انہوں نے پہلے حکم کے بجالانے میں کوتاہی برتی اور یہ اسی وقت ہو گا جب اولاً ہی حکم معین ذبح گائے کا نہ ہو۔

Marfat.com

۳۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ہے اگر کوئی بھی گائے ذبح کر لیتے تو وہ کافی ہو جاتی لیکن وہ اپنے اوپر شدت کرتے چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے بھی شدت فرمائی۔

۴۔ جس وقت انہیں ذبح کا حکم دیا تھا وہ اسی کے محتاج تھے اگر حکم معین کا ہوتا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیان نہیں فرمایا تھا تو وقت ضرورت تفصیل فراہم نہ کرنا جائز نہیں۔

پہلی کا جواب وہی ہے جو مسئلہ اولیٰ کے تحت ذکر کر آئے ہیں کہ "اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً" کی دلالت ہر گائے پر نہیں

دوسری کا جواب یہ ہے "وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ" کی دلالت اس پر نہیں کہ انہوں نے پہلے حکم پر عمل میں زیادتی کی البتہ انہوں نے کامل تفصیل کے بعد زیادتی کی تھی۔ الفاظ آیت میں دونوں کا احتمال ہے لیکن دوسرے پر محمول کر رہے ہیں کہ جب کامل تفصیل آ چکی تو پھر انہوں نے توقف کیا اور وہ ذبح پر تیار نہیں ہو رہے تھے۔

اور تیسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت احاد سے ہے اگر صحیح بھی ہو تو کتاب اللہ کے مقابل نہیں آ سکتی۔

چوتھی کا جواب یہ ہے، بوقت ضرورت تفصیل میں تاخیر تب لازم آتی ہے جب حکم پر عمل فی الفور ہو اور یہاں ہم تسلیم نہیں کرتے اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ معین گائے مراد نہیں تھی تو پھر یہ کہنا ہوگا کہ تکالیف (احکام) مقدر میں پہلا حکم یہ تھا کہ کوئی گائے ہو دوسرا وہ بوڑھی اور جوان نہ ہو بلکہ دونوں کے درمیان ہو۔ جب انہوں نے اس پر عمل نہ کیا فرمایا اس کا رنگ زرد ہو۔ انہوں نے جب اس پر عمل نہ کیا گویا فرمایا: اس سے خدمت نہ لی ہو کہ زمین کیلئے جوتے اور نہ کھیتی کو پانی دے۔ اس قول والوں میں پھر اختلاف ہے بعض نے کہا واقع میں وہ تمام صفات کے ساتھ متصف گائے کے ذبح کے مکلف تھے حتیٰ کہ وہ بوڑھی نہ ہو اور زرد رنگ والی ہو۔

بعض نے کہا اس گائے میں صرف آخری وصف کا پایا جانا ضروری تھا جب تکلیف در تکلیف ہو تو ظاہر کلام کے زیادہ مناسب یہی قول ہوتا ہے اگرچہ روایات اور حکم بجا لانے میں تردد پر تشدید کی وجہ سے پہلا قول مختار ہے۔

جب یہ ثابت ہے کہ تفصیل میں تاخیر نہیں ہوتی تو یہ تکلیف در تکلیف ہی ہوگی تو اس سے واضح ہو رہا ہے کہ کبھی اسہل (بہت اسان) اشق (زیادہ بھاری) سے منسوخ ہو جاتا ہے اور عمل سے پہلے نسخ کا جواز بھی ثابت ہو رہا ہے۔ البتہ وقت فعل سے پہلے جواز نسخ پر دلالت نہیں ہے۔

اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں وقوع نسخ کا ثبوت بھی مل رہا ہے۔ اس کا اس مسئلہ سے بھی تعلق ہے کہ نسخ پر زیادتی و اضافہ نسخ ہوگا یا نہیں اور یہاں اس پر بھی دلالت ہے جب آدمی پہلے حکم پر عمل نہ کر کے نافرمان قرار پائے تو اس کیلئے دوبارہ حکم کا وقوع بھی درست و حسین ہے۔

Marfat.com

قَالُوٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں

پہلا مسئلہ: هُزُوًا، زا پر پیش یا سکون جیسے کفوًا اور کف۔ امام حفص نے واؤ اور دونوں پر پیش پڑھا ہے جیسے کفوًا۔

دوسرا مسئلہ: شیخ قفال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ استفہام انکاری ہے۔ ھزء بمعنی مھزوء ہے جیسے کان ھذا فی علم اللہ (یہ اللہ کے علم میں ہے) میں علم بمعنی معلوم اور واللہ رجاؤنا (اللہ ہماری امید ہے) رجاء بمعنی مرجو ہے، اس کی نظیر یہ ارشادِ ربانی ہے:

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ — تو تم نے انہیں ٹھٹھا بنالیا یہاں تک کہ انہیں بنانے کے شغل میں میری یاد بھول گئے اور تم اُن سے ہنسا کرتے (پ۱۸۔ المؤمنون: ۱۱۰)

صاحب کشاف کہتے ہیں اس کا مفہوم یہ ہے کیا تم نے ہمیں تمسخر کی جگہ یا اہلِ تمسخر سمجھا ہے یا ہمارے ساتھ تمسخر کیا جا رہا ہے اور ھزء کا معنی زیادہ تمسخر کرنا ہوتا ہے۔

تیسرا مسئلہ: ان کے یہ بات کرنے کی وجہ یہ تھی کہ جب انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے متعین قاتل کے بارے میں بات کی تو فرمایا گائے ذبح کرو تو انہوں نے اپنے سوال اور جواب میں مناسبت محسوس نہ کی تو گمان کیا شاید ہمارے ساتھ ہنسی فرما رہے ہیں

کیونکہ ممکن ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ذبح بقرہ کا حکم دیا ہو اور انہیں یہ نہ بتایا ہو کہ اس کا ایک حصہ مقتول کو لگانے سے یہ زندہ ہو کر بتلائے گا تو یہ بات ان سے بطور استہزا صادر ہوئی ہو۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے انہیں تمام صورت حال بتا دی ہو مگر اس پر تعجب کیا یہ کیسے ہو سکتا ہے گوشت لگانے سے مقتول زندہ ہو جائے تو انہوں نے اسے استہزاء ٹھہرا لیا۔

چوتھا مسئلہ: یہ جملہ کفر ہے

بعض مفسرین نے لکھا انہوں نے اس جملہ کے ساتھ سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کفر کیا اس لیے کہ اگر انہوں نے یہ کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی قدرت مردہ کو زندہ کرنے میں شک کیا تو یہ سراسر کفر ہے اور اگر انہوں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں شک کیا کہ کیا انہوں نے یہ بات اللہ تعالیٰ کے حکم سے کہی ہے تو انہوں نے آپ کو وحی الٰہی میں خائن قرار دیا اور یہ بھی کفر ہے

بعض نے کہا یہ کفر کا سبب نہیں اس کی تفصیل پر دو دلائل ہیں:

Marfat.com

۱۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کا ہنسی وخوش طبعی فرمانا جائز ہے شاید انہوں نے یہ محسوس کیا کہ آپ بطور حق بات خوش طبعی فرما رہے ہیں اور یہ کفر کا موجب نہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی کا معنی یہ ہے کہ آپ کا یہ جواب بڑا عجیب ہے گویا تم استہزا فرمار ہے ہو نہ یہ کہ انہوں نے واقعۃً آپ کو استہزا کرنے والا قرار دیا۔

قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْجَاہِلِیْنَ کی تفسیر

اس کی تفسیر میں چند وجہیں ہیں:

پہلی وجہ: استہزا جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے لہٰذا منصب نبوت اس کا محل نہیں بن سکتا تو آپ نے اس سے پناہ نہیں مانگی جس کی نسبت انہوں نے آپ کی طرف کی البتہ اس سبب سے مانگی جو استہزا کا سبب بنتا ہے جیسے کہ آدمی ایسے موقع پر کہتا ہے اعوذ باللہ من عدم العقل و غلبۃ الھوی۔ (میں عدم عقل اور غلبہ خواہش سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں) حاصل یہ ہے کہ سبب پر مسبب کا مجازاً اطلاق ہوسکتا ہے یہی وجہ اقویٰ ہے۔

دوسری وجہ: میں تو جاہل ہونے سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں یعنی میں جانتا ہوں کہ دین کے معاملہ میں استہزا پر عتاب شدید اور وعید عظیم ہے تو جب یہ میرے علم میں ہے تو میرے قدم استہزا کی طرف بڑھنے سے رک جائیں گے۔

تیسری وجہ: بعض نے کہا کبھی استہزا کو بھی جہالت و جہل کہہ دیا جاتا ہے بعض اہلِ لغت سے ہے جہل، حلم کی ضد ہے جیسے کہ بعض کے نزدیک یہ ضدِ علم ہے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشادِ گرامی واضح کررہا ہے کہ استہزا کبائر میں سے ہے اس پر تفصیلی گفتگو ارشادِ ربانی "قَالُوْٓا اِنَّا مَعَکُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَہْزِءُوْنَ اَللّٰہُ یَسْتَہْزِئُ بِہِمْ" کے تحت گزر چکی ہے۔

واضح رہے قوم نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے بقرہ (گائے) کے بارے میں تین سوالات کیے تھے۔

پہلا سوال: اللہ تعالیٰ نے ان سے نقل کیا انہوں نے کہا: "اُدْعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَا ھِیَ"

تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: "اِنَّہٗ یَقُوْلُ اِنَّھَا بَقَرَۃٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِکْرٌ عَوَانٌ بَیْنَ ذٰلِکَ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ"

یہاں چند مباحث ہیں:

Marfat.com

پہلی بحث: سوال کی مجبوری کیا تھی

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ارشادِ ربانی "اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً" واضح کررہا ہے یہ حکم ذات کے اعتبار سے معین گائے پر دال ہے البتہ موقع حسن سوال کی وجہ سے اس کی تفصیل نہیں کی جب حکم مجہول تھا تو سوال واستفسار جائز ودرست ہوگا۔

لیکن جنہوں نے کہا: اصل لغت کے اعتبار سے عموم ہے تو ان پر یہ بیان کرنا لازم ہے کہ اس استفسار پر انہیں کس نے مجبور کیا؟

اس میں چند وجوہ ہیں:

پہلی وجہ: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں اطلاع دی کہ وہ گائے ذبح کرکے گوشت مقتول سے لگائیں تو وہ زندہ ہو جائے گا تو انہوں نے اس گائے کے بارے میں تعجب کیا اور خیال کیا کہ جس گائے کا یہ خاصہ ہے وہ تو معین ہی ہوگی لہٰذا انہوں نے اس کی صفات کے بارے میں خوب تحقیق سے کام لیا جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا عصا مبارک دیگر سے خصوصیت کا حامل تھا البتہ قوم نے اس میں خطا کی اس لیے کہ یہ عجیب نشانی اس گائے کا خاصہ نہیں بلکہ یہ معجزہ تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا۔

دوسری وجہ: شاید قوم کی مراد ہر گائے ہو مگر قاتل اپنی رسوائی سے ڈر گیا اس نے تفصیل میں شبہ ڈالا اور کہا حکم معین گائے کا ہے نہ کہ مطلق کا ان کے درمیان تنازعہ ہوا تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف رجوع کیا۔

تیسری وجہ: خطاب اول سے اگرچہ عموم سمجھ آرہا ہے مگر قوم نے احتیاط کا ارادہ کیا اور انہوں نے مزید تفصیل اور باقی احتمالات کے ازالہ کیلئے سوال کیا مگر مصلحت تبدیل ہوتی چلی گئی جس کا تقاضا حکم معین گائے بن گیا۔

دوسری بحث: سوال وجواب میں مطابقت

"مَاهِيَ" کے ساتھ کسی کی ماہیت وحقیقت کے بارے میں سوال ہوتا ہے اس لیے کہ ما سوالیہ ہے اور ھی کا اشارہ حقیقت کی طرف ہوتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ یہاں حقیقت مطلوب ہو اور ماہیت وحقیقت کی تعریف کیلئے شی کے اجزا اور مقدمات کا ذکر لازمی ہے نہ کہ اس کی صفاتِ خارجی کا اور یہ مسلّم ہے کہ وصف عمر، ماہیت کے امور خارجی سے ہوتا ہے لہٰذا یہاں جواب سوال کے مطابق نہ ہوگا۔

جواب: معاملہ اسی طرح ہے جو تم نے کہا مگر قرینہ بتا رہا ہے کہ ان کا مقصود گائے کی طلب حقیقت اور تعریف ماہیت نہیں بلکہ مقصود ایسی صفات ہیں جن کی وجہ سے وہ دوسروں سے ممتاز ہوجائے اسی لیے سوال کے جواب میں صفات خارجی کا تذکرہ حسن ٹھہرا

Marfat.com

تیسری بحث: صاحب کشاف لکھتے ہیں: فارض (بوڑھی) فارض کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ عمر کاٹ چکی اور آخر عمر کو پہنچ چکی۔ بکر، جوان۔ عوان، درمیان، قاضی کہتے ہیں بکر، چھوٹی، بعض نے کہا جو نہ جنے۔ بعض نے کہا جس کا ایک بچہ ہو۔ مفضل بن سلمہ الضبی کہتے ہیں فارض، بوڑھی، بکر جوان یہ ایسی خاتون جس سے وطی نہ ہو۔ اونٹنیوں میں سے جس نے ایک بچہ جنا ہو۔ شیخ قفال کہتے ہیں بکر کی اول پر دلالت ہے جیسے پہلے پھل کو باکورۃ اور ابتداء دن کو بکرۃ النہار کہتے ہیں یہ محاورہ ہے بکرت علیها البارحة اذا جاء فی اول اللیل۔ گویا اظہر یہی ہے کہ مراد نہ جننے والی ہے کیونکہ بکر سے مراد وہ خواتین ہوتی ہیں جن سے وطی نہ ہو۔ بعض نے کہا عوان، جس نے یکے بعد دیگرے بچہ جنا ہو جب یکے بعد دیگرے جنگ ہو تو 'حرب عوان' کہا جاتا ہے اسی طرح جب بار بار حاجت پوری کر دی جائے تو 'حاجة عوان' کہا جاتا ہے۔

چوتھی بحث: جواز اجتہاد و ظن غالب

اہلِ علم نے ارشادِ ربانی "عَوَانٌ بَيْنَ ذٰلِكَ" سے احکام میں جوازِ اجتہاد اور استعمال غالبِ ظن پر استدلال کیا ہے کیونکہ فارض اور بکر کے درمیان کا فیصلہ بطریق اجتہاد ہی ہوگا۔

یہاں دو سوالات ہیں:

پہلا سوال: لفظ 'بین' "دو یا اس سے زائد اشیاء کا تقاضا کرتا ہے تو یہاں اس کا لانا کیسے جائز ہے؟

جواب: یہاں یہ دو اشیاء کے مفہوم میں ہے اس کا اشارہ مذکور فارض اور بکر دونوں کی طرف ہے۔

دوسرا سوال: دو مؤنثوں کی طرف "ذلك" سے اشارہ کیسے درست ہے جبکہ یہ واحد مذکر کیلئے ہے؟

جواب: تاویل مذکور یا ما تقدم کی وجہ سے ہے۔

فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ کی تفسیر

اس کی دو تفاسیر ہیں:

۱۔ وہ کرو جس کا تمہیں حکم دیا گیا۔ یہ "امرتك الخير" (میں نے تمہیں خیر کا حکم دیا ہے) سے ہے۔

۲۔ مراد فَافْعَلُوْا اَمْرَكُمْ بمعنی 'مامورکم' "تو یہاں مصدر بمعنی مفعول ہے جیسے ضرب الامیر۔

واضح رہے اس جواب سے مقصود اصلی، بقرہ کا اکمل احوال میں ہونا ہے اس لیے کہ صغیرہ ناقص ہوتی ہے بعد میں کمال تک پہنچتی ہے بوڑھی ناقص ہو چکی ہوتی ہے اور حد کمال سے گزر گئی ہوتی ہے ہاں درمیانی عمر والی حالت کمال پر ہوتی ہے۔

Marfat.com

اس کے بعد ان کا سوال ثانی لایا گیا۔ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا۔ جب انہوں نے عمر کے بارے میں جان لیا تو رنگ کے حوالے سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا: صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا۔ فقوع، شدید اور خالص زردی، تاکیداً کہا جاتا ہے۔ اصفر فاقع

یہاں دو سوالات ہیں:

پہلا سوال: لفظ فاقع یہاں لون سے خبر ہے لہٰذا یہ صفراء کی تاکید کیسے بن سکتا ہے؟

جواب: یہ لون سے خبر نہیں یہ صفراء کی تاکید ہی ہے لون کا رفع بطور فاعل ہونے کے ہے۔ اور لون اس کا سبب اور اس سے متصل ہے تو اب ان دو جملوں صفراء فاقعة اور صفراء فاقع لونها میں کوئی فرق نہیں۔

دوسرا سوال: پھر صفراء فاقعة کیوں نہ کہا لون کے ذکر میں کیا فائدہ؟

جواب: اس کے ذکر میں تاکید کا فائدہ ہے کیونکہ لون حالت کا نام ہے اور وہ زرد ہی ہے گویا کہا جا رہا ہے کہ اس کی زردی شدید ہو جیسے کہا جاتا ہے جد جدہ۔ جنون مجنون۔

حضرت وہب سے ہے جب تم اس گائے کی طرف دیکھو تو یوں محسوس ہو جیسے سورج کی شعاعیں اس کی جلد سے خارج ہو رہی ہیں

تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ کی تفسیر

معنی یہ ہے کہ اس گائے کا رنگ اس قدر خوبصورت ہو کہ دیکھنے والا خوش ہو جائے۔ امام حسن کہتے ہیں یہاں صفراء کا معنی سوداء (کالی) ہے اس لیے کہ عرب اسود (کالے) کو اصفر کہتے ہیں دھوئیں کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے:

كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ (پ ۲۳ المرسلات: ۳۳) گویا کہ وہ زرد رنگ کے اُونٹ ہیں

یعنی سیاہ، اس معنی پر اعتراض ہے کہ اصفر (زرد) سے اسود (کالا) ہرگز مفہوم نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ اس کا حقیقی معنی نہیں ہو سکتا اور دوسرا یہ کہ سواد فقوع کی صفت نہیں بنتا بلکہ یوں کہا جاتا ہے اصفر فاقع و اسود حالك۔ والله اعلم۔

سرور، نفس کی وہ حالت ہے جو اسے کسی لذیذ یا نافع شی کے حصول کے ساتھ اعتقاد، علم یا ظن سے عارض و لاحق ہوتی ہے۔

پھر ان کا تیسرا سوال باری تعالیٰ نے ذکر فرمایا: قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ

یہاں چند مسائل ہیں:

Marfat.com

پہلا مسئلہ: اِنْشَاءَ اللّٰہُ کہنا

حضرت حسن، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر وہ انشاء اللہ نہ کہتے تو ان کے اور گائے کے درمیان پردہ ہمیشہ حائل رہتا۔

واضح رہے اس مبارک کلمہ کا ہر مقصد کے حصول کیلئے پڑھنا مستحب ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَیْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰهُ (پ۱۵-الکہف: ۲۳) اور ہرگز کسی بات کو نہ کہنا کہ میں کل یہ کردوں گا مگر یہ کہ اللہ چاہے

ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ سے مدد اور معاملہ کو اس کے سپرد کرنا اس کی قدرت کا اعتراف اور اس کی مشیت کے نفاذ کا عقیدہ ہے۔

دوسرا مسئلہ: حوادثات اور ارادہ الٰہی

اہلِ سُنّت نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ تمام حوادثات کا تعلق ارادۂ الٰہی سے ہے کیونکہ معتزلہ کہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے اس حکم کے ذریعے ان کی رہنمائی کا ہی ارادہ فرمایا تو اب ان کے انشاء اللہ کہنے کا کیا فائدہ؟ لیکن ہمارے نزدیک کبھی اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے مگر اس کا ارادہ نہیں فرماتا تو اب انشاء اللہ کا ضرور فائدہ ہوگا۔

تیسرا مسئلہ: معتزلہ کا استدلال

معتزلہ نے انشاء اللہ سے دو وجہ سے استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت حادث ہے۔

پہلی وجہ: کلمہ "اِنْ" کا تقاضا حدوث ہے۔

دوسری وجہ: اللہ تعالیٰ نے حصول ہدایت کو حصول مشیت ہدایت کے ساتھ معلق فرمایا جب حصول ہدایت ازلی نہیں تو لازم ہے اس کی مشیت بھی ازلی نہ ہو۔

ارشادِ گرامی "یُبَیِّنْ لَّنَا مَاهِیَ" یہاں بھی وہی سوال وارد ہوتا ہے جو پہلے گزرا کہ مَا هُوَ۔ طلب حقیقت کیلئے آتا ہے حالانکہ جواب میں صفات خارجی عارض کا ذکر ہے تو جواب سوال کے مطابق نہیں اس کا جواب پہلے گزر چکا ہے۔

"اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَیْنَا" کی تفسیر

مفہوم یہ ہے کہ درمیانی عمر اور زرد رنگ والی متعدد گائیں ہیں اس لیے ہم پر اشتباہ ہوگیا ہے کہ کونسی ذبح کی جائے؟ اس کی تا کو گرا کر اور شین میں ادغام کر کے تشابہ بمعنی متشابہ بھی پڑھا گیا اسے تشابہت بمعنی تشابہ بھی پڑھا گیا ہے۔

Marfat.com

ارشادِ ربانی وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ کی شیخ قفال نے متعدد تفاسیر کی ہیں۔

پہلی تفسیر: ہم اللہ تعالیٰ کی مشیت سے حکم کردہ گائے کو پالیں گے جب ہم ان اوصاف پر مشتمل گائے کو حاصل کرلیں گے جو اسے دوسروں سے ممتاز کرتے ہیں۔

دوسری تفسیر: اگر اللہ تعالیٰ نے اس کی مزید تفصیل بیان فرمادی تو ہم اسے ضرور حاصل کرلیں گے۔

تیسری تفسیر: ہم اللہ کی توفیق سے گائے کے اوصاف کے بارے میں سوالات کرنے میں حق پر تھے، یعنی ہم امید کرتے ہیں ہم اس بحث اور معاملہ میں گمراہی پر نہ تھے۔

چوتھی تفسیر: ہم اللہ تعالیٰ کی مشیت سے قاتل کو پالیں گے جب ہمارے لیے اس گائے کو اوصاف کے ذریعے ممتاز کردیا جائے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے سوالات کے جوابات دیتے ہوئے فرمایا: "اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ" لاذول یہ بقرہ کی صفت ہے، وہ ایسی گائے ہو جو ذلول نہ ہو یعنی وہ کاشت کے کام نہ آئی ہو اور نہ ایسی گائے ہو جو پانی کیلئے استعمال کی گئی ہو پہلا لانفی کیلئے ہے اور دوسرا تاکید اولیٰ کیلئے ہے تو معنی ہوگا لا ذلول تثیر و تسقی۔ (وہ زمین کی کاشت اور پانی کیلئے استعمال نہ کی گئی ہو) تو یہ دونوں فعل ذلول کی صفت ہیں گویا فرمایا نہ وہ بصورت زمین پھاڑنے اور بصورت پانی لانے والی ہو۔ خلاصہ یہ ٹھہرا کہ کام سے وہ ناقص ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ وہ زمین کی کاشت اور کھیت کو پلانے کیلئے استعمال نہ ہوئی ہو کیونکہ یہ دونوں عمل نقص پیدا کرتے ہیں۔

مُسَلَّمَةٌ کی تفسیر

اس کی چند تفاسیر ہیں:

پہلی، تمام عیوب سے مطلقاً محفوظ ہو۔ دوسری، اعمال مذکورہ سے محفوظ ہو۔ تیسری، حبس وقید سے آزاد و وحشی ہو۔ چوتھی، وہ ایسے داغ سے محفوظ ہو جو اس رنگ کے خلاف ہو یعنی اس زرد رنگ میں کسی دوسرے رنگ کا اختلاط نہ ہو لیکن یہ چوتھی تفسیر ضعیف ہے۔ ورنہ 'لَاشِيَةَ فِيْهَا' غیر مفید اور تکرار بن جائے گا بلکہ اس لیے اولیٰ یہ ہے کہ اسے عیوب سے سلامتی پر محمول کیا جائے اور لفظ کا تقاضا بھی یہی ہے اس لیے کہ یہ علل اور عیوب سے کامل سلامتی پر دلالت کرتا ہے، علماء نے اسی سے اس پر استدلال کیا کہ ظاہر پر عمل جائز ہے باوجودیکہ باطن اس کے خلاف ہو کیونکہ کلمہ "مُسَلَّمَةٌ" کی تفسیر جب ہم نے کی کہ وہ عیوب سے محفوظ ہو تو ہم یہ بات بطور حقیقت نہیں جان سکتے ہاں بطریق ظاہر ہی جان سکتے ہیں۔

Marfat.com

لَا شِيَةَ فِيهَا کی تفسیر

مراد یہ ہے کہ وہ خالص زرد رنگ کی ہو دوسرے کسی رنگ کی ملاوٹ واختلاط نہ ہو اس لیے کہ بقرۃ صفراء کا یہ وصف اس وقت ہی بیان کیا جاتا ہے جب اکثر رنگ اس کا زرد ہو تو اللہ تعالیٰ نے لا شية فيهـا فرما کر اس میں عموم واضح کیا کہ اس کا تمام رنگ زرد ہو۔ منقول ہے اس کے ناخن اور اس کے سینگ بھی زرد تھے۔ الوشی ایک رنگ کا دوسرے کے ساتھ ملنا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں بتایا کہ اس تفصیل کے بعد انہوں نے خاموشی اختیار کی اور کہنے لگے "الآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ" بلاشبہ ان کی طرف سے کفر کا بیان ہے۔ اس لیے کہ یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ پہلے حکم کو وہ حق نہیں سمجھتے تھے لیکن یہ ضعیف ہے کیونکہ یہ احتمال ہے ان کی مراد یہ ہو کہ اب ہمارے لیے حکم کی وضاحت ہوئی ہے حتی کہ وہ گائے دوسروں سے ممتاز ہو گی لہٰذا یہ کفر نہ ہوا

فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ کی تفسیر

معنی یہ ہے کہ انہوں نے گائے ذبح کی حالانکہ وہ ذبح کیلئے تیار نہ تھے۔ یہاں ایک بحث ہے اہلِ نحو نے "كَادَ" کی دو تفسیریں لکھی ہیں:

کاد کی دو تفاسیر

پہلی تفسیر: اس کی نفی اثبات اور اس کا اثبات نفی ہوتا ہے مثلاً كَادَ يَفْعَلُ كَذَا کا معنیٰ ہے کہ قریب ہے وہ کام کرے لیکن اس نے کیا نہیں اسی طرح مَا كَادَ يَفْعَلُ كَذَا قریب ہے کہ وہ نہ کرے مگر کرتا ہے۔

دوسری تفسیر: شیخ عبدالقاہر جرجانی نحوی کا مختار یہ ہے کہ کاد کا معنی مقاربت ہے۔ کاد یفعل (فعل قریب) وما کاد یفعل (وہ قریب میں نہیں کرے گا)

اول قول والوں نے دوسرے معنیٰ کے فساد پر اس آیت سے استدلال کیا ہے اس لیے ارشادِ باری تعالیٰ وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ قریب میں ذبح نہ کرنے والے تھے فعل قریب کی نفی اثبات فعل کے مخالف ہے اور اگر یہ مقاربت پر دلالت کرے تو اس آیت میں تناقض آجائے گا۔

یہاں چند مباحث ہیں:

Marfat.com

پہلی بحث: یتیم کی گائے

منقول ہے بنی اسرائیل میں نیک آدمی تھا اسی کی گائے تھی موت کے وقت اس نے کہا' یا اللہ اسے میں یہ اپنے بیٹے کیلئے تیرے حوالے کرتا ہوں یہاں تک کہ وہ بڑا ہو جائے اور وہ اپنے والدین کا خادم تھا۔ وہ پلتی رہی حتیٰ کہ سب سے خوبصورت اور موٹی ہوگئی۔ اس یتیم اور اس کی ماں نے اس کی خوب قیمت مانگی حتیٰ کہ لوگوں نے ان سے کھال بھر سونا دے کر خریدی حالانکہ اس وقت گائے کی قیمت تین دینار تھی اور انہوں نے یہ گائے چالیس سال میں تلاش کی۔

دوسری بحث: ذبح یا نحر

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ہے گائے ذبح ہوئی نہ کہ نحر۔ حضرت عطا کہتے ہیں وہ نحر ہوئی تھی۔ فرمایا ذبح اور نحر ایک ہی ہیں۔ حضرت قتادہ اور زہری سے ہے چاہو نحر کہہ دو چاہو ذبح۔ ظاہر آیت کی دلالت اس پر ہے کہ انہیں ذبح کا حکم ملا۔ انہوں نے وہ طریقہ اپنایا جسے ذبح کہا جاتا ہے۔ نحر اگرچہ ذبح کیلئے کافی ہے لیکن وہ صورۃً ذبح کے مخالف ہے اور ظاہر ہمارے قول کی تائید کرتا ہے حتیٰ کہ اگر انہوں نے نحر کیا تو کوئی دلیل ایسی نہیں جو اسے قائم مقام ذبح قرار دے لہٰذا وہ کافی نہ ہوگا۔

تیسری بحث: کیا وجہ وہ ذبح پر تیار نہ تھے

اس میں اختلاف ہے بعض نے کہا قیمت بہت زیادہ تھی جبکہ کچھ کا کہنا ہے انہیں رسوائی اور شہرت کا خوف تھا۔ دونوں صورتوں میں حکم پر عمل نہ کرنا جائز نہیں۔

پہلی میں اس لیے کہ جب انہیں معین گائے کا حکم تھا تو یہ فعل ثمن کثیر کے بغیر تام نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا ان پر اس کی ادائیگی لازم تھی اس لیے کہ جس پر واجب کی تکمیل موقوف ہوتی ہے وہ بھی واجب ہوتا ہے۔ البتہ اس صورت میں جب اس کے مخالف دلیل موجود ہو، یہی وجہ ہے کہ اگر پانی بہت مہنگا ہو تو شریعت نے نمازی کو تیمم کی اجازت دی ہے اگر اجازت نہ ہوتی تو پانی کا خریدنا لازم ہوتا اس کے بغیر وضو ہی نہ ہو سکتا۔

دوسری صورت میں اس لیے کہ رسوائی کے خوف سے تکلیف کا ارتفاع نہیں ہو جاتا مثلاً جب قصاص لازم ہو جاتا ہے تو ولی قصاص کے مطالبہ پر تسلیم نفس ضروری ہوتا ہے بعض اوقات اعلان ضروری ہو جاتا ہے تاکہ شر و فتنہ ختم ہو جائے اور بعض اوقات اس لیے اعلان ضروری ہوتا ہے تاکہ اس قوم سے تہمت ختم ہو جائے جن کے قریب مقتول کو پھینکا گیا تھا کیونکہ وہاں ان پر تہمت کیلئے ایسا کیا تھا لہٰذا اس کا ازالہ نہایت ضروری تھا لہٰذا اس عمل کو بوجھ بنا کر رک جانا کہاں جائز ہے؟

Marfat.com

چوتھی بحث: امر سے وجوب کا ثبوت

امر، وجوب کیلئے ہوتا ہے اس کے قائلین نے اس پر اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا یہاں امر ہی ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے بوجھ سمجھنے اور اس عمل میں تکاسل پر ان کی مذمت کی، اس تمام کی دلالت اسی پر ہے کہ امر وجوب کیلئے ہے۔

قاضی کہتے ہیں جب حکم سے غرض ازالہ شر وفتنہ ہو اسی وقت یہ وجوب کیلئے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں ذبح کا حکم دیا تاکہ قاتل معلوم ہو اور اس شر وفتنہ کا ازالہ ہو جائے جس کا وہاں اندیشہ تھا اور ایسے نقصان سے بچنا نہایت ہی لازم ہے جب اس کا ازالہ اس فعل سے ہی ہو سکتا تھا لہٰذا یہ لازم ٹھہرا

اور یہ بھی امکان ہے کہ اس شریعت میں قربانی کا حکم لازم ہو اور وہ اسے پہلے ہی جانتے تھے لہٰذا وہاں محض امر کافی ہو گیا۔

ہم کہتے ہیں ان دونوں سوالات کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ امر وجوب پر دال ہوتا ہے اور نہ یہ کہتے ہیں کہ یہ وجوب کے منافی ہوتا ہے شاید یہاں فہم وجوب، امر کے علاوہ کسی اور سبب سے ہو اور وہ سبب متصل قرینہ حالیہ ہے کہ یہ مسلمہ ضابطہ ہے کہ نقصان کا ازالہ لازم ہے یا قرینہ مقالیہ ہو وہ یہ ہے ان کے ہاں قربانی کا حکم بطور وجوب ہو۔

جواب: مذکور یہاں صرف یہ ارشادِ گرامی ہے " اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً " جب ترک ذبح پر مذمت اور زجر ہوا تو معلوم ہو گیا اس کا منشاء محض ذکر امر ہے اس لیے کہ اصول فقہ میں یہ ضابطہ ہے کہ حکم کا کسی وصف پر مرتب ہونا بتا رہا ہوتا ہے کہ اس حکم کی علت وہ وصف ہی ہے۔

پانچویں بحث: امر کا تقاضا فی الفور عمل

امر کی دلالت اس پر ہوتی ہے کہ اس حکم پر فی الفور عمل کیا جائے، اس کے قائلین نے اسی آیت سے اس پر استدلال کیا ہے جب انہوں نے ذکر امر کے باوجود اس عمل میں تاخیر کی تو ان پر ناراضگی کا اظہار ہوا جو واضح کر رہا ہے کہ اس کی دلالت فی الفور عمل پر ہوتی ہے

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِیْهَا کی تفسیر

واضح رہے اس قتل کے وقوع کا باری تعالیٰ کے حکمِ ذبح سے پہلے ہونا ضروری ہے البتہ اس کی خبر دینا اور ذبح کے بعد اس مقتول کو گوشت لگانا ان کا تذکرہ ضروری نہیں کہ قصہ گائے سے پہلے ہو لہٰذا کسی کا یہ کہنا کہ اس واقعہ کا تلاوت میں بھی پہلے ہونا لازم تھا غلط ہے اس لیے کہ باعتبار ذات کے اس قصہ کا وجود میں پہلے ہونا ضروری ہے رہا ذکر میں تقدم تو یہ لازم نہیں اس لیے کبھی تو سبب، ذکر حکم سے پہلے ہوتا ہے اور کبھی اس کے برعکس گویا جب واقعہ پیش آیا اللہ تعالیٰ نے انہیں ذبح گائے کا حکم دیا جب انہوں

قل قدیر

Marfat.com

نے ذبح کیا تو فرمایا، یاد کرو جب تم نے آدمی کو قتل کیا اور تمہارے اندر اختلاف و نزاع کھڑا ہو گیا تو میں نے اس قاتل کو ظاہر کر دیا جسے تم چھپا رہے تھے بایں طور کہ تم نے مذبوحہ گائے کا گوشت مقتول کو لگایا اور یہ درست ہے۔

سوال: تسلیم کہ اس نظم میں کوئی خلل نہیں لیکن دوسری نظم مستحسن ضرور ہے اس نظم کو ترجیح دینے میں کیا فائدہ؟

جواب: ذبح گائے کا ذکر، قصہ قتل سے پہلے کیا اس لیے اگر اس کے برعکس کیا جاتا تو قصہ واحد بن جاتا تو اس سے تفریع واضح ہونے کی وجہ سے غرض فوت ہو جاتی۔

فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا کی تفسیر

اس کی متعدد تفاسیر ہیں:

۱۔ تم نے اس مقتول نفس کے بارے میں اختلاف و جھگڑا کیا اس لیے کہ آپس میں متخاصم و مخالف اپنے آپ کو بچا کر بات دوسرے پر ڈالتے ہیں۔

۲۔ ہر ایک اپنے سے قتل کی نفی کر کے دوسرے پر ڈال رہا تھا۔

۳۔ تم ایک دوسرے سے برأت اور تہمت کا دفاع کر رہے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دراء کا معنی دور کرنا ہے جب لوگ آپس میں جھگڑا کرتے ہیں تو ہر آدمی اپنے سے تہمت کو دور، دوسرے کی دلیل کا رد اور ہر ایک دوسرے کی دلیل خواہ وہ تہمت ہو یا برأت پر رد کرتا ہے۔

شیخ قفال کہتے ہیں: "فِيْهَا" میں ضمیر نفس کی طرف ہے یعنی تم نے نفس میں اختلاف کیا لیکن قتل کی طرف بھی ہو سکتی ہے اس لیے کہ لفظ قَتَلْتُمْ اس پر دلیل ہے۔

ارشادِ باری "وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ" سے مراد یہ ہے کہ اللہ یقیناً اس قتل کے معاملہ کو ظاہر فرمانے والا ہے جو تم چھپا رہے ہو۔

سوال: مُخْرِجٌ معنی ماضی میں ہے وہ یہاں کیسے مناسب ہے؟

جواب: کبھی مستقبل کے حوالے سے حکایت ہوتی ہے جو بوقت تدافع وازالہ ہوتی ہے جیسا کہ کبھی حاضر سے حکایت ہوتی ہے۔ فرمایا: بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ (وہ بازو بچھائے ہوئے ہے) اور یہ معطوف (ادّٰرَءْتُمْ) اور معطوف علیہ (فَقُلْنَا) کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

یہاں چند مسائل ہیں:

Marfat.com

پہلا مسئلہ: اللہ تعالیٰ فساد تخلیق نہیں کرتا

معتزلہ کہتے "وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ" بتا رہا ہے کہ یہ عمل لازم ہے اس لیے باب قتل میں اختلاف اور تنازع، فتنہ اور فساد کا سبب ہے اور اللہ تعالیٰ فساد پسند نہیں فرماتے اس لیے ضروری ہے کہ کتمان کو زائل کیا جائے تا کہ فساد کا ازالہ ہو تو یہ بات شاہد ہے کہ اللہ سبحانہ نہ فساد کا ارادہ فرماتا ہے نہ اس سے راضی ہوتا ہے اور نہ ہی اسے تخلیق فرماتا ہے۔

دوسرا مسئلہ: عمل ضرور سامنے آجاتا ہے

یہ آیت اس کی بھی نشاندہی کر رہی ہے کہ بندہ خواہ خیر کو مخفی کرے یا شر کو اگر وہ اس پر دوام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ظاہر فرما دیتا ہے، حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

اِنَّ عَبْدًا لَوْ اَطَاعَ اللّٰهَ مِنْ وَّرَاءِ سَبْعِيْنَ حِجَابًا لَاَظْهَرَ اللّٰهُ ذٰلِكَ عَلٰى اَلْسِنَةِ النَّاسِ (حلیۃ الاولیاء، ۵، ۳۷)

اگر کوئی بندہ ستر پردوں کے پیچھے اللہ کی اطاعت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ لوگوں کی زبان پر اسے جاری فرما دیتا ہے۔

معصیت کا بھی یہی حال ہے، مروی ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا، بنی اسرائیل سے کہو، وہ اپنے اعمال میری رضا کیلئے مخفی کریں اور میں ان کو ظاہر کر دوں گا

چوتھا مسئلہ: آیت بتا رہی ہے کہ عام سے خاص مراد ہوتا ہے اس لیے کہ "مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ" کے الفاظ تمام مخفی اُمور کو شامل ہیں حالانکہ مراد خاص واقعہ ہے۔

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: ذبح گائے اور چالیس سال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے اس گائے کے صاحب کی تلاش میں چالیس سال گذر گئے اس کے بعد ذبح کی گئی مگر یہ روایت ظاہراً ان کے خلاف ہے اس لیے کہ فَقُلْنَا کی فاء تعقیب کیلئے ہے جو واضح کر رہی ہے "اِضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا" اس کے ایک حصہ کو مقتول کے ساتھ لگایا۔ "اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً" کے بعد متصلاً اور جلدی ہوا۔

دوسرا مسئلہ: "اِضْرِبُوْهُ" میں ضمیر یا تو نفس کی طرف ہے تو اب نفس کا مذکر ہونا بتاویل شخص و انسان ہے یا اس کا مرجع مقتول ہے جس پر "مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ" دلیل ہے۔

لفظ تذیر

Marfat.com

تیسرا مسئلہ: ذبح اور مصلحت

ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے ذبح بقرۃ کا حکم کسی ایسی مصلحت کی بنا پر دیا جو اس کے بغیر حاصل نہ ہو پاتی اور یہ بھی ممکن ہے وہ گائے اور دوسری برابر ہو لیکن اقرب پہلی بات ہے اس لیے کہ اگر دوسری اس کی جگہ لے سکتی تو وہ معین طور پر واجب نہ ہوتی بلکہ اس کے اور دوسری کے درمیان اختیار دے دیا جاتا۔

یہاں دو سوالات ہیں:

گوشت لگانے کی حکمت

پہلا سوال: مقتول کو گوشت لگانے میں کیا فائدہ حالانکہ اللہ تعالیٰ زندہ کرنے پر اس کے بغیر بھی قادر ہے؟

جواب: فائدہ یہ تھا تا کہ ان پر حجت پختہ ہو اور ان کا مکر و فریب نہ چل سکے کیونکہ کوئی بھی ملحد کہہ سکتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بذریعہ جادو اور حیلہ کے اسے زندہ کر دیا لیکن جب مذبوحہ گائے کے گوشت کی وجہ سے وہ زندہ ہوا تو یہ شبہ ختم ہو گیا کہ کوئی چیز اس کے جسم میں منتقل ہوئی ہے جس کی وجہ سے وہ زندہ ہوا۔

جب بات یوں ہے تو جب ان کے فعل سے وہ زندہ ہوا تو اس سے یہ نشاندہی بھی ہو گئی کہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع ہوتی ہے نہ کہ بندوں کی جعل سازی سے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تقدیم قربانی کی وجہ سے حکم قربانی کو عظمت حاصل ہوتی ہے۔

غیر گائے کا حکم کیوں نہیں

دوسرا سوال: غیر گائے کے ذبح کا حکم کیوں نہ دیا؟

جواب: یہ ہے کہ اس صورت میں بھی یہی سوال اٹھتا جو ذبح گائے میں ہوا۔ ہاں اس کے فوائد یہ ہیں:

ذبح گائے کے فوائد

۱۔ اس قربانی سے تقرب ملا جس کا معمول تھا۔

۲۔ ان کے ہاں گائے کی قربانی اعظم سمجھی جاتی تھی۔

۳۔ اس میں ثواب زیادہ تھا کہ اس لیے کہ اس کی بڑی تلاش کرنا پڑی پھر اس کا نہایت ہی قیمتی ہونا۔

۴۔ اس میں مالک گائے کیلئے مال عظیم کا بھی حصول ہے۔

Marfat.com

چوتھا مسئلہ: لگایا جانے والا حصہ کونسا تھا؟

اس میں اختلاف ہے۔ اقرب یہی ہے کہ انہیں اختیار تھا کہ وہ جو حصہ بھی اسے لگائیں وہ زندہ ہو جائے گا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم "اِضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا" پر عمل کرنے والے بن جائیں گے۔ اصول فقہ میں یہ ضابطہ ہے کہ مامور بہ کے بجالانے سے انسان عہدہ برا ہو جاتا ہے اور یہ بات اختیار ہی کی مقتضی ہے۔

البتہ انہوں نے کونسا حصہ لگایا؟ بعض نے زبان، بعض کے نزدیک دایاں ران، بعض کے نزدیک دُم اور بعض نے کہا وہ نرم ہڈی جو کان کی اصل ہے بعض نے کہا دونوں کاندھوں کا درمیانی حصہ۔

بلاشبہ قرآن میں اس کی نشاندہی نہیں اگر کسی صحیح حدیث میں اس کی نشاندہی مل جائے تو اسے قبول کرنا لازم ہے ورنہ سکوت لازم

پانچواں مسئلہ: یہاں کلام محذوف ہے ہم نے کہا اس کا حصہ لگاؤ انہوں نے لگایا تو وہ زندہ ہو گیا اور حذف پر ارشادِ باری تعالیٰ 'كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى' کی دلالت موجود ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

اِضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ (پ۱۔ البقرۃ:۶۰) اپنا عصا پتھر پر مارو تو جاری ہو گئے

تو یہاں بھی یہ محذوف ہے کہ انہوں نے عصا مارا تو چشمہ جاری ہو گیا۔

یہ بھی منقول ہے کہ جب انہوں نے گوشت لگایا تو وہ اللہ کے حکم سے زندہ ہو گیا اور اس کی رگوں سے خون جاری تھا۔ پھر اس نے بتایا مجھے میرے چچازاد فلاں فلاں بھائی نے قتل کیا اس کے بعد پھر مردہ ہو گیا۔

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى کی تفسیر

یہاں دو مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: اس آیت میں دو وجہ ہیں:

۱۔ یہ اشارہ اس مخصوص میت کی طرف ہے۔

۲۔ دوبارہ زندگی کی صحت پر استدلال ہے پھر یہ استدلال مشرکین کے خلاف ہو گا یا کسی دوسرے کے خلاف؟

اس میں دو اقوال ہیں:

Marfat.com

پہلا قول: مشرکین کے خلاف استدلال

شیخ اصم کہتے ہیں یہ مشرکین کے خلاف ہے اس لیے کہ اگر اسی طرح زندہ ہونا بطورِ تواتر ان تک پہنچا ہے تو وہ دوبارہ زندگی کے بارے میں جان لیں گے اور اگر ان کے ہاں بطورِ تواتر نہیں پہنچا تو کم از کم وہ اس میں غور وفکر سے کام لیں گے۔

قاضی کہتے ہیں یہ قول اقرب ہے کیونکہ اس سے پہلے گوشت لگانے اور میت کے زندہ ہونے کے سبب کا ذکر آیا ہے اس کے بعد فرمایا: "كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى" مَوْتٰى جمع ہے اگر مراد مخصوص میت ہوتی تو جمع کا کلمہ نہ لایا جاتا گویا یہ فرمایا جارہا ہے کہ دوبارہ زندہ کرنا اللہ کی قدرت میں ابتداً پیدا کرنے کی طرح ہی ہے۔

دوسرا قول: بنی اسرائیل اور مشاہدہ

شیخ قفال کہتے ہیں ظاہر کلام یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بنی اسرائیل سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا دوسرے مردوں کو زندہ فرمانا اسی زندہ کرنے کی طرح ہے جو تم مشاہدہ کررہے ہو اس لیے کہ اگرچہ وہ اس پر ایمان رکھتے تھے لیکن پہلے بطورِ استدلال ہی مانتے تھے انہوں نے اس کا مشاہدہ نہ کیا تھا جب مشاہدہ کرلیا دلوں کو اطمینان مل گیا اور وہ شبہات ختم ہوگئے جن سے کوئی مستدل بھی خالی نہیں ہوتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا تھا:

رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ (پ۳-البقرہ:۲۶)	اے رب میرے مجھے دکھادے تو کیونکر مردے جلائے گا فرمایا کیا تجھے یقین نہیں عرض کی یقین کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آجائے

تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے سامنے مردہ کو زندہ کر کے فرمایا:

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى	ایسے ہی اللہ زندہ کرتا ہے مردوں کو

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں زندہ فرمایا وہ آخرت میں بھی زندہ فرماسکتا ہے، اُسے ایجاد کیلئے کسی مادہ، مدت اور مثال وآلہ کی احتیاج نہیں۔

دوسرا مسئلہ: بعض لوگوں نے "كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى" سے مقتول کے میت ہونے پر استدلال کیا، لیکن یہ ضعیف ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقتول کی زندگی سے موتی کے احیاء کا بیان فرمایا ہے تو اس سے مقتول کا میت ہونا لازم نہیں آتا۔

Marfat.com

وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ کی تفسیر

سوال: جب یہ نشانی واحدہ ہے تو آیات فرمانے کی حکمت؟

جواب: یہ نشانی واضح کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس، صانع، تمام مقدورات پر قادر، تمام معلومات کی عالم اور ایجاد و تخلیق میں مختار ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا صدق، غیر قاتلوں کا بری ہونا، قاتل کا متعین ہو جانا یہ اگرچہ واحد نشانی ہے مگر جب یہ اس قدر کثیر مدلولات و حقائق پر دال ہے تو یہ آیات کثیرہ کے مقام پر ہوئی۔

ارشاد الٰہی 'لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ' میں دو مباحث ہیں:

پہلی بحث: لعلّ کی تفسیر پہلے 'لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ' کے تحت گزر چکی ہے۔

دوسری بحث: ان آیات کے سامنے آنے سے پہلے بھی وہ لوگ اہل عقل تھے۔ جب انہیں عقل حاصل تھی تو اب انہیں یہ کہنا کیسے درست ہے کہ میں نے تمہیں یہ آیات دکھائی ہیں تاکہ تم عقل والے بن جاؤ۔ لہٰذا یہ الفاظ اپنے ظاہر پر نہیں ہوں گے بلکہ ان کی تاویل کرنا ہوگی اور وہ یہ ہے۔

تم اپنی عقول کے مطابق عمل کرو اور دوبارہ زندگی کا انکار نہ کرو اس لیے کہ جو ذات اقدس ایک نفس کے زندہ کرنے پر قادر ہے وہ تمام کو بھی زندہ کر سکتی ہے کیونکہ اس نفس کی کوئی خصوصیت نہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں یہ آخری بات ہے۔

قاتل کے وارث بننے کا حکم

متعدد مفسرین نے یہاں یہ گفتگو کی ہے کہ آیت سے ثابت احکام میں سے یہ ہے کہ کیا قاتل وارث بنے گا یا نہیں؟ نہیں بن سکتا اس لیے کہ حضرت عبیدہ سلمانی سے ہے اس واقعہ میں قاتل کو قتل کی وجہ سے وراثت سے محروم کر دیا گیا۔

قاضی کہتے ہیں اس مسئلہ کو اس آیت سے منتج کرنا مناسب نہیں اس لیے ظاہراً یہ معلوم نہیں ہوتا کہ قاتل اس کا وارث تھا یا نہیں؟ اگر وہ اس کا وارث تھا تو کیا وہ وراثت سے محروم ٹھہرا یا نہیں؟ اور حضرت ابوعبید سے جو مروی ہے کہ وہ محروم رہا تو اس سے اسے احکام قرآن میں شامل کر لینا کہاں درست ہے کیونکہ قرآن کی اس پر نہ اجمالاً دلالت ہے اور نہ تفصیلاً۔

اور یہ ثابت نہیں کہ ان کی شریعت ہماری شریعت کی طرح تھی اور نہ ہی ان کی اقتدا ہم پر لازم ہے تو ایسے کلام کو احکام قرآن میں شامل کرنا سوائے تعسف کے کچھ نہیں۔

نقل قدیر

Marfat.com

قاضی کی بات ہی حق ہے لیکن مسئلہ ذکر کیے دیتے ہیں۔

قاتل کے وارث بننے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں وہ وارث نہیں خواہ وہ قتل بغیر استحقاق سے عمداً ہو یا خطاء یا وہ مستحق تھا جیسے عادل حکمران نے باغی کو قتل کروا دیا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں قتل عمد و خطا میں وارث نہیں بنتا۔ البتہ اس صورت میں وارث بنے گا جب عادل نے باغی کو قتل کیا اسی طرح جب قاتل صبی یا مجنون ہو نہ اس کی دیت سے وارث ہوگا اور نہ اس کے بقیہ اموال سے۔ حضرت علی، حضرت عمر، ابن عباس اور سعید بن مسیب رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔ شیخ عثمان البتی کہتے ہیں خطأ قاتل وارث بنے گا لیکن عمداً قاتل وارث نہیں بنے گا۔ امام مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں دیت کا وارث نہ ہوگا البتہ بقیہ مال کا ہوگا۔ حضرت حسن، مجاہد، زہری اور اوزاعی کا یہی قول ہے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا استدلال مشہور حدیث ہے۔ فرمایا: قاتل کو وراثت سے کوئی شی نہیں ملے گی البتہ اس حدیث سے استدلال اس وقت درست ہوگا جب ہم خبر واحد کے ساتھ عموم قرآن میں تخصیص جائز مانیں اور اس پر تفصیلی کلام اصول فقہ میں ہے۔

دقیق نکتہ

یہاں ایک دقیق نکتہ ہے، عام کو تخصیص کا عارض ہونا ضعف ہوتا ہے اگر ہم اس روایت کو بعض صورتوں کے ساتھ مخصوص کر لیں تو اس پر مسلسل اسباب ضعف وارد ہوں گے۔ اس کا خبر واحد ہونا سبب ضعف ہے۔ اس کا قرآن کے خلاف ہونا دوسرا ضعف ہے اور اس کا کسی سبب مخصوص ضعف پیدا کرے گا تو اگر ہم اس روایت کے ساتھ قرآن کو مخصوص کریں گے تو بہت قوی پر بہت ہی ضعیف کی ترجیح لازم آئے گی لیکن اگر ہم اس روایت کو مخصوص نہیں کرتے تو بعض اسباب ضعف از خود ختم ہو جائیں گے تو پھر عموم قران میں اس سے تخصیص بعید نہ ہوگی۔

شیخ ابوبکر رازی نے اس پر دلیل دیتے ہوئے کہ عادل باغی کو قتل کر دے گا تو وہ وراثت سے محروم نہ ہوگا۔ لکھا کہ ہمارے علم میں اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ جس کا کسی انسان پر قصاص ہو اور وہ اسے قصاص میں قتل کر دے تو وہ اس کی وراثت سے محروم نہیں ہوتا لیکن واضح رہے شوافع اس صورت کو تسلیم نہیں کرتے۔ واللہ اعلم۔

Marfat.com

[۷۴] ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهٰرُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

(پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے تو وہ پتھروں کی مثل ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ سخت اور پتھروں میں سے تو کچھ وہ ہیں جن سے ندیاں بہہ نکلتی ہیں اور کچھ وہ ہیں جو پھٹ جاتے ہیں تو ان سے پانی نکلتا ہے اور کچھ وہ ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں اور اللہ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر نہیں)

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ کی تفسیر

اس میں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: دل کی نرمی کیا ہے؟

جو شی اپنی اصل ذات کے اعتبار سے دوسری شی سے اثر قبول کرنے والی ہو لیکن کسی عارضہ کی وجہ سے وہ اثر قبول نہ کرے تو اسے سخت، غلیظ اور قاسی کہا جاتا ہے مثلاً جسم، غیر کا اثر قبول کرتا ہے لیکن اگر اسے صفت حجریت (پتھر) عارض ہو جائے تو وہ اثر قبول نہیں کرتا۔ اسی طرح دل، مطالعہ دلائل، آیات اور عبرتوں سے متاثر ہوتا ہے اور اس کا متاثر ہونا یہ ہے کہ وہ تکبر، سرکشی اور غرور ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی طاعت اس کیلئے خوف اور خشوع اختیار کر لیتا ہے جب دل کو کوئی ایسا عارضہ لاحق ہو جائے تو وہ تاثر قبول نہ کرنے میں پتھر کے مشابہ ہو جاتا ہے پھر کہا جاتا ہے قسا القلب و غلظ۔ (دل سخت ہو گیا) یہی وجہ ہے اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کا وصف، دل کا نرم ہونا بیان فرمایا:

كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ (پ۲۳-الزمر: ۲۳)

اچھی کتاب کہ اول سے آخر تک ایک سی ہے دوہرے بیان والی اس سے بال کھڑے ہو جاتے ہیں ان کے بدن پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں

فضل قدیر

Marfat.com

دوسرا مسئلہ: خطاب اہل کتاب سے ہے

شیخ قفال کہتے ہیں ممکن ہے "قُلُوْبُكُمْ" سے خطاب حضور ﷺ کی ظاہری حیات کے اہل کتاب سے ہو یعنی تمہارے دل ان بینات کے بعد سخت ہوگئے جو تمہارے اوائل لائے اوران امور کے بعد جوان پر جاری ہوئے۔ اس عتاب کے بعد جو معصیت پر اصرار کرنے والے تھے۔ ان آیات کے بعد جوان کے پاس انبیاء علیہم السلام لائے، ان معاہدوں کے بعد جوتم سے اپنے بارے میں لئے گئے اوران کے بارے میں جوتورات ماننے والے تھے تو اس کے ذریعے ان کی سرکشی اور جفا کی اطلاع دی ہے حالانکہ انہیں ایسی آیات ومعجزات کا علم تھا جو دلوں کو نرم کردیتے ہیں۔

یہ بات اولیٰ ہے اس لیے کہ ارشادِ ربانی "ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ" بالمشافہ خطاب ہے لہٰذا اس کا موجود لوگوں پر محمول کرنا ہی اولیٰ ہے ممکن ہے وہ مخصوص یہود مراد ہوں جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں موجود تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ سابقہ مراد ہوں۔

تیسرا مسئلہ: قاتل بتانے کے بعد

ارشادِ ربانی "مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ" ممکن ہے اس سے یہ مراد ہو کہ انہوں نے جب مقتول کو گوشت لگایا اور اللہ تعالیٰ نے اس مقتول کو زندہ کردیا اور اس نے اپنے قاتل کے بارے میں بتایا تو اس کے بعد، اس لیے کہ منقول ہے جب مقتول نے اپنے قاتل کی نشاندہی کردی تو اس نے انکار کرتے ہوئے مقتول کو جھوٹا کہا اور کچھ لوگوں سے مل کر فتنہ پیدا کرنے کی کوشش بھی کی تو پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں بیان کیا اس قدرت کی نشانی کے اظہار کے بعد تمہارے دل پتھر کی طرح سخت ہوگئے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ "مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ" سے اس طرف اشارہ ہو کہ شمار کردہ تمام عظیم نعمتوں اور ان معجزات کے ظہور کے بعد جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ظاہر ہوئے تمہارے دل سخت ہوگئے اس لیے کثرت مشاہدات کے باوجود یہود کے دل عناد اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اعتراضات ختم نہ ہوئے۔ مقام تیہ میں ان کے بارے میں مطالعہ رکھنے والا اس سے بخوبی آگاہ ہے

اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً کی تفسیر

اس میں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: کلمہ تشکیک اللہ تعالیٰ کے لائق نہیں

کلمہ اَوْ، تردید وتشکیک کیلئے آتا ہے جو علام الغیوب کے لائق نہیں لہٰذا تاویل کرنا ضروری ہے۔

۱۔ یہ واؤ کے معنی میں ہے، جیسے ارشادِ ربانی ہے:

Marfat.com

اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ (پ۲۳-الصافات:۱۴۷) لاکھ آدمیوں کی طرف بھیجا بلکہ زیادہ

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ آبَائِهِنَّ اور اپنا سنگھار ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر اور اپنے باپ پر

(پ۱۸-النور:۳۱)

تیسرے مقام پر فرمایا:

اَنْ تَاْکُلُوْا مِنْ بُیُوْتِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ آبَائِکُمْ کہ کھاؤ اپنی اولاد کے گھر اور اپنے باپ کے گھر

(پ۱۸-النور:۶۱)

اس کے نظائر اور بھی ملتے ہیں مثلاً ارشاد فرمایا:

لَعَلَّهٗ یَتَذَکَّرُ اَوْ یَخْشٰی (پ۱۶،طٰہٰ:۴۴) اس اُمید پر کہ وہ دھیان کرے اور کچھ ڈرے

فَالْمُلْقِیٰتِ ذِکْرًا عُذْرًا اَوْ نُذْرًا (پ۲۹،المرسلات:۵،۶) پھر ان کی قسم جو ذکر کا القا کرتی ہیں حجت تمام کرنے اور ڈرانے کو

۲۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ بندوں کیلئے ابہام ہے یا ایسے ہی ہے مثلاً کوئی آدمی کہتا ہے میں نے روٹی یا کھجور کھائی، اب کھانے والے کو تشکیک نہیں

۳۔ اس سے مراد "فَهِیَ کَالْحِجَارَةِ" ہو یعنی ان میں بعض ایسے ہیں جو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں۔

۴۔ جب لوگوں نے ان کے دلی احوال سنے تو کہنے لگے وہ پتھر کی طرح تھے یا ان سے بھی زیادہ سخت۔ یہی اس آیت میں مراد ہے

فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی (پ۲۷،النجم:۹) تو اس جلوے (اور اس محبوب میں) دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم

یعنی تمہاری نگاہ اور اعتقاد میں ایسا ہے۔

۵۔ أو بمعنی، بل (بلکہ) ہے کسی کا شعر ہے:

فو الله ما أدری أسلمی تغولت أم القوم أو کل الی حبیب

یہاں أو بمعنی، بل ہے۔

۶۔ ہم کہتے ہیں، ہم میٹھا یا کھٹا کھانا کھائیں گے، اب ہمارا کھانا انہی دو کے اندر محدود ہے یہاں غرض تردد نہیں بلکہ ان دونوں کے علاوہ کی نفی ہے

Marfat.com

۷۔ او، حرف اباحت ہے گویا فرمایا ان دونوں میں سے جس کے ساتھ بھی ان کے دلوں کی مشابہت بنائیں درست ہے مثلاً کہا جاتا ہے، ''جالس الحسن او ابن سیرین'' یعنی تم ان میں سے جس کی بھی صحبت اختیار کرلو گے درست ہے اگر تم دونوں کے ساتھ مل بیٹھو تو بہت ہی خوب۔

دوسرا مسئلہ: صاحب کشاف کہتے ہیں اشد کا عطف کاف پر ہے یعنی او مثل اشد قسوۃ تو یہاں مضاف حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے مقام پر ذکر کر دیا یا عبارت یوں ہے: او ھی انفسھا اشد قسوۃ۔

تیسرا مسئلہ: پتھر سے سخت قرار دینے کی حکمتیں

پتھر سے بھی زیادہ سخت قرار دینے کی حکمتیں ہیں۔

۱۔ پتھر اگر صاحب عقل ہوتا اور یہ نشانی وہ پاتا تو پگھل جاتا جیسا کہ فرمان ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (پ۲۸، الحشر:۲۱)

اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور تو اسے دیکھتا جھکا ہوا پاش پاش ہوتا اللہ کے خوف سے

۲۔ پتھر اگرچہ سخت ہے مگر اللہ تعالیٰ جو بھی اس میں چاہے کرے وہ اس میں رکاوٹ نہیں بلکہ وہ اپنے میں اللہ تعالیٰ کے ارادے کے مطابق تسخیر کرنے میں مانع نہیں اور ان لوگوں پر اس قدر آیات اور نشانیوں کے اظہار اور اللہ تعالیٰ کے مسلسل نعمتوں کے باوجود یہ اس کی طاعت نہیں کرتے اور اس کے حق معرفت کیلئے ان کے دل نرم نہیں ہوتے اور یہ اسی طرح ہیں جس طرح فرمانِ الٰہی ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (پ۷، الانعام:۳۸،۳۹)

اور نہیں کوئی زمین پر چلنے والا اور نہ کوئی پرند کہ اپنے پروں پر اڑتا ہے مگر تم جیسی اُمتیں ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا پھر اپنے رب کی طرف اٹھائے جائیں گے اور جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں بہرے ہیں گونگے ہیں اندھیروں میں اللہ جسے چاہے گمراہ کردے اور جسے چاہے سیدھے رستے پہ ڈال دے

مفہوم یہ ہے کہ اولادِ آدم کے علاوہ تمام حیوانات اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے مطابق اطاعت کرتے ہیں مگر یہ کفار اللہ تعالیٰ کے مطالبہ کی پرواہ ہی نہیں کرتے۔

Marfat.com

۳- یا یہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ اس لیے کہ پتھروں سے متعدد طریقوں سے فائدہ اُٹھایا جاتا ہے مثلاً ان سے پانی جاری ہوتا ہے لیکن ان کے دلوں سے ہرگز کوئی نفع نہیں، یہ کسی طرح بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کیلئے نرم نہیں ہوتے۔

چوتھا مسئلہ: کفر تخلیق الٰہی نہیں

قاضی کہتے ہیں اگر ان کے اندر دائمی کفر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے تو وہ ان کی اس طرح مذمت کیسے فرما رہا ہے اگر سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا تو وہ کہیں گے جس نے پتھر میں صلابت اور سختی پیدا کی اسی نے ہمارے دلوں میں سختی پیدا کی ہے۔ جو پتھر میں نہر جاری کرنے پر قادر ہے وہ ہی اس پر قادر ہے کہ ہمارے دلوں کے کفر کو دور کر کے ان میں ایمان پیدا فرما دے۔ جب اس نے ایسا نہیں کیا تو ہمارا عذر واضح ہے لہٰذا یہ ان کی طرف سے خدا کے خلاف، خدا کی حجت سے بڑھ کر حجت بن جائے گی لیکن اس طرح کی گفتگو پہلے کئی دفعہ گزری اور اس کا جواب بھی۔

پانچواں مسئلہ: اَشَدُّ قَسْوَۃً فرمایا۔ اَقْسٰی، نہ فرمایا اس لیے کہ ان الفاظ کی دلالت زیادہ سختی پر ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ معنی اَقْسٰی نہیں بلکہ "قسوۃً" کی شدت کے ساتھ متصف کرنا مقصود ہے گویا کہا جا رہا ہے پتھر کی سختی شدید ہے لیکن دل اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے، قساوۃ بھی قرأت ہے۔ ضمیر منفصل، عدمِ التباس کی وجہ سے ترک کر دی مثلاً۔ زید کریم و عمرو أکرم۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دلوں پر پتھر کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا ان سے تین منافع حاصل ہوتے ہیں لیکن ان دلوں سے ہرگز کوئی نفع نہیں۔

پتھر اور تین منافع

پہلا نفع: اول نفع یہ ہے: "وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ" (بعض پتھروں سے ندیاں بہتیں ہیں)

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: ان، کو مخفف بھی پڑھا گیا ہے ایسی صورت میں فرق کیلئے لام لانا لازم ہے جیسے ارشادِ باری ہے:

وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ — اور جتنے بھی ہیں سب کے سب ہمارے حضور حاضر لائے جائیں گے (پ۲۳ یٰسین: ۳۲)

دوسرا مسئلہ: التفجر، وسیع وکثیر کھلنا، محاورہ ہے انفجرت قرحة فلان۔ (فلاں کا زخم کھل گیا) اسی سے فجر اور فجور ہے۔

Marfat.com

حضرت مالک بن دینار کی قرأت ینفجر ہے۔ مفہوم یہ ہے بعض پتھر پھٹ جاتے ہیں اور ان سے اس قدر پانی بہتا ہے کہ نہریں بن جاتی ہیں۔

فلاسفہ کہتے ہیں انہار ان بخارات سے بنتی ہیں جو زمین کے اندر جمع ہوتے ہیں اگر ظاہر ارض نرم ہو تو وہ ان بخارات کی وجہ سے پھٹ جاتی ہے اور وہ بکھر جاتے ہیں اور اگر وہ سخت پتھریلی ہو تو وہ بخارات جمع رہتے ہیں اور وہ دائما بڑھتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کی کثرت اور طویل مدت کی وجہ سے زمین پھٹ جاتی ہے اور اس پانی سے نالے اور نہریں بن کر جاری ہو جاتی ہیں۔

دوسرا نفع: دوسرے نفع کے بارے میں فرمایا: وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخۡرُجُ مِنۡهُ الۡمَآءُ (بعض ایسے پتھر ہیں وہ پھٹتے ہیں تو پانی نکل آتا ہے) نہر جاری نہیں ہوتی مگر چشمہ بن جاتا ہے یعنی پتھر اپنے اندر تری رکھتے ہیں کبھی زیادہ اور کبھی کم، اس سے ان میں رطوبت وتری کے تفاوت کی بھی نشاندہی ہو رہی ہے کہ کبھی وہ اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ ان سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں اور کبھی کم ہوتی ہیں لیکن ان کے دل اس قدر شدید ہیں وہ کسی نصیحت کو قبول کرنے کیلئے نرمی نہیں رکھتے نہ وہ اس کیلئے سینہ کھلا رکھتے ہیں اور نہ ہی ہدایت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ "يَشَّقَّقُ" اصل میں "يتشقق" تھا تا کو مدغم کر دیا ہے جیسے يَذَّكَّرُ اصل میں یتذکر تھا۔ اسی طرح "يَا اَيُّهَا الۡمُزَّمِّلُ" اور "يَا اَيُّهَا الۡمُدَّثِّرُ" کا معاملہ ہے۔

تیسرا نفع: تیسرا نفع یہ ہے وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ۔ (کچھ پتھر اللہ کے خوف سے گر جاتے ہیں)

پتھر میں خشیت کہاں؟

یہاں اشکال ہے۔ خشیت الٰہی سے گرنا عقلاء اور زندوں کی صفت ہے پتھر جماد ہے اس میں یہ کہاں؟

اس اشکال کی وجہ سے اس آیت کی متعدد تفاسیر ہیں:

پہلا قول: شیخ ابو مسلم خصوصا کہتے ہیں کہ ارشاد ربانی "وَاِنَّ مِنۡهَا" میں ضمیر قلوب کی طرف ہے اور ان پر خشیت طاری ہو سکتی ہے البتہ پتھر پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا اور پہلے پتھر اور دلوں دونوں کا ذکر ہے زیادہ سے زیادہ کوئی یہی کہہ سکتا ہے کہ پتھر، ذکر میں اقرب ہے لیکن جب خشیت دلوں کی صفت بنتی ہے اور پتھروں کی بن ہی نہیں سکتی تو ضمیر کو قلوب کی طرف لوٹانا ہی لازم ہوگا نہ کہ پتھر کی طرف

اس قول پر دو طرح اعتراض ہیں:

۱۔ ارشاد ربانی "فَهِيَ كَالۡحِجَارَةِ اَوۡ اَشَدُّ قَسۡوَةً" جملہ کامل ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پتھر کے احوال شروع کیے۔ فرمایا:

Marfat.com

وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ "تو" اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ" میں ضمیر کا حجارۃ (پتھر) کی طرف لوٹنا ہی لازم ہوگا۔

۲۔ ہبوط (گرنا) پتھروں میں ہوتا ہے نہ کہ دلوں میں۔ تو ہبوط میں تاویل کرنا تاویل خشیت سے اولیٰ نہیں۔

دوسرا قول: مفسرین کی ایک جماعت نے کہا: ضمیر حجارہ کی طرف ہی ہے اور ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ پتھر زندہ و عاقل نہیں ہوتے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس سے مراد سیدنا موسیٰ علیہ السلام والا پہاڑ ہے۔ رب تعالیٰ کی تجلی پر جب وہ پھٹا اور ریزہ ریزہ ہوگیا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں حیات، عقل اور شعور رکھا تھا اور یہ قدرتِ الٰہی سے بعید بھی نہیں۔ اس کی نظیر یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوْا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ (پ ۲۴-فصلت: ۲۱)

اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے تم نے ہم پر کیوں گواہی دی وہ کہیں گی ہمیں اللہ نے بلوایا جس نے ہر چیز کو گویائی بخشی

تو جس طرح انسان کا چہرہ و جسم بول وسن اور دیکھ سکتا ہے اسی طرح پہاڑ میں بھی صفت خشیت ہو سکتی ہے یہ بھی ارشادِ باری ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (پ ۲۸، الحشر: ۲۱)

اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اُتارتے تو ضرور تو اسے دیکھتا جھکا ہوا پاش پاش ہوتا اللہ کے خوف سے اور یہ مثالیں لوگوں کیلئے ہم بیان فرماتے ہیں تا کہ وہ سوچیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ اگر اسے عقل وفہم عطا فرماتا تو وہ ایسا ہو جاتا۔

کھجور کا تنا رُویا

مروی ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے تو کھجور کا تنا آپ کے فراق میں زار و قطار رو پڑا۔

یہ بھی مروی ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی قرآنی کا نزول اور اعلانِ نبوت کا حکم ہوا اور آپ واپس گھر پلٹے تو پتھر اور درخت تمام کے تمام عرض کرنے لگے: السلام علیك یا رسول اللہ۔

اہل علم کہتے ہیں ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے بعض پتھروں میں عقل وفہم پیدا فرمایا ہو اور انہیں خشیت حاصل ہو۔

معتزلہ اس تاویل کا انکار کرتے ہیں اس لیے کہ ان کے ہاں حیات اور عقل کیلئے جسم اور اعتدالِ مزاج ضروری ہے اور اس شرط جسم پر ان کے ہاں کوئی دلیل نہیں محض یہ کہتے ہیں کہ اس کے بغیر معاملہ بعید ہے لہٰذا ان کی طرف نہ متوجہ ہونا ہی لازم ہے۔

تیسرا قول: اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ ضمیر حجارہ (پتھر) کی طرف ہے اور اس میں عقل وفہم نہیں۔ اس قول پر یہ تاویلیں ہیں

Marfat.com

۱۔ بعض پتھر بلندی سے نیچے گر پڑتے ہیں لیکن یہ کفار عناد و تکبر پر مصر ہیں اور اوپر سے گرنے کو انقیاد و طاعت قرار دیا۔

''من خشیۃ اللہ'' سے مراد یہ ہے کہ اگر یہ ہبوط کسی عاقل مختار سے ہوتا تو یہ خشیت الٰہی کی وجہ سے ہوتا جیسے فرمایا:

فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُّرِيدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ (پ۱۶، الکہف:۷۷)

پھر دونوں نے اس گاؤں میں ایک دیوار پائی کہ گرا چاہتی ہے اس بندہ نے اسے سیدھا کر دیا

یعنی دیوار میں اس قدر جھکاؤ تھا کہ اگر اس طرح کا معاملہ کسی میں ہوتا تو وہ گرنے کا ارادہ کرتا اسی کی مثل یہ شعر ہے:

بخيل تضل البلق من حجرا ته ترى الأكم فيه سجدًا للحوافر

اور جریر نے کہا:

لما أتى خبر الزبير تضعضعت سور المدينة والجبال الخشع

یہی تاویل اہل نظر نے اس ارشاد ربانی کی کی ہے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيمًا غَفُوْرًا (پ۱۵، الاسراء:۴۴)

اس کی پاکیزگی بولتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہیں اور کوئی چیز نہیں جو اسے سراہتی ہوتی اس کی پاکیزگی نہ بولے ہاں تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے بیشک وہ علم والا بخشنے والا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (پ۱۴، النحل:۴۹)

اور اللہ ہی کیلئے سجدہ کرتے ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں

تیسرے مقام پر فرمایا:

وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ (پ۲۷۔ الرحمٰن:۶)

اور سبزے اور پیڑ سجدہ کرتے ہیں

۲۔ ارشاد ربانی ''مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ'' ہے یعنی کچھ پتھر زلزلوں کے وقت گرتے پھٹتے اور آپس میں ٹکراتے ہیں اور ان سے اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ بندوں میں خشیت الٰہی پیدا ہو اور وہ دعا و توبہ کے ساتھ اس کی طرف رجوع کریں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ زلزلوں کی وجہ سے پتھروں کے گرنے سے مقصود اصلی یہ ہے کہ بندوں کے دلوں میں خشیت پیدا ہو تو یہ خشیت اس ہبوط کیلئے علت موثرہ ہے تو کلمہ من ابتدا غایت کیلئے ہے تو ''خشیۃ اللہ'' کا معنی ہوا کہ اس سبب سے دلوں میں خشیت الٰہی پیدا ہو گی۔

Marfat.com

۳۔ شیخ جبائی کہتے ہیں حجارہ سے مراد وہ اولے ہیں جو اس لیے بادلوں سے گرتے ہیں کہ بندوں کو اللہ کا خوف پیدا ہو اور ان پر زجر ہو "مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ" کا معنی ہوگا بندوں کو خوف دلانے کیلئے وہ اولے گرتے ہیں یا وہ ایسی چیز ہے جو خشیت الٰہی کو لازم ہے جیسے کہا جاتا ہے: نزل القرآن بتحریم کذا و تحلیل کذا یعنی قرآن لوگوں پر حلال و حرام لازم کرنے کیلئے نازل ہوا ہے

قاضی کہتے ہیں اس تاویل میں بلاضرورت ترک ظاہر ہے اس لیے کہ اولے پتھر نہیں ہوتے اگرچہ وہ بوقت نزول کتنے ہی شدید کیوں نہ ہوں وہ تو پانی ہوتے ہیں اور دوسری بات یہ ہے ان کا یہ نام بھی مناسب نہیں۔

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ کی تفسیر

یعنی اللہ تعالیٰ ان سخت دل والوں کو جانتا ہے، ان کے اعمال کو جمع و شمار کر رہا ہے وہ انہیں دنیا و آخرت میں ان پر سزا دے گا جیسے ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا

(پ۱۶، مریم: ۶۴) اور حضور کا رب بھولنے والا نہیں

اس میں ان کیلئے وعید اور خوف کبیر ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

اللہ تعالیٰ کا غفلت سے پاک ہونا

سوال: کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہا جا سکتا ہے وہ غافل نہیں ہوتا؟

جواب: قاضی کہتے ہیں ایسا کہنا درست نہیں اس لیے کہ اس سے اس پر غفلت کا وہم ہو سکتا ہے حالانکہ معاملہ یوں نہیں کیونکہ کسی شی سے صفت کی نفی اسے مستلزم نہیں کہ اس کا اس کیلئے ثبوت ہوتا ہے کیونکہ ارشادِ ربانی ہے:

لَا تَأْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ

(پ۳، البقرۃ: ۲۵۵) اسے نہ اونگھ آئے نہ نیند

دوسرے مقام پر ہے:

وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ

(پ۷، الانعام: ۱۴) اور وہ کھلاتا ہے اور کھانے سے پاک ہے

واللہ اعلم

Marfat.com

[۷۵] اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

(تو اے مسلمانو! کیا تمہیں یہ طمع ہے کہ یہ (یہودی) تم پر یقین کریں گے اور اُن میں تو ایک گروہ وہ تھا کہ اللہ کا کلام سنتے پھر سمجھنے کے بعد اسے دانستہ بدل دیتے)

سابقہ آیات سے ربط

پہلے اللہ تعالیٰ نے گزشتہ یہود کے بداعمال ذکر کیے اب یہاں حضور ﷺ کی ظاہری حیات میں موجود یہود کے قبائح کا بیان ہے شیخ قفال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس سورۂ مبارکہ میں بنی اسرائیل کے جو واقعات بیان کیے ہیں ان سے کئی مقاصد ہیں

پہلا مقصد: صحت نبوتِ محمدی کا ثبوت

حضور ﷺ کی نبوت کی صحت پر دلالت اس لیے کہ آپ ﷺ نے تمام کی خبر بے پڑھے عطا فرمائی اور یہ وحی کے بغیر ممکن نہیں۔ اس نفع میں اہلِ کتاب اور عرب دونوں مشترک ہیں۔ اہلِ کتاب اس لیے کہ وہ ان واقعات کا علم رکھتے تھے انہوں نے جب بغیر کسی تفاوت کے من وعن آپ سے سنے تو انہیں یقین ہو گیا یہ وحی کے علاوہ کوئی صورت نہیں۔

عرب کے لیے اس طرح نفع ہوا کہ انہوں نے اہلِ کتاب کو دیکھا وہ ان واقعات کی تصدیق کرتے جو حضور ﷺ نے بیان فرمائے

دوسرا مقصد: بنی اسرائیل پر نعمتوں کا ذکر

یہ بنی اسرائیل اور ان کے اسلاف پر ہونے والی نعمتوں اور احسانات کا ذکر وشمار ہے مثلاً یہ یہود غلام تھے اللہ تعالیٰ نے فرعون سے انہیں نجات عطا فرمائی اور ان کی مدد کی، ان میں سے انبیاء اور ملوک بنائے۔ زمین میں انہیں تمکن عطا کیا، ان کیلئے سمندر پھاڑا، ان کے دشمن کو ہلاک کر دیا، تورات کی صورت میں ان پر نور و بیان کا نزول ہوا، ان کے گناہوں مثلاً بچھڑے کی پوجا، عہد کا توڑنا اور اللہ تعالیٰ کا اعلانیہ دیکھنے کا مطالبہ وغیرہ سے درگزر فرمایا، مقامِ تیہ میں پتھر سے میٹھا پانی جاری کیا، من وسلویٰ نازل کیا، بادلوں کے سایہ سے سورج کی گرمی سے محفوظ رکھا تو اللہ تعالیٰ نے یہاں پرانی اور نئی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔

تیسرا مقصد: رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کیلئے تسلی

حضور ﷺ کو حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کے کیے کفر، مخالفت، شقاق اور عناد و تعصب کی اطلاع دی کہ اس میں

Marfat.com

یہ اس قدر آگے بڑھے کہ وہاں تک کوئی سابقہ امت نہیں گئی اس لیے کہ معجزات کاملہ کے مشاہدہ کے بعد جب موسیٰ علیہ السلام ان سے تھوڑے دور گئے تو انہوں نے بچھڑے کی عبادت شروع کردی یہ تمام ان کے بلید اور غبی ہونے پر دلیل ہے پھر جب انہیں حکم ملا دروازہ سے سجدہ کرتے اور حطہ کہتے ہوئے گزرو اور وعدہ کیا کہ ان کے گناہ معاف اور ان کی نیکیوں پر ثواب میں اضافہ کردیا جائے گا تو انہوں نے قول بدل ڈالا اور نافرمانی کی۔ پھر منّ وسلویٰ کی جگہ تھوم اور پیاز کا مطالبہ کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے اور یہ عہد کرنے کہ آپ کتاب لائیں ہم اس پر ایمان لاکر اتباع کریں گے، کے بعد بھی تورات قبول کرنے سے انکار کردیا حتیٰ کہ ان پر پہاڑ اٹھایا گیا۔

پھر انہوں نے ہفتہ کے روز شکار کرکے تجاوز کیا۔ جب انہیں گائے کے ذبح کا حکم دیا تو کہنے لگے تم ہمارے ساتھ مذاق کرتے ہو، پھر جب مقتول زندہ دیکھا تو ان کے دل کی سختی میں اضافہ ہوگیا۔

تو گویا اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے جب یہ ان کے آپس کے اور اپنے نبی کے ساتھ معاملات ہیں جن کی وجہ سے انہیں غلامی و عذاب سے نجات ملی تو ان کے اخلاف کے حضور ﷺ کے ساتھ ایسے معاملات کوئی نئی چیز نہیں لہٰذا اے نبی اور اہلِ ایمان تم جو کچھ ان سے دیکھ رہے ہو کہ یہ حق سے اعراض وعناد کررہے ہیں اس سے پریشان نہ ہوں

چوتھا مقصد: تم پر عذاب آسکتا ہے

حضور ﷺ کی ظاہری حیات میں موجود اہلِ کتاب کو ڈرانا ہے کہ تم پر بھی اسی طرح عذاب آسکتا ہے جیسے تمہارے پچھلوں پر ان کے شمار کردہ کرتوتوں کی وجہ سے آیا۔

پانچواں مقصد: مشرکین عرب کو خوف دلانا ہے کہ جیسے یہود پر عذاب آیا تم پر بھی آسکتا ہے۔

چھٹا مقصد: یہ ان مشرکین کے خلاف استدلال ہے جو دوبارہ زندگی کے قائل نہیں حالانکہ وہ ابتداءِ تخلیق کو مانتے ہیں۔ ارشادِ گرامی "كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى" سے یہی مراد ہے۔

جب تم نے تمام جان لیا تو واضح رہے حضور ﷺ انہیں دعوت حق اور ان کے ایمان پر نہایت ہی حریص تھے، ان کے عناد اور تکبر سے آپ پریشان ہوجاتے تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا عناد کبیر سامنے لایا جو انہوں نے معجزات دیکھنے کے بعد اختیار کیا تھا تاکہ حضور ﷺ کو موجود اہلِ کتاب کے عناد اور آپ کی دعوت کو کم قبول کرنے پر تسلی ہو۔ تو ارشاد فرمایا: "اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ"

یہاں چند مسائل ہیں:

Marfat.com

پہلا مسئلہ: ارشادِ باری تعالیٰ: "اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ" میں دو اقوال ہیں:

پہلا قول: حضرت ابنِ عباس کہتے ہیں یہ حضور ﷺ سے خطاب ہے کیونکہ داعی آپ ہیں اور یہی قبولیت سے مقصود ہے۔ اگرچہ الفاظ عام مگر قرینہ کی وجہ سے ہم خاص مراد لے رہے ہیں۔ روایت ہے جب آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے اور یہود کو کتاب اللہ کی طرف دعوت دی اور انہوں نے تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

دوسرا قول: حضرت حسن کہتے ہیں یہ رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان سب سے خطاب ہے۔ قاضی کہتے ہیں ظاہراً یہ زیادہ مناسب ہے آپ ﷺ اگرچہ دعوت میں اصل ہیں لیکن صحابہ میں سے بھی ایسے تھے جنہوں نے یہود کو ایمان کی طرف بلایا اور اس پر دلائل دیئے تو اللہ تعالیٰ کا فرمان "اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ" بہت خوب ہے اس سے مراد رسول اللہ ﷺ اور اسی وصف والے صحابہ بھی ہیں جب یہ تاویل صحیح ہے تو ترک ظاہر کی کوئی وجہ نہیں۔

دوسرا مسئلہ: "اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ" (وہ تم پر ایمان لائیں) سے مراد یہود ہیں جو حضور ﷺ کی ظاہری حیات میں تھے کیونکہ انہیں کے بارے طمع ایمان یا عدم ایمان ہو سکتا ہے اس لیے کہ طمع مستقبل کے حوالے سے ہوتا ہے نہ کہ واقع و ماضی کے حوالہ سے۔

تیسرا مسئلہ: ایمان نہ لانا کیوں؟

ان کا ایمان لانا کیوں بعید ہے؟ اس کی متعدد وجہیں ہیں:

پہلی وجہ: کیا تم طمع رکھتے ہو کہ وہ ایمان لے آئیں گے حالانکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے حالانکہ ان کی ذات اس بات کا سبب بنی کہ انہیں ذلت سے نجات اور انہیں تمام سے افضل قرار دیا جائے۔ ان کے ہاتھوں پر مسلسل معجزات کا ظہور ہوا اور سرکشوں پر مختلف قسم کے عذاب بھی آئے۔

دوسری وجہ: کیا تم ان سے ایمان کی امید رکھتے ہو حالانکہ ان میں سے جس نے بھی حق جان لیا اس نے اعتراف کے بجائے اسے بدلنے اور اس میں تحریف کی کوشش کی۔

تیسری وجہ: کیا تم ان سے ایمان کی طمع اس بنیاد پر کرتے ہو کہ یہ بطریق نظر و استدلال ایمان لے آئیں گے حالانکہ ان کے اسلاف میں ایسا فریق تھا جس نے کلام اللہ سنا اور جانا کہ حق ہے مگر پھر بھی عناد اختیار کر لیا۔

Marfat.com

چوتھا مسئلہ: **سوال:** لوگ تو اللہ پر ایمان کے مکلف ہیں تو یہ کہنا کہ ''وہ تم پر ایمان لائیں'' میں کیا فائدہ ہے؟

جواب: یہاں بھی اللہ پر ایمان لانا مراد ہے بایں طور کہ وہ اس کا اقرار کرلیں جس کی طرف مسلمان انہیں دعوت دے رہے ہیں جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ وَ قَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّیْ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (پ۲۱-العنکبوت:۲۶)

تو لوط اس پر ایمان لایا اور ابراہیم نے کہا میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں بیشک وہی عزت وحکمت والا ہے

اس لیے کہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت کا اقرار اور اس کی تصدیق کی۔ یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ وہ تمہاری وجہ سے اور اللہ کی طرف تمہاری خوب دعوت کی وجہ سے ایمان لائیں۔ تو یہ معنی اضافت کی وجہ سے ہے۔

وَقَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ کی تفسیر

فریق میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں تھے اس لیے کہ ان کے بارے میں بیان ہوا کہ انہوں نے کلام سنا تھا اور وہ پہاڑ پر جانے والے بھی تھے۔

بعض نے کہا اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات کے لوگ ہیں، یہ اقرب ہے کیونکہ ضمیر ماقبل کی طرف ہے اور وہی ہیں جن کا تذکرہ ''اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ'' میں ہے اور ہم نے بیان کیا کہ ایمان کے طمع کا تعلق انہی موجود سے ہے۔

سوال: کلامِ الٰہی سننے والے تو اہلِ میقات (طور) تھے۔

جواب: ہم یہ نہیں تسلیم کرتے اس لیے کہ جنہوں نے تورات سنی ان کے بارے میں یہ کہنا جائز ہے کہ انہوں نے کلامِ الٰہی ہی سنا جیسے ہم پر قرآن پڑھا جائے تو ہم کہتے ہیں ہم نے کلام اللہ سنا۔

ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: شیخ قفال کہتے ہیں: تحریف، تبدیلی اور تغیر ہے اور یہ اصل میں کسی شی سے انحراف کرنا ہے۔ ارشادِ گرامی ہے:

اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰى فِئَةٍ (پ۹-الانفال:۱۶)

مگر لڑائی کا ہنر کرنے یا اپنی جماعت میں جا ملنے کو

تو تحریف، شی کا اپنے حق سے اعراض کرنا ہے، جب قلم کا سر بالکل غلط طرف مائل ہو جائے تو کہا جاتا ہے، قلم محرف۔

Marfat.com

دوسرا مسئلہ: تحریف لفظی یا معنوی؟

قاضی کہتے ہیں تحریف لفظی ہوگی یا معنوی، یہاں تغیر معنوی کے بجائے تحریف لفظی مراد لینا اولیٰ ہے اس لیے کہ جب کلام الٰہی کے الفاظ باقی ہوں لیکن اس کی تاویل میں تبدیلی کریں تو نفس کلام مسموع میں تبدیلی کرنے والے نہ ہوئے بلکہ معنی میں تبدیلی کرنے والے ٹھہریں گے۔

تحریف لفظی اور قول ابن عباس رضی اللہ عنہما

البتہ لفظی پر حمل اگر ممکن ہے جیسا کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ انہوں نے کلامِ الٰہی میں اضافہ اور کمی کردی تو یہ حمل اولیٰ ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر تبدیلی تاویل (معنی) پر حمل لازم ہے۔ اگرچہ کلام الٰہی محفوظ ہے اور یہ لفظی تحریف اس وقت ممتنع ہوگی جب کلام اللہ کا ظہور متواتر ہو مثلاً ثبوت قرآن اور متواتر ہونے سے پہلے نفس کلام میں تحریف ہوسکتی ہے لیکن اس میں غور کیا جائے گا اگر ان کی یہ تبدیلی اس کلام کے ساتھ قیام حجت میں مؤثر ہے تو ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے منع و محفوظ فرمائے اور اگر وہ مؤثر نہیں تو اس کا وقوع درست ہوگا تو جو تحریف کلام میں درست ہے اس کی تقسیم ہمارے بیان کے مطابق ہی لازم ہے۔

تیسرا مسئلہ: اگر ہم یہ کہیں کہ یہاں تحریف والوں سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کے لوگ ہیں تو اقرب و مختار یہی ہے کیونکہ انہوں نے جس میں تحریف کی اس کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں۔

اس لیے کہ مروی ہے طور پر جن ستر منتخب افراد نے کلام الٰہی سنا جب اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرماتے ہوئے انہیں کچھ اوامر اور کچھ نواہی عطا فرمائے تو انہوں نے آکر کہا: ہم نے اللہ تعالیٰ کو یہ فرماتے ہوئے سنا اگر تم طاقت رکھو تو ان پر عمل کرلو اگر تم چاہو تو انہیں نہ کرو تو کوئی حرج نہیں۔

اور اگر کہیں تحریف والوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات کے لوگ ہیں تو اقرب یہی ہے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں تحریف کا ارتکاب کیا وہ یوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت وصفات میں تحریف کردی یا یہ کہ انہوں نے احکامِ شرع میں تبدیلی کردی جیسا کہ آیت رجم کا معاملہ ہے۔ ظاہر قرآن یہ نہیں بتاتا کہ انہوں نے کس میں تحریف کی تھی۔

چوتھا مسئلہ: **سوال:** بعض نے تحریف کا ارتکاب کیا اس سے باقی لوگوں سے ایمان کی نا امیدی کیسے لازم آگئی؟ اس لیے کہ بعض کا عناد باقیوں کے اقرار کے منافی نہیں؟

Marfat.com

جواب: شیخ قفال نے جواب دیا، ممکن ہے معنی یہ ہو کہ یہ لوگ ایمان کیسے لا سکتے ہیں جبکہ انہوں نے اس قوم سے دین سیکھا اور حاصل کیا جنہوں نے عناداً تحریف کی ہے تحریف کے بعد جو کچھ ان کے سامنے آیا یہ تو اس کو مانتے ہیں۔ یہ تقلید کنندہ اسی کو قبول کریں گے اور اہلِ حق کی بات کی طرف متوجہ ہی نہ ہوں گے جیسے محاورہ ہے: کیف تفلح و أستاذك فلان۔ (جب تمہارا استاذ فلاں ہے تو تم فلاح کیسے پاسکو گے) یعنی جب تم انہیں سے استفادہ کرتے ہو نہ کہ دوسروں سے۔

پانچواں مسئلہ: "اَفَتَطْمَعُوْنَ" میں اختلاف ہے کچھ کا کہنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس فریق سے ایمان کی ناامیدی ظاہر کی ہے وہ معین افراد ہیں۔ دوسرے کہتے ہیں ایمان سے ناامیدی ان لوگوں سے ہے جو تحریف، تبدیلی اور عناد پر قائم رہیں۔ جس طرح ہم اپنے خدام اور غلاموں کے بارے میں طمع نہیں رکھتے کہ ہمارے علاقوں کے مالک بن جائیں گے پھر صرف ہم ان کے نہ مالک ہونے کا یقین ہی نہیں رکھتے بلکہ اسے بعید از عقل مانتے ہیں۔

سوال: ارشادِ ربانی "اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ" بطور استفہام انکاری ہے تو یہ اس جزم کا اعلان ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے جس کے عدمِ ایمان کی اللہ تعالیٰ اطلاع دیدے اس کا ایمان لانا محال ہوتا ہے لہٰذا اس خبر کے بارے میں ماقبل کی وجوہ پیش نظر رکھی جائیں۔

مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ کی تفسیر

مراد یہ ہے کہ وہ اس کی صحت اور جو انہوں نے گھڑا اس کے فاسد ہونے سے آگاہ تھے تو واضح ہو گیا وہ جان بوجھ کر عناد کرنے والے تھے لہٰذا ضروری ہے کہ کلام سے ان کے اہلِ علم مراد لیے جائیں اور یہ سب کچھ انہوں نے مفادات کی خاطر کیا جیسا کہ باری تعالیٰ نے اس کے ان الفاظ میں واضح کیا ہے۔

وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا (پ۴، آل عمران:۱۸۷) اور اس کے بدلے قلیل دام حاصل کیے

دوسرے مقام پر فرمایا:

يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے (پ۲، البقرۃ:۱۴۶، پ۷ الانعام:۲۰)

اور ضروری ہے کہ وہ تعداد میں بہت کم ہوں اس لیے کہ عظیم اکثریت پر اپنے اعتقادات کا مخفی رکھنا ممکن نہیں اگر ہم اسے جائز رکھیں تو پھر حق باطل سے ممتاز نہ ہوگا اگرچہ تعداد کثیر ہو۔

Marfat.com

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ کی تفسیر

سوال: عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ میں تکرار ہے۔ (دونوں کا معنیٰ ایک ہی ہے) تو فائدہ کیا ہے؟

جواب: شیخ قفال نے دو طرح سے اس کا جواب دیا ہے۔

۱۔ "عَقَلُوْهُ" وہ اللہ تعالیٰ کی مراد سے آگاہ تھے مگر انہوں نے اس کی ایسی تاویل فاسد کی جس کے بارے میں "يَعْلَمُوْنَ" جانتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں۔

۲۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مراد سے آگاہ تھے اور یہ جانتے تھے کہ تاویل فاسد سے گناہ اور اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے گا تو گناہ کے علم کے باوجود انہوں نے عمداً تحریف کی تو ان کے دلوں کی سختی اشد اور ان کی ڈھٹائی اعظم قرار پائی۔ جب اس سے مقصود رسول اللہ ﷺ کو تسلی اور ان کے عناد پر صبر کی تلقین ہے جب ان کا عناد اعظم ہے تو تسلی بھی اقویٰ ہوگی۔

اس آیت میں دو مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: قاضی کہتے ہیں: ارشادِ مبارک "اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ" کی تفسیر نشاندہی کر رہی ہے کہ ان کا ایمان اپنی طرف سے تھا اگر اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہوتا تو اس فریق کا حال مختلف نہ ہوتا جس کا ذکر آیا اور نہ ہی یہ حضور ﷺ اور اہلِ ایمان کیلئے تسلی ہوتی اس لیے کہ اس قول کے مطابق ان کے ایمان کا وجود اللہ تعالیٰ کی تخلیق پر اور اس کا زوال اس کے پیدا نہ کرنے پر موقوف ہوگا۔

دوسرے طریق پر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذنب کو بہت بڑا قرار دیا کہ انہوں نے حجت جانتے ہوئے اس میں تحریف کی، اگر یہ سارا کچھ تخلیقِ الٰہی سے ہے تو ان کے جاننے یا نہ جاننے کا حکم مختلف نہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ کا تحریف کی نسبت ان کی طرف بطور مذمت کرنا بھی اس پر دلیل ہے (کہ یہ تخلیق الٰہی نہیں)۔

واضح رہے اس کا جواب ہم متعدد بار کئی مقامات پر دے چکے ہیں یہاں اعادہ مناسب نہیں

دوسرا مسئلہ: شیخ ابو بکر رازی کہتے ہیں عنادی، علم والا ہدایت سے بہت دور اور جاہل سے مایوسی میں زیادہ قریب ہے اس لیے کہ ارشادِ ربانی "اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ" ایسے اہلِ علم کے رشد و ہدایت کی طمع کے زوال پر دال ہے اس لیے کہ یہ حق جاننے کے بعد تکبر اختیار کرتے ہیں۔

Marfat.com

[۷۶-۷۷] وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾

(اور جب مسلمانوں سے ملیں تو کہیں ہم ایمان لائے اور جب آپس میں اکیلے ہوں تو کہیں وہ علم جو اللہ نے تم پر کھولا مسلمانوں سے بیان کیے دیتے ہو کہ اس سے تمہارے رب کے یہاں تمہیں پر حجت لائیں کیا تمہیں عقل نہیں۔ کیا نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں)

برائی کی دوسری نوع

یہاں جس برائی کی دوسری نوع کا ذکر آیا ہے یہ ان یہود کے افعالِ بد تھے جو سرورِ عالم ﷺ کی ظاہری حیات میں موجود تھے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ہے اہلِ کتاب منافق جب اصحابِ رسول ﷺ سے ملتے تو کہتے ہم اس ذات پر ایمان لائے جس پر تم لائے ہو اور ہم اعلان کرتے ہیں تمہارے صاحب سچے ہیں۔ ان کا قول حق اور ہم نے ان کی نعت و اوصاف اپنی کتاب میں پڑھی ہے۔ پھر جب ایک دوسرے سے ملتے تو ان کے سربراہ ان سے کہتے تم ان مسلمانوں کو جا کر بتاتے ہو جو تمہاری کتاب میں، ان کے نبی کی نعت و اوصاف ہیں تاکہ وہ تمہارے خلاف اسے حجت بنائیں اس لیے کہ مخالف جب صحت تورات کا اعتراف کرے اور تورات کو نبوت محمدی ﷺ پر شہادت کا بھی اعتراف کرے تو اس سے بڑھ کر حجت کیا ہو سکتی ہے لہٰذا وہ حضور ﷺ اور صحابہ کے پاس ایسے اعتراف سے لازماً منع کرتے۔

امام قفال کہتے ہیں الفاظ "فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ" ان کے اس محاورہ سے ہیں: "قد فتح علی فلان فی علم كذا" یعنی اس نے مجھے علم دیا اور اس کا حصول آسان کر دیا۔

عِنْدَ رَبِّكُمْ کی تفسیر

ارشادِ ربانی "عِنْدَ رَبِّكُمْ" کی متعدد تفاسیر ہیں:

۱۔ وہ یہ کہتے ہوئے دلیل بنائیں گے کہ یہ تمہاری کتاب میں ہے اور یہ عِنْدَ اللّٰهِ ہی ہے اس لیے یہ کہنا کہ کتاب اللہ میں یوں یا

Marfat.com

اس طرح ہی ہے کہ اللہ کے ہاں یوں ہے یعنی دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔

۲۔ حضرت حسن کہتے ہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ تمہارے رب کے بارے میں حجت بنائیں گے اس لیے کہ اس میں حجت بنانا جیسے اللہ تعالیٰ نے اتباعِ رسل کی صورت میں لازم فرمایا ہے اسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ رب کے بارے میں حجت ہے کیونکہ یہ اس کے دین کے بارے میں حجت ہوئی

۳۔ شیخ اصم کہتے ہیں مراد قیامت اور پرسش کے وقت حجت پکڑنا ہے تو یہ روزِ قیامت تمام مخلوق کے سامنے ان کی رسوائی اور زجر وتوبیخ میں بطور اضافہ ہوگا اس لیے کہ جس حق کا اعتراف کیا اور پھر اسے چھپایا وہ اسی کی طرح نہیں ہوتا جو انکار پر قائم رہا تو وہ جانتے تھے کہ اس کا ظہور آخرت میں ذلت ورسوائی میں اضافہ کردے گا۔

۴۔ قاضی ابوبکر کہتے ہیں کبھی کسی شی سے استدلال کرنے سے غرض یہ ہوتی ہے کہ مخالف پر غلبہ کے سبب اس حجت کے اظہار سے سرور حاصل ہو اور کبھی فقط دیانت ونصیحت مقصود ہوتا ہے تاکہ دشمنی کا عذر ختم اور اللہ تعالیٰ کی حجت اس پر ثابت ہو جائے یہ لوگ خلوت میں کہتے تم مسلمانوں سے وہ حجت بیان کرتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تورات میں تم پر قائم کی تو تم انہیں بطور دیانت ونصیحت استدلال پر قادر کر رہے ہو اس لیے کہ جو اس طریق پر حجت بیان کرے گا وہ اپنے صاحب سے کہہ رہا ہے کہ میں اللہ کی طرف سے تم پر یہ لازم کر رہا ہوں اور اپنے اور اپنے رب کے درمیان میں اسے بطور حجت تجھ پر پیش کر رہا ہوں اگر تو اسے قبول کرے تو تیرے لیے بہتری اگر تو انکار کرے تو خائب وخاسر ہوگا۔

۵۔ شیخ قفال کہتے ہیں محاورہ ہے: فلاں عندی عالم۔ یعنی میرے اعتقاد وحکم میں وہ عالم ہے۔ ھذا عند الشافعی حلال و عند ابی حنیفۃ حرام۔ (یعنی ان دونوں کے حکم کے مطابق یہ حلال وحرام ہیں) "لِیُحَآجُّوْکُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ" کا مفہوم یہ ہے کہ تم اللہ کے حکم میں انہیں اپنے خلاف حجت فراہم کر رہے ہو۔

بعض علماء نے فرمایا اس آیت مبارکہ:

فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ — تو جب وہ گواہ نہ لائے تو وہی اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں

(پ۱۸، النور:۱۳)

کا مفہوم یہی ہے کہ اللہ کے حکم وقضا میں وہ جھوٹے ہیں اس لیے کہ قاذف جب گواہ نہ لا سکے تو وہ لازماً حکم کاذب میں ہوگا اگرچہ وہ ذاتی طور پر سچا ہی ہو۔

Marfat.com

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کی تفسیر

اس کی متعدد تفاسیر ہیں:

۱۔ یہ اہلِ ایمان کے بارے میں ہے گویا اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے تمہیں اس کا شعور نہیں جو میں نے ان کے بارے میں واضح کیا ہے کہ ان کے ایمان کی طمع نہ کرو یہ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

۲۔ یہ یہود کی بارے میں ہے گویا جب وہ خلوت میں ملتے تو کہتے تم مسلمانوں سے ایسی بات بیان کرتے ہو جس کا وبال تمہیں پر ہے اور وہ تمہارے خلاف اسے حجت بنائیں گے تمہیں عقل نہیں کہ تمہارا عمل ہرگز درست نہیں یہ قول اظہر و اولیٰ ہے اس لیے کہ یہ انہی کی بات کا حصہ ہے لہٰذا کسی دوسرے کی طرف لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

اَوَلَا یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ کی تفسیر

یہاں دو اقوال ہیں:

پہلا قول: اکثر کا کہنا یہ ہے کہ یہود اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے تھے اور یہ جانتے تھے کہ وہ مخفی و ظاہر کو جانتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی سے خوف دلایا ہے۔

دوسرا قول: وہ نہ جانتے تھے لہٰذا انہیں اس بات میں تفکر کی رغبت دلائی گئی کہ ان کا رب ہے جو ان کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے اور وہ اپنے نفاق کی وجہ سے نزول عذاب سے نہیں بچ سکتے۔

دونوں اقوال میں، یہ ان کے نفاق پر اور ایک دوسرے پر دلائل نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھپانے پر زجر و توبیخ ہے۔

اقرب یہی ہے اس سے مخاطب یہود ہیں جو اس کی معرفت رکھتے تھے اس لیے کہ یہ طریق کلام "اَوَلَا یَعْلَمُ" وہاں ہی ہوتا ہے۔ یہاں مخاطب اس شی کو جانتا ہو اور پھر اس کے فعل پر تب ہی زجر بنتا ہے۔

بعض کہتے ہیں (مفہوم یہ ہے) کہ یہ یہود مخفی طور پر دلائل نبوت محمدی سے اپنے ساتھیوں کو منع کرنا کیسے جائز سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ان لوگوں کی طرح نہیں جو نہ اللہ کو جانتے ہیں اور نہ اس کے مخفی و ظاہر کو جاننے کے بارے میں علم رکھتے ہیں تو ان کا حال اس اعتبار سے نہایت ہی عجیب ہے۔

قاضی کہتے ہیں آیتِ مبارکہ کی ان امور پر دلالت ہے:

۱۔ اگر اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق ہے تو ان اقوال و افعال پر انہیں زجر کرنا کیسے درست ہوگا؟

Marfat.com

۲۔ طریقہ نظر واستدلال درست ہے، صحابہ اور اہلِ ایمان کا یہی طریق ہے، یہود کے ہاں بھی یہ رائج تھا اسی وجہ سے انہوں نے یہ بات کہی۔

۳۔ آیت بتا رہی ہے کہ کبھی حجت الزامی ہوتی ہے اس لیے کہ جب انہوں نے صحت تورات اور اس کے نبوت محمد ﷺ پر مشتمل ہونے کا اعتراف کرلیا تو اب ان پر اعتراف نبوت محمدی ﷺ لازم ہوگا اگر وہ ان دونوں مقدموں میں سے کسی ایک کا انکار کرتے تو دلیل تمام نہ ہوئی۔

۴۔ آدمی معصیت کو معصیت سمجھ کر کرے تو اس کا جرم اور عذاب زیادہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

[۷۸-۷۹] وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾

(اور ان میں کچھ ان پڑھ ہیں کہ جو کتاب کو نہیں جانتے مگر زبانی پڑھ لینا یا کچھ اپنی من گھڑت اور وہ نرے گمان میں ہیں۔ تو خرابی ہے ان کیلئے جو کتاب اپنے ہاتھ سے لکھیں پھر کہہ دیں یہ خدا کے پاس سے ہے کہ اس کے عوض تھوڑے دام حاصل کریں تو خرابی ہے ان کیلئے ان کے ہاتھوں کے لکھے سے اور خرابی ان کیلئے اس کمائی سے)

مختلف گروہوں کا ذکر

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ سے مراد یہود ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کا عناد اور ان کے ایمان سے عدم طمع بیان کیا تو اب ان کے مختلف گروہوں کا ذکر فرمایا۔

۱۔ جو خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والے تھے وہ ہی کلام الٰہی میں تحریف وتبدیلی کرنے والے تھے۔

۲۔ منافقین۔

۳۔ جو منافقین سے مجادلہ کرتے۔

Marfat.com

۴۔ جن کا اس آیت میں ذکر ہے وہ عام ان پڑھ جو قرأت و کتابت نہیں جانتے۔ وہ تقلید اختیار کرتے اور سن کر قبول کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ ایمان قبول نہ کرنے کا ایک ہی سبب نہیں بلکہ ہر فرقہ کا سبب مختلف ہے جو آدمی اس فرمان میں مذکور یہود کے فرقوں پر غور کرے گا وہ بعینہٖ یہی چیز اس امت میں بھی پائے گا اس لیے کہ یہاں بھی ایسے ہیں جو حق کے دشمن ہیں۔ دوسروں کو گمراہ کرنے کے درپے ہیں۔ کچھ اعتدال پر ہیں اور کچھ عوام محض تقلید کرنے والے ہیں۔

یہاں چند مسائل ہیں۔

پہلا مسئلہ: اُمی کا مفہوم

اُمی میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا جو نہ کتاب کا اقرار کرے اور نہ رسول کا۔

دوسروں کی رائے یہ ہے کہ جو آدمی لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو یہ دوسرا معنی نہایت ہی درست ہے اس لیے کہ آیت میں یہود کا تذکرہ ہے اور وہ کتاب و رسول ماننے والے ہیں اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے ہم اُمی امت ہیں نہ لکھنا جانتے ہیں نہ حساب کرنا۔ (البخاری، ۱۹۱۳) اس سے بھی اس کی تائید ہو رہی ہے اور الفاظ مبارک "لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ" بھی اس کے مناسب ہیں۔

دوسرا مسئلہ: اَمَانِی کی تحقیق

امانی، امنیۃ کی جمع ہے یہ بہت سارے معانی میں مشترک ہے۔

۱۔ انسان جس کا خیال کرے اور اپنے دل میں اس کے وقوع و وجود کو محقق جانے مثلاً کہا جاتا ہے: فلان یعد فلان و یمینہ۔ (فلاں نے فلاں کو وعدہ کرتے ہوئے آرزو (دلائی) اسی سے ارشاد ربانی ہے:

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا (پ۵، النساء: ۱۲۰)

شیطان انہیں وعدے دیتا ہے اور آرزوئیں دلاتا ہے اور شیطان انہیں وعدے نہیں دیتا مگر فریب کے۔

اگر یہاں امانی کا یہ معنی لیں تو "الامانی" کا مفہوم ہوگا مگر وہ جو آرزوئیں اپنے دلوں میں رکھے ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں پر گرفت نہیں فرمائے گا اور ان کے آباء انبیاء ہیں جو ان کی شفاعت کر دیں گے اور ان کے علماء نے جو انہیں آرزوئیں لائی ہیں کہ آگ انہیں محض چند دن ہی مس کرے گی۔

۲۔ "الامانی" مگر وہ مختلف جھوٹ جو انہوں نے اپنے پادریوں سے سنے اور انہیں بطور تقلید قبول کیا۔ کسی نے بات بیان کی تو اعرابی نے کہا جو تو بیان کر رہا ہے۔ أم تمنیتہ أم اختلقتہ۔ (کیا تیری یہ آرزو ہے یا جھوٹا خیال ہے)

Marfat.com

الا امانی۔ کا معنی ہے مگر جوانہوں نے پڑھا ہے۔ تمنیٰ کتاب اللہ اول لیلۃ (اس نے اول حصہ رات میں کتاب پڑھی) سے ماخوذ ہے، صاحب کشاف کہتے ہیں کہ منیٰ، اذا قدر سے ہے کیونکہ تمنا کرنے والا اپنے دل میں اندازہ لگاتا ہے اور اپنی تمنا کو جائز مانتا ہے، اسی طرح گھڑنے والا اور پڑھنے والا اندازہ رکھتا ہے کہ اس کلمہ کے بعد یہ کلمہ آئے گا۔

شیخ ابو مسلم کہتے ہیں اس سے تمنا قلب لینا اولیٰ ہے کیونکہ ارشاد ربانی ہے:

وَقَالُوا لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ (پ۱، البقرۃ:۱۱۱)

اور اہلِ کتاب بولے ہرگز جنت میں نہ جائے گا مگر وہ جو یہودی یا نصرانی ہو۔ یہ ان کی خیال بندیاں ہیں

یعنی یہ ان کی فقط خالی آرزوئیں ہیں۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

لَّيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتَابِ مَن يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ (پ۵، النساء:۱۲۳)

کام نہ کچھ تمہارے خیالوں پر ہے اور نہ کتاب والوں کی ہوس پر جو برائی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا

تیسرے مقام پر ہے:

تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (پ۱، البقرۃ:۱۱۱)

یہ ان کی خیال بندیاں ہیں تم فرماؤ لاؤ اپنی دلیل اگر سچے ہو۔

چوتھے مقام پر ہے:

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ (پ۲۵، الجاثیۃ:۲۴)

اور بولے وہ تو نہیں مگر یہی ہماری دنیا کی زندگی مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں ہلاک نہیں کرتا مگر زمانہ اور انہیں اس کا علم نہیں وہ تو نرے گمان دوڑاتے ہیں

یعنی وہ اندازہ اور قیافہ لگاتے ہیں۔

اکثر کی رائے یہ ہے کہ اسے زبانی پڑھنے پر محمول کرنا اولیٰ ہے جیسے فرمانِ ربانی ہے:

إِذَا تَمَنَّىٰ أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ (پ۱۷، الحج:۵۲)

جب انہوں نے پڑھا تو شیطان نے ان کے پڑھنے میں لوگوں پر کچھ اپنی طرف سے ملا دیا

دوسرا یہ ہے کہ قرأت پر محمول کرنا استثناء کے مناسب ہے اس لیے کہ اس صورت میں اس کے ساتھ تعلق ہوگا گویا فرمایا وہ

Marfat.com

کتاب نہیں جانتے مگر اس قدر جوان پر پڑھی جاتی ہے اور وہ سن لیتے ہیں اور جس قدر ان پر بیان کیا جاتا ہے وہ اسے قبول کرتے ہیں پھر وہ نہ تدبر پر قدرت رکھتے ہیں اور نہ تامل پر۔

اور اگر اسے باتوں، جھوٹ یا ظن و اندازہ اور خیالات پر محمول کیا جائے تو استثناء نادر ہو جائے گا۔

تیسرا مسئلہ: الفاظ "اِلَّآ اَمَانِیَّ" میں استثناء منقطع ہے۔ نابغہ نے کہا:

حلفت یمینًا غیر ذی مثنویۃ
ولا علم الا احسن ظن بغالب

اسے مخفف بھی پڑھا گیا ہے۔

وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ کی تفسیر

جو کچھ ہم نے پیچھے کہا یہ اس کا ثبوت ہے کہ اَمَانِیَّ سے مراد اگر ایسے مختلف امور کا فکر و اندازہ لیں جن کی کوئی حقیقت نہیں تو یہ ظن ہے اور اب تکرار ہوگا۔

سوال: حدیث نفس اور ہے اور ظن اور۔ لہٰذا تکرار نہ ہوا لیکن جب اسے تلاوت پر محمول کرتے ہیں تو معنی خوب ہوگا گویا اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے ان میں سے کچھ ان پڑھ ہیں جو کتاب نہیں جانتے مگر جو ان پر تلاوت کی جائے وہ سنتے ہیں اور وہ جو معنی بھی بتا دیا جائے اسے گمان کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے واضح کیا یہ طریقہ حق تک پہنچانے والا نہیں۔

آیت میں چند مسائل ہیں:

۱۔ معارف کسبی ہوتے ہیں نہ کہ بدیہی اس لیے نہ جاننے والے اور ظن والے کی مذمت کی۔

۲۔ ہر تقلید باطل ہے لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ ہمارے ہاں فروع میں تقلید جائز ہے۔

۳۔ گمراہ کرنے والا اگرچہ مذموم ہے مگر دھوکہ کھانے والا بھی قابلِ مذمت ہے اس لیے کہ وہ اسی حال پر تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت فرمائی۔

۴۔ اصول دین میں ظن پر اکتفا ہرگز جائز نہیں۔ واللہ اعلم

وَیْلٌ کی تفسیر

"وَیْلٌ" یہ کلمہ ہر مصیبت زدہ کہتا ہے۔ حضرت ابن عباس کے نزدیک یہ دردناک عذاب ہے۔

حضرت سفیان ثوری کے نزدیک اہل دوزخ کی بہنے والی پیپ ہے۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ سے ہے دوزخ میں ایک وادی کا نام ہے جس میں کسی کافر کو ڈالا جائے گا اور اس کی تہہ تک پہنچنے میں چالیس سال لگیں گے۔ (سنن ترمذی:۳۱۶۴)

قاضی کہتے ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں۔

انتہا کی وعید و تہدید پر مشتمل ہے خواہ ویل جہنم کی وادی ہو یا عذاب عظیم۔

یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ کی تفسیر

اس کی دو تفاسیر ہیں:

۱۔ بعض اوقات آدمی کسی کو لکھنے کا کہے تو کہہ دیا جاتا ہے۔ میں نے لکھا: یہاں "بِاَیْدِیْهِمْ" کا فائدہ یہ ہے کہ انہوں نے خود ہی لکھا

۲۔ یہ تاکید ہے اور ایسے مقام پر یہ حسین ہے جیسے کوئی آدمی کتابت سے انکار کر رہا ہو تو تم کہو اے فلاں کتبتہ بیمینك (یہ تو نے ہی تو لکھا ہے)

ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کی تفسیر

مراد یہ ہے کہ جو لوگ لکھتے ہیں اور اسے ذریعہ کاروبار بناتے ہیں وہ نہایت کمینے ہیں اس لیے کہ یہ دین سے گمراہ ہیں اور دوسروں کو گمراہ کر رہے ہیں اور انہوں نے آخرت، دنیا کے عوض بیچ دی۔ لہٰذا ان کا گناہ دوسروں کی نسبت بڑا ہے اس لیے کہ یہ مسلمہ حقیقت ہے جو آدمی کسی دوسرے کو نقصان دینے کیلئے جھوٹ بولتا ہے اس پر گناہ عظیم ہے تو ان کا حال کیا ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں کذب بیانی کرے اور اس کذب کے ساتھ گمراہ کرنا بھی شامل ہو پھر ان دونوں کے ساتھ محبت دنیا اور اس کے حصول کا حیلہ و مکر بھی ہو پھر اس کے ذریعے ایسا راستہ بنایا جا رہا ہو جو رہتی دنیا تک لوگوں کو گمراہ کرتا رہے گا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گناہ کو بہت بڑا قرار دیا۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے دو عمل بیان فرمائے:

۱۔ کتاب کا خود لکھنا۔

۲۔ پھر اس کی نسبت بطور کذب اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا۔

یہ وعید، ان کے لکھنے پر ہے یا اس تحریر کی اللہ کی طرف نسبت کرنے پر ہے یا دونوں پر ہے؟

جواب: گمراہی کی خاطر باطل اشیاء کا لکھنا منکر و حرام ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی نسبت کرنا بھی، لیکن دونوں کا جمع کر دینا تو بہت زیادہ اور بڑا منکر و گناہ ہے

Marfat.com

لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا کی تفسیر

یہ ان امور پر توجہ دلاتا ہے۔

۱۔ ان کی انتہائی شقاوت پر تنبیہ ہے اس لیے کہ عقلمند پر لازم ہے کہ وہ دنیا کے اجرِ عظیم کی خاطر بھی آخرت میں قلیل سا بوجھ بھی قبول نہ کرے تو اس کے یہ شایانِ شان کہاں کہ دنیا کے حقیر نفع کی خاطر آخرت میں عذاب عظیم پر راضی ہو جائے۔

۲۔ یہ نشاندہی ہے کہ انہوں نے یہ تحریف نیک نیتی سے نہیں کی بلکہ مال وجاہ کیلئے کی اس سے معلوم ہوا باطل پر مال لینا خواہ رضا سے ہو حرام ہے اس لیے کہ مال دینے والے بطور محبت ورضا ہی دیں گے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس کے حرام ہونے پر تنبیہ فرمائی ہے۔

فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ کی تفسیر

مراد یہ ہے کہ ان کا لکھنا ہی گناہ عظیم ہے۔ اسی طرح اس پر مال لینا، اسی لیے "کتبت" کے ساتھ لفظ ویل کا دوبارہ ذکر فرمایا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ کہنا ممکن ہو جاتا کہ ان دونوں کا مجموعہ تو وعید عظیم کا تقاضا کرتا ہے لیکن ہر ایک کا تقاضا نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کا ازالہ فرما دیا۔

ارشادِ ربانی "مِمَّا يَكْسِبُوْنَ" کی تفسیر میں اختلاف ہے کہ یہاں ان کا فقط کتابت اور تحریف پر مال لینا ہی مراد ہے یا ان کے تمام معاصی مراد ہیں۔ نظمِ کلام بتا رہا ہے کہ مذکورہ صورت پر مال ہی مراد لینا اقرب ہے اگرچہ باعتبار عموم تمام کو شامل ماننا اقرب ہے لیکن اول مراد کو اسی لیے ترجیح ملتی ہے۔ جب ان کے کسب کو اس قید سے مقید نہیں کیا تو اس پر وعید درست نہ رہے گی اس لیے کہ کسب میں حلال وحرام دونوں شامل ہیں لہٰذا اسے بیان کردہ قید (کتابت وتحریف پر حصول مال) کے ساتھ مقید کرنا ہی اولیٰ ہے

قاضی کہتے ہیں آیت بتا رہی ہے ان کی کتابت اللہ تعالیٰ کی تخلیق نہیں اس لیے کہ اگر وہ تخلیقِ الٰہی ہوتی تو ان کا یہ کہنا "هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ" درست اور حقیقت ہوتا اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان میں کتابت پیدا فرمائی اور ہم تسلیم کر لیں بندہ کاسب ہے لیکن فعل کا اکتساب کاسب کی بجائے خالق کی طرف کرنا اولیٰ ٹھہرا اب لازم ہے کہ وہ اپنے قول "هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ" پر مستحق حمد ہوتے جب ایسا نہیں ہے تو واضح ہو گیا یہ کتابت مخلوق الٰہی نہیں۔

Marfat.com

[۸۰] وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٠﴾

(اور بولے ہمیں تو آگ نہ چھوئے گی مگر گنتی کے دن تم فرمادو کیا خدا سے تم نے کوئی عہد لے رکھا ہے۔ جب تو اللہ ہرگز اپنے عہد کے خلاف نہ کرے گا یا خدا پر وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں)

برائیوں کی تیسری قسم

یہ ان کے بد افعال واقوال کی تیسری نوع کا بیان ہے ان کا یہ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں صرف چند دن ہی عذاب دے گا حالانکہ اس یقین کا حصول عقلاً ہو بھی نہیں سکتا۔

اہلسنّت کے ہاں تو یوں کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کرے اور جو ارادہ کرے فیصلہ فرمائے کوئی اس کے فعل پر اعتراض نہیں کرسکتا تو اس کے حصول کا ذریعہ فقط دلیل سمعی (شریعت) ہی ہوگی۔

معتزلہ کے ہاں یوں کہ عقل نشاندہی کردیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاصی پر فاسق کو عذاب دائمی ہوتا ہے جب عقل یہ بتا رہی ہے تو کچھ مدت کیلئے عذاب پر استدلال درست ہے مگر بعد میں اس کے زوال پر دلیل سمعی ضروری ہے۔

تو دونوں مذاہب پر ثابت ہوگیا کہ عذاب نہ ہونے کا یقین دلیل سمعی کی بنا پر ہی ہوسکتا ہے اور ایسی دلیل سمعی ہرگز کوئی نہیں تو اب یہ یقین ہرگز ہرگز جائز نہ رہا۔

یہاں دو مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: أَيَّامًا مَّعْدُودَةً کی تفسیر

أَيَّامًا مَّعْدُودَةً کی تفسیر میں دو احتمال ہیں:

پہلی وجہ: لفظ ایام یا تو عشرۃ (دس) کی طرف یا اس سے کم کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ اس سے اُوپر کی طرف مضاف نہیں ہوسکتا مثلاً ایام خمسۃ (پانچ دن) ایام عشرۃ (دس دن) تو کہا جاسکتا ہے مگر ایام احد عشر (گیارہ دن) نہیں کہا جاسکتا البتہ اس ارشادِ گرامی کی وجہ سے اشکال پیدا ہوگا:

Marfat.com

5ق

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ (پ۲-البقرۃ: ۱۸۳، ۱۸۴)

تم پر روزے فرض کئے گئے جیسے اگلوں پر فرض ہوئے تھے کہ کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے گنتی کے دن ہیں

یہاں پورا ماہ مراد ہے اور یہ دس سے زائد ہے۔

پھر قاضی کہتے ہیں جب ثابت ہوگیا کہ ایام کا اطلاق دس یا اس سے کم پر ہی ہوتا ہے تو یوں کہنا زیادہ مناسب ہے کہ یہ اس کا اقل اور یہ اس کا اکثر درجہ ہے اس لیے کہ جو تین مراد لے گا وہ کہے گا میں اقل حقیقت پر محمول کر رہا ہوں جو دس مراد لے گا وہ کہے گا میں اکثر لے رہا ہوں تو دونوں کے پاس دلیل ہے لیکن جو واسطہ پر محمول کرے گا مثلاً دس سے کم مگر تین سے زائد لیتا ہے تو اس کے پاس کوئی دلیل نہیں اس لیے کہ کوئی عدد دوسرے سے اولیٰ نہیں البتہ جب کسی روایت صحیحہ میں اس کا تعین ہو جائے تو پھر اسی کو قبول کیا جائے گا۔

مفسرین کی ایک جماعت نے یہاں سات دن مراد لیے ہیں۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہود کہا کرتے، دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے تو اللہ تعالیٰ ہر سال کے عوض ایک دن عذاب دے گا تو اسی طرح ہمیں صرف سات دن عذاب ہوگا۔

شیخ اصم نے بعض یہود سے نقل کیا چونکہ انہوں نے سات دن بچھڑے کی پوجا کی اس لیے وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سات دن عذاب دے گا۔

یہ دونوں وجہ ضعیف ہیں۔

پہلی اس لیے کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال اور عذاب سات دن ہونے میں کوئی مناسبت اور ملازمت نہیں۔

دوسری اس لیے کہ معصیت سات دن کرنے سے عذاب کا سات دن ہونا کہاں لازم ہے؟

ہمارے مذہب پر یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر شی میں حسن ہے کیونکہ وہ مالک ہے۔

اور معتزلہ کہتے ہیں جب تک عاصی توبہ نہ کرے یا معافی نہ ہو وہ دائمی عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔

سوال: کیا اللہ تعالیٰ نے زیادتی سے خود منع نہیں کیا۔ فرمایا:

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (پ۲۵، الشوریٰ: ۴۰)

اور برائی کا بدلہ اسی کی برابر برائی ہے

تو ضروری ہے عذاب معصیت سے زائد نہ ہو۔

جواب: معصیت میں اضافہ بقدر نعمت ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے انعامات بندوں پر بلا حد و شمار ہیں تو ان کی معصیت بھی بہت ہی بڑی ہوگی۔

فضل قدیر

Marfat.com

دوسری وجہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ہے ان ایام سے مراد چالیس دن ہیں اور یہ بچھڑے کی پوجا کے دن ہیں لیکن اس پر بھی سات دن والا کلام ہوگا۔

تیسری وجہ: بعض نے کہا: معدودۃ کا معنی قلیل ہے جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ اور بھائیوں نے اسے کھوٹے داموں گنتی کے روپوں پر بیچ ڈالا (پ۱۲، یوسف:۲۰)

دوسرا مسئلہ: حنفی کہتے ہیں کم از کم مدت حیض تین اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔ ان کی دلیل آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے: خاتون اپنے ایام حیض میں نماز ترک کر دے۔ (البخاری:۲۲۸)

تو اس مدت کو ایام قرار دیا جس کا اقل تین اور اکثر دس ہے جیسے پیچھے ہم نے بیان کیا تو اب ضروری ہے کہ اس کی مدت مذکورہ ہی ہو لیکن اس پر سابقہ اشکال وارد ہوگا۔

تیسرا مسئلہ: یہاں ہے وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً، اور آلِ عمران میں ہے: اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ۔ تو سوال ہوسکتا ہے کہ موصوف دونوں جگہ واحد ''ایام'' ہے لیکن صفت الگ کیوں؟

جواب: اسم اگر مذکر ہو تو اس کی جمع کی صفت میں تا لازم ہے مثلاً ''کوز کیزان مکسورۃ، ثیاب مقطوعۃ'' اور اگر وہ مؤنث ہے تو صفت جمع الف تا کے ساتھ ہوگی؟ مثلاً ''جرۃ، جرار مکسورات خابیۃ، خوابی مکسورات'' البتہ بعض صورتوں میں مذکر کی جمع میں الف تا آجاتا ہے۔ مثلاً ''حمام، حمامات جمل سبطر و سبطرات'' اسی طریق پر ہے ''فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ'' اور ''فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ'' تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں اصل کے مطابق اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً اور آل عمران میں فرع کے مطابق فرمایا ہے

قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: یہاں عہد، خبر اور وعدہ کی جگہ ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر کو عہد کہنا اس وجہ سے ہے کہ اس کی خبر ان وعدوں سے کہیں پختہ ہوتی ہے جو قسم و نذر کے ساتھ مؤکد ہوں تو اللہ کے عہد کی یہی شان ہوتی ہے۔

دوسرا مسئلہ: صاحب کشاف لکھتے ہیں: فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ کا تعلق محذوف سے ہے۔ عبارت یوں ہے ان اتخذتم عند اللہ عهداً فلن يخلف الله عهده۔ (اگر تم سے اللہ کا عہد ہے تو اللہ اپنے عہد کے خلاف نہیں کرتا)

Marfat.com

تیسرا مسئلہ: ارشادِ مبارک "اَتَّخَذْتُمْ" استفہام نہیں بلکہ انکار ہے اس لیے یہ جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے قول کے بطلان پر حجت رسول کو بطور استفہام ذکر کرے بلکہ یہاں طریق استدلال پر تنبیہ ہے کہ اس کی معرفت سوائے دلیل سمعی (شریعت) کے نہیں ہوسکتی اور وہ تو یہاں موجود نہیں لہٰذا ایسی بات پر جزم ہرگز جائز نہیں۔

چوتھا مسئلہ: ارشادِ ربانی "فَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰہُ عَھْدَہٗ" نشاندہی کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنے وعدہ اور وعید میں کذب سے پاک ہے۔ اہلِسنّت کہتے ہیں کہ جھوٹ نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔

معتزلہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ قبیح کے قبح سے آگاہ ہے اور اس سے بھی آگاہ ہے کہ وہ اس سے مستغنی ہے اور کذب قبیح ہے جب اللہ تعالیٰ اس شان کا مالک ہے تو اس سے ایسا فعل محال ہے لہٰذا اس سے کذب محال ہے اسی لیے فرمایا: "فَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰہُ عَھْدَہٗ"

خلافِ وعید کرم ہے

سوال: عہد، وعدہ ہے جب کسی شی کا ذکر ہو تو وہ اپنے ماسوا کی نفی پر دال ہوتا ہے۔ جب وعدہ میں کہا اللہ اس کے خلاف نہیں فرماتا تو واضح ہو گیا وعید میں خلاف جائز ہے پھر عقل بھی یہی کہتا ہے اس لیے کہ وعدہ میں خلاف بُرا ہے جبکہ وعید میں کرم ہے۔

جواب: دلالت مذکورہ تمام اقسام کذب میں قائم ہے۔

پانچواں مسئلہ: شیخ جبائی کہتے ہیں آیت نشاندہی کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ان کے بعد آنے والے انبیاء علیہم السلام سے یہ وعدہ نہیں فرمایا کہ اہلِ معاصی و کبائر کو عذاب کے بعد دوزخ سے نکالا جائے گا اس لیے کہ اگر یہ وعدہ ہوتا تو یہود کے اس قول کی تردید نہ ہوتی۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر کوئی دلیل نہیں البتہ یہ ثابت ہے کہ عاصیوں پر اس کی وعید ہے جب گناہوں پر زجر موجود ہے تو لازم ہے ان پر عذاب دائمی ہو جیسا کہ وعید پر قول ہے جب باقی امتوں کا معاملہ یہی ہے تو اس امت کا حکم بھی یہی ہوگا کیونکہ وعدا اور وعید میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ امتوں میں مختلف نہیں اس لیے کہ تمام میں معصیت مختلف نہیں

لیکن یہ قول نہایت ہی ضعیف ہے اس لیے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اہلِ کبائر کو دوزخ سے نکالنے کا وعدہ نہیں فرمایا اور یہ کہنا کہ اگر اس نے وعدہ فرمایا ہوتا تو پھر قولِ یہود کی تردید نہ فرماتا۔ ہم کہتے ہیں ممکن ہے ان وجوہ کی بنا پر ان کی تردید کی ہو۔

۱۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید اس لیے فرمائی ہو کہ انہوں نے ایام عذاب کو قلیل کہا ان کا قول "لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَۃً" بہت کم دنوں پر دال ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جزمِ قلت کی تردید فرمائی نہ یہ کہ اس نے انقطاع عذاب کی تردید کی ہے

فضل قدیر

Marfat.com

۲۔ فرقہ مرجئہ کہتا ہے کہ لوگوں کی معافی یقینی ہے لیکن ہر شخص معین کے بارے میں قطعی بات نہیں کہی جا سکتی تو جب انہوں نے اپنے بارے میں تخفیف میں جزم کا اظہار کیا تو اب اللہ تعالیٰ کا ان کا تردید فرمانا ضروری تھا۔

۳۔ وہ کافر تھے اور ہمارے نزدیک عذابِ کافر دائمی اور غیر منقطع ہے۔

اگر ہم تسلیم کرلیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دوزخ سے اہلِ کبائر کو نکالنے کا وعدہ نہیں کیا لیکن تم یہ کیوں نہیں کہہ سکتے کہ وہ انہیں دوزخ سے نہیں نکالے گا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ کہنا اللہ تعالیٰ نے انہیں دوزخ سے نکالنے کا وعدہ نہیں کیا اور یہ کہنا کہ اس نے اطلاع دی ہے کہ وہ انہیں دوزخ سے نہیں نکالنے گا میں فرق ہے۔ اول میں مضرت نہیں اس لیے کہ بعض اوقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس نے فرمایا ہوتا مگر روزِ قیامت وہ کردے۔ یہود کی تردید کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے بغیر دلیل یقین کرلیا حالانکہ ان پر توقف لازم تھا نہ تو وہ قطعی طور پر اس کی نفی کرتے اور نہ اثبات، اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ کی امت کے گناہ گاروں کو دوزخ سے نہیں نکالے گا تو اس سے یہ کیسے تم کہہ سکتے ہو کہ اس امت کے گناہ گاروں کو بھی نہیں نکالا جائے گا۔

شیخ جبائی کا قول کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ وعد و وعید میں مختلف نہیں محض سینہ زوری و ڈھٹائی ہے۔ اس لیے کہ عتاب، اللہ تعالیٰ کا حق ہے لہٰذا وہ فضل فرماتے ہوئے کسی سے ساقط فرمادے لیکن باقیوں سے ساقط نہ فرمائے لہٰذا اس دلیل کا ضعف واضح ہوگیا۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کی تفسیر

یہ تمام حجت مذکور کا بیان ہے کہ اس عقیدہ کے ثبوت کیلئے دلیل شرعی چاہیے اور وہ ہرگز نہیں۔ لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسا قول کرنا یقیناً جاہلانہ ہے۔ یہ آیت مبارکہ ان فوائد پر دال ہے:

۱۔ ان کے بغیر دلیل قول کی اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی جس سے واضح ہوگیا بغیر دلیل قول باطل ہوتا ہے۔

۲۔ جس شی کا وجود و عدم عقلاً جائز ہو اس کے اثبات و نفی کیلئے دلیل سمعی (شریعت) کا ہونا ضروری ہے۔

۳۔ منکرین قیاس و خبر واحد نے اسی آیت سے یوں استدلال کیا یہ دونوں مفید یقین نہیں لہٰذا ان سے تمسک جائز نہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ اور یہ مقام انکار ہی ہے۔

جواب: جب قیاس اور خبر واحد بوقت حصول ظن وجوب عمل پر دال ہوتے ہیں تو اس وقت وجوب عمل یقینی ہوگا گویا اسی صورت میں معلوم پر ہی عمل ہے نہ کہ غیر معلوم پر۔

Marfat.com

[۸۱] بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـــَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾

(ہاں کیوں نہیں جو گناہ کمائے اور اس کی خطا اُسے گھیر لے وہ دوزخ والوں میں ہے انہیں ہمیشہ اس میں رہنا ہے)

صاحب کشاف کہتے ہیں حرف نفی کے مابعد کے لیے "بلیٰ" اثبات ہوتا ہے اور وہ یہ ارشاد ہے جس میں نفی ہے "لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ" یعنی ارشاد هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ کی بنا پر تمہیں آگ ہمیشہ مس کرے گی۔ سیئۃ، تمام معاصی کو شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (پ ۲۵-الشوریٰ: ۴۰) اور برائی کا بدلہ اسی کی برابر برائی ہے

دوسرے مقام پر فرمایا:

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ (پ ۵-النساء: ۱۲۳) جو برائی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا

چونکہ یہ خیال کرنا جائز تھا کہ خواہ گناہ چھوٹا ہو یا بڑا وہ اس معاملہ میں برابر ہے کہ اس کا مرتکب دائمی دوزخ میں جائے تو ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ واضح کردے کہ دائمی دوزخ کا مستحق وہ ہوگا۔ گناہ جس کا احاطہ کرلیں اور یہ واضح ہے کہ حقیقت میں احاطہ اجسام میں ہوتا ہے۔ مثلاً دیواروں نے شہر کا احاطہ کرلیا۔ کوزہ نے پانی کا احاطہ کیا اور یہاں ایسا نہیں ہوسکتا لہٰذا ہم "سیئۃ" کو ان دووجہ سے کبیرہ پر حمل کریں:

۱۔ محیط، محاط کو ڈھانپ لیتا ہے تو کبیرہ گناہ بھی طاعات کے ثواب کا احاطہ کرلیتا ہے یعنی انہیں ڈھانپ لیتا ہے تو اس اعتبار سے مشابہت یہاں موجود ہے۔

۲۔ کبیرہ جب ثواب طاعات کو ختم کردیتا ہے تو گویا اس نے ان پر غلبہ پاتے ہوئے احاطہ کرلیا جس طرح دشمن لشکر انسان کا احاطہ کرلیتا ہے کہ وہ اس سے خلاصی نہیں پاسکتا گویا اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے ہاں جس نے کبیرہ کا ارتکاب کیا اور اس نے اس کی طاعات کا احاطہ کرلیا وہ دوزخی ہے اور وہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔

سوال: یہ آیت تو یہود کے بارے میں ہے؟

جواب: اعتبار خاص سبب کا نہیں بلکہ عموم الفاظ کا ہوتا ہے۔

Marfat.com

معتزلہ کا استدلال

اس سے معتزلہ نے اہلِ کبائر کیلئے وعید وسزا کا اثبات کیا ہے اور یہ بڑے مسائل میں سے ہے لہٰذا ہم یہاں ذکر کیے دیتے ہیں اہلِ کبائر کیلئے وعید پر اہلِ قبلہ کا اختلاف ہے۔ کچھ لوگ قطعی وعید مانتے ہیں ان کے دو فریق ہیں:

۱۔ جو دائمی وعید مانتے ہیں یہ جمہور معتزلہ اور خوارج کا قول ہے۔

۲۔ وعید منقطع مانتے ہیں۔ شیخ بشر مریسی اور خالد کا یہی قول ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قطعی طور پر ان کیلئے وعید نہیں یہ شاذ قول ہے اور یہ مفسر قرآن شیخ مقاتل بن سلیمان کی طرف منسوب ہے۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے ہم یقین رکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بعض معاصی پر معافی عطا فرمائے گا لیکن ہر ایک کے بارے میں توقف کریں گے کہ اسے معافی ملے گی یا نہیں اور ہم یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کو ایک مدت تک عذاب دے گا نہ کہ ہمیشہ بلکہ عذاب منقطع فرمائے گا۔ یہ اکثر صحابہ، تابعین، اہلِسنّت وجماعت اور اکثر امامیہ کا یہی موقف ہے۔

یہ بحث دو مسائل پر مشتمل ہے۔

۱۔ وعید قطعی۔

۲۔ اگر وعید ثابت ہے تو دائمی یا غیر دائمی۔

پہلا مسئلہ: وعید، پہلے ہم معتزلہ کے دلائل پھر مرجئہ خالصہ کے اور پھر اہلِسنّت۔ رحمہم اللہ کے دلائل لائیں گے۔

معتزلہ اس بارے میں وارد عموم سے استدلال کرتے ہیں اور وہ دو طرح کے ہیں۔ بعض لفظ 'مَن' مقام شرط سے ہیں اور بعض بصورت جمع ہیں۔ اول قسم یہ آیات ہیں:

۱۔ آیت میراث میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ

(پ۴-النساء: ۱۳، ۱۴)

یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو حکم مانے اللہ کا اور اللہ کے رسول کا اللہ اسے باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اور یہی ہے بڑی کامیابی اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی کل حدوں سے بڑھ جائے اللہ اسے آگ میں داخل کرے گا جس میں ہمیشہ رہے گا اور اس کیلئے خواری کا عذاب ہے

Marfat.com

اور ہم پر واضح ہے جس نے نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد ترک کر دیا، شراب، زنا اور محترم نفس کو قتل کیا وہ اللہ تعالیٰ کی حدود توڑنے والا ہے اور اس کا اہلِ عذاب میں ہونا ضروری ہے۔ اس لیے کہ کلمہ "مَـــنْ" مقام شرط میں عموم کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ اصول فقہ میں مسلم ہے تو اب ہمارا مخالف اگر اس سے مراد کافر لے نہ کہ مومن تو یہ خلافِ دلیل ہے۔

اور اس قول مخالف کو یہ دو دلائل بھی باطل قرار دیتے ہیں:

پہلی دلیل: یہاں اللہ تعالیٰ نے میراث کی حدود بیان فرمائیں پھر ان حدود کی حفاظت کرنے والے سے وعدہ اور نافرمانی کرنے والے پر وعید فرمائی۔ تو جو اللہ تعالیٰ پر ایمان وتصدیق رکھنے والا ہے وہ ان میں طاعت زیادہ کرے گا۔ بنسبت اس کی جو رب کا منکر، اس کے رسل اور شرائع کی تکذیب کرنے والا ہوگا۔ لہٰذا ترغیب طاعت اس کیلئے خصوصاً ہوگا جو طاعت کے زیادہ قریب ہے اور وہ مومن ہے۔ اول حصہ آیت میں مومن مراد ہے تو آخری میں بھی وہی مراد ہوگا۔

دوسری دلیل: ارشادِ گرامی ہے: "تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ"۔ اس سے مراد مذکورہ حدود ہی ہیں اس کے بعد ان کی طاعت پر وعدہ اور نافرمانی پر وعید ہے تو سیاقِ آیت بتا رہا ہے فقط ان حدود کی نافرمانی پر وعید ہے اگر چہ ان کے ساتھ دوسری حدود کے توڑنے کو ملایا جائے اور اس لیے کہ فقط ان حدود سے تجاوز پر اس وعید سے زجر ہے اگر مراد یہی وعید نہ ہوتی تو زجر نہ ہوتا تو جب ثابت ہو گیا یہ مومن، کافر کی طرح مراد ہے تو فقط کافر مراد لینا باطل ٹھہرا۔

کافر مراد نہیں

سوال: ارشادِ گرامی "وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ" جمع مضاف ہے جو عموم کا مفید ہے۔ جیسے کہا جائے ضَرَبْتُ عَبِيْدِيْ (میں نے اپنے غلاموں کو مارا) تو یہ تمام کو شامل ہے جب یہ ثابت ہے کہ یہ آیت اس کیلئے ہے جس نے تمام حدود کی خلاف ورزی کی تو وہ کافر ہے نہ کہ مومن

جواب: معاملہ اسی طرح ہے جیسا کہ تم نے ذکر کیا لیکن یہ الفاظ کی بنسبت ہے مگر یہاں قرائن موجود ہیں جو بتا رہے ہیں کہ جمیع حدود کی خلاف ورزی مراد نہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ کو يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ سے پہلے ذکر فرمایا۔ لہٰذا یہاں سابقہ حدود ہی مراد ہیں۔

۲۔ تمام امت کا اتفاق ہے، اس آیت میں مومن کو معاصی پر زجر ہے اگر تمہاری بات مان لی جائے تو یہاں مومن پر زجر نہیں ہوگا

۳۔ اگر آیت میں تمام حدود کی خلاف ورزی مراد ہو تو پھر وعید کا فائدہ کچھ نہ ہوگا اس لیے کہ کوئی مکلف بھی تمام حدود الٰہیہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا کیونکہ ایسی حدود بھی ہیں جن میں تضاد ہے اور وہ جمع نہیں ہوسکتیں مثلاً یہ ممکن نہیں کہ ایک آدمی ایک حالت میں مذہب ثنویہ اور نصرانیہ رکھتا ہو اور مکلفین میں ایسا کوئی شخص نہیں جو تمام معاصی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے۔

Marfat.com

۴۔ مومن کے عمداً قاتل کے بارے میں فرمایا:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا (پ۵، النساء:۹۳)

اور جو کوئی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کا بدلہ جہنم ہے کہ مدتوں اُس میں رہے

آیت بتا رہی ہے کہ یہ سزا اسی قتل کی ہے کیونکہ ارشادِ باری ہے:

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ (پ۵، النساء:۱۲۳)

جو برائی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا

۵۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْٓا إِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْأَدْبَارَ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَأْوٰهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (پ۹، الانفال:۱۶،۱۵)

اے ایمان والو! جب کافروں کے لشکر سے تمہارا مقابلہ ہو تو انہیں پیٹھ نہ دو اور جو اس دن انہیں پیٹھ دے گا مگر لڑائی کا ہنر کرے یا اپنی جماعت میں جا ملنے کو تو وہ اللہ کے غضب میں پلٹا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کیا بری جگہ ہے پلٹنے کی

۶۔ ارشادِ ربانی ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (پ۳۰، الزلزلۃ:۸،۷)

تو جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا اور جو ایک ذرہ بھر برائی کرے اسے دیکھے گا۔

۷۔ ارشادِ ربانی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْٓا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا (پ۵، النساء:۳۰،۲۹)

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ کوئی سودا تمہاری باہمی رضامندی کا ہو اور اپنی جانیں قتل نہ کرو بیشک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے اور جو ظلم و زیادتی سے ایسا کرے گا تو عنقریب ہم اُسے آگ میں داخل کریں گے اور یہ اللہ کے لیے آسان ہے۔

۸۔ ارشادِ ربانی ہے:

إِنَّهٗ مَنْ يَّأْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى وَمَنْ يَّأْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَأُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى (پ۱۶-طٰہٰ:۷۵،۷۴)

بیشک جو اپنے رب کے حضور مجرم ہو کر آئے تو ضرور اس کیلئے جہنم ہے۔ جس میں نہ مرے اور نہ جئے اور جو اس کے حضور ایمان کے ساتھ آئے کہ اچھے کام کئے ہوں تو انہیں کے درجے اونچے

Marfat.com

۹۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا (پ۱۶-طٰہٰ:۱۱۱) اور بیشک نامراد رہا جس نے ظلم کا بوجھ لیا

۱۰۔ شمارِ معاصی کے بعد فرمایا:

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا يُّضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا (پ۱۹-الفرقان:۶۸،۶۹) اور جو یہ کام کرے وہ سزا پائے گا بڑھایا جائے گا اس پر عذاب قیامت کے دن اور ہمیشہ اس میں ذلت سے رہے گا

یہاں واضح کردیا کہ فاسق کیلئے کافر کی طرح دائمی عذاب ہے البتہ اگر فاسق نے توبہ کرلی یا کافر ایمان لے آیا تو پھر عذاب نہ ہوگا۔

یہاں واضح کردیا کہ فاسق کیلئے کافر کی طرح دائمی عذاب ہے البتہ اگر فاسق نے توبہ کرلی یا کافر ایمان لے آیا تو پھر عذاب نہ ہوگا۔

۱۱۔ ارشادِ ربانی ہے:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (پ۲۰-النمل:۸۹،۹۰) اور جو نیکی لائے اس کیلئے اس سے بہتر صلہ ہے اور ان کو اس دن کی گھبراہٹ سے امان ہے اور جو بدی لائے تو ان کے منہ اوندھائے گئے آگ میں تمہیں کیا بدلہ ملے گا مگر اسی کا جو تم کرتے تھے

یہ ارشاد واضح کررہا ہے کہ تمام معاصی پر وعید ہے جیسے کہ تمام طاعات پر وعدہ ہے۔

۱۲۔ ارشادِ ربانی ہے:

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى (پ۳۰ النازعات:۳۷-۳۹) تو وہ جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تو بیشک جہنم ہی اس کا ٹھکانہ ہے

۱۳۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا (پ۲۹، الجن:۲۳) اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم نہ مانے تو بیشک ان کیلئے جہنم کی آگ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں۔

یہاں کافر و فاسق میں کوئی فرق نہیں رکھا۔

Marfat.com

۱۴۔ ارشادِ ربانی ہے:

بَلٰی مَنْ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّ اَحَاطَتْ بِہٖ خَطِیْٓئَتُہٗ — ہاں کیوں نہیں جو گناہ کمائے اور اس کی خطا اُسے گھیر لے۔

اس سے پہلے مرجہ یہود کا قول نقل کیا:

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَۃً — اور بولے ہمیں تو آگ نہ چھوئے گی مگر گنتی کے دن

(پ ۱، البقرۃ: ۸۰)

پھر انہیں جھوٹا قرار دیتے ہوئے فرمایا:

بَلٰی مَنْ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّاَحَاطَتْ بِہٖ خَطِیْٓئَتُہٗ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ (پ ۱ البقرۃ: ۸۱) — ہاں کیوں نہیں جو گناہ کمائے اور اس کی خطا اسے گھیر لے وہ دوزخ والوں میں ہے انہیں ہمیشہ اس میں رہنا ہے

ان تمام آیات میں کلمہ "مَنْ" مقام شرط میں واقع ہے جو لفظ عموم کا فائدہ دیتا ہے۔

اس پر درج ذیل دلائل ہیں:

پہلی دلیل: عموم مَنْ پر دلائل

اگر یہ عموم کیلئے موضوع نہیں تو پھر خصوص کیلئے اس کی وضع ہوگی یا دونوں (عموم وخصوص) میں مشترک ہوگا یہ دونوں صورتیں باطل ہیں لہٰذا اس کی وضع عموم کیلئے ہی ہوگی۔

خصوص کیلئے اس لیے نہیں اگر ایسا ہوتا تو متکلم کے لئے یہ درست نہ ہوتا کہ شرط پر ہر عمل کرنے والے کو وہ جزا دے کیونکہ ایسی صورت میں جزا اس شرط پر مرتب نہ ہوگی حالانکہ اس جملہ پر سب کا اتفاق ہے جس نے کہا: مَنْ دخل داری أکرمتہ۔ (جو میرے گھر داخل ہوا اس کی میں عزت کروں گا) تو اب ہر داخل ہونے والے کا احترام درست ہے تو اب معلوم ہوگیا کہ اس کی وضع خصوص کے لیے نہیں۔

مشترک بھی نہیں

۱۔ اشتراک خلاف اصل ہے۔

۲۔ اگر معاملہ ایسا ہی ہوتا تو جزا شرط پہ تمام اقسام کے سوال کے بعد مرتب کیوں ہوتی ہے مثلاً کسی نے کہا 'من دخل داری اکرمتہ۔ تو اس سے پوچھا جائے گا مراد مرد ہیں یا خواتین۔ اگر وہ مراد مرد لے تو پوچھ لیا جائے گا عرب مراد ہیں یا عجم۔ اگر مراد عرب ہے تو سوال ہوگا ربیعہ مراد ہیں یا مضر۔ اسی طرح تمام اقسام کے بارے میں سوال ہوگا۔ جب ہم پر واضح ہوگیا

Marfat.com

دوسری دلیل: من دخل داری أکرمته" سے ہر صاحب عقل کا استثناء ہوسکتا ہے اور استثناء کلام سے اسے خارج کیا جانا ہوتا ہے کہ اگر یہ نہ ہوتا تو وہ کلام میں داخل ہوتا اس لیے کہ اس میں کوئی نزاع نہیں کہ مستثنیٰ کسی جنس سے تب ہی ہوگا جب وہ مستثنیٰ منہ کے تحت داخل ہو تو اب صحت وجوب کا اعتبار ہوگا یا نہیں ہوگا۔ پہلی صورت باطل ہے۔

اولاً اس لیے کہ لازم آئے گا جمع منکر اور جمع معرف سے استثناء میں فرق نہ رہے۔ مثلاً جاءنی فقھاء الا زیدا اور جاءنی الفقھاء الا زیداً۔ کیونکہ زید دونوں میں داخل ہے حالانکہ ان کے درمیان فرق مسلم اور لازمی ہے۔

ثانیاً عدد سے استثناء ایسی شی کو نکالنا ہوگا جو داخل تھی تو یہ فائدہ استثناء تمام مقامات پر لازم ہوگا کیونکہ اہلِ لغت میں سے کسی نے استثناء مشتمل علی العدد اور غیر میں فرق نہیں کیا تو ثابت ہوگیا کہ استثناء کلام سے ایسی شی کو نکالنا ہوتا ہے کہ اگر یہ نہ ہوتا تو وہ داخل ہی رہتی اور یہ بات واضح کر رہی ہے کہ لفظ مَنْ مقام شرط میں عموم کا فائدہ دیتا ہے۔

تیسری دلیل: جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (پ۱۷، الانبیاء:۹۸) بیشک تم اور جو کچھ اللہ کے سوا تم پوجتے ہو سب جہنم کے ایندھن ہو

تو ابن زبعریٰ نے کہا: میں محمد سے مناظرہ کروں گا۔ کہنے لگا یا محمد! کیا فرشتوں کی عبادت نہیں کی گئی؟ کیا عیسیٰ بن مریم کی عبادت نہیں کی گئی؟ تو اس نے عموم سے ہی استدلال کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا انکار نہ فرمایا تو یہ واضح کر رہا ہے کہ یہ الفاظ عموم پر دال ہیں۔

نوٹ: مشہور روایت یہی ہے کہ آپ ﷺ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا تو اپنی زبان بھی نہیں جانتا۔ لفظ "ما" عقل والوں کیلئے نہیں آتا یعنی یہ پتھروں اور دیگر حیوانات کیلئے آتا ہے۔ (قادری غفرلہ)

دوسری قسم: معتزلہ، جمع معرف بالالف واللام کے ساتھ وعید سے بھی استدلال کرتے ہیں اور وہ درج ذیل آیات میں ہے:

وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ (پ۳۰، الانفطار:۱۴) اور بیشک بدکار ضرور دوزخ میں ہیں

قاضی، جبائی اور ابوالحسن کہتے ہیں یہ صیغہ عموم کیلئے ہے۔ ابو ہاشم اسے نہیں مانتے مگر ہمارے نزدیک اس کے مفیدِ عموم پر یہ دلائل ہیں:

Marfat.com

جمع معرّف کی عموم پہ دلالت

۱۔ انصار نے جب خلافت کا مطالبہ کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشادِ گرامی سنایا: "اَلْاَئِمَّۃُ مِنَ قُرَیْشٍ" (امام قریش میں سے ہوں گے) انصار نے اس دلیل کو تسلیم کیا اگر جمع معرف بلام جنس استغراق (عموم) پر دال نہ ہوتی تو یہ دلیل درست نہ ہوتی اس لیے کہ "بَعْضُ الْاَئِمَّۃِ مِنْ قُرَیْشٍ" دوسروں سے امام بننے کے منافی نہیں۔ البتہ تمام آئمہ کا قریش سے ہونا دوسروں سے امام کے منافی ہے۔

روایات میں ہے جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مانعینِ زکوٰۃ سے جہاد کا ارادہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں: اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ (مجھے لوگوں سے جہاد کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ کلمۂ اسلام اور توحید مان لیں) تو انہوں نے عموم لفظ سے ہی استدلال کیا اس کا نہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اور نہ ہی کسی دوسرے صحابی نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ ان میں عموم نہیں بلکہ استثناء کی بات کی اور کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: "اِلَّا بِحَقِّھَا" (اور زکوٰۃ اس کا حق ہے)

۲۔ اس جمع کی مفیدِ استغراق کے ساتھ تاکید کی جاتی ہے لہٰذا اس کا مفیدِ استغراق ہونا ضروری ہے۔ مثلاً ارشادِ ربانی ہے:

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ (پ۲۳۔ص:۷۳) تو سب فرشتوں نے سجدہ کیا ایک ایک نے کہ کوئی باقی نہ رہا

اب تاکید کے بعد تو بالاتفاق مفیدِ استغراق ہے تو تاکید سے پہلے بھی اصلاً اس پر دلالت ضروری ہے اس لیے کہ ان الفاظ کو بالاتفاق تاکید کہا جاتا ہے اور تاکید اصل میں موجود حکم کو تقویت دینا ہے۔ اگر اصل میں استغراق ہی نہ ہو بلکہ ان الفاظِ تاکید سے وہ پیدا ہو تو ان کی تقویت حکم میں تاثیر نہیں بلکہ ان سے ایک نیا حکم سامنے آجائے گا تو یہ مجمل کا بیان تو بن جائیں گے نہ کہ تاکید، حالانکہ ان کے تاکید ہونے میں اجماع ہے تو ماننا پڑے گا اصل میں استغراق کا موجود ہونا ضروری ہے۔

۳۔ اہلِ لغت سے منقول ہے، الف لام سے اسم معرفہ ہو جاتا ہے تو اس کا حمل اسی پر کیا جائے جس سے معرفت حاصل ہو اور معرفت کیلئے کل پر حمل ضروری ہے اس لیے کہ وہ مخاطب کو معلوم ہوتا ہے۔ بعض پر حمل مفید معرفت نہیں اس لیے کہ بعض افرادِ جمع بعض سے اولیٰ نہیں ہوتے تو وہ مجہول ہی رہے گا۔

سوال: جب جنس سے مخصوص جماعت کا افادہ ہو گیا تو اس جنس کا افادہ ہو گیا۔

جواب: یہ فائدہ تو بغیر الف لام کے بھی حاصل ہو جاتا ہے مثلاً رَاَیْتُ رِجَالًا (میں نے رجال کو دیکھا) تو جنس کو متعارف اور اسے دوسرے سے ممتاز کر رہا ہے لہٰذا واضح ہوا الف لام کا فائدہ زائد ہوتا ہے اور وہ استغراق ہی ہے۔

Marfat.com

۴۔ اس کی جنس کا استثناء اس سے درست ہوتا ہے اور یہ مفید عموم ہے۔

۵۔ جمع معرفہ میں منکر سے زیادہ کثرت ہوتی ہے اس لیے کہ منکر کا انتزاع معرف سے ہوتا ہے لیکن اس کا عکس نہیں ہوتا اس لیے۔ رأیت رجالا من الرجال کہنا درست ہے۔ لیکن رأیت الرجال من رجال نہیں کہا جا سکتا اور یہ واضح ہے کہ متنزع منہ (جس سے نکالا جائے)، متنزع (نکالا گیا) سے اکثر ہوتا ہے جب یہ ثابت ہو گیا اب ہم پوچھتے ہیں جمع معرف سے مفہوم کل ہے یا اس سے کم دوسری صورت باطل ہے اس لیے کہ جو عدد کل سے کم ہے اس کا انتزاع جمع معرف سے درست ہے تو جب معلوم ہو چکا کہ متزع منہ اکثر ہوتا ہے تو جمع معرفت مفید کل ہوگا۔ واللہ اعلم۔

طریقہ ابو ہاشم پر گفتگو یوں ہے، جمع معرف مفید عموم نہیں آیت سے ان کا استدلال ان دو طریقوں پر ہے:

۱۔ کسی حکم کا وصف پر مرتب ہونا علت ہونے پر دال ہوتا ہے۔ مثلاً وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ میں فجور علت ہے جب یہ ثابت ہے تو عموم علت کی وجہ سے عموم حکم لازم ہوگا اور یہی مقصود ہے۔

اس سلسلہ میں نحویوں نے تیسرا طریقہ بھی بیان کیا ہے کہ "ان الفجار" میں لام تعریف نہیں بلکہ یہ اَلَّذِیْ کے معنی میں ہے اس پر دو چیزیں دلیل ہیں:

۱۔ اس کے جواب میں فا آتی ہے مثلاً ارشادِ ربانی ہے: وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا۔ الذی یلقانی فلہ درھم

۲۔ جس پر یہ لام داخل ہو اس پر فعل کا عطف درست ہوتا ہے۔ اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا (پ ۲۶ الحدید: ۱۸) اگر یہاں اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ بمعنی "اِنَّ الَّذِیْنَ اَصَّدَّقُوْا"، نہ ہوتا تو "اَقْرَضُوا اللّٰہَ" کا اس پر عطف نہ ہو سکتا۔

اب ثابت ہو گیا، اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ" کا معنی ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ فَجَرُوْا فَھُمْ فِی الْجَحِیْمِ اور یہ مفید عموم ہے۔ اس باب میں تیسری آیت یہ ہے: یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰی جَھَنَّمَ وِرْدًا (پ ۱۶ مریم: ۸۵، ۸۶) یہاں مجرمین جمع معرف ہے۔

۳۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَنَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْھَا جِثِیًّا (پ ۱۶ مریم: ۷۲) اور ظالموں کو اس میں چھوڑ دیں گے گھٹنوں کے بل گرے

۴۔ باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِظُلْمِھِمْ مَّا تَرَکَ عَلَیْھَا مِنْ دَآبَّۃٍ وَّلٰکِنْ یُّؤَخِّرُھُمْ (پ ۱۴۔ النحل: ۶۱) اور اگر اللہ ان کے ظلم پر گرفت کرتا تو زمین پر کوئی چلنے والا نہیں چھوڑتا لیکن انہیں ایک ٹھہرائے وعدے تک مہلت دیتا ہے

Marfat.com

واضح کیا کہ ان کا عذاب یوم آخر تک مؤخر ہے اور یہ بات تب صادق ہے کہ اگر انہیں عذاب اسی دن حاصل ہو۔

تیسری قسم: جمع متصل الَّذِیْ میں عموم

جو جمع "الذی" کے ساتھ متصل ہو وہ بھی عموم کا فائدہ دیتی ہے مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ (پ۳۰-المطففین: ۱،۲)

کم تولنے والوں کی خرابی ہے۔ وہ کہ جب اوروں سے ماپ لیں پورا لیں

۲۔ ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا (پ۴ النساء: ۱۰)

وہ جو یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں۔ وہ تو اپنے پیٹ میں نری آگ بھرتے ہیں

۳۔ باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ (پ۱۴ النحل: ۲۸)

وہ کہ فرشتے ان کی جان نکالتے ہیں اس حال پر کہ وہ اپنا بُرا کر رہے تھے

یہاں واضح کیا کہ آدمی ترک ہجرت اور ترک تعاون پر کس قدر عذاب کا مستحق ہوگا اگرچہ وہ اللہ و رسول کا معترف ہے۔

۴۔ ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ (پ۱۱ یونس: ۲۷)

اور جنہوں نے برائیاں کمائیں تو برائی کا بدلہ اسی جیسا اور ان پر ذلت چڑھے گی

یہاں وعید میں کافر اور غیر کافر کی تفریق نہیں ہے۔

۵۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (پ۱۰ التوبۃ: ۳۴)

اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے

۶۔ ارشادِ مبارک ہے:

Marfat.com

وَلَیْسَتِ التَّوْبَۃُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ

اور وہ توبہ ان کی نہیں جو گناہوں میں لگے رہتے ہیں

(پ۴، النساء:۱۸)

اگر فاسق اہل وعید وعذاب نہ ہو تو اس ارشاد کا کیا معنی؟ بلکہ اسے توبہ کی ضرورت ہی نہ ہو۔

۷۔ ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا

وہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں ان کا بدلہ یہی ہے کہ گن گن کر قتل کیے جائیں یا سولی دیے جائیں

(پ۶، المائدۃ:۳۳)

فاسق پر دنیا وآخرت میں ہونے والے عذاب کا ذکر ہے۔

۸۔ ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَھْدِ اللّٰہِ وَاَیْمَانِھِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ لَا خَلَاقَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ

جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے ذلیل دام لیتے ہیں آخرت میں ان کا کچھ حصہ نہیں

(پ۳۔آل عمران:۷۷)

چوتھی قسم: ارشادِ ربانی ہے:

سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ

عنقریب وہ جس میں بخل کیا تھا قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق ہوگا

(پ۴آل عمران:۱۸۰)

یہاں مانعین زکوٰۃ پر وعید ہے۔

پانچویں قسم: لفظ کُل اور عموم

لفظ "کُل" ارشاد مبارک ہے:

وَلَوْ اَنَّ لِکُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِی الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِہٖ

(پ۱۱، یونس:۵۴)

اور اگر ہر ظالم جان زمین میں جو کچھ ہے سب کی مالک ہوتی تو ضرور اپنی جان چھڑانے میں دیتی

Marfat.com

چھٹی قسم: جو چیز اس پر دال ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر وعید فرمائی ہے، ارشادِ مبارک ہے:

قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْكُمْ بِالْوَعِیْدِ مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ (پ۲۶، ق:۲۹،۲۸)

فرمائے گا میرے پاس نہ جھگڑو میں تمہیں پہلے ہی عذاب کا ڈر سنا چکا تھا میرے یہاں بات بدلتی نہیں اور نہ میں بندوں پر ظلم کروں

یہاں واضح کیا کہ وعید میں اس کا قول تبدیل نہ ہوگا۔

آیت سے استدلال دو طرح پر ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تقدیم وعید کو ازالہ عذر کی علت قرار دیا ہے یعنی تقدیم وعید کے بعد اب کسی کا عذر اور عذاب سے خلاصی نہیں۔

۲۔ ارشاد "مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ" یہ صراحت ہے کہ جن پر لفظ دال ہیں اللہ تعالیٰ اس کے مطابق کرے گا۔

یہ تمام عمومات قرآن سے ان کا استدلال ہے۔

عموم احادیث سے استدلال

عمومات احادیث بھی بہت زیادہ ہیں۔

پہلی قسم: یہاں لفظ "مَن" آیا ہے۔

۱۔ حضرت وقاص بن ربیعہ رضی اللہ عنہ، حضرت مسور بن شداد رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی نے اپنے بھائی سے لقمہ چھینا اللہ تعالیٰ اسے دوزخ کی آگ کھلائے گا۔ جس نے اپنے بھائی سے کپڑا چھینا اللہ تعالیٰ اسے دوزخ کی آگ کا لباس پہنائے گا جس نے ریاکاری اور دکھاوا کیا اللہ تعالیٰ روز قیامت اسے ریاء و دکھاوے کی جزا دے گا۔ یہ وعید فاسق پر نص ہے۔ (المعجم الاوسط،۲۶۴۱)

۲۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: جس کی دو زبانیں اور دو چہرے ہوں وہ دوزخ میں بھی دو زبانوں اور دو چہرے والا ہوگا۔ اس باب میں منافق اور دوسرے میں کوئی فرق نہیں کیا۔ (ایضاً،۸۸۸۵)

۳۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے ایک بالشت زمین کسی کی ظلم سے لی روزِ قیامت اس پر سات زمینیں لاد دی جائیں گے۔ (البخاری،۱۲۵۲)

۴۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن وہ ہے جس سے لوگ امن میں ہوں۔ مسلمان وہ ہے جس کے

Marfat.com

ہاتھ وزبان سے مسلمان محفوظ ہوں۔ مہاجر وہ ہے جس نے برائی کو چھوڑ دیا ہو، مجھے قسم اس ذات اقدس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ آدمی جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے شر سے ہمسایہ محفوظ نہ ہو۔

یہ حدیث بتا رہی ہے فاسق ظالم پر وعید ہے اور یہ بھی بتا رہی ہے ایسا شخص نہ مومن ہے اور نہ مسلم جیسا کہ معتزلہ کا قول ہے کہ یہ دونوں کے درمیان حالت ہے۔

۵۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روزِ قیامت جو تین سے بری ہوا وہ جنتی ہے۔ تکبر، غبن، قرض، یہ حدیث واضح کر رہی ہے کہ جس میں یہ تین باتیں ہوں گی وہ جنتی نہ ہوگا ورنہ اس کلام کا کوئی مفہوم نہیں رہے گا، قرض سے مراد وہ گناہگار ہے جو قرض ادا نہ کرنا چاہتا تھا اور نہ توبہ کا ارادہ کیا اور نہ توبہ کی۔

۶۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے طلب علم میں سفر کیا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرمائے گا اور جس نے عمل نہ کیا اس کا نسب کام نہیں آئے گا۔

(صحیح ابن حبان، ۱:۸۴)

یہ تصریح ہے کہ ثواب، طاعت پر ملتا ہے اور دوزخ سے خلاصی عمل صالح کی وجہ سے ہے۔

۷۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نشہ آور حرام ہے، ہر شراب حرام ہے جس نے دنیا میں شراب پی اور توبہ نہ کی اسے آخرت میں شراب نصیب نہ ہوگی۔

(مسلم، ۳:۲۰۰۳)

یہ فاسق پر صراحت سے وعید ہے اور دائمی دوزخی ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ اس لیے کہ اسے شراب نہیں ملے گی یعنی وہ جنت میں نہیں جائے گا اس لیے کہ جنت میں ہر آرزو کی تکمیل اور آنکھوں کی لذت وٹھنڈک ہے۔

۸۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہاری طرح انسان ہوں ممکن ہے تم مقدمہ میرے پاس لاؤ اور تم میں سے بعض دوسرے سے چرب لسان ہو تو میں فیصلہ اس کے بھائی کا اس کے حق میں کردوں تو میں نے یہ اس کیلئے دوزخ کا ٹکڑا کاٹ کر دیا۔

(البخاری: ۲۶۸۰)

9- حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اسلام کے علاوہ کسی دین پر جھوٹا اور دانستہ حلف اٹھایا وہ اپنے حلف کے مطابق ہوگا جس نے اپنے نفس کو کسی شی سے قتل کیا اسے دوزخ میں اسی کے ساتھ عذاب دیا جائے گا۔

(البخاری: ۱۳۶۴)

۱۰۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بارے میں فرمایا: جس نے نماز کی حفاظت کی روزِ قیامت اس کیلئے یہ نور، دلیل اور نجات کا سبب ہوگی اور جس نے حفاظت نہ کی اس کیلئے نہ نور ہوگا نہ برہان نہ نجات اور ثواب اور وہ روز قیامت قارون، ہامان، فرعون اور اُبی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

(مسند احمد، ۲:۱۶۹)

Marfat.com

یہ نص ہے نماز کا ترک اعمال کو ضائع کر دیتا ہے اور یہ دائمی وعید کا سبب ہے۔

۱۱۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: جو اس حال میں اللہ تعالیٰ سے ملا کہ دائمی شرابی تھا وہ اس سے بُت پرست کی طرح ملاقات کرے گا۔ (سنن ابن ماجہ:۳۳۷۵)

جب یہ ثابت ہے کہ وہ کافر نہیں تو واضح ہے کہ یہاں مراد اعمال کا ضیاع ہے۔

۱۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے، آپ علیہ السلام نے فرمایا: جس نے لوہے کے ساتھ اپنے آپ کو قتل کیا اسے جہنم میں وہ لوہا دیا جائے گا اور وہ ہمیشہ اس سے بطن پھاڑتا رہے گا۔ جس نے عمداً پہاڑ سے اپنے آپ کو گرایا اور وہ مر گیا تو اسے دائمی طور پر جہنم میں گرنے کی سزا ہوگی (البخاری:۵۷۷۸)

۱۳۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا: تین افراد سے روزِ قیامت اللہ تعالیٰ نہ کلام فرمائے گا اور نہ ان پر نظر رحمت کرے گا اور نہ ہی انہیں پاک کرے گا اور ان کیلئے دردناک عذاب ہوگا۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کون ہیں جو خائب و خاسر ہوگئے؟ فرمایا: کپڑا لٹکا کے چلنے والا، احسان جتلانے والا، جھوٹی قسم اٹھا کر سودا بیچنے والا۔ (مسلم، ۱۰۶)

مُسبل سے تکبر کے ساتھ تہہ بند لٹکا کر چلنے والا مراد ہے، واضح رہے جس سے اللہ تعالیٰ کلام نہیں فرمائے گا اور اس پر رحم نہ کرے گا اور اس پر دردناک عذاب ہوگا وہ دوزخی ہی ہوگا۔ یہ فاسق کے بارے میں نص ہے۔

۱۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس نے رضائے الٰہی کی خاطر علم سیکھنا تھا اور اس نے دنیا کی خاطر سیکھا تو وہ روزِ قیامت جنت کی خوشبو نہیں پائے گا (سنن ابوداؤد:۳۶۶۴)

اور جو جنت کی خوشبو نہ پائے وہ بلاشبہ دوزخی ہے اس لیے کہ مکلف یا جنتی ہوگا یا جہنمی۔

۱۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے، جس نے علم چھپایا اسے روزِ قیامت آگ کی لگام دی جائے گی۔

(سنن ابوداؤد:۳۶۶۸)

۱۶۔ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے، آپ علیہ السلام نے فرمایا: جس نے کسی بھائی کا مال حاصل کرنے کیلئے جھوٹی قسم کھائی وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات اس حال میں کرے گا کہ وہ ناراض ہوگا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَشۡتَرُوۡنَ بِعَہۡدِ اللّٰہِ وَ اَیۡمَانِہِمۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا اُولٰٓئِکَ لَا خَلَاقَ لَہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ وَ لَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ وَ لَا یَنۡظُرُ اِلَیۡہِمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَ لَا یُزَکِّیۡہِمۡ ۪ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ (پ۳-آل عمران:۷۷)

جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے ذلیل دام لیتے ہیں آخرت میں ان کا کچھ حصہ نہیں اور اللہ نہ ان سے بات کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر فرمائے قیامت کے دن اور نہ انہیں پاک کرے اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے

Marfat.com

یہ وعید پر نص ہے اور یہ فساق کے بارے میں کفار کی طرح ہی ہے۔

۱۷۔ ناحق مال کھانے والا

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا: جس نے بغیر حق کے کسی بھائی کا مال حاصل کرنے کیلئے جھوٹی قسم کھائی اس پر جنت حرام اور دوزخ لازم۔ عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اگر چہ شی تھوڑی ہو۔ فرمایا: اگر چہ وہ پیلوں کی شاخ ہو۔

(مسلم:۱۳۷)

۱۸۔ تصویر بنانے والا

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں حضرت ابن عباس کے پاس تھا ایک آدمی نے پوچھا: میرا کاروبار تصاویر بنانا ہے۔ فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جس نے تصویر بنائی اللہ تعالیٰ اسے عذاب دے گا یہاں تک کہ وہ اس میں روح ڈال دے حالانکہ وہ نہ ڈال سکے گا، جس نے بات پھیلانے کیلئے بات سنی اس کے کانوں میں سیسہ پگلا کر ڈالا جائے گا اور جس نے وہ خواب بیان کیا جو نہ دیکھا اسے دو بالوں کو جوڑنے کا کہا جائے گا۔

(سنن ترمذی:۱۵۱۷)

۱۹۔ دوزخی حاکم

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جس کے ذمہ اللہ تعالیٰ نے رعایا کی ذمہ داری لگائی مرنا تو اس نے اپنے وقت پر ہے اگر اس نے رعیت سے دھوکہ کیا تو اس پر اللہ جنت حرام فرمادے گا۔

(البخاری:۱۵۱۷)

۲۰۔ ظلماً فیصلہ کرنے والا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس موقعہ پر جب وہ انہیں قضا کا منصب دینے لگے کہا تھا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: جو قاضی جہالت سے فیصلہ کرے گا وہ دوزخی ہوگا جس نے ظلماً فیصلہ کیا وہ بھی دوزخی ہوگا۔

(سنن ترمذی:۱۳۲۲)

۲۱۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: جس نے اسلام میں کسی کو اپنا باپ کہا حالانکہ والد اور تھا تو اس پر جنت حرام ہوگئی۔

(البخاری:۴۲۲۷)

Marfat.com

۲۲۔ذمی کے قاتل کی سزا

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی ذمی کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو نہ پا سکے گا۔ (سنن ابوداؤد:۲۷۶۰)

جب یہ کفار کے بارے میں ہے تو قتلِ اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

۲۳۔حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہے، آپ علیہ السلام نے فرمایا: جس نے دنیا میں ریشم پہنا آخرت میں نہیں پہنے گا۔ (البخاری:۵۸۳۲)

جب آخرت میں نہیں پہنے گا تو یہ جنتی نہ ہوگا اس باری تعالیٰ کے فرمان کی وجہ سے: وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ۔ (نفوس کی تمنا جنت میں ہی ہے)

دوسری قسم: بغیر مَنْ احادیث میں عموم

عموم احادیث یہاں "مَن" نہیں لیکن وہ بھی کثیر ہیں:

۱۔محتاج متکبر دوزخی

حضرت نافع رضی اللہ عنہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام) کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسکین متکبر، بوڑھا زانی اور اللہ پر عمل سے احسان جتلانے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (کشف الخفاء،۳۱۱۸)

اور جو آدمی جنت میں داخل نہ ہوگا وہ بالاتفاق دوزخی ہوگا۔

۲۔مسلط حاکم دوزخی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے، آپ علیہ السلام نے فرمایا: تین آدمی جنتی ہیں: شہید، وہ غلام جو اپنے آقا کا خیرخواہ اور اپنے رب کا عبادت گزار ہو اور پاکیزہ وعفیف آدمی۔ تین آدمی دوزخی ہیں: امیر مسلط، صاحب دولت جو اللہ کا حق ادا نہ کرے اور فقیر متکبر۔ (صحیح ابن حبان:۳۶۵۶)

۳۔صلہ رحمی کا مقام

انہی سے مروی ہے، آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے رحم پیدا فرمایا، جب اس سے فارغ ہوا تو رحم نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یہ قطع تعلقی سے بچنے والے کا مقام ہے۔ فرمایا: ہاں۔ کیا تو راضی نہیں میں اسے ملاؤں گا جو تجھے ملائے گا اور میں اسے کاٹ

Marfat.com

دوں گا جو تجھے کاٹ دے گا۔ عرض کیا: کیوں نہیں؟ فرمایا: پھر اسی طرح ہوگا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم چاہو یہ آیت پڑھو:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ (۲۶پ-محمد:۲۳)

تو کیا یہ تمہارے لچھن (انداز) نظر آتے ہیں کہ اگر تمہیں حکومت ملے تو زمین میں فساد پھیلاؤ اور اپنے رشتے کاٹ دو یہ ہیں وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت کی اور انہیں حق سے بہرا کردیا اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں

قاطعِ رحم کے بارے میں آیت کی تفسیر میں وعید پر یہ نص ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: میں رحمٰن ہوں میں نے رحم کو پیدا کیا اور اپنے نام سے اس کا نام نکالا ہے جو اسے ملائے گا میں اسے ملاؤں گا اور جو اسے قطع کرے گا میں اسے قطع کردوں گا۔ (سنن ابوداؤد:۱۶۹۴)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے، آپ علیہ السلام نے فرمایا: بغاوت اور قطع رحم سے بڑھ کر کوئی ایسا گناہ نہیں جس کے ارتکاب کرنے والے پر اللہ تعالیٰ بہت جلدی عذاب دیتا ہے اور آخرت میں بھی۔ (سنن ابوداؤد،۴۹۰۲)

۴-اللہ کا بندوں پر حق

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ہے، آپ علیہ السلام نے پوچھا: اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: وہ اس کی عبادت کریں اور اس کا کسی کو شریک نہ بنائیں۔ پوچھا: جب وہ یہ کریں تو اللہ پر ان کا کیا حق ہے؟ فرمایا: وہ انہیں معاف فرمادے اور عذاب نہ دے۔ (البخاری،۲۸۵۶)

اور واضح ہے کہ شرط سے معلق، عدم شرط کی صورت میں معدوم ہوجائے گا۔ لہٰذا لازم ہوگا اگر وہ عبادت نہیں کرتے وہ انہیں معاف نہیں فرمائے گا۔

۵-قاتل ومقتول دونوں دوزخی

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب دو مسلمان تلواروں سے لڑیں ایک دوسرے کو قتل کردیں تو قاتل ومقتول دونوں دوزخ میں ہوں گے۔ عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! قاتل تو درست مگر مقتول کیوں؟ فرمایا: وہ بھی مسلمان کے قتل پر حریص تھا۔ (مسلم،۲۸۸۸)

Marfat.com

۶-سونے چاندی کے برتن

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہے، آپ علیہ السلام نے فرمایا: جس نے سونے چاندی کے برتنوں میں پیا اس کے پیٹ میں دوزخ کی آگ جلائی جائے گی۔ (البخاری،۵۶۳۴)

۷-اہلِ بیت کا دشمن دوزخی

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہے، آپ علیہ السلام نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اہلِ بیت کے ساتھ جو بغض رکھے گا اسے اللہ تعالیٰ دوزخ میں داخل فرمائے گا۔

جب ان سے بغض کی وجہ سے آدمی دوزخی بن جاتا ہے تو ان کا قاتل بطریق اولیٰ دوزخی ہوگا۔

۸-خائن کا دوزخی ہونا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے، ہم خیبر کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے۔ وادی قریٰ میں تھے ایک تیر آیا آدمی کو لگا اور وہ قتل ہوگیا۔ صحابہ نے کہا: اسے جنت مبارک ہو۔ فرمایا: ہرگز نہیں مجھے قسم اللہ کی یوم حنین میں وہ شملہ (چادر) جو اس نے بغیر تقسیم کے لیا تھا اس کی وجہ سے اس پر آگ جل رہی ہے۔ جب لوگوں نے سنا تو کوئی ایک اور کوئی دو تسمے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آرہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ایک تسمہ اور دو تسمے بھی دوزخ کی آگ ہیں۔ (البخاری،۴۲۳۴)

۹-دائمی شرابی کا حکم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمی جنتی نہیں۔ دائمی شرابی، قاطع رحم اور جادو کی تصدیق کرنے والا۔

۱۰۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے، آپ علیہ السلام نے فرمایا: جس کا مال تھا لیکن اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی اللہ تعالیٰ روزِ قیامت دوزخ کی آگ سے چاندی پگھلا کر اس کی پیشانی اور پشت پر داغ دے گا۔ یہاں تک کہ تمام لوگوں کا فیصلہ ہو جائے اور اس دن کی تعداد پچاس ہزار کے برابر ہے۔ (مسلم،۹۸۷)

یہ قرآنی اور احادیث کے عمومات سے معتزلہ کے استدلال تھے۔

اہلسنّت کا جواب

اہلسنّت نے کئی طریقوں سے ان کا جواب دیا ہے:

Marfat.com

مَنْ اور جمع معرّف عموم پر دال نہیں

۱۔ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ کلمہ "مَــن" مقام شرط میں مفید عموم ہوتا ہے اور اسی طرح ہم یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ جمع معرف عموم پر دال ہوتی ہے، اس پر یہ اُمور شاہد ہیں:

۱۔ ان دونوں پر کل اور بعض کا دخول درست ہے۔ مثلاً کل من دخل داری اکرمته۔ بعض من دخل داری اکرمته یہ بھی کہنا درست ہے۔ کل الناس کذا، بعض الناس کذا، اگر مَنْ شرطیہ استغراق کا فائدہ دیتا تو لفظ کل کا اس پر دخول تکرار اور بعض کا دخول نقص بن جاتا۔ یہی معاملہ جمع معرف کا ہے تو ثابت ہوا یہ الفاظ مفید عموم نہیں۔

۲۔ یہ الفاظ قرآن میں آئے ہیں۔ کہیں ان سے استغراق مراد ہے اور کہیں بعض کیونکہ اکثر عموماتِ قرآن مخصوص ہیں۔ مجاز اور اشتراک خلاف اصل ہیں لہٰذا عموم وخصوص کے درمیان حقیقت مشترکہ کا ہونا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ انہیں افادہ اکثر پر محمول کرلیا جائے اور یہ نہ کہا جائے کہ یہ مفید استغراق ہے یا نہیں۔

۳۔ اگر یہ الفاظ عموم قطعی کا فائدہ دیتے تو

کسی لفظ کا بطور تاکید ان پر داخلہ محال ہوتا اس لیے کہ تحصیل حاصل محال ہے تو ان پر الفاظ تاکید کا داخلہ درست ہے تو واضح ہوا یہ عموم کا فائدہ ہر صورت میں نہیں دیتے۔

اگر ہم افادہ عموم مان لیں تو کیا قطعی ہوگا یا ظنی۔ اول صورت ممنوع ہے اس لیے کہ یہ واضح ہے اکثر اوقات لفظ کل اور جمیع کو بطور مبالغہ بول کر اکثر مراد لیتے ہیں مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (پ۱۹-النمل:۲۳) اور اسے ہر چیز میں سے ملا اور اس کا بڑا تخت ہے

جب یہ الفاظ معنی عموم پر ظنی طور پر دال ہیں اور مذکورہ مسئلہ مسائل ظنیہ سے نہیں۔ لہٰذا ان عمومات کے ساتھ اس پر استدلال درست نہیں۔ ہاں ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ معنی عموم پر قطعی ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ وہاں مخصص نہ ہو اس لیے کہ عام میں تخصیص کا کوئی مخالف نہیں۔

سوال: تم نے یہ کیوں کہا کہ وہاں مخصص موجود نہ ہو؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا تھا کہ ہم نے تلاش کیا مگر مخصص نہ پایا۔ لیکن آپ جانتے ہیں عدمِ وجدان، عدمِ وجود کو مستلزم نہیں ہوتا تو ان کا افادہ عموم، نفی مخصصات پر موقوف ٹھہرا اور یہ شرط غیر معلوم ہے تو ان کی دلالت بھی غیر معلوم شرط پر موقوف ہوگی۔ لہٰذا یہ دلالت حاصل نہ ہوگی جو اس مقام میں پختگی پیدا کرتا ہے۔ وہ یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ۝ (پ۱، البقرۃ:۶)

بیشک وہ جن کی قسمت میں کفر ہے انہیں برابر ہے چاہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان لانے کے نہیں

یہاں کفار کا حکم عام ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ حالانکہ بہت سارے لوگ ایمان لائے تو ہم پر واضح ہوتا ہے کہ یہاں دوامور میں سے ایک ہے یا تو ان الفاظ کی شمول کیلئے وضع نہیں یا وضع ہے مگر حضور ﷺ کی ظاہری حیات میں قرینہ تھا جس کی وجہ سے لوگ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی اس سے مراد مخصوص ہے۔

سوال: اگر وہاں قرینہ ہے تو یہاں کیوں نہیں؟

جواب: ہم مانتے ہیں کہ مخصص کا ہونا ضروری ہے اور آیاتِ عفو ومعافی مخصص ہیں۔ ترجیح ہمارے قول کو ہے اس لیے کہ آیات عفو، آیات وعید کی نسبت خاص ہیں، خاص عام پر یقیناً مقدم ہوتا ہے۔ چلو مان لیتے ہیں یہاں مخصص نہیں لیکن عمومات وعید، عمومات وعدہ کے معارض ہے وہاں ترجیح ضروری ہے اور وہ ہمارے قول کو ان وجوں کی بنا پر ترجیح حاصل ہے۔

۱۔ وعدہ کی وفا وعید سے کہیں بڑھ کر کرم پر مشتمل ہوتا ہے۔

۲۔ احادیث مشہورہ میں ہے، اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب وسابق ہے لہٰذا عموماتِ وعدہ کو بطریق اولیٰ ترجیح ہوگی۔

۳۔ وعید، اللہ تعالیٰ کا حق اور وعدہ بندے کا حق ہے اور حقِ عبد کا حصول، حقِ الٰہی سے اولیٰ ہے۔ ہم تسلیم کرلیں کہ ان عمومات کا معارض کوئی نہیں لیکن یہ تمام کفار کے حق میں نازل ہوئی ہیں لہٰذا یہ عموم میں قطعی نہ ہوئیں۔

سوال: اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ خاص سبب کا؟

جواب: ہم یہ اصول مانتے ہیں لیکن جب مشاہدہ کرتے ہیں کہ بہت سے الفاظ عام ہیں لیکن وہ اسباب خاصہ میں وارد ہیں اور وہاں مراد بھی خاص ہی ہیں تو ہم جان لیتے ہیں کہ ان کا افادۂ عموم، قوی نہیں۔ واللہ اعلم

اہلِ کبائر اور عذاب

قائلین اہل کبائر پر عذاب نہیں، کا استدلال ان دلائل سے ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الْخِزْیَ الْیَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ

آج ساری رسوائی اور برائی کافروں پر ہے

(پ۱۴، النحل:۲۷)

Marfat.com

ایک اور جگہ فرمایا:

إِنَّا قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَا أَنَّ الْعَذَابَ عَلَى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّى (پ۱۶، طٰہٰ:۴۸)

بیشک ہماری طرف وحی ہوئی ہے کہ عذاب اس پر ہے جو جھٹلائے اور منہ پھیرے

یہ آیات آگاہ کررہی ہیں کہ ماہیتِ خزی اور عذاب، کافر کے ساتھ مختص ہے لہٰذا اس ماہیت کا کوئی فرد بھی غیر کافر میں نہیں پایا جائے گا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ گرامی ہے:

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا (پ۲۴، الزمر:۵۳)

تم فرماؤ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہوں بیشک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے

اللہ تعالیٰ نے واضح کردیا کہ وہ تمام گناہ معاف فرمادے گا نہ توبہ کا اعتبار ہے اور نہ غیر توبہ کا اور یہ قطعی طور پر تمام گناہوں کی بخشش پر دال ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِلنَّاسِ عَلَى ظُلْمِهِمْ (پ۱۳، الرعد:۶)

اور بیشک تمہارا رب تو لوگوں کے ظلم پر بھی انہیں ایک طرح کی معافی دیتا ہے

لفظ علیٰ حال کا فائدہ دے رہا ہے۔ مثلاً رأیت الملک علی اکلہ (میں نے اسے کھانے میں مشغول پایا) تو یہاں بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلم میں مشغول کو معاف فرمادے اور حالت ظلم میں توبہ محال ہے۔ لہٰذا واضح ہوگیا بخشش بغیر توبہ ہوسکتی ہے اور اس آیت کا تقاضا ہے کہ کافر کو بھی معافی مل جائے۔ ارشادِ باری ہے:

إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (پ۲۱، لقمان:۱۳)

بیشک شرک بڑا ظلم ہے

لیکن کافر کے بارے میں یہ حکم نہیں البتہ باقی پر عمل ہوگا اور فرق واضح ہے کہ کفر سب سے بڑی معصیت ہے۔

۴۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَأَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّى لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّى (پ۳۰، اللیل:۱۴-۱۶)

تو میں تمہیں ڈراتا ہوں اس آگ سے جو بھڑک رہی ہے نہ جائے گا اس میں مگر بڑا بدبخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا

Marfat.com

ہر آگ یقیناً بھڑکتی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ فرمار ہا ہے۔ آگ اس بڑے بدبخت کو ملے گی جس نے تکذیب کی اور منہ پھیرا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کا مبارک فرمان ہے:

كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ

(پ ۲۹، الملک: ۸، ۹)

جب کبھی کوئی گروہ اس میں ڈالا جائے گا اس کے داروغہ ان سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈر سنانے والا نہ آیا تھا کہیں گے کیوں نہیں ہمارے پاس ڈر سنانے والے تشریف لائے پھر ہم نے جھٹلایا اور کہا کہ اللہ نے کچھ نہیں اتارا تم تو نہیں مگر بڑی گمراہی میں

آیت نشاندہی کر رہی ہے کہ تمام اہلِ دوزخ تکذیب کرنے والے ہوں گے۔ یہ سوال نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کفار کے ساتھ خاص ہے۔ کیا اس سے پہلے یہ نہیں۔

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ

(پ ۲۹، الملک: ۶-۸)

اور جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا ان کیلئے جہنم کا عذاب ہے اور کیا ہی بُرا انجام ہے جب اس میں ڈالے جائیں گے اس کا چنگھاڑ نا سنیں گے کہ جوش مارتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ شدت غضب میں پھٹ جائے گی

یہ بتارہی ہے کہ بعض کفار کے ساتھ مخصوص ہے، اور وہ یہ ہیں:

بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ

(پ ۲۹، الملک: ۶-۹)

کیوں نہیں بیشک ہمارے پاس ڈر سنانے والے تشریف لائے پھر ہم نے جھٹلایا اور کہا کہ اللہ نے کچھ نہیں اتارا تم تو نہیں مگر بڑی گمراہی میں

اور یہ تمام کفار کا قول نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے اس آیت کے ماقبل کی کفر پر دلالت مابعد کے عموم کے منافی نہیں ہوسکتی اور یہ کہنا یہ کہ سب کا قول نہیں ہم اسے تسلیم نہیں کرتے اس لیے کہ یہود و نصاریٰ کہا کرتے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ پر کچھ نازل نہیں کیا جب معاملہ ایسا تھا تبھی ان پر یہ صادق آیا کہ وہ کہتے تھے۔ مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ (اللہ تعالیٰ نے کوئی شی نازل نہیں کی)

۶۔ ارشاد ربانی ہے:

Marfat.com

وَهَلْ نُجَازِیْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ (پ ۲۲، سبا: ۱۷) اور ہم کسے سزا دیتے ہیں اسی کو جو ناشکرا ہے

یہ مبالغہ کے طور پر ہے لہٰذا اسے کافر اصلی کے ساتھ ہی مخصوص رکھا جائے گا۔

۷۔ ارشادِ باری تعالیٰ میں ہے کہ لوگ دو قسم کے ہیں، سفید چہرے اور سیاہ چہرے والے۔ فرمایا:

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ (پ ۴، آل عمران: ۱۰۶) تو وہ جن کے منہ کالے ہوئے کیا تم ایمان لا کر کافر ہوئے تو اب عذاب چکھو اپنے کفر کا بدلہ

واضح کر رہا ہے کہ یہ کفار ہیں۔

۸۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کیا کہ لوگ تین قسم کے ہیں: سابقون، اصحاب المیمنۃ اصحاب المشئمۃ۔ سابقین اور اصحاب میمنہ جنتی لیکن اصحاب مشئمہ دوزخی ہوں گے اور انہیں کفار قرار دیتے ہوئے فرمایا:

وَكَانُوْا یَقُوْلُوْنَ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا اَئِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ (پ ۲۷، الواقعہ: ۴۷) اور کہتے تھے کیا جب ہم مرجائیں اور ہڈیاں مٹی ہو جائیں تو کیا ضرور ہم اٹھائے جائیں گے

۹۔ صاحب کبیرہ ذلیل نہ ہوگا حالانکہ دوزخی ذلیل ہوگا لہٰذا صاحب کبیرہ دوزخ میں داخل نہ ہوگا، ذلیل اس لیے نہیں کہ وہ مومن ہے اور مومن اہلِ ذلت سے نہیں اس کے مومن ہونے پر دلیل، اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کی تفسیر میں آ چکی کہ صاحبِ کبیرہ مومن ہے۔

مومن اہل ذلت سے نہیں

مومن کے ذلیل نہ ہونے پر یہ دلائل ہیں:

۱۔ ارشادِ ربانی ہے:

یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ (پ ۲۸، التحریم: ۸) جس دن اللہ رسوا نہ کرے گا نبی اور ان کے ساتھ کے ایمان والوں کو

۲۔ فرمایا:

اِنَّ الْخِزْیَ الْیَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ (پ ۱۴، النحل: ۲۷) آج ساری رسوائی اور برائی کافروں پر ہے

Marfat.com

۳۔ ارشادِ ربانی ہے:

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ — جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور پہلو کے بل

(پ ۴، آل عمران: ۱۹۱)

یہاں تک کہ وہ دعا کرتے ہیں:

وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ (پ ۴، آل عمران: ۱۹۴) — اور ہمیں قیامت کے دن رُسوا نہ کرنا

اس کے بعد فرمایا:

فَاسْتَجَابَ لَھُمْ رَبُّھُمْ (پ ۴، آل عمران: ۱۹۵) — تو ان کی دعا سن لی ان کے رب نے

اور یہ معلوم ہے کہ بیٹھے کھڑے اور پہلوں پر ذکر اور تخلیق آسمان و زمین میں فکر کرنے والوں میں عاصی، زانی اور شارب خمر بھی شامل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا نقل کی۔ ''ہمیں روزِ قیامت ذلیل نہ کرنا'' پھر فرمایا اس نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ تو ثابت ہو گیا اہلِ قبلہ عاصیوں کو اللہ تعالیٰ ذلیل نہیں فرمائے گا۔ اہلِ دوزخ ذلیل ہیں اس پر یہ آیت دلیل ہے:

رَبَّنَآ اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَہٗ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ (پ ۴، آل عمران: ۱۹۲) — اے رب ہمارے بیشک جسے تو دوزخ میں لے جائے اُسے ضرور تو نے رُسوائی دی اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں

تو ان دو مقدمات سے ثابت ہو گیا صاحبِ کبیرہ دوزخی نہیں۔

۱۰۔ وعدہ اور عمومات

وعدہ میں کثیر عمومات ہیں مثلاً فرمایا:

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (پ ۱، البقرۃ: ۴، ۵) — اور وہ کہ ایمان لائیں اس پر جو اے محبوب تمہاری طرف اترا اور جو تم سے پہلے اترا اور آخرت پر یقین رکھیں یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی مراد کو پہنچنے والے۔

تو یہاں فلاح و کامیابی کا حکم ہر ایمان والے کیلئے ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (پ ۱، البقرۃ: ۶۲) — بیشک ایمان والے نیز یہودی، نصاریٰ اور ستارہ پرستوں میں سے وہ کہ سچے دل سے اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائیں اور نیک کام کریں ان کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور نہ انہیں کچھ اندیشہ ہو اور نہ کچھ غم

Marfat.com

وَعَمِلَ صَالِحًا، مثبت نکرہ ہے لہٰذا اس کیلئے ایک عمل بھی کافی ہے۔

تیسرے مقام پر فرمایا:

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ (پ ۵، النساء: ۱۲۴)

اور جو کوئی بھلے کام کرے گا مرد ہو یا عورت اور ہو مسلمان تو وہ جنت میں داخل کیے جائیں گے

اس طرح کی آیات بہت زیادہ ہیں۔ ہم نے اس موضوع پر مفصل رسالہ تحریر کیا ہے اس کا مطالعہ کیا جائے۔

ان دلائل کا جواب یہ ہے کہ یہ عمومات وعید سے معارض ہیں، ان آیات کی تفسیر میں اپنی اپنی جگہ گفتگو ان شاء اللہ آئے گی۔

اہلسنّت بعض کے حق میں یقیناً عفو و معافی مانتے ہیں اور بعض کے بارے میں توقف کرتے ہیں اور قرآن کی متعدد آیات سے ان کا استدلال ہے۔

پہلی حجت: اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے

وہ آیات جو اللہ تعالیٰ کے عفو و غفور ہونے پر دال ہیں مثلاً فرمایا:

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ (پ ۲۵، الشوریٰ: ۲۵)

اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا اور گناہوں سے درگزر فرماتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو

ارشاد رب العزت ہے:

وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ (پ ۲۵، الشوریٰ: ۳۰)

اور تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت کچھ تو معاف فرما دیتا ہے

ایک مقام پر ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ اِنَّ فِيْ ذَالِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (پ ۲۵، الشوریٰ: ۳۲-۳۴)

اور اس کی نشانیوں سے ہے دریا میں چلنے والیاں جیسے پہاڑ وہ چاہے تو ہوا تھمارے کہ اس کی پیٹھ پر ٹھہری رہ جائیں بیشک اس میں ضرور نشانیاں ہیں ہر بڑے صابر شاکر کیلئے

اُمت کا اس پر اجماع بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو معاف فرماتا ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ عفو (معاف فرمانے والا) اس کا ایک اسم گرامی ہے۔

Marfat.com

عفو اسقاط عذاب ہے

اب ہم پوچھتے ہیں عفو کس کا نام ہے؟ جس کو عذاب ہونا تھا کیا اس سے عذاب ساقط کرنا ہے یا جسے عذاب نہ ہونا تھا اس سے سقوط کا نام ہے؟ دوسری صورت باطل ہے اس لیے کہ جسے عذاب نہ ہونا ہو اسے عذاب دینا قبیح و بد ہے اور جس نے یہ فعل ترک کیا ہو اسے یہ نہیں کہا جاتا کہ اس نے معاف کر دیا، کیا تمہیں علم نہیں جب انسان کسی پر ظلم نہ کرے تو اسے یہ نہیں کہا جاتا کہ اس نے اس کو معاف کر دیا یہ تو اس وقت ہی کہا جاتا ہے جب آدمی کو عذاب دیا جا سکتا تھا (یعنی وہ مستحق عذاب تھا) لیکن اس نے عذاب نہ دیا۔ اسی لیے فرمایا:

وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (پ۲، البقرۃ:۲۳۷) اور اے مردو تمہارا زیادہ دینا پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے

اور یہ بھی ارشادِ ربانی ہے:

وَھُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ عِبَادِہٖ وَیَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ (پ۲۵، الشوریٰ:۲۵) اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا اور گناہوں سے درگزر فرماتا ہے

اب اگر اسقاطِ عذاب تائب سے ہی ہوتا تو یہاں بغیر فائدہ تکرار ہوگا تو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ عفو، مستحق عذاب سے اسقاط عذاب ہے اور یہی ہمارا مذہب ہے۔

دوسری حجت: اللہ تعالیٰ غافر ہے

متعدد آیات نشاندہی کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ غافر، غفور اور غفّار ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ (پ۲۴، غافر:۳) گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا

دوسری جگہ ہے:

وَرَبُّکَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَۃِ (پ۱۵، الکہف:۵۸) تمہارا رب بخشنے والا مہر والا ہے

تیسرے مقام پر ہے:

وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ (پ۱۶، طٰہٰ:۸۲) اور بیشک میں بہت بخشنے والا ہوں اسے جس نے توبہ کی۔

چوتھے مقام پر ارشاد ربانی ہے:

غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ (پ۳، البقرۃ:۲۸۵) تیری معافی ہو اے رب ہمارے اور تیری ہی طرف پھرنا ہے

Marfat.com

مغفرت یہ نہیں ہوتی کہ جو عذاب کا مستحق نہ ہو اس سے عذاب ساقط کر دیا جائے بلکہ یہ مستحق سے عذاب کو ساقط کرنا ہوتا ہے۔ پہلی صورت باطل ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مغفرت کا تذکرہ بندوں پر بطور نعمت فرمایا ہے۔ اگر اول صورت ہے تو یہ احسان نہیں رہے گا اس لیے کہ ترک قبیح بندوں پر احسان نہیں ہوتا بلکہ گویا اس نے اپنی ذات پر احسان کیا اس لیے کہ اگر وہ یہ فعل کرتا تو وہ مستحق ملامت وذم اور حدِ الوہیت سے خارج ہو جاتا۔ لہٰذا وہ ترکِ قبح کی وجہ سے بندے کی ثناء کا مستحق نہیں۔ جب اول صورت باطل ٹھہری تو دوسری صورت پر حمل متعین ہوگا اور یہی ہمارا مطلوب ہے۔

سوال: مراد عذاب کا موخر کرنا ہو

عفو اور مغفرت سے دنیا سے آخرت تک عذاب کا مؤخر کرنا کیوں مراد نہیں لیا جا سکتا؟ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ لفظ عفو تاخیر عذاب دنیا کیلئے مستعمل ہے۔ قصہ یہود میں ارشادِ ربانی ہے:

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ (پ البقرۃ:۵۲) پھر اس کے بعد ہم نے تمہیں معافی دی

یہاں اِسقاطِ عذاب نہیں بلکہ عذاب کو آخرت تک مؤخر کرنا مراد ہے، اسی طرح ارشادِ ربانی ہے:

وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ (پ۲۵، الشوریٰ:۳۰) اور تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت کچھ تو معاف فرما دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ عذاب دینے میں جلدی نہیں فرماتا، وہ تمہارے گناہوں کی وجہ سے دنیوی مشقت میں یا سزا میں جلدی نہیں فرماتا تو بہتوں پر عذاب ومشقت جلدی نہیں بھیجتا۔ اسی طرح ارشاد فرمایا:

وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (پ۲۵، الشوریٰ:۳۲-۳۴) اور اس کی نشانیوں سے ہیں دریا میں چلنے والیاں جیسے پہاڑیاں وہ چاہے تو ہوا تھمارے کہ اس کی پیٹھ پر ٹھہری رہ جائیں بیشک اس میں ضرور نشانیاں ہیں ہر بڑے صابر شاکر کیلئے۔

اگر ہم ان کی ہلاکت چاہتے تو ہلاک کر دیتے لیکن بہت سے ذنوب پر ہم نے ہلاک نہیں کیا۔

جواب: عفو اور ازالہ

عفو اصلاً "عفا اثرہ" سے ہے یعنی اثر کا زائل کرنا۔ تو اب جس کام میں عفو ہوگا اس میں ازالہ لازم ہوگا۔ اسی لیے فرمایا:

وَاَنْ تَعْفُوْا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (پ۲، البقرۃ:۲۳۷) اور اے مردو تمہارا زیادہ دینا پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے

Marfat.com

یہاں بھی وقت مقرر تک تاخیر نہیں بلکہ اسقاط مطلق ہے، عفو کسی تاخیر پر دلالت نہیں۔

اس پر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ قرض خواہ جب مطالبہ مؤخر کرتا ہے تو یہ نہیں کہا جاتا اس نے معاف کر دیا البتہ اگر وہ قرض ساقط کر دے تو پھر کہا جائے گا عفا عنہ۔ تو ثابت ہوا عفو کی تفسیر تاخیر کرنا ممکن نہیں۔

تیسری حجت: صاحبِ کبیرہ سے سقوطِ عذاب

متعدد آیات، اللہ تعالیٰ کے رحمٰن و رحیم ہونے پر دال ہیں۔ ان سے استدلال یوں ہوگا کہ رحمت باری تعالیٰ کا اظہار، مستحق ثواب اور فرمانبردار لوگوں کی نسبت ہوگا یا مستحق عتاب گناہ گاروں کی نسبت۔ اول صورت باطل ہے اس لیے کہ ان کیلئے رحمت یا تو اس لیے حاصل ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ان کے حق کے طور پر انہیں ثواب عطا فرمائے گا یا ان پر فضل فرماتے ہوئے ان کے حق سے زائد عطا فرمائے گا۔ اول باطل ہے اس لیے کہ ادائیگی واجب کا نام رحمت نہیں مثلاً ایک آدمی کے دوسرے نے سو دینار دینے ہیں وہ اس سے زور سے لے لیتا ہے تو اب دینے والے کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے دے کر رحمت کا اظہار کیا ہے۔

دوسری صورت بھی باطل ہے۔ کیونکہ ثواب بندے کا حق بن گیا تھا اب وہ گویا فضل سے مستغنی تھا اسی وجہ سے اس اضافہ کو انعام کہا جاتا ہے نہ کہ رحمت، مثلاً سلطان اعظم کی خدمت میں ایسا امیر ہو جو صاحبِ ثروت اور عظیم مملکت کا مالک ہو اب سلطان اس کے ملک کے ساتھ ایک اور مملکت کا اضافہ کر دے تو اب یہ نہیں کہا جائے گا کہ سلطان نے اس پر رحمت کی بلکہ کہا جائے گا اس نے اس کے انعام میں اضافہ کیا یہاں بھی صورت حال یہی ہے۔

دوسری صورت لیجئے کہ رحمت کا اظہار بنسبت مستحق عذاب کے ہو۔ اب یہ رحمت اس لیے بنے گی کہ اللہ تعالیٰ نے استحقاقِ عذاب سے زائد عذاب ترک کر دیا، یہ باطل ہے اس لیے کہ یہ ترک واجب ہے جسے رحمت نہیں کہا جا سکتا، اور اس سے ہر کافر و ظالم کا ہم پر رحیم ہونا بھی لازم آئے گا کہ انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا۔

اب باقی یہ صورت رہ جاتی ہے کہ باری تعالیٰ اس لیے رحیم ہے کہ اس نے مستحق عذاب کو عذاب نہ دیا اور یہ بات صاحب صغیرہ میں نہیں پائی جا سکتی اور نہ ہی توبہ کے بعد صاحب کبیرہ میں اس لیے کہ ان کیلئے ترک عذاب لازم ہے تو اب واضح ہو گیا اس کی رحمت کا حصول اس وقت ہے جب قبل از توبہ صاحبِ کبیرہ کا عذاب ساقط فرمائے۔

رحمتِ اُخروی: دنیاوی سے کہیں زیادہ ہے

سوال: یہ کیوں نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی رحمت بطور فضل یہ ہو کہ اس نے تخلیق فرمائی، مکلف بنایا اور رزق دیا اور وہ صاحب کبیرہ کے عذاب میں تخفیف فرماتا ہے؟

Marfat.com

جواب: اول صورت سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ دنیا میں رحیم ہے اُخروی رحمت کہاں گئی؟ حالانکہ امت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اخروی رحمت دنیاوی رحمت سے کہیں عظیم ہے۔

دوسری صورت میں تمہارے نزدیک تخفیف جائز نہیں۔ معتزلہ وعیدیہ کا یہی مذہب ہے اور اگر اس آیت مبارکہ سے تخفیفِ عذاب ثابت ہو رہا ہے تو جوازِ عفو از خود ثابت ہوگا کیونکہ جو ان میں سے ایک کا قول کرتا ہے وہ دوسرے کو بھی مانتا ہے۔

چوتھی حجت: قبل از توبہ صاحب کبیرہ

ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ (پ ۵، النساء: ۴۸)

بیشک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے

"لِمَنْ یَّشَآءُ" نہ صاحبِ صغیرہ کیلئے ہے اور نہ ہی بعد از توبہ صاحبِ کبیرہ کیلئے لہٰذا یہاں مراد قبل از توبہ صاحبِ کبیرہ ہے۔ ان دلائل کی بنا پر پہلے لوگوں پر اس کا حمل جائز نہیں۔

۱۔ اس ارشادِ ربانی کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بطور فضل معاف نہیں فرمائے گا یہ مفہوم نہیں کہ وہ بطور استحقاق معاف نہیں کرے گا اس پر دلیل شرعی اور عقلی شاہد ہیں۔ جب معاملہ یہ ہے تو اب "یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ" کا معنی ہوگا وہ اپنے فضل سے شرک سے کم گناہ کو معاف فرما دے گا تو اب نفی واثبات، شی واحد پر ہی وارد ہوں گے مثلاً آدمی کہتا ہے فلان لا یتفضل بمائة دینار ویعطی ما دونها لمن استحق (فلاں بطور فضل سو دینار نہیں دے گا اور اس سے کم استحقاق والے کو دے گا) تو اب کلام میں نظم نہ رہا تو جب صاحبِ صغیرہ اور تائب صاحبِ کبیرہ۔ مستحق مغفرت ہیں تو ان کا مراد لینا ممتنع ہوگا۔

۲۔ اگر "وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ" سے مراد یہ ہو کہ وہ مستحقین عذاب کو بھی توبہ کرنے والے اور صاحبِ صغیرہ کی طرح معاف کر دے گا تو اب شرک اور شرک سے کم میں کیا فرق رہے گا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ استحقاق کی بناء پر جیسے شرک سے کم گناہ پر معافی دیتا ہے اور عدم استحقاق پر معاف نہیں فرماتا اسی طرح وہ استحقاق کے وقت شرک معاف فرماتا ہے اور عدم استحقاق میں معاف نہیں فرماتا تو اب ان دونوں میں امتیاز و فرق نہیں رہے گا۔

۳۔ توبہ کرنے والوں اور اصحاب صغائر کی مغفرت لازمی ہے اور لازم مشیت سے معلق نہیں ہوتا کیونکہ اس سے معلق وہ ہو سکتا ہے کہ فاعل چاہے اسے کرے چاہے نہ کرے لیکن واجب کا ہونا ضروری ہے وہ چاہے یا نہ چاہے۔ آیتِ مذکورہ میں مغفرت مشیت سے معلق ہے تو اب ایسی مغفرت توبہ کرنے والوں اور اصحابِ صغائر کیلئے نہیں ہوگی۔

[1] قدیر

Marfat.com

4/4 واضح رہے یہ تمام دلائل معتزلہ کے اس قول پر ہیں کہ صاحبِ صغیرہ اور تائب صاحبِ کبیرہ کی مغفرت لازمی ہے۔ لیکن ہم ایسا قول نہیں کرتے۔

۴۔ الفاظ مبارک "وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ" قطعی طور پر نشاندہی کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شرک کے علاوہ ہر گناہ معاف فرمادے گا اور اس میں صغیرہ اور کبیرہ خواہ توبہ ہوئی یا نہیں سب شامل ہیں البتہ ان تینوں کی مغفرت میں دو طرح کا احتمال ہے ہر ایک کے تمام معاف ہو جائیں یا بعض کے تمام معاف لیکن بعض کے تمام معاف نہ ہوں۔ ارشاد "وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ" واضح کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تینوں کو معاف فرمائے گا۔ پھر "لِمَنْ يَّشَاءُ" واضح کر رہا ہے اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے گا مگر کل کے نہیں بلکہ بعض کے، یہ صورت ہمارے اصول کے مطابق ہے۔

سوال: ہم نہیں مانتے کہ مغفرت اس پر دال ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں عاصیوں کو عذاب نہیں دے گا۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ مغفرت اسقاطِ عذاب ہے اور یہ عام ہے دائمی ساقط ہو یا غیر دائمی، جب یہ لفظ مشترک ہے تو اس میں ان دونوں میں سے کسی ایک پر شہادت نہیں ہے تو اب اس کی دلالت اسقاطِ دائمی پر نہیں ہوگی۔

جب یہ ثابت ہے تو ہم یہ کیوں نہیں کہہ سکتے کہ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کی سزا دنیا سے مؤخر نہیں کرتے شرک سے کم کی سزا جس کیلئے چاہیں دنیا سے مؤخر فرمادیں۔

اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کہ یہ قول کیسے درست ہے حالانکہ ہم اہلِ ایمان سے زائد عذاب کفار دنیا میں نہیں دیکھتے اس لیے کہ جواباً یہ کہا جائے گا آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کیلئے چاہے شرک کا عذاب دنیوی مؤخر نہیں فرماتا اور جس کیلئے چاہے شرک سے کم کا عذاب دنیا سے مؤخر فرمادیتا ہے تو اس سے دونوں کو تخویف و دھمکی یوں حاصل ہوگی کہ ان کفار و فساق کو جلدی عذاب ملے جو جلدی چاہے اگرچہ اکثر پر ایسا نہیں ہے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مغفرت سے مراد اسقاطِ عذاب دائمی ہے پھر تم یہ کیوں کہتے ہو کہ اس سے مغفرت تائب اور صاحبِ صغیرہ مراد نہیں لی جاسکتی؟

پہلی تین وجوہ اس اصل پر ہیں جس کا قائل نہیں اور وہ یہ ہے کہ صاحبِ صغیرہ اور تائب کبیرہ کی مغفرت لازمی ہے رہی چوتھی وجہ تو "مَا دُوْنَ ذٰلِكَ" میں عموم تسلیم نہیں کرتے اس لیے کہ اس پر لفظ کل اور بعض کا دخول درست ہے۔ مثلاً وَيَغْفِرُ كُلَّ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ يَغْفِرُ بَعْضَ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ۔ اگر اس میں عموم ہوتا تو یہ داخلہ درست نہ ہوتا۔

Marfat.com

اگر ان میں عموم تسلیم کرلیں تو ہم صاحب صغیرہ اور تائب صاحب کبیرہ کو اس سے مخصوص کرلیں گے وہ اس لیے کہ وعیدی آیات میں سے ہر کوئی کسی نوع کبیرہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ مثلاً قتل وزنا لیکن یہ آیت تمام معاصی کو شامل ہے۔ خاص، عام سے مقدم ہوتا ہے تو آیات وعید اس آیت پر مقدم ٹھہریں۔

تو اول کا جواب یہ ہے اگر ہم مغفرت سے تاخیر عذاب مرادلیں تو آیت کی وجہ سے لازم ہوگا کہ دنیا میں مشرکین کا عذاب اہلِ ایمان سے زائد ہو ورنہ اس فرق کا فائدہ کیا؟ اور حالانکہ مسلم ہے کہ ایسا نہیں اس لیے ارشادِ ربانی ہے:

وَلَوْلَا اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّ مَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ (پ۲۵، الزخرف:۳۳)

اور اگر یہ نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک دین پر ہو جائیں تو ہم ضرور رحمٰن کے منکروں کیلئے چاندی (سونے) کی چھتیں اور سیڑھیاں بناتے جن پر چڑھتے

پھر معترض نے کہا: "مَادُوْنَ ذٰلِكَ" میں عموم ہے تم کیوں نہیں مانتے؟

جواب: "ما" کا اشارہ اس ماہیت کی طرف ہے جو دون الشرک سے موصوف ہے اور یہ واحد ہے۔

پانچویں حجت: آیات عموم سے استدلال

ہم (آیات) عمومات وعدہ سے استدلال کرتے ہیں اور وہ قرآن میں کثیر ہیں تو جب تعارض ہو جائے تو ترجیح یا موافقت ضروری ہے ان دلائل کی بنا پر ہمارے موقف کی ترجیح ہے۔

۱۔ عمومات وعدہ بہت زیادہ ہیں اور شریعت میں دلائل کی کثرت وجہِ ترجیح ہے اور اس اصول کی صحت پر اصول فقہ میں گفتگو موجود ہے

جانب نیکی غالب ہے

ارشادِ ربانی:

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (پ۱۲، ھود:۱۱۴)

بیشک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں

نشاندہی کر رہا ہے کہ نیکی، برائی کو ختم کر دیتی ہے اس لیے کہ وہ حسنہ ہے، جیسا کہ اصول فقہ میں ثابت ہے۔

اب اس پر حسنات کفار میں عمل نہیں ہوگا اس لیے کہ وہ ان کی سیئات ختم نہیں کرتیں لہٰذا باقی حسنات میں اس پر عمل ہوگا۔

۲۔ ارشادِ ربانی ہے

Marfat.com

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا (پ۸-الانعام:۱۶۵)

جو ایک نیکی لائے تو اس کیلئے اس جیسی دس ہیں اور جو برائی لائے تو اُسے بدلہ نہ ملے گا مگر اس کے برابر

پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر اضافہ فرمایا:

كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِىْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ (پ۳-البقرۃ:۲۶۱)

اس دانہ کی طرح جس نے اگائیں سات بالیں ہر بال میں سو دانے

اضافہ کی حد ہی نہیں

پھر اس پر بھی اضافہ فرمایا

وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ (پ۳-البقرہ:۲۶۱)

اور اس سے بھی زیادہ بڑھائے جس کیلئے چاہے

برائی کے حوالے سے فرمایا:

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا

اور جو برائی لائے تو اسے بدلہ نہ ملے گا مگر اس کے برابر

ان تمام کی اس پر بہت واضح دلالت ہے کہ جانب نیکی وحسنہ، اللہ تعالیٰ کے ہاں جانب برائی وسیئہ سے راجح ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء کی آیت وعدہ میں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا (پ۵-النساء:۱۲۲)

اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے عنقریب ہم انہیں باغوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ ان میں رہیں اللہ کا سچا وعدہ اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی

وعید اللہ حق ۔ نہیں فرمایا

"وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا" کے الفاظ بطور تاکید ہیں اور مقاماتِ وعید میں کسی بھی جگہ "وَعِيْدُ اللّٰهِ حَقًّا" نہیں فرمایا اور ارشادِ ربانی:

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَىَّ وَمَاۤ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (پ۲۶، ق:۲۹)

میرے یہاں بات بدلتی نہیں اور نہ میں بندوں پر ظلم کروں

وعدہ اور وعید دونوں کو ہی شامل ہے۔

۵۔ ارشادِ گرامی ہے:

Marfat.com

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (پ۵ النساء: ۱۱۰-۱۱۱)

اور جو کوئی برائی یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہے تو اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا اور جو گناہ کمائے تو اس کی کمائی اسی کی جان پر پڑے اور اللہ علم و حکمت والا ہے

استغفار، طلب مغفرت ہے اور یہ توبہ کے علاوہ ہے یہاں تصریح ہے توبہ ہو یا نہ ہو، استغفار پر اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا اور یہ نہیں فرمایا جس نے گناہ کا ارتکاب کیا وہ اللہ تعالیٰ کو عذاب وسزا دینے والا پائے گا بلکہ فرمایا: "فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ"۔ تو یہاں سے بھی واضح ہو رہا ہے کہ جانب حسنہ ہی غالب وراجح ہے اس کی نظیر یہ ارشادِ ربانی ہے

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا (پ۱۵ الاسراء: ۷)

اگر تم بھلائی کرو گے اپنا بھلا کرو گے اور اگر برا کرو گے تو اپنا

یہ نہیں فرمایا: اِنْ اَسَاْتُمْ اَسَاْتُمْ لَهَا" گویا اللہ تعالیٰ اپنے احسان کا۔ تکرار کے ذریعہ اعادہ فرمارہا ہے لیکن برائی پر پردہ ڈالتے ہوئے صرف ایک ہی دفعہ ذکر کیا۔ یہ تمام جانب حسنہ کے راجح ہونے پر شاہد ہے۔

۶۔ آیات وعید کا الفاظ واحد سے تکرار نہیں

ہم نے واضح کیا ارشادِ ربانی "وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ" صاحب کبیرہ کے عفو کیلئے ہی ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اسی صورت میں اس کا اعادہ فرمایا اور یہ تاکید کے علاوہ درست نہیں حالانکہ آیات وعید کا الفاظ واحد کے ساتھ کہیں تکرار نہیں نہ ایک صورت میں اور نہ دو میں۔ تو اس سے واضح ہو جاتا ہے حسنات پر وعدہ اور سئیات پر عفو کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کی عنایات اکمل اور اتم ہیں۔

۷۔ وعید میں تاویل احسن ہے

جب آیات وعدہ و وعید میں تعارض ہے تو دونوں میں سے ایک کی تاویل ضروری ہے اور تاویل، وعدہ کے بجائے وعید میں احسن ہے اس لیے کہ عرف میں عفوِ وعید مستحسن اور وعدہ میں بے وفائی قبیح ہے لہٰذا وعید میں تاویل کر لینا، وعدہ میں تاویل سے اولیٰ ہے

۸۔ جانب وعد کی وعید پر ترجیح

قرآن کریم، اللہ تعالیٰ کی ان شانوں سے مالا مال ہے۔ غافر، غفور، غفار، صاحب غفران ومغفرت، رحیم، کریم، صاحب عفو واحسان اور صاحب فضل وافضال ہے اور اس پر دال احادیث حدِ تواتر پر ہیں تو یہ تمام جانب وعدہ کو پختہ کرتی ہیں اور قرآن میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اس پر دلالت کرے کہ اللہ تعالیٰ رحمت، کرم اور عفو سے دور ہے تو ان تمام سے جانب وعد کی جانب وعید پر ترجیح ثابت ہو رہی ہے۔

Marfat.com

۹۔ (صاحبِ کبیرہ) انسان سب سے اعلیٰ خیر ''ایمان'' لایا اور سب سے بدتر ''کفر'' سے بچا۔ ہاں اس نے ایسے شر کا ارتکاب کیا جو طبقہ قبائح سے سب سے بڑا نہیں۔ ایک مالک کا غلام ہو اور اس کی سب سے بڑی خدمت بجالائے لیکن متوسط نافرمانی کا مرتکب ہو جائے، اب اگر مالک اس کی متوسط غلطی کو اعظم طاعت پر ترجیح دے تو ایسے مالک کو کمینہ اور موذی کہا جاتا ہے یہاں بھی معاملہ اسی طرح ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی بات ہرگز ثابت نہیں لہٰذا جانب وعدہ کی ترجیح ثابت ہو جائے گی۔

۱۰۔ حضرت یحییٰ بن معاذ کی خوبصورت دعا

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کرتے، اے میرے اللہ جب ایک گھڑی کی توحید پچاس سالہ کفر ختم کر دیتی ہے تو پچاس سالہ توحید ایک گھڑی کے گناہ کیسے نہ ختم کرے گی؟ اے میرے اللہ! جب حالت کفر میں کوئی طاعت نافع نہیں تو عدل کا تقاضا یہ ہے کہ حالت ایمان میں کوئی گناہ نقصان دہ نہ ہو ورنہ کفر کا ایمان سے اعظم ہونا لازم آئے گا اگر یہ صورت نہیں تو کم از کم اس حالت میں معافی کی امید تو ہے، یہ گفتگو نہایت خوبصورت ہے۔

۱۱۔ تخصیص، تعطیل سے بہتر

پیچھے دلائل سے بیان کیا، ارشادِ ربانی ''وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ'' کا حمل صغیرہ اور تائب صاحب کبیرہ پر نہیں ہو سکتا، اب اگر ہم اسے قبل از توبہ صاحب کبیرہ پر محمول نہ کریں تو آیت کا بے معنی ہونا لازم آئے گا اور اگر ہم وعیدی عمومات کی وجہ سے گناہ کو حلال جاننے والے کے ساتھ مخصوص کر لیں تو اس سے تخصیص عموم لازم آئے گی اور مسلّم ہے کہ تخصیص، تعطیل سے بہتر و آسان ہے۔

معتزلہ کا موقف

جانب وعید کو ان دلائل کی بنا پر ترجیح حاصل ہے:

۱۔ امت کا اتفاق ہے کہ فاسق پر بطور سزا و عبرت لعنت و حد درست ہے تو وہ اہلِ ذلت میں سے ٹھہرا اور یہ چیز اس کے مستحقِ عتاب پر دال ہے اور اب اس کا اس حال میں مستحق ثواب ہونا محال ہوگا تو اب جانب وعید، جانب وعدہ پر راجح ہوگی۔ اس پر لعنت کے لیے قرآن اور اجماع شاہد ہیں۔ قرآن میں قاتل مومن کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے:

وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَلَعَنَهٗ (پ۵، النساء: ۹۳) اور اللہ نے اس پر غضب کیا اور اس پر لعنت کی

Marfat.com

اسی طرح فرمایا:

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ (پ۸ الاعراف:۴۴) کہ اللہ کی لعنت ظالموں پر

اب اجماع تو ظاہر ہے، اس پر بطور عبرت حد نافذ کی جاتی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ (پ۶ المائدۃ:۳۸) اور جو مرد یا عورت چور ہو تو ان کا ہاتھ کاٹو ان کے کیے کا بدلہ اللہ کی طرف سے سزا!

بطور عذاب اس پر حد کا نفاذ ہوتا ہے، زانی کے بارے میں فرمایا:

وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (پ۱۸، النور:۲) اور چاہیے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کا ایک گروہ حاضر ہو

یہ اہلِ ذلت میں سے ہیں اللہ تعالیٰ نے راہزنوں کے بارے میں فرمایا:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (پ۶، المائدۃ:۳۳) وہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں ان کا بدلہ یہی ہے کہ گن گن کر قتل کیے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹے جائیں یا زمین سے دور کردیئے جائیں یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کیلئے بڑا عذاب۔

جب فاسق میں یہ چیزیں ہوتی ہیں تو وہ مستحق عذاب وذم بھی ہوگا، جو آدمی ان کا دائمی مستحق ہو جائے تو اس وقت وہ اہلِ ثواب میں سے نہیں رہے گا اس لیے کہ ثواب وعتاب متضاد چیزیں ہیں اور ان کے استحقاق میں اجتماع محال تو جب وہ مستحق ثواب نہ رہا تو جانب وعید کا وعد پر راجح ہونا واضح ہوگیا۔

۲۔ آیات وعدہ عام اور وعید خاص ہیں اور خاص، عام پر مقدم ہوتا ہے۔

۳۔ انسانی جبلت فساد وظلم ہے تو زجر کی ضرورت زیادہ ہے تو جانب وعید اولیٰ ٹھہری۔

اہلسنّت کے جوابات

پہلی دلیل کے کئی جوابات ہیں

نقل قدیم

Marfat.com

۱۔ جیسے آیات میں فُساق کے معاصی کی وجہ سے دنیا میں ان پر لعنت اور عذاب ہے اسی طرح آیات میں ان کے ایمان کے سبب ان کی تعظیم واکرام بھی ہے۔ مثلاً ارشادِ ربانی ہے

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (پ۷ الانعام:۵۴)

اور جب وہ تمہارے حضور حاضر ہوں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے فرماؤ تم پر سلام تمہارے رب نے اپنے ذمہ کرم پر رحمت لازم کرلی ہے

۲۔ جیسے آیات وعدہ، اخروی وعیدی آیات کے مخالف ہیں اسی طرح وہ دنیوی وعیدی آیات کے بھی معارض ہیں تو وعید دنیاوی والی آیات کی وعید اُخروی والی آیات پر ترجیح اس کے برعکس پر اولیٰ کیوں نہیں؟

۳۔ ہمارا اتفاق ہے کہ چور اگرچہ توبہ کرے پھر بھی اس کا ہاتھ کٹے گا البتہ بطور سزا نہیں بلکہ بطور امتحان تو ثابت ہوا "جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا" عدم توبہ کے ساتھ مشروط ہے تو یہ کیوں جائز نہیں کہ وہ عدمِ عفو سے بھی مشروط ہو۔

۴۔ جزا، جو کافی ووافی ہو، جب سزا کافی ہے تو اب آخرت میں عتاب جائز نہ ہوگا ورنہ اس کا کافی ہونا ختم ہوجائے گا تو ثابت ہوا یہ اُخروی عذاب کے منافی ہے۔

جب جانب وعید کی ترجیح کا فساد واضح ہوگیا تو ہماری سنیے۔

ان دونوں طرف کی آیات میں وعد ووعید کا ذکر ہے ان کے درمیان تطبیق ضروری ہے۔

اب یا تو یہ کہا جائے پہلے بندے کو ثواب حاصل ہوگا اور پھر اسے دارِ عذاب میں منتقل کردیا جائے گا اس قول کے باطل ہونے پر امت کا اجماع ہے یا یوں کہا جائے بندے پر پہلے عذاب ہوگا پھر اسے دارِ ثواب میں منتقل کردیا جائے گا اور وہ وہاں ہمیشہ رہے گا یہی مطلوب ہے۔

رہی ترجیح ثانی تو وہ ضعیف ہے کیونکہ ارشادِ ربانی "وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ" کفر کو شامل نہیں اور ارشادِ مبارک "وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ" تمام کو شامل ہے لہٰذا ہمارا قول خاص ٹھہرا۔ واللہ اعلم۔

چھٹی حجت: رسول اللہ ﷺ کی شفاعت

ہم نے پہلے واضح کیا کہ حضور ﷺ کی شفاعت سے عذاب ساقط ہوگا اور یہ چیز اس مسئلہ میں ہماری تائید میں ہے۔

Marfat.com

ساتویں حجت: توبہ کے بعد معافی

ارشادِ ربانی "اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا" (اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف کرے گا) اس مسئلہ میں نص وتصریح ہے۔

سوال: یہ آیت دال ہے کہ تمام گناہگاروں کی مغفرت قطعی ہے حالانکہ تم بھی یہ بات نہیں کہتے تو جس پر آیت دال ہے وہ تمہارا مذہب نہیں اور جو تمہارا مذہب ہے اس پر آیت دال نہیں۔

جواب: ہم یہ تسلیم کرتے ہیں لیکن مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کے بعد تمام گناہ معاف کردے گا۔

اس پر دو دلائل

اس مفہوم پر آیت کا حمل ان دو وجہ سے اولیٰ ہے:

۱۔ جب ہم آیت کا یہ معنی کرتے ہیں تو اسے بغیر تخصیص تمام گناہوں پر محمول کرتے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے بعد فرمایا:

وَاَنِیْبُوْۤا اِلٰی رَبِّکُمْ وَاَسْلِمُوْا لَہٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ (پ۲۴، الزمر:۵۴)

اور اپنے رب کی طرف رجوع لاؤ اور اس کے حضور گردن رکھو قبل اس کے کہ تم پر عذاب آئے

انابت، (رجوع کرنا) توبہ ہی ہے تو واضح ہوگیا توبہ شرط ہے۔

پہلی دلیل کا جواب: قیدِ توبہ کی ضرورت نہیں

ارشادِ ربانی "یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا" اللہ تعالیٰ کا مستقبل میں وعدہ ہے کہ وہ گناہوں کو ساقط فرمادے گا اور ہم قطعی طور پر اس کے پورے ہونے پر یقین رکھتے ہیں اس لیے کہ ہمارا ایمان ہے اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو دوزخ سے ضرور نکالے گا اور وہ بلاشبہ مغفرت ہے، اس سے ثابت ہوا کہ آیت کو ظاہر پر ہی رکھنے میں قیدِ توبہ کی حاجت نہیں۔

اس مسئلہ پر یہ تفصیلی گفتگو تھی، وباللہ التوفیق۔

اب تفسیرِ آیت کی طرف آتے ہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں خطا کا محیط ہونا یہ ہے کبیرہ گناہ، ثواب آدمی کو ختم کردیتا ہے، اس پر متعدد اعتراضات ہیں۔

۱۔ احاطہ کیلئے عدمِ عفو بھی شرط ہے

جس طرح احاطہ کیلئے گناہ کا کبیرہ ہونا شرط ہے اسی طرح احاطہ کیلئے عدمِ عفو بھی شرط ہے اس لیے کہ اگر عفو ثابت ہوجائے تو

Marfat.com

انسان کا احاطہ، سیئۃ (برائی) نہیں کر سکتی تو اب سیئۃ کا محیط انسان ہونا، ثبوتِ عدم عفو کے بغیر نہیں ہو سکتا یہ پہلا مسئلہ ہے اور اس آیت سے اس مطلوب پر استدلال باطل ہے۔

۲۔ احاطہ سے مراد کبیرہ نہیں

ہم احاطۂ خطا کی تفسیر کبیرہ نہیں کرتے بلکہ تفسیر یہ ہے کہ انسان کا ظاہر و باطن نافرمان ہو اور یہ بات کافر میں ہی ہو سکتی ہے۔ وہی دل، زبان اور اعضاء سے اللہ تعالیٰ کا عاصی و نافرمان ہوتا ہے۔ رہا مسلمان تو یہ دل و زبان سے اللہ تعالیٰ کا مطیع ہوتا ہے، ہاں بعض اعضاء سے نافرمان ہے لہٰذا یہاں احاطہ خطا نہیں۔

ہماری تفسیر احاطہ اولیٰ ہے کیونکہ جب ایک جسم دوسرے جسم کے بعض سے مس ہو تو نہیں کہا جاتا کہ اس نے اس کا احاطہ کر لیا۔ اس سے آشکار ہو گیا احاطہ خطا کافر میں ہی ہو سکتا ہے۔

تو اب ہم کہتے ہیں "فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ" کا تقاضا یہی ہے کہ یہ کافر ہیں، اور اسی کا یہ تقاضا ہے کہ صاحبِ کبیرہ دوزخی نہ ہو

۳۔ ارشادِ مبارک "فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ" کا معنی کہ یہ اس وقت دوزخی ہیں، باطل ہے، یہ مفہوم لینا ہوگا کہ یہ مستحق نار ہیں اور ہم بھی یہی قول کرتے ہیں لیکن اس میں کسی کا نزاع نہیں کیا اللہ تعالیٰ اس حق کو معاف کر سکتا ہے؟

اور یہ اول مسئلہ ہے، ہم اپنی گفتگو قاعدہ فقہی پر ختم کرتے ہیں۔ یہاں شرط دو امور ہیں:

۱۔ برائی کا ارتکاب۔

۲۔ برائی کا احاطہ انسان۔

جو جزا دو شرائط سے معلق ہو وہ ایک کے حصول پر نہیں پائی جا سکتی، یہ بات بتا رہی ہے کہ جس نے طلاق یا عتاق کیلئے دو شرائط پر حلف اٹھایا وہ ایک موجود ہونے کی بنا پر حانث نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

Marfat.com

[۸۲] وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ۚ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۲﴾

(اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہ جنت والے ہیں انہیں ہمیشہ اس میں رہنا ہے)

ذکر وعدہ کے فوائد

اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی قرآن میں آیت وعید ذکر کی وہاں آیت وعد بھی ذکر کی، اس کے متعدد فوائد ہیں:

۱۔ اس کا عدل ظاہر ہو اس لیے کہ جب کفر پر مُصر لوگوں کا انجام دائمی عذاب بتایا تو ضروری تھا ایمان پر قائم لوگوں کیلئے دائمی انعام کا ذکر کیا جاتا۔

۲۔ مومن کیلئے خوف و رجا کا ہونا ضروری ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے اگر مومن کے خوف و رجا کا وزن کیا جائے تو وہ برابر ہوں گے اور راہ اعتدال اسی طریقہ سے حاصل ہوتا ہے۔

۳۔ وعدہ کے ساتھ کمال رحمت اور وعید سے کمال حکمت کا اظہار ہے تا کہ یہ معرفت کا سبب بن جائیں۔

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: اعمال اور ایمان الگ ہیں

عمل صالح، ایمان سے الگ ہے اس لیے کہ فرمایا: "وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ"۔ اگر ایمان کی دلالت عمل صالح پر بھی ہوتی تو یہ تکرار ہوتا۔ قاضی نے جواباً کہا: ایمان میں اگرچہ تمام اعمال صالح داخل ہیں لیکن لفظ "امــن" اس وقت مفید ہوتا ہے جب افعال ایمان میں سے کوئی ایک بجالائے اس لیے یہ فرمان بہت خوب ہے۔ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ"۔

جواب: فعل ماضی کی دلالت مصدر کے زمانہ ماضی میں حصول پر ہوتی ہے۔ ایمان مصدر ہے اگر اس کی دلالت تمام اعمال صالحہ پر ہے تو لفظ امن تو یہ بتائے گا کہ ان اعمال کا صدور اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم

دوسرا مسئلہ: صاحب کبیرہ کا جنتی ہونا

یہ آیت واضح کر رہی ہے کہ صاحب کبیرہ جنت میں جائے گا اس لیے کہ ہماری گفتگو اس شخص کے بارے میں ہے جو ایمان لایا اور اس نے اعمال صالحہ کیے اس کے بعد اس نے ارتکاب کبیرہ کیا مگر توبہ نہ کی تو اس پر ارتکاب کبیرہ سے پہلے یہ صادق آ رہا ہے کہ یہ ایمان لانے اور اعمال صالحہ بجالانے والا ہے جب یہ صادق آ رہا ہے تو یہ "اُولٰٓئِکَ اَصۡحَابُ الۡجَنَّۃِ هُمۡ فِیۡهَا خَالِدُوۡنَ"

Marfat.com

کے تحت داخل ہو۔

صاحب کبیرۃ جمیع صالحات بجالانے والانہیں

سوال: صاحب کبیرہ پر ارشاد "وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" صادق نہیں آرہا۔ کیونکہ اس کیلئے تو جمیع صالحات کا بجالانا ضروری ہے اور ان میں توبہ بھی ہے جب اس نے توبہ نہیں کی تو وہ صالحات کہاں بجالایا؟ لہٰذا وہ آیت کے تحت داخل نہ ہوگا۔

جواب: کبیرہ کے ارتکاب سے پہلے اس پر یہ صادق تھا تو جب مرکب صادق ہے تو مفرد بھی صادق ہوگا بلکہ جب اس نے کبیرہ کیا تو اب اس پر تمام اوقات میں یہ صادق نہیں۔ لیکن ہمارا قول "وہ ایمان لایا اور اعمال صالحہ کیے" عام ہے کہ وہ تمام اوقات میں بجالایا ہو یا بعض میں تو آیت میں قدر مشترک ہے تو ثابت ہوا یہ وعدہ کے تحت ہے۔

رہا ان کا قول فاسق کے ثواب طاعت کو اس کے عتاب کی معصیت ضائع کر دیتی ہے۔ لہٰذا ترجیح جانب وعید کو ہوگی۔ اس پر پہلے تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔

تیسرا مسئلہ: فضل الٰہی اور دخولِ جنت

شیخ جبائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے اس پر استدلال کیا۔ کوئی جنتی، جنت میں فضل کی بنا پر داخل نہ ہوگا اس لیے کہ "اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ" میں حصر ہے جو واضح کر رہا ہے اصحاب جنت وہی ہوں گے جو ایمان اور اعمال صالحہ والے ہی ہوں گے۔

جواب: یہ کیوں جائز نہیں کہ یہاں مستحقِ جنت مراد ہوں اور جسے بطور فضل جنت ملتی ہے وہ اس حکم کے تحت نہ ہو۔ واللہ اعلم

[۸۳] وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

(اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں سے اور لوگوں سے اچھی بات کہو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو پھر تم پھر گئے مگر تم میں سے تھوڑے اور تم روگردان ہو)

Marfat.com

دیگر انعامات کا تذکرہ

یہ اور قسم کے انعامات ہیں جو انہیں عطا کیے گئے وہ اس لیے کہ ان کا نبھانا سب سے بڑی نعمت (جنت) کا سبب ہے، نعمت کا موصل بھی نعمت ہوتا ہے لہٰذا انہیں مکلف بنانا بھی نعمت ہے اس کے بعد احکام کی تفصیل ہے کہ وہ یہ ہیں۔

پہلا حکم: اللہ کی ہی عبادت

ارشاد گرامی "لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ"۔ (اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو) یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: تَعْبُدُوْنَ کی قرأت

ابن کثیر، حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ کی قرأت "یـعبـدون" ہے اور باقی نے تا پڑھی ہے، یا کی وجہ کہ یہ غیبی خبر انہیں دی اور تا اس لیے کہ وہ مخاطب ہیں۔ مختار تاء ہے۔ شیخ ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ارشادِ ربانی "وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا" واضح کر رہا ہے کہ یہاں بھی تا کے ساتھ صیغہ مخاطب ہے۔

دوسرا مسئلہ: پانچ اقوال

تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ کے محل میں پانچ اقوال ہیں:

پہلا قول: مرفوع ہے اصل میں "أن لا یعبدوا" ہے گویا فرمایا: ہم نے ان سے اس بات کا عہد لیا تھا کہ وہ عبادت اللہ ہی کی کریں گے پھر ان کو حذف کر کے فعل کو مرفوع کر دیا جیسا کہ طرفہ نے کہا:

ألا أیهذا اللائمی أحضر الوغی وأن أشهد اللذات هل أنت مخلدی

اصل میں أن احضر ہے اس لیے اس پر أن اشهد کا عطف ہے۔

اور اسے اخفش، فراء، زجاج، قطرب، علی بن عیسیٰ اور ابو مسلم نے جائز رکھا ہے۔

دوسرا قول: یہ جواب قسم ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ گویا فرمایا: جب ہم نے ان سے قسم لی کہ وہ نہیں عبادت کریں گے، مگر اللہ کی اسی وجہ کو مبرد، کسائی، فراء، زجاج اور ایک قول میں اخفش نے جائز رکھا۔

تیسرا قول: قطرب اسے منصوب محل حال میں رکھتے ہیں گویا فرمایا: ہم نے تم سے عہد لیا تھا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرو گے۔

Marfat.com

چوتھا قول: فراء کہتے ہیں یہ نہی ہے البتہ لفظاً خبر ہے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

وَلَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا (پ۲،البقرۃ:۲۳۳) ماں کو ضرر نہ دیا جائے اس کے بچہ سے

نہی ہونے پر دو امور

یہ مرفوع اور نہی ہے، اس کے نہی ہونے پر یہ امور دلیل ہیں:

۱۔ "اَقِيْمُوْا" امر ہے۔ (مقابل نہی ہے)

۲۔ حضرت عبداللہ اور حضرت اُبی رضی اللہ عنہما کی قرأت "لَا تَعْبُدُوْا" کی بھی تائید حاصل ہے۔

۳۔ صراحۃً امر و نہی کے بجائے خبر کا معنیٰ نہی و امر میں ہونا زیادہ تاکید پیدا کرتا ہے گویا بجا آوری اور رک جانے میں جلدی کی جائے اور اس ذریعہ سے اس کی خبر بن گئی۔

پانچواں قول: عبارت یوں ہے: ان لا تعبدوا، "ان" مع فعل، میثاق سے بدل ہے گویا فرمایا: ہم نے بنی اسرائیل سے توحید کا عہد لیا۔

تیسرا مسئلہ: تمام ضروریاتِ دین کا عہد

یہ عہد تمام ضروریات دین پر دال ہے اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عبادت الٰہی کا حکم اور غیر کی عبادت سے منع فرمایا اور ان دونوں چیزوں سے پہلے ذاتِ باری کا علم بھی لازمی ہے اور کونسی چیز اس کیلئے لازم، جائز اور محال ہے۔ اس کی وحدانیت کا شرکاء اور اضداد سے پاک ہونا، بیوی اور اولاد سے پاک ہونے کا علم بھی ضروری ہے پھر اس بات کا علم کہ عبادت کا طریقہ کیا ہے جو وحی اور رسالت کے علاوہ معلوم نہیں ہوسکتا۔ تو ارشادِ گرامی "لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ" علم توحید، علم فقہ اور تمام احکام کو شامل ہے اس لیے کہ ان کے بغیر عبادت کا کوئی تصور نہیں

دوسرا حکم: والدین کے ساتھ حسنِ سلوک

فرمایا: وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: **سوال:** یہاں با کا تعلق کس سے اور احسان پر نصب کی کیا حکمت ہے؟

جواب: اس میں تین اقوال ہیں:

Marfat.com

۱۔ زجاج کہتے ہیں اصل یوں ہے: أحسنوا بالوالدین احسانًا

۲۔ مفہوم یہ ہے، وصیناھم بالوالدین احسانًا۔ اس صورت میں باء کا اتصال احسن ہے۔ اول صورت میں "أحسنوا الی الوالدین" بھی ہوسکتا ہے۔

۳۔ یہ خبر ہے اور معنی اول پر معطوف ہے یعنی "ان تعبدوا و تحسنوا" (عبادت کرو اور حسن سلوک کرو)

دوسرا مسئلہ: عبادتِ الٰہی کے بعد والدین سے حسنِ سلوک کی حکمتیں

عبادتِ الٰہی کے بعد والدین کے ساتھ احسان کا ذکر ان وجوہات کی بنا پر ہے:

پہلی حکمت: اللہ تعالیٰ کی بندے پر نعمتیں بہت بڑی ہیں لہٰذا اللہ کا شکر دوسروں سے پہلے ہے، اللہ کی نعمت کے بعد والدین کی نعمت زیادہ عام ہے، اس لیے کہ والدین، اولاد اور اس کے وجود کا سبب اور اصل ہیں جیسا کہ وہ دونوں بطور مربی بھی منعم ہیں۔ غیرِ والدین سے اصل وجود میں انعام نہیں بلکہ فقط تربیت میں ہوتا ہے تو واضح ہوگیا اللہ تعالیٰ کے انعام کے بعد والدین کا انعام سب سے کامل ہے۔

دوسری حکمت: ظاہری موثر کا ذکر

وجودِ انسان کیلئے موثر حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے اور والدین عرف ظاہر کے اعتبار سے موثر ہیں، جب موثر حقیقی کا ذکر کیا تو عرف ظاہر میں موثر کا بھی تذکرہ کر دیا۔

تیسری حکمت: ان کا انعام مشابہ ہے

اللہ تعالیٰ بندے سے اپنے انعام کا معاوضہ ہرگز نہیں مانگتا بلکہ وہ محض انعام ہوتا ہے اور والدین کا معاملہ بھی اسی طرح ہے وہ بھی اولاد سے مال اور ثواب کی طلب بطور معاوضہ نہیں مانگتے اس لیے کہ جو قیامت کے منکر ہیں وہ بھی اپنی اولاد کی اچھی تربیت کرتے ہیں، اس وجہ سے والدین کا انعام، انعام الٰہی کے مشابہ قرار پاتا ہے۔

چوتھی حکمت: والدین کا کرم منقطع نہیں ہوتا

اللہ تعالیٰ بندوں پر انعام فرمانے میں ملال نہیں کرتا اگرچہ وہ اعظم جرائم کا ارتکاب کریں کیونکہ اس سے اس کی نعمتوں کے مواد اور کرم کی بارشیں منقطع نہیں ہوتیں اسی طرح والدین، اولاد سے نہ ملال کرتے ہیں اور نہ ان سے سخاوت و کرم منقطع کرتے ہیں اگرچہ اولاد کس قدر والدین سے زیادتی کرے۔

فضل قدیر

Marfat.com

پانچویں حکمت: اولاد کا نفع

جس طرح مشفق والد اپنی اولاد کے مال میں نفع اور طلب اضافہ کیلئے تصرف کرتا ہے اور اسے نقصان اور گھاٹے سے محفوظ رکھتا ہے اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ طاعت بندہ میں تصرف فرماتے ہوئے اسے ضیاع سے بچاتا ہے پھر اس کے باقی نہ رہنے والے افعال کو ابدالآباد تک باقی بنا دیتا ہے جیسا کہ فرمایا:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ (پ۳، البقرۃ: ۲۶۱)

ان کی مثال جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اُس دانہ کی طرح جس نے اگائیں سات بالیں ہر بال میں سو دانے

چھٹی حکمت: ان کے انعامات قلیل

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اگرچہ والدین کے انعام سے اعظم و بڑی ہیں مگر ان کا علم استدلال سے حاصل ہوتا ہے مگر والدین کا انعام بدیہی طور پر ہوتا ہے حالانکہ انعامات الٰہیہ کے اعتبار سے یہ قلیل ہے تو اس جہت سے دونوں میں توازن ہے تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بہرصورت ترجیح ہے اس لیے والدین کے انعامات کو انعاماتِ الٰہی کے بعد لایا گیا۔

تیسرا مسئلہ: کافر والدین کا بھی احترام

اکثر علماء کا اتفاق ہے کہ والدین کی تعظیم لازم وفرض ہے اگرچہ وہ کافر ہوں، اس پر دلائل یہ ہیں:

۱۔ ارشادِ ربانی "وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا" میں قید نہیں کہ وہ اہلِ ایمان ہوں یا نہ ہوں اور اس لیے بھی کہ اصول فقہ میں ضابطہ ہے جب حکم وصف پر ہو تو وصف علت بنتا ہے تو یہ آیت واضح کر رہی ہے کہ تعظیم والدین کا حکم محض والدین ہونے کی وجہ سے ہے اور اس میں عموم ہے۔

اسی طرح ارشادِ ربانی:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (پ۱۵، بنی اسرائیل: ۲۳)

اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

سے بھی استدلال ہے۔

۲۔ ارشادِ ربانی ہے:

Marfat.com

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا توان سے ہُو نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا (پ۱۵، بنی اسرائیل: ۲۳)

ان مبارک الفاظ میں انہیں اذیت نہ دینے میں خوب مبالغہ ہے پھر آگے فرمایا:

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا اور عرض کر کہ اے میرے رب تو ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دونوں نے مجھے بچپن میں پالا (پ۱۵، الاسراء: ۲۴)

یہاں تعظیم کے لازم ہونے کے سبب کا بیان ہے۔

۳۔ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نقل کیا کہ وہ اپنے اب (چچا) کو کفر سے ایمان کی طرف دعوت کس طرح دیتے تھے۔

يٰاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا اے میرے باپ کیوں ایسے کو پوجتا ہے جو نہ سنے نہ دیکھے اور نہ کچھ تیرے کام آئے (پ۱۶، مریم: ۴۲)

آگے سے وہ آپ کو اذیت دیتا اور سخت جواب دیتا تو آپ علیہ السلام خوب برداشت کرتے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں یہ ثابت ہے تو اس امت کے حق میں بطریق اولیٰ ثابت ہوگا کیونکہ ارشادِ ربانی ہے

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا پھر ہم نے تمہیں وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی کرو جو ہر باطل سے الگ تھا (پ۱۴، النحل: ۱۲۳)

چوتھا مسئلہ: احسان میں یہ بھی شامل ہے

ان کے ساتھ احسان یہ ہے کہ انہیں ہرگز اذیت نہ دی جائے اور جس قدر انہیں ضرورت ہو اسے پورا کیا جائے اس میں ایمان کی دعوت بھی شامل ہے اگر وہ کافر ہوں اور اگر وہ فاسق ہوں تو نرمی کے ساتھ نیکی کی طرف راغب کرنا بھی ذمہ داری ہے۔

تیسرا حکم: رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک

ارشادِ ربانی ہے "وَذِي الْقُرْبٰى"۔ یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: قرابت کا ضابطہ

امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر زید نے اقارب کیلئے وصیت کی تو اس میں وارث محرم اور غیر محرم دونوں شامل ہوں گے البتہ والد اور بیٹا داخل نہ ہوں گے اس لیے کہ یہ عرفاً اقربا میں شامل نہیں ہاں اس میں احفاد و اجداد شامل ہوں گے، بعض نے کہا:

Marfat.com

55
55

اس میں اصول وفروع داخل نہ ہوں گے، بعض نے کہا: تمام شامل وداخل ہوں گے۔

یہاں باریک نکتہ ہے۔عرب اجداد عالیہ کی حفاظت کرتے تھے لہٰذا ان کی نسل، وسعت کی وجہ سے وہ تمام اقارب ہوں گے اگر ہم جد عالی تک جائیں اور اولاد کو شمار کریں تو وہ زیادہ ہوگی اس لیے امام شافعی رضی اللہ عنہ کی نسبت جد اقرب کی طرف ہی معروف ہے اگر چہ وہ کافر ہے، علماء نے مثال یوں دی۔ اگر امام شافعی نے اقارب کیلئے وصیت کی تو ہم اسے بنوشافع پر محمول کریں گے تو بنو مطلب اور بنوعبد مناف شامل نہ ہوں گے اگر چہ وہ بھی اقارب ہیں کیونکہ وہ معروف شافع کے ساتھ ہیں نہ کہ عبد مناف کے ساتھ۔

شیخ غزالی نے لکھا، یہ زمانہ امام شافعی کی بات ہے۔ ہمارے دور میں اس کا حمل صرف اولاد شافعی رضی اللہ عنہ پر ہوگا، بنو شافع بھی شامل نہ ہوں گے اس لیے کہ ہمارے دور میں وہی اقرب ہوں گے جو اقارب معروف ہوں گے۔قرابت اُم، مختار قول پر عجمی کی وصیت میں شامل مگر عربی کی وصیت میں شامل نہ ہوگی اس لیے کہ وہ اسے قرابت نہیں مانتے لیکن اگر اس نے وصیت میں ارحام کا ذکر کیا تو اس میں قرابت اب اور اُم دونوں شامل ہوں گی۔

دوسرا مسئلہ: صلہ رحمی کا مقام

رشتہ دار کا حق، حقِ والدین کے تابع ہے اس لیے کہ انسان انہی کے واسطہ سے رشتہ داروں سے متصل ہوتا ہے تو والدین کا اتصال ان سے مقدم ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے والدین سے انہیں مؤخر فرمایا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: رحم رحمٰن سے نکلا ہے، روز قیامت عرض کرے گا میرے رب میں نے ظلم کیا۔ میں نے اپنے ساتھ برا کیا اور مجھے قطع کر دیا گیا رب اکرم فرمائے گا کیا تو اس پر خوش نہیں میں نے اسے کاٹ دیا جس نے تجھے کاٹا اور تجھ سے ملانے والے کو میں نے ملا دیا پھر یہ آیتِ مبارکہ پڑھی:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ ۝ (پ۲۶ محمد:۲۲) تو کیا تمہارے یہ لچھن نظر آتے ہیں کہ اگر تمہیں حکومت ملے تو زمین میں فساد پھیلاؤ اور اپنے رشتے کاٹ دو

اس حق کی رعایت میں تاکید کا سبب یہ ہے۔قرابت، اتحاد، محبت، رعایت اور نصرت کا محل ہے اگر اس سے یہ حاصل نہ ہو تو دل پر شاق ہوگا۔ وحشت، نفرت، تکلیف اور مجبوری میں خوب اضافہ ہوگا۔جس قدر اس میں قوت زیادہ ہوگی اس کا رفع کرنا لازم ہوتا جائے گا اس لیے حقوق اقارب کی نگہداشت لازم قرار دی ہے۔

Marfat.com

چوتھا حکم: ارشادِ گرامی ہے "وَالْیَتٰمٰی"

یہاں دو مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: یتیم کی تعریف

یتیم، بلوغ سے پہلے جس کا والد فوت ہو جائے۔ اس کی جمع ایتام اور یتامیٰ ہے جیسے ندیم، ندامیٰ، ماں فوت ہو جائے تو یتیم نہیں کہتے۔ شیخ زجاج کا کہنا ہے کہ یہ ضابطہ انسان کے بارے میں ہے۔ غیر انسان میں ماں کی وفات پر یتیم کہتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ: بچوں سے کام نہیں لیا جا سکتا

یتیم کا حق بھی اقارب کی طرح ہے۔ اس لیے کہ بچہ ہونے کی وجہ سے اس سے نفع نہیں اٹھایا جا سکتا اور کوئی اس کا نگہبان نہیں ہوتا لہٰذا وہ کسی سے نفع میں محتاج ہوتا ہے اور پھر ایسی صورت میں کم ہی کسی کی طرف انسان رغبت کرتا ہے، جب یہ حکم نفس پر سخت ہے تو اب اس کا درجہ بھی دین میں عظیم ہے۔

پانچواں حکم: مسکینوں کے ساتھ حسنِ سلوک

فرمایا: "وَالْمَسٰكِيْنِ"۔ اس میں چند مسائل ہیں

پہلا مسئلہ: لفظ مسکین کا مفہوم

مساکین، واحد مسکین ہے سکون سے ہے گویا فقر نے اسے ساکن کر دیا، اکثر اہلِ لغت کے ہاں مسکین، فقر میں فقیر سے زیادہ محتاج ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے ان کا استدلال اس ارشادِ ربانی سے ہے

اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ　یا خاک نشین مسکین کو　(پ۳۰، البلد: ۱۶)

امام شافعی رضی اللہ عنہ کے ہاں فقیر اس سے زیادہ بدحال ہوتا ہے اس لیے کہ فقیر کا اشتقاق 'فقار الظہر' سے ہے گویا شدت حاجت نے اس کی پشت توڑ دی۔ ابن انباری کا بھی یہی قول ہے اس پر استدلال اس ارشادِ ربانی سے ہے:

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ　وہ جو کشتی تھی وہ کچھ محتاجوں کی تھی کہ دریا میں کام کرتے تھے

(پ۱۶، الکہف: ۷۹)

انہیں مساکین کہا حالانکہ وہ کشتی کے مالک تھے۔

Marfat.com

دوسرا مسئلہ: مسکین کا ذکر موخر کیوں؟

اسے یتامیٰ کے بعد ذکر کیا اس لیے کہ مسکین سے بصورت خدمت، بنسبت یتیم کے زیادہ مخالطت ہوتی ہے اور اس لیے بھی کہ مسکین محنت کر کے اپنی معیشت بہتر کر سکتا ہے لیکن یتیم میں یہ پہلو نہیں لہٰذا یتیم کا ذکر مسکین سے پہلے کیا۔

تیسرا مسئلہ: رشتہ دار اور یتامیٰ کے ساتھ احسان، زکوٰۃ کے علاوہ ہوگا کیونکہ عطف غریت چاہتا ہے۔

چھٹا حکم: ارشادِ ربانی ہے: "وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا"

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: شیخ حمزہ اور کسائی کی قرأت حا اور سین پر زبر ہے گویا فرمایا: قُولُوا لِلنَّاسِ قَوْلًا حَسَنًا (لوگوں سے خوبصورت بات کرو) باقی نے حا پر پیش اور سین ساکن پڑھا اور اس پر دلیل یہ ارشادِ ربانی ذکر کیا۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا (پ۲۰، العنکبوت:۸) اور ہم نے آدمی کو تاکید کی اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کی

دوسرے مقام پر فرمایا:

ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوءٍ (پ۱۴، النحل:۱۱) پھر برائی کے بعد بھلائی سے بدلے

اس کی چند تفاسیر ہیں:

۱۔ اخفش کے نزدیک، حسن والا قول مراد ہے

۲۔ خوبصورت قول جیسے، رجل عدل (آدمی سراپا عدل)

۳ چاہیے تمہارا قول حسن ہو تو یہ بطور مصدر فعل منصوب ہو جس پر کلام اول دال ہے۔

۴۔ یعنی وہ قول جو فی نفسہٖ افراط حسن کی وجہ سے حسین ہو۔

دوسرا مسئلہ: اخبار کے بعد "قُولُوا" امر مخاطب کیوں؟

تین وجوہ ہو سکتی ہیں؟

پہلی وجہ: یہ بطور التفات ہو مثلاً باری تعالیٰ کا فرمان ہے

حَتَّىٰ إِذَا كُنتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ (پ۱۱، یونس:۲۲) یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہوں اور وہ اچھی ہوا سے انہیں لے کر چلیں

Marfat.com

دوسری وجہ: یہاں حذف ہے یعنی قُلْنَا لَهُمْ قُوْلُوْا (ہم نے ان سے کہا تم کہو)

تیسری وجہ: میثاق کیلئے کلام کا ہونا ضروری ہے گویا فرمایا، میں نے کہا: لَا تَعْبُدُوْا وَقُوْلُوْا (نہ عبادت اللہ کے سوا کسی کی اور کہو)

تیسرا مسئلہ: مخاطب کون ہے؟

۱۔ ممکن ہے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور یہ کہ وہ لوگوں سے اچھی گفتگو کریں گے

۲۔ یہ بھی ممکن ہے، اللہ تعالیٰ نے ان سے غیر اللہ کی عبادت نہ کرنے کا عہد لیا اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی اُمت سے فرمایا: "قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا"

الفاظ سے دونوں مراد لینا ممکن ہے اگرچہ اول اقرب ہے تاکہ واقعہ ایک ہی رہے جو محاسنِ عادات اور مکارمِ اخلاق کی تمام اقسام پر مشتمل ہے۔

چوتھا مسئلہ: صرف اہلِ ایمان سے

بعض نے کہا: قول حسن صرف اہلِ ایمان کے ساتھ ہے۔ رہے کفار و فساق تو ان کے ساتھ یہ نہیں اس پر دو دلائل دیئے:

پہلی دلیل: ان پر لعنت، مذمت اور ان کے ساتھ جنگ لازم ہے تو اب ان کے ساتھ قول حسن کا کیا معنیٰ؟

دوسری دلیل: ارشادِ ربانی ہے

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ — اللہ پسند نہیں کرتا بری بات کا اعلان کرنا مگر مظلوم سے

(پ ۶، النساء: ۱۴۸)

تو یہاں مظلوم کیلئے ظالم کی برائی اعلانیہ جائز قرار دی گئی ہے۔

پھر ان میں سے کچھ کہتے ہیں کہ آیت قتال سے یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ بعض نے کہا: منسوخ تو نہیں البتہ اس میں تخصیص آچکی ہے تو اب دو احتمال ہیں۔

۱۔ یہاں تخصیص بحسب مخاطب مراد ہے کہ اہلِ ایمان سے قول حسن کرو۔

۲۔ یہاں تخصیص الفاظ میں ہو کہ اللہ تعالیٰ سے دعا اور امر بالمعروف میں کلام حسن سے کام لو۔

تو اول صورت میں تخصیص مخاطب میں ہے نہ کہ خطاب میں اور ثانی میں مخاطب میں نہیں خطاب میں تخصیص ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن علی باقر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں اس کا عموم ظاہری باقی ہے اور تخصیص کی ضرورت نہیں یہی قول اقویٰ ہے اس پر دلیل یہ ہے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام منصب جلیل پر فائز ہیں انہیں بھی فرعون کے ساتھ نرمی سے پیش آنے کا حکم ہوا

Marfat.com

اسی طرح سرورِ عالم ﷺ کو نرمی اور ترکِ سختی کی تعلیم تھی، اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (پ۱۴، النحل:۱۲۵) اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (پ۷، الانعام:۱۰۸) اور انہیں گالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے

تیسرے مقام پر ہے:

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (پ۱۹، الفرقان:۷۲) اور جب بے ہودہ پر گزرتے ہیں اپنی عزت سنبھالے گزر جاتے ہیں

چوتھے مقام پر ہے

وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (پ۹، الاعراف:۱۹۹) اور جاہلوں سے منہ پھیر لو

جن لوگوں نے کہا: ان پر لعنت و مذمت لازم ہے لہٰذا ان کے ساتھ قولِ حسن ممکن نہیں۔ جواب یہ ہے کہ ہم نہیں تسلیم کرتے ہمارے اوپر ان کی لعنت و مذمت لازم ہے اس پر دلیل یہ ارشادِ باری ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (پ۷، الانعام:۱۰۸) اور انہیں گالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں

اگر ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ لعنت لازم ہے تو یہ تسلیم نہیں کرتے کہ لعنت قولِ حسن نہیں، تفصیل یہ ہے قولِ حسن سے مراد یہ نہیں جسے وہ چاہیں اور وہ اس سے محبت کریں بلکہ مراد یہ ہے اس میں ان کا نفع ہو اور ہم جب ان کی مذمت و لعنت کرتے ہیں تاکہ وہ فعلِ بد سے لوٹ آئیں تو یہ ان کے حق میں نافع ہے لہٰذا لعنت قولِ حسن و نافع ٹھہرا جیسا کہ والد کی سختی حسین و نافع ہوتی ہے کہ اولاد فعلِ بد سے محتاط ہو جاتی ہے۔

اگر یہ بھی تسلیم کرلیں کہ لعنت قولِ حسن نہیں تو ہم یہ تسلیم نہیں کریں گے کہ لزومِ لعنت لزومِ قولِ حسن کے منافی ہے۔ مثلاً کسی شخص کے ہم پر احسان کی وجہ سے تعظیم کا استحقاق اور اس کی کفر کی وجہ سے تحقیر کے استحقاق میں کوئی منافات نہیں جب صورت حال یہ ہے تو اب ان کے ساتھ قولِ حسن کا لزوم کیوں جائز نہیں ہوسکتا؟

Marfat.com

ایسے دوسرے لوگ جنہوں نے ارشاد ربانی "لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ" سے استدلال کیا ان کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ کیوں نہیں ہوسکتی کہ ظالم کا حال واضح کیا جائے تا کہ لوگ اس سے بچ سکیں۔یہی آپ ﷺ کے اس ارشادِ گرامی سے مراد ہے فاسق کی برائیاں بیان کرو تا کہ لوگ اس سے بچ جائیں۔ (کشف الخفاء:۲۱۵۱)

پانچواں مسئلہ: دعوت میں قول حسن ضروری ہے

محققین لکھتے ہیں لوگوں کے ساتھ گفتگو امور دینی میں ہوگی یا امور دنیوی میں۔اگر امور دینیہ میں ہو تو اگر ایمان کی دعوت ہوگی تو یہ کافر کے ساتھ ہے اور اگر نیکی کی ہوئی تو فاسق کے ساتھ ہوگی۔ایمان کی دعوت میں قول حسن ضروری ہے جیسا کہ سیدنا موسیٰ وہارون علیہما السلام سے ارشاد ہوا:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (پ۱۶،طٰہٰ:۴۴)

تو اس سے نرم بات کہنا اس امید پر کہ وہ دھیان کرے یا کچھ ڈرے

ان کی جلالت اور فرعون کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر،سرکشی اور بغاوت اپنے انتہا کو تھی مگر اس کے باوجود اس کے ساتھ نرمی کا حکم ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں فرمایا:

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ (پ۴،آل عمران:۱۵۹)

اور اگر تم تند مزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جائے تو تم انہیں معاف فرماؤ اور ان کی شفاعت کرو

دعوت فُساق میں بھی قول حسن معتبر ہے،ارشادِ ربانی ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (پ۱۴،النحل:۱۲۵)

اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے

دوسرے مقام پر فرمایا:

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ (پ۲۴،فصلت:۳۴)

اے سننے والے برائی کو بھلائی سے ٹال دے جبھی وہ کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جیسا کہ گہرا دوست

رہے امور دنیوی تو ان میں بھی یہاں تک ممکن ہو حصول غرض نرمی سے حاصل کی جائے۔سختی جائز نہیں تو واضح ہو گیا تمام دین و دنیا کے آداب ارشادِ ربانی "وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا" کے تحت داخل ہیں۔

Marfat.com

چھٹا مسئلہ: زکوٰۃ اور شدید ضرورت

ظاہر آیت نشاندہی کر رہا ہے کہ رشتہ دار، یتامیٰ اور مساکین کے ساتھ احسان بنی اسرائیل کے دین میں ان پر لازم تھا اور اسی طرح لوگوں کے ساتھ قول حسن بھی۔ کیونکہ اخذ میثاق کی لزوم پر دلالت ہے اور یہ اس لیے کہ ظاہراً امر لزوم کیلئے ہوتا ہے اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے اعراض پر مذمت فرمائی ہے جو مفید لزوم ہے اور ہماری شریعت میں بھی امر بعض صورتوں میں وجوب کیلئے ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے زکوٰۃ نے دیگر حق کو منسوخ کر دیا ہے لیکن یہ ضعیف ہے کیونکہ تمام امت کا اتفاق ہے کہ اگر ہم کسی کی شدید ضرورت دیکھیں تو ہم پر صدقہ لازم ہوگا اگر چہ زکوٰۃ ہم پر نہ ہوحتیٰ کہ اگر زکوٰۃ سے لوگوں کی ضرورت پوری نہیں ہوتی تو صدقہ لازم ہوگا اور لوگوں سے اسی طرح مکالمہ کرنا لازم ہے جس سے انہیں ضرر اور سختی نہ ہو۔

ساتواں اور آٹھواں حکم

ارشادِ ربانی ہے: ''وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ'' ان دونوں کی تفسیر گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب اس کی تفصیل بیان کی کہ ان سے آٹھ احکام کے بارے میں عہد لیا گیا اور انعامات کے ساتھ اخذ عہد اس لیے تھا کہ یہ قبول کر کے اپنے رب کے ہاں منزلت عظمیٰ پا سکیں، انہوں نے اعراض برتا اور اپنے نفوس پر ظلم کرتے ہوئے تاکیدی دلائل اور وعدوں کے باوجود اپنے رب کی نعمت کو قبول نہ کیا۔ یہ چیز ان کے اعراض اور منہ پھیرنے میں قباحت میں اضافہ کر رہی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت انتہائی تفصیل وعید کے بعد کرنا، اس مخالفت سے بدتر ہے جو جہالت کی بنا پر ہو۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ سے کون مراد ہے؟

تین آراء ہیں:

۱۔ سابقہ بنی اسرائیل۔

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں موجود یہود یعنی تم نے بھی ظہور معجزات کے بعد اپنے پچھلوں کی طرح اعراض کیا۔

۳۔ اس سے سابقہ یہود اور اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ سے موجودہ مراد ہیں۔

قول اول کی دلیل یہ ہے کہ جب کلام اول میں سابقہ مراد ہیں تو آخر کلام سے بھی وہی مراد ہوں گے بشرطیکہ کوئی اس سے مانع نہ ہو، تو پہلے اللہ تعالیٰ نے اقامت دلائل کے ساتھ انعامات کا اظہار فرمایا پھر واضح کیا کہ انہوں نے اعراض برتا ہاں بہت قلیل نے استقامت اختیار کی۔

Marfat.com

قول ثانی کی دلیل یہ ہے ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ خطاب ہے جو حاضرین کے زیادہ مناسب ہے اور سابقہ حکایت تھی جو پچھلوں کے مناسب ہے گویا اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے عہد اور وعدے جیسے ان پر لازم تھے تم پر بھی لازم ہیں کیونکہ تم تورات کے حوالے سے حضور ﷺ کے احوال اور صحت نبوت کو جانتے ہو تو تم پر وہ حجت ہوں گے جیسے کہ وہ پہلوں پر تھے اس کے باوجود تم نے منہ پھیرتے ہوئے اعراض کیا۔ البتہ بہت ہی تھوڑے تھے جو ایمان و اسلام لائے تو اس قول کا بھی احتمال ہے۔

تیسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر انعامات کا تذکرہ کیا اور انہوں نے اس سے اعراض کیا تو یہ ان کا انتہائی گھٹیا فعل تھا لہٰذا "أَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ" سے حضور ﷺ کی ظاہری حیات میں موجود یہود مخاطب ہیں کہ تم بمنزل ان سابقہ لوگوں کے ہو جنہوں نے اتنے وعدوں کے باوجود اعراض کیا اور تم نے صدق محمد ﷺ پر دلائل سے آگاہ ہونے کے باوجود ان سے اعراض و کفر کیا تو تم اس اعراض میں ان پچھلوں کی طرح ہی ہو۔ واللہ اعلم

[۸۴] وَإِذْ أَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ أَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾

(اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ اپنوں کا خون نہ کرنا اور اپنوں کو اپنی بستیوں سے نہ نکالنا پھر تم نے اس کا اقرار کیا اور تم گواہ ہو)

انعامات کی ایک اور قسم کا تذکرہ

یہ آیت مبارکہ ان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کی ایک اور قسم پر دلیل ہے وہ یہ کہ اس نے انہیں اس کا پابند بنایا انہوں نے اسی کی صحت کا اقرار کیا مگر اس کی مخالفت کی۔ ارشادِ مبارک "وَإِذْ أَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ" میں یہ اقوال ہیں:

۱۔ یہ عہدِ نبوی ﷺ کے علماء یہود سے خطاب ہے۔

۲۔ یہ ان کے اسلاف سے خطاب ہے یعنی جب ہم نے تمہارے آباء سے عہد لیا۔

۳۔ یہ خطاب اسلاف کیلئے ہے اور اخلاف کیلئے زجر ہے مفہوم یہ ہے کہ ہم نے تمہیں حکم دیا اور اسے پختہ کیا، تم نے قبول کرتے ہوئے اس کے لزوم و وجوب کا اقرار کیا۔

سوال: ارشادِ ربانی "لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ" یہاں اشکال ہے انسان تو مجبوراً اپنے نفس کو قتل نہیں کرتا جب معاملہ ایسا ہے تو اس

Marfat.com

سے منع کا کیا فائدہ؟

جواب:

۱۔ یہ مجبوری بدل جاتی ہے جیسا کہ اہلِ ہندوستان کہتے ہیں کہ انسان خودکشی کے ذریعے عالم فساد سے خلاصی پا کر عالم نور و آرام میں چلا جاتا ہے یا بہت سے ایسے لوگ جن پر زمانہ تنگ ہو جائے اور وہ بوجھ برداشت نہ کر سکیں تو وہ خودکشی کر جاتے ہیں تو جب انسان کے اپنے آپ کو قتل نہ کرنے کی نفی ہے تو یہ اس حکم کا مکلف بن سکتا ہے۔

۲۔ مراد یہ ہے ایک دوسرے کو قتل نہ کرو، دوسرے کو نسب و دین میں اتصال کی وجہ سے نفس قرار دے دیا جیسا کہ فرمان ہے:
فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ (اپنے آپ کو قتل کرو)

۳۔ جب کسی نے دوسرے کو قتل کیا تو گویا اس نے اپنے آپ کو قتل کیا کیونکہ اس سے قصاص لیا جائے گا۔

۴۔ جو تمہیں قتل کرے اس سے مقاتلہ نہ کرو ورنہ تم اپنے آپ کو قتل کرو گے۔

۵۔ مصالح دنیا کی خاطر اپنے ہم قوم کو قتل نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

ارشادِ ربانی "وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَکُمْ" کی دو تفاسیر ہو سکتی ہیں۔

۱۔ ایسے کام نہ کرو جس سے تم وطن سے نکالے جانے کے مستحق ٹھہرو۔

۲۔ ایک دوسرے کو نہ نکالو کیونکہ اس میں مشقت اور شدت، ہلاکت کے قریب ہے۔

ارشادِ مبارک "ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ" کی چند تفاسیر ہیں:

۱۔ یہ اقویٰ ہے کہ تم نے میثاق کا اقرار کیا اور اپنے پر لزوم کا اعتراف کرتے ہوئے تم گواہ بنے جیسے محاورہ ہے: فلان مقر علی نفسه (یعنی وہ نفس پر شاہد بنا)

۲۔ تم نے قبولیت کا اعتراف کیا اور تم ایک دوسرے پر گواہ بنے اور ان کے ہاں شائع و معروف تھا۔

۳۔ اے یہود آج تم گواہ ہو کہ تمہارے اسلاف نے میثاق کو قبول کیا تھا۔

۴۔ اقرار، کسی امر پر راضی اور اس پر صبر ہے مثلاً کہا جاتا ہے فلان لا یقر علی الضیم۔ مفہوم یہ ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تو اس پر راضی ہوتے ہوئے قائم ہوئے اور تم اس کے لزوم و صحت پر گواہ بنے۔

سوال: "اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ" کیوں فرمایا: حالانکہ معنی ایک ہی ہے؟

جواب: اس میں تین اقوال ہیں:

۱۔ تمہارے اسلاف نے اقرار کیا تو تم تو اب ان کے اقرار پر گواہ ہو۔

۲۔ بوقت میثاق تم نے اقرار کیا اور اس کے بعد تم گواہ ہو۔

۳۔ یہاں تاکید مقصود ہے۔

Marfat.com

[۸۵] ثُمَّ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَ هُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰۤى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (۸۵)

(پھر یہ جو تم ہو اپنوں کو قتل کرنے لگے اور اپنے میں سے ایک گروہ کو ان کے وطن سے نکالتے ہو ان پر مدد دیتے ہو (ان کے مخالف کو) گناہ اور زیادتی میں اور اگر وہ قیدی ہو کر تمہارے پاس آئیں تو بدلہ دے کر چھڑا لیتے ہو اور ان کا نکالنا تم پر حرام ہے تو کیا خدا کے کچھ حکموں پر ایمان لاتے ہو اور کچھ سے انکار کرتے ہو تو جو تم میں ایسا کرے اس کا بدلہ کیا ہے مگر یہ کہ دنیا میں رُسوا ہو اور قیامت میں سخت تر عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں)

حاضر، غائب کیسے؟

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰؤُلَآءِ۔ یہاں اشکال ہے۔ اَنْتُمْ حاضر جبکہ ھٰؤلاء غائب کیلئے ہے تو حاضر، غائب کیسے ہوسکتا ہے؟

جواب متعدد ہیں

۱۔ مقدر عبادت یوں ہے ثُمَّ اَنْتُمْ یا ھٰؤلاء

۲۔ ثُمَّ اَنْتُمْ أعنی ھٰؤلاء الحاضرین

۳۔ ھٰؤلاء بمعنی الذین ہے اور تقتلون صلہ ہے۔ محل رفع میں ہے اگر یہ خبر ہو اور اگر صلہ ہو تو پھر محل اعراب نہیں ہوگا۔ شیخ زجاج کہتے ہیں اس ارشادِ ربانی میں بھی صلہ اسی طرح ہے وما تلك بيمينك يموسى یعنی وما تلك التى بيمينك۔

۴۔ ھٰؤلاء، اَنْتُمْ کی تاکید اور تقتلون خبر ہے۔

ارشادِ ربانی "تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ" میں متعدد تفاسیر پہلے گزریں، اصح یہ ہے کہ تم نے ایک دوسرے کو قتل کیا اور اسے قتل نفس کہا جاتا ہے کہ یہ تمام نفس واحد کی مانند تھے اور دیار سے نکالنے سے کیا مراد ہے اس پر گفتگو آ چکی ہے۔

فضل قدیر

Marfat.com

تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: شیخ حمزہ، عاصم اور کسائی کی قرأت ظا مخفف سے اور باقی اسے مشدد پڑھتے ہیں۔ وجہ تخفیف ایک تاء کا حذف ہے جیسے وَلَا تَعَاوَنُوْا تشدید کی وجہ تاء کا ظاء میں ادغام ہے۔ جیسے اِثَّاقَلْتُمْ، حذف اخف اور ادغام اصل پر زیادہ شاہد ہے۔

دوسرا مسئلہ: تظاہر، تعاون، دیار سے نکالنا اور ایک دوسرے کو قتل کرنا عظیم فتنہ کا سبب ہے اور اس میں غلبہ اور اقتدار کی ضرورت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ انہوں نے ظلم و زیادتی میں دوسروں کی مدد کرتے ہوئے ایسا کیا۔

تیسرا مسئلہ: آیت واضح کر رہی ہے کہ جس طرح ظلم حرام ہے اسی طرح ظلم کی اعانت بھی حرام ہے۔

سوال: کیا اللہ تعالیٰ ظالم کو ظلم پر قدرت دے کر تمام موانع اور رکاوٹیں دور فرما کر اور ظالم کے دل میں ظلم کی خواہشیں مسلط نہیں کر دیتا؟ تو گویا اس نے ظلم پر اعانت کی اگر اس پر اعانت قبیح ہوتی تو لازم ہے اس کا صدور اللہ تعالیٰ سے نہ ہو۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے اگرچہ ظالم کو قدرت دی ہے مگر اس نے ظلم سے منع کیا اور اس پر زجر و تہدید فرمائی ہے بخلاف ظالم کے معاون کے وہ تو ظلم پر رغبت دلاتا ہے اور اسے حسین بنا کر پیش کر کے اس کی دعوت دیتا ہے لہٰذا فرق واضح ہو گیا۔

چوتھا مسئلہ: آیت کی اس پر دلالت نہیں کہ معاون کا گناہ، مرتکب کے برابر ہوتا ہے بلکہ دلیل بتاتی ہے کہ اس کا گناہ کم ہے اس لیے کہ اگر اعانت بغیر مرتکب کے حاصل ہو جائے تو اس کا حصول ظلم میں اثر ہی نہ ہوگا اور اگر ارتکاب بغیر اعانت کے ہو تو ضرور ظلم حاصل ہوگا تو واضح ہو جاتا کہ ارتکاب کی حرمت، اعانت سے زیادہ ہے۔

وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: امام نافع، عاصم اور کسائی نے دونوں میں الف پڑھا اور شیخ حمزہ نے بغیر الف کے باقی نے اساریٰ میں الف اور تفدوھم کو بغیر الف پڑھا۔ اُساریٰ، اسیر کی جمع ہے جیسے جریح، جرحیٰ، اساریٰ میں دو اقوال ہیں:

۱۔ اسریٰ کی جمع ہے جیسے سکریٰ، سکاریٰ۔

۲۔ اسیر کی جمع ہے شیخ ابو عمرو نے اسریٰ اور اساریٰ میں فرق کرتے ہوئے کہا: اساریٰ بیڑیوں والے اور اسریٰ ہتھکڑیوں والے

Marfat.com

ہوتے ہیں گویا اساریٰ میں مبالغہ ہے، ثعلب نے اس کا انکار کیا۔ علی بن عیسیٰ نے کہا: اساریٰ، الف کے ساتھ مختار ہے کیونکہ اکثر ائمہ اسی پر ہیں، دوسرا یہ جمع پر زیادہ دال ہے کیونکہ اس میں کثرت ہے اور واحد میں قلیل ہے مثلاً شکاعی تیسرے یہ کہ یہ اہلِ حجاز کی لغت ہے۔

دوسرا مسئلہ: تفدوھم، تفادوھم دونوں طرح معروف ہے۔ تُفْدُوْھُمْ، فداء سے ہے، کسی شی کی حفاظت کا عوض فداہ فدیۃ تفادوھم، تفاداۃ سے ہے۔

تیسرا مسئلہ: جمہور مفسرین کہتے ہیں یہ ان کی طاعت والا وصف ہے کہ مال وغیرہ دے کر قیدی چھڑاتے ہیں۔

شیخ ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ضد ذکر کی ہے، مراد یہ ہے کہ تم قتل و اخراج کے ساتھ ساتھ اگر قیدی تمہارے ہاتھ آ جائے تو تم مال کے بغیر راضی نہیں ہوتے اگرچہ وہ تم پر حرام ہو اور پھر تم اسے چھوڑتے ہو، شیخ ابو مسلم کہتے ہیں مفسرین نے یہ بات اس ارشاد گرامی کی وجہ سے کہی ہے:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ — تم کتاب کے بعض احکام پر ایمان لاتے ہو اور بعض سے انکار کرتے ہو

لیکن یہ ضعیف ہے اس لیے کہ یہ تو سابقہ ذکر نبوی اور آپ پر نازل شدہ کلام کے بارے میں ہے اور مراد یہ ہے کہ جب تمہاری کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خبر موجود ہے اور تم اس کا انکار کر رہے ہو تو تم بعض کتاب پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کر رہے ہو۔ لفظ ''فدیہ ادا کرنے'' میں دونوں اقوال کا احتمال ہے اس لیے کہ اسیر کی طرف سے خرچ کرنے والے کے بارے میں کہا جاتا ہے اس نے فدیہ دیا اور چھوڑنے کیلئے اس سے فدیہ لینے والے کو بھی یہ کہا جا سکتا ہے۔ لیکن مفسرین کی اجماعی بات اقرب ہے اس لیے کہ ''اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ'' سے اسی آیت میں مذکورہ شی کا مراد لینا اس سے اولیٰ ہے کہ سابقہ مراد لیا جائے۔

چوتھا مسئلہ: بعض نے کہا: نکالنے والے اور فدیہ دینے والے فریق واحد ہی ہے کیونکہ قریظہ اور نضیر بھائی تھے جیسے اوس اور خزرج، افتراق کی وجہ سے نضیر، خزرج کے اور قریظہ، اوس کے ساتھ ہو گئے ہر فریق اپنے حلیفوں کے ساتھ جنگ کرتا۔ جب غالب آتے تو شہروں کو برباد کرتے اور وہاں کے باشندوں کو نکال دیتے، جب دونوں فریقوں کا آدمی قید ہو جاتا اکٹھے اس کے فدیہ دیتے رب نے انہیں شرم دلائی کہ تم خود ان سے لڑتے ہو پھر ان کا فدیہ بھی دیتے ہو تو کہنے لگے ہمیں فدیہ کا حکم ہے اور قتال ہم پر حرام ہے لیکن ہم اپنے حلیف کو کمزور کرنے میں حیا کرتے ہیں۔ فضل قدیر

Marfat.com

دوسرے علماء کی رائے یہ ہے کہ نکالنے والے فدیہ نہیں دیتے تھے بلکہ دوسرے لوگ تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی۔

وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ کی تفسیر

هُوَ ، میں دو اقوال ہیں:

۱۔ یہ ضمیر قصہ وشان ہو یعنی واقعہ یہ ہے کہ تم پر ان کا نکالنا حرام تھا۔

۲۔ یہ اخراج کی طرف راجع ہے بطور تاکید تکرار ہوا ہے اس لیے کہ دونوں کے درمیان فاصلہ آ گیا تھا اب یہ مرفوع ہے گویا فرمایا: ان کا نکالنا تم پر حرام تھا تو پھر اس کی وضاحت کیلئے اخراج کا ذکر کیا۔

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ کی تفسیر

اس بارے میں علماء کی دو آراء ہیں:

۱۔ ان کا نکالنا کفر اور فدیہ دینا ایمان ہے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت قتادہ اور ابن جریج کا قول ہے فدیہ پر ان کی مذمت نہیں بلکہ تضاد پر ہے کیونکہ بعض فرائض نبھاتے اور بعض ترک کر دیتے اور تضاد مذمت پر زیادہ دال ہے۔

سوال: ہم تسلیم کرتے ہیں نکالنا معصیت ہے لیکن اسے کفر کیوں قرار دیا حالانکہ عاصی کافر نہیں ہوتا؟

جواب: ممکن ہے وہ یہ کہتے ہوں کہ اخراج غیر لازم ہے حالانکہ تورات میں لزوم کی تصریح ہے۔

۲۔ اس پر تنبیہ ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت مانتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں حالانکہ حجت دونوں جگہ ایک ہی ہے تو یہ اپنے اسلاف کے پیچھے چلے بعض پر ایمان لائے اور بعض کے ساتھ کفر کیا اور میثاق میں تمام برابر ہیں۔

إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا کی تفسیر

خزی ، اصل میں ذلت وغضب ہے، جب اللہ تعالیٰ کسی کو دھتکار دے اور ناراض ہو جائے تو کہا جاتا ہے اخزا اللہ، بعض نے کہا: اس کا اصل معنی حیا کرنا ہے جب ''اخزا اللہ'' کہا جاتا ہے تو مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایسی جگہ ڈال دیا جس سے حیا کی جائے الغرض اس سے ذم عظیم مراد ہے۔

یہاں مراد کیا ہے؟

اس میں مختلف اقوال ہیں:

۱۔ حضرت حسن کہتے ہیں یہاں جزیہ دینا اور حقیر ہونا مراد ہے یہ ضعیف ہے کیونکہ اس پر کوئی دلیل نہیں کہ ان کی شریعت میں

Marfat.com

جزیہ تھا بلکہ اگر ہم آیت سے حضور ﷺ کی ظاہری حیات کے لوگ مراد لیں تو یہ قول صحیح ہوگا اس لیے کہ اہلِ ذمہ کو جو ذلتیں ملیں ان میں جزیہ لینا بھی ہے۔

۲۔ بنونضیر کا ان کے علاقوں سے نکالنا اور بنو قریظہ کا قتل اوران کی اولاد کی گرفتاری مراد ہے یہ قول تب صحیح ہوگا جب ہم آیت کو حضور ﷺ کی ظاہری حیات کے یہود پر محمول کریں۔

۳۔ یہ قول اولیٰ ہے کہ بغیر کسی تخصیص مذکور کے ذم عظیم اور تحقیر بلیغ مراد ہے ''خِزْیٌ'' کی تنکیر واضح کر رہی ہے کہ مذمت انتہائی درجہ کی ہے۔

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ کی تفسیر

سوال: دہریہ جو منکر خدا ہیں لازم ہے ان پر عذاب یہود سے زیادہ ہو تو یہود کے بارے میں یہ کیسے فرمایا کہ انہیں سب سے زیادہ سخت عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا؟

جواب: مراد یہ ہے کہ دنیا میں حاصل ذلت اشد ہوگی اگر چہ لفظ اشد مطلق ہے مگر مراد اس جہت سے ہے۔

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ کی تفسیر

یہاں دو مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: امام ابنِ کثیر، نافع اور عاصم نے تا خطاب سے اور باقی نے یا کے ساتھ پڑھا۔ پہلے قول کی دلیل اول کلام ''اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ'' ہے دوسرے کی دلیل آخر کلام ''يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ'' ہے۔

مختار قول (تاء) مخاطب ہے کیونکہ یہ اکثریت کا قول ہے اور اس لیے بھی کہ مفہوم پر زیادہ واضح دال ہے اس لیے کہ جب غیب اور خطاب جمع ہوں تو خطاب کو غلبہ ہوتا ہے۔

دوسرا مسئلہ: ارشادِ ربانی ''وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ'' معصیت پر تہدید شدید، زجر عظیم اور طاعت پر بشارت عظیم ہے اس لیے کہ غفلت باری تعالیٰ پر محال ہے اور وہ تمام سے بڑھ کر قادر بھی ہے تو بہر صورت مستحقین کو ان کے حقوق ضرور ملیں گے۔

Marfat.com

[۸۶] اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الۡحَیٰوةَ الدُّنۡیَا بِالۡاٰخِرَةِ فَلَا یُخَفَّفُ عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ وَلَا هُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۸۶﴾

(یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی مول لی تو نہ ان پر سے عذاب ہلکا ہوگا اور نہ ان کی مدد کی جائے)

لذت دنیا و آخرت کا اجتماع محال

حصول لذات دنیا و لذات آخرت کا اجتماع محال و ناممکن ہے، اللہ تعالیٰ نے آدمی کو اختیار دیا ہے وہ ان سے جسے چاہے حاصل کرلے جب وہ ایک کے حصول میں لگے گا تو دوسرا اس نے اپنے لیے ختم کردیا۔ یہود نے اپنی کتب کی تعلیمات سے اعراض کر کے کفر و لذات دنیا کو حاصل کیا اسے اللہ تعالیٰ نے بیع و شرا قرار دیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی انتہائی مذمت ہے اس لیے کہ خرید و فروخت میں غبن کرنے والا دنیا میں مذموم ہوتا ہے حتیٰ کہ اسے لوگ بے وقوف کہتے ہیں تو جو متاع دنیا کی خاطر آخرت کا سودا کردے وہ بطریق اولیٰ مذموم ٹھہرے گا۔

فَلَا یُخَفَّفُ عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ کی تفسیر

یہاں دو مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: فَلَا یُخَفَّفُ کی فاء میں دو اقوال ہیں:

۱۔ یہ اِشۡتَرَوۡا پر عطف کیلئے ہے۔

۲۔ جواب امر کی بنا پر ہے مثلاً اُولٰٓئِکَ الضّلال فلا خیر فیهم۔

پہلا قول مختار ہے اس لیے کہ عبارت مقدر کی حاجت نہیں پڑتی۔

دوسرا مسئلہ: بعض نے تخفیف کا معنی کیا کہ عذاب منقطع نہ ہوگا بلکہ دائمی ہوگا اس لیے کہ انقطاع کی صورت میں تخفیف ہوگی دیگر نے اس سے شدت مراد لی ہے نہ کہ دوام، اولیٰ یہ کہنا ہے کہ عذاب میں کبھی تخفیف، انقطاع سے آتی ہے اور کبھی کمی سے تمام اوقات میں یا بعض میں، جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے عذاب میں تخفیف نہ ہوگی تو یہاں ان تمام صورتوں کی نفی ہوگی۔

Marfat.com

وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ کی تفسیر

اس میں دو اقوال ہیں:

۱۔ اکثر نے اس سے آخرت میں مدد کی نفی مراد لی ہے یعنی کوئی ان سے عذاب نہ دور کر سکے گا اور نہ عذاب دینے والے کے خلاف ان کی کوئی مدد کرے گا۔

۲۔ بعض نے دنیوی مدد کی نفی مراد لی ہے۔اول قول اولیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ان کے اعمال پر بطور جزا بیان کیا ہے۔ فرمایا: فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ اور یہ جزا آخرت کے ہی مناسب ہے اس لیے کہ عذاب دنیا اگر چہ ہے لیکن وہ برائی کے مرتکب پر قیام حدود کی طرح ہوگا اور اس لیے بھی کہ بعض اوقات کافر اہلِ ایمان پر غالب بھی آجاتے ہیں۔

[۸۷] وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾

(اور بیشک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی جس کے بعد پے در پے رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو کھلی نشانیاں عطا کیں اور پاک روح سے اس کی مدد کی تو کیا جب تمہارے پاس کوئی رسول وہ لے کر آئے جو تمہارے نفس کی خواہش نہیں تکبر کرتے ہو تو ان (انبیاء) میں ایک گروہ کو تم جھٹلاتے ہو اور ایک گروہ کو شہید کرتے ہو)

ایک اور نوع کا تذکرہ

یہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کی ایک اور نوع کا ذکر ہے جس کا جواب انہوں نے کفر اور اعمال قبیحہ سے دیا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے یہود کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا: یہ قتل نفوس اور اخراج میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کرتے ہیں اور ان کا طریقہ دنیا کو آخرت کے عوض بیچ دینا ہے، اس آیت میں ان کی ایک اور برائی بیان کی، کتاب سے مراد تورات ہے، جو بیک وقت نازل ہوئی تھی، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ہے جب تورات نازل ہوئی، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اٹھانے کا حکم

Marfat.com

دیا تو نہ اٹھا سکے تو اللہ تعالیٰ نے ہر حرف کے عوض فرشتہ بھیجا لیکن وہ بھی اسے نہ اٹھا سکے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اسے ہلکا کر دیا تو انہوں نے اٹھالیا۔

وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ کی تفسیر

یہاں دو مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: قَفَّيْنَا (ہم نے پیچھے بھیجا ان کے بعد) یہ الشی یأتی فی قفا الشیء (ایک شی کا دوسری کے بعد آنا) سے ماخوذ ہے۔أی بعد نحو ذنبہ من الذنب، اس کی نظیر پر ارشادِ باری ہے۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرٰی (پ۱۸، المومنون:۴۴) پھر ہم نے اپنے رسول بھیجے ایک پیچھے دوسرا

دوسرا مسئلہ: روایات میں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں مسلسل پے در پے رسول آتے رہے اور ایک بعد دوسرے آجاتے اور شریعت ایک ہی تھی البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نئی شریعت لائے اس قول کی صحت پر اس آیت سے استدلال ہے "وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ" کہ اس کا تقاضا ہے کہ شریعت واحد پر ہوں اور اس میں وہ ایک دوسرے کے تابع ہوں۔

قاضی کہتے ہیں: رسول ثانی، رسول اول کی شریعت پر نہیں ہوسکتا۔حتیٰ کہ وہ اس شریعت کو بغیر اضافہ اور نقصان کے بعینہٖ نہیں پاتا باوجودیکہ وہ شریعت محفوظ ہوتی ہے اور اول سے تواتر کے ساتھ اس کی معرفت ممکن ہوتی ہے جب رسول کا یہ مقام ہے تو ممکن نہیں کہ وہ پہلے جانی گئی چیز ہی کا علم رکھتا ہو اور اس کے علم میں اضافہ نہ ہو۔

تو جس طرح یہ جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ بغیر شریعت کے رسول مبعوث کر دیے عقلی دلائل اس پر واضح ہیں اسی طرح زیر بحث مسئلہ کا معاملہ بھی ہے تو ثابت ہوا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جو رسول آئے وہ شریعت جدیدہ لے کر آئے اگرچہ سابقہ شریعت محفوظ تھی یا اس میں جو چیزیں مٹ گئی تھیں انہیں وہ زندہ کر دیتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یوں کیوں نہیں ہوسکتا کہ ان رسولان کرام کی بعثت کا مقصد سابقہ شریعت کی اُمت پر تنفیذ ہو یا لطف و مہربانی کی کوئی اور نوع و صورت مقصود ہو جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

الغرض قاضی نے بطور دلیل، دعویٰ ہی ذکر کر دیا انہوں نے یہ کیوں کہا کہ رسل کی بعثت شریعت جدیدہ یا مٹی ہوئی شریعت کے زندہ کرنے کیلئے ہوتی ہے حالانکہ اسی میں تو نزاع تھا۔

Marfat.com

تیسرا مسئلہ: وہ رُسل کرام یہ ہیں۔حضرت یوشع،حضرت شمویل،حضرت شمعون،حضرت داؤد،حضرت سلیمان،حضرت شعیاء، حضرت ارمیا،حضرت عزیر،حضرت حزقیل،حضرت یسع،حضرت یونس،حضرت زکریا وحضرت یحیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام۔

وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ کی تفسیر

یہاں متعدد مسائل ہیں

پہلا مسئلہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے اجمالاً رسول کا ذکر کیا پھر ذکر عیسیٰ سے تفصیل فرمائی اس لیے کہ ان سے پہلے رسل شریعت موسوی لے کر آئے اور وہ تمام اس شریعت کے تابع تھے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ یوں نہیں کیونکہ ان کی شریعت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اکثر شریعت کو منسوخ کر دیا۔

دوسرا مسئلہ: عیسیٰ کا معنی سریانی میں ایشوع اور مریم کا معنی خادم ہے، بعض نے کہا عبرانی میں مریم کا معنی خاتون جیسے زیر کا معنی مرد کے ہیں۔

رؤبہ کے قول کی یہی تفسیر ہے۔

قلت لزير لم تصله مريمة

تیسرا مسئلہ: بیّنات کی تفاسیر

بینات، کی متعدد تفاسیر ہیں:

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے مراد معجزات ہیں مثلاً مردے زندہ کرنا وغیرہ۔

۲۔ اس سے مراد انجیل ہے۔

۳۔ اقویٰ یہ ہے تمام اس میں داخل ہیں اس لیے کہ معجزہ صحتِ نبوت پر شاہد ہوتا ہے جس طرح انجیل نے کیفیت شریعت بیان کی ہے لہٰذا تخصیص کا کوئی فائدہ نہیں۔

وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں

پہلا مسئلہ: ابنِ کثیر نے القدس کو مخفف پڑھا۔باقی نے شد جیسے رعّب، رعُب۔

Marfat.com

دوسرا مسئلہ: جبریل کو روح کہنے کی حکمتیں

روح کے بارے میں اختلاف ہے:

۱۔ حضرت جبریل علیہ السلام۔ یہ نام کیوں؟ اس کی متعدد وجہیں بیان ہوئی ہیں:

۱۔ اس سے مراد روح مقدسہ ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے حاتم جود، رجل صدق، حضرت جبریل کو اللہ تعالیٰ کے ہاں جو بلند مرتبہ حاصل ہے اس کے بیان وشرف کی بنا پر ان کا یہ نام ہے

۲۔ جس طرح روح کی وجہ سے بدن زندہ ہے اسی طرح حضرت جبریل امین علیہ السلام کی وجہ سے دین زندہ ہے یہی وہ فرشتہ ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام پر وحی لے کر آئے۔

۳۔ ان پر بلکہ تمام ملائکہ پر روحانیت کا غلبہ ہے البتہ ان کی روحانیت اتم اور اکمل ہے۔

۴۔ کیونکہ ان کے لئے مردوں کی پشتیں اور ماؤں کے ارحام کا اتصال نہیں ہوا۔

۲۔ روح القدس سے مراد انجیل ہے جیسا کہ قرآن میں ہے "رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا"۔ اسے یہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انجیل کے ذریعے دین زندہ ہوا اور اس کی وجہ سے مصالح دنیا منتظم ہوئے۔

۳۔ حضرت ابنِ عباس اور حضرت سعید بن جبیر سے ہے اس سے مراد وہ نام ہے جس کے ذریعے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ فرمایا کرتے۔

۴۔ روح جو ان کے اندر پھونکی گئی اور قدس، ذات الٰہی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کو اپنی طرف تعظیم وشان کی وجہ سے منسوب فرمایا۔ جیسے کہا جاتا ہے "بیت اللہ ناقۃ اللہ، حضرت ربیع کہتے ہیں تو اب روح سے مراد روح انسانی ہے۔ واضح رہے روح کا اطلاق حضرت جبریل، انجیل اور اسمِ اعظم پر مجازاً ہے۔ اس لیے کہ روح انسان کے اعضاء اور منافذ میں چلنے والی ہوا ہے اور مذکور تینوں یہ نہیں البتہ روح کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے یہ اطلاق ہے جس طرح روح سبب حیات ہے اسی طرح حضرت جبریل علیہ السلام علوم کے ذریعے حیاتِ قلوب کا سبب ہیں۔ انجیل ظہور شریعت اور اس کی حیات کا سبب ہے۔ اسمِ اعظم متعدد مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے البتہ روح اور جبریل کے درمیان ان دلائل کی وجہ سے مشابہت کاملہ ہے۔

۱۔ حضرت جبریل علیہ السلام ہوا نورانی لطیف سے پیدا ہوئے تو مشابہت تام ہوئی تو اسمِ روح کا اطلاق حضرت جبریل علیہ السلام پر اولیٰ ہوگا۔

۲۔ دوسروں کی نسبت ان میں وجہ زیادہ ظاہر ہے۔

Marfat.com

۳۔ الفاظ مبارک "وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ" (ہم نے تقویت دی روح القدس کے ذریعے)۔ اس تقویت سے مراد اعانت ہے اور اس کی نسبت حضرت جبریل کی طرف حقیقی اور انجیل و اسم اعظم کی طرف مجازی ہے لہٰذا حضرت جبریل پر اطلاق اولیٰ ہوگا۔

۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت جبریل کا اختصاص بھی اسی کی تائید و تاکید کرتا ہے کیونکہ ان کے علاوہ یہ چیز کسی نبی میں نہیں۔ انہوں نے ہی حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو ولادت کی خبر دی اور یہ جبریل کی پھونک سے ہی پیدا ہوئے، انہوں نے ان کی تمام احوال میں تربیت کی۔ ان کے ساتھ ہی رہتے حتیٰ کہ ان کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر تشریف لے گئے۔

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ کی تفسیر

یہ ان کی انتہائی مذمت ہے۔ بنی اسرائیل کے یہود کے پاس جب بھی کوئی رسول آیا اور اس نے ان کی نفسانی خواہشات کے خلاف بات کی تو انہوں نے ان کی تکذیب کی اور اگر ممکن ہوا تو انہیں شہید کر دیا یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ وہ دنیاوی چودھراہٹ، حصول لذات دنیا، عوام پر ظلم اور ان سے ناجائز مال حاصل کرتے تھے۔ حضرات انبیاء کرام، اسے غلط قرار دیتے تو اسی وجہ سے یہ ان کی تکذیب کرتے اور عوام کو مغالطہ دیتے ہوئے کہتے یہ جھوٹے ہیں اور اس میں تحریف اور غلط تاویلات کا سہارا لیتے، ان میں سے بعض حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اس قدر تکبر سے پیش آتے جیسے ابلیس، سیدنا آدم علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا۔

فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ کی تفسیر

سوال: یہ نہ فرمایا: "وَفَرِيْقًا قَتَلْتُمْ"؟

جواب:

۱۔ حال، ماضی مراد لیا کیونکہ معاملہ نہایت ہی گھٹیا و قبیح ہے تو نفوس میں اس کا استحضار اور دلوں میں اس تصویر کو سامنے لانا مقصود ہے۔

۲۔ تم نے اس کے بعد شہید کیے اس لیے کہ تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر میں نے انہیں محفوظ رکھا اس لیے تم نے ان پر جادو کیا، بکری کے گوشت میں زہر ملایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال کے وقت فرمایا: خیبر کا زہر آلود لقمہ بار بار مجھے تکلیف دے رہا ہے اب اس نے میرا جگر کاٹ دیا۔ واللہ اعلم۔

(البخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

Marfat.com

[۸۸] وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

(اور یہودی بولے ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہیں بلکہ اللہ نے ان پر لعنت کی ان کے کفر کے سبب تو ان میں تھوڑے ایمان لاتے ہیں)

غُلف میں تین اقوال

غُلف میں تین اقوال ہیں:

۱۔ یہ اغلف'' کی جمع ہے جو غلاف میں ہو، ہمارے دل ایسے پردوں میں ہیں جو تمہاری دعوت کے اثرات کو ان تک نہیں پہنچنے دیتے

۲۔ شیخ اصم نے بعض سے نقل کیا، ہمارے دل علم کے غلاف اور حکمت سے مالا مال ہیں اس لیے ہمیں شریعتِ محمدی صلی اللہ علیٰ صاحبھا کی ضرورت ہی نہیں۔

۳۔ ہمارے دل خالی غلاف کی طرح ہیں ان میں کوئی ایسی شئ نہیں جو تمہارے اقوال کی صحت پر دال ہو۔

معتزلہ نے وجہِ اول اختیار کی ہے اور دلیل یہ دی کہ یہ آیت اس پر دال ہے کفار کے دلوں میں ایسی کوئی شئ نہیں جس کی وجہ سے ایمان ممکن ہو نہ غلاف اور نہ رکاوٹ جیسے جبریہ کا قول ہے، اگر ایسا ہوتا تو یہود اپنے اسی قول میں سچے قرار پاتے اور اللہ تعالیٰ "بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ" کے الفاظ سے ان کی تکذیب نہ فرماتا اس لیے کہ اللہ باطل اور جھوٹے کی مذمت فرماتا ہے نہ کہ سچے معذور کی، یہاں سے اُن آیات کا معنی بھی واضح ہو گیا، ارشاد مبارک ہے:

اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا (پ۱۵، الکہف: ۵۷)

ہم نے ان کے دلوں پر غلاف کر دیے ہیں کہ قرآن نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں گرانی

دوسرے مقام پر فرمایا:

اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ (پ۲۲، یٰسین ۸، ۹)

ہم نے ان کی گردنوں میں طوق کر دیے ہیں کہ وہ ٹھوڑیوں تک ہیں تو یہ اوپر کو منہ اٹھائے رہ گئے اور ہم نے ان کے آگے دیوار بنا دی اور ان کے پیچھے ایک دیوار بنا دی اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور انہیں اوپر سے ڈھانک دیا تو انہیں کچھ نہیں سوجھتا

Marfat.com

یہاں یہ مراد نہیں کہ ان پر ایمان ممنوع تھا بلکہ مراد الطاف کا ممنوع ہونا ہے یا کفر پر ان کے اصرار کی کفر پر یہود کے ساتھ تشبیہ ہے اور اس کی نظیر یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن الفاظ کے ساتھ یہود کی مذمت کی ہے انہی کے ساتھ کفار کی مذمت کی ارشاد فرمایا:

وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِن بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ إِنَّنَا عَامِلُونَ (پ۲۴ فصلت:۵)

اور بولے ہمارے دل غلاف میں ہیں اس بات سے جس کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اور ہمارے کانوں میں روئی ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان روک ہے تو تم اپنا کام کرو ہم اپنا کام کرتے ہیں

اگر معاملہ قولِ جبریہ کے مطابق ہوتا تو یہ لوگ اپنے قول میں صادق ہوتے اگر صادق ہوتے تو ان کی مذمت کیوں؟ بلکہ ان کا یہ قول ان کی طرف سے اظہارِ عذر اور ان سے ملامت کے سقوط کا ذریعہ بنتا۔ ہم نے غلف کی تین تفاسیر ذکر کیں۔ ان میں سے کسی ایک پر بغیر دلیل جزم لازم نہیں۔

ہم مان لیتے ہیں مراد معتزلہ والی وجہ ہے مگر تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ آیت مبارکہ اس قول کے مذموم ہونے پر دال ہے۔

ارشادِ ربانی "بَل لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ" میں متعدد جواب ہیں:

۱۔ یہ واضح کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت فرمائی، تم نے یہ کیوں کہا کہ اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت ہوئی ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ قول نقل کر کے ان کے بارے میں بتایا کہ ان کا حال یہ ہے کہ یہ کفر کے سبب ملعون ہیں

۲۔ "وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ" پر انہوں نے بطور استفہام انکاری کہا۔ یعنی ہمارے دل پردوں اور غلافوں میں نہیں بلکہ قوی اور روشن ہیں ہم نے دلوں اور اذہان کے ساتھ اے محمد تمہارے دلائل میں غور کیا ان میں کوئی قوت نہیں جب انہوں نے یہ سراسر جھوٹ کہا تو اب ضروری تھا کہ ان کے اس قوی کفر کی وجہ سے لعنت کی جائے۔

۳۔ ممکن ہے ان کے دلوں پر غلاف نہ ہوں بلکہ وہ صحتِ نبوت محمدیہ سے واقف ہوں جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ

وہ نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے

(پ۲، البقرۃ:۱۴۶، پ۷، الانعام:۲۰)

اور انہوں نے اس معرفت کا انکار کر کے دعویٰ کیا ہو کہ ان کے دلوں پر پردے ہیں اور وہ اس سے واقف نہیں تو ان کا کفر، عنادی کفر ٹھہرا لہٰذا اس کفر پہ لعنت ضروری تھی۔

فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ اور دو مسائل

ارشادِ ربانی "فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ" میں دو مسائل ہیں:

Marfat.com

پہلا مسئلہ: اس کی تفسیر میں تین اقوال ہیں:

۱۔ حضرت قتادہ، اصم اور ابو مسلم کہتے ہیں قلیل مومن کی صفت ہے یعنی ان سے قلیل لوگ ایمان لائیں گے۔

۲۔ یہ ایمان کی صفت ہے یعنی جن اشیاء کا انہیں پابند کیا گیا تھا ان میں سے تھوڑی پر ایمان لائے مثلاً وہ اللہ پر ایمان رکھتے تھے مگر رسولوں کے ساتھ کفر کرتے۔

۳۔ وہ بالکل ایمان لاتے ہی نہیں نہ قلیل اور نہ کثیر جیسے محاورہ ہے۔ قَلِيْلًا مَا يَفْعَلُ (یعنی کام کیا ہی نہیں)

کسائی کہتے ہیں:

جب زمین کچھ نہ اُگائے تو عرب کہتے ہیں ہم وہاں سے گزرے قلیلا ما تنبت (جو زمین کچھ نہیں اگاتی)

پہلی تفسیر اولیٰ ہے اس لیے کہ اس کی یہ نظیر ہے:

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (پ۶ النساء:۱۵۵)

بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے تو ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جملہ اولیٰ میں قوم کا ذکر ہے تو اب استثناء بھی بعض قوم کا ہی ہوگا۔

دوسرا مسئلہ: "قلیلاً" پر نصب کیوں؟

۱۔ یہ ایمان کی صفت ہے اصل یوں ہے: ایماناً قلیلاً ما یؤمنون، ما زائدہ ہے اور ان کا بعض کتاب پر ایمان لانا مراد ہوگا۔

۲۔ منصوب بنزع الخافض ہے یعنی "بقلیل یؤمنون"

۳۔ صاروا قلیلاً۔ (یعنی صار کی خبر ہے)

Marfat.com

[۸۹] وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

(اور جب ان کے پاس اللہ کی وہ کتاب (قرآن پاک) آئی جو ان کے ساتھ والی کتاب (تورات) کی تصدیق فرماتی ہے اور اس سے پہلے وہ اس نبی کے وسیلے سے کافروں پر فتح مانگتے تھے تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا اس سے منکر ہو بیٹھے تو اللہ کی لعنت منکروں پر)

یہود کی برائیوں کی ایک نوع کا تذکرہ

یہ یہود کی برائیوں کی ایک نوع ہے، کتاب سے قرآن مجید مراد ہونے پر اتفاق ہے اس لیے "مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ" کے الفاظ واضح کر رہے ہیں کہ یہ یہود کی کتاب نہیں تو اب قرآن ہی مراد ہوگا۔ "مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ" کے بارے میں دو مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: قرآن نے بلاشبہ ان کی کتاب کی ان تعلیمات کی تصدیق کی ہے جس کا تعلق نبی اکرم ﷺ کے صدقِ نبوت کے ساتھ تھا اور مناسب بھی یہ تھا کہ وہ دلائل نبوت کی تصدیق کرے اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ بقیہ شرعی احکام میں یہ ان کے موافق نہیں اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ادلہ قرآن کے حوالے سے بھی موافقت مراد نہیں اس لیے کہ تمام کتب الٰہیہ اسی طرح ہیں جب یہ تمام احتمالات باطل ٹھہرے تو واضح ہوگیا قرآن کی موافقت ان کتب کے ساتھ نبوت اور اس پر دال علامات، نعوت وصفات میں ہوگی

دوسرا مسئلہ: مُصَدِّقًا، کی بطور حال بھی قرأت ہے۔

سوال: یہ نکرہ (کتاب) سے حال کیسے بن سکتا ہے؟

جواب: وصف سے نکرہ، مخصوصہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس سے حال بن جائے گا اس لیے کہ یہاں کتاب کی صفت۔ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ موجود ہے۔

تیسرا مسئلہ: جواب "لَمَّا" میں تین اقوال ہیں:

۱۔ یہ محذوف ہے جیسے ارشادِ ربانی میں ہے:

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ (پ۱۳، الرعد:۳۱) اور اگر کوئی ایسا قرآن آتا جس سے پہاڑ ٹل جاتے

Marfat.com

تو جواب محذوف ہے وہ ہے: لکان ھذا القرآن۔ یہ اخفش اور زجاج کی رائے ہے۔

۲۔ مبرد کہتے ہیں: کفروا بہ۔ اس کا جواب ہے جیسا کہ یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَیَعِدُکُمْ اَنَّکُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ کُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّکُمْ مُّخْرَجُوْنَ — کیا تمہیں یہ وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجاؤ گے اس کے بعد پھر نکالے جاؤ گے (پ۱۸، المومنون:۳۵)

۳۔ فراء کا کہنا ہے لَمَّا اولیٰ کا جواب پہلی فاء ہے اور دوسرے ''لَمَّا'' کا جواب وَكَفَرُوْا بِهٖ ہے اس ارشادِ ربانی کی طرح ہے:

فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ — پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کا پیرو ہوا اسے نہ کچھ اندیشہ اور نہ کچھ غم

(پ۱۔ البقرۃ:۳۸، پ۱۶۔ طہٰ:۱۲۳)

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ كَفَرُوْا کی تفسیر

اس کے شان نزول متعدد بیان ہوئے ہیں:

۱۔ حضور ﷺ کی آمد اور نزول قرآن سے پہلے یہودیوں فتح ونصرت کی دعا کرتے:

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ عَلَیْنَا وَانْصُرْنَا بِالنَّبِیِّ الْاُمِّیِّ — اے اللہ! ہمیں مخالفین پر نبی اُمی کے وسیلہ سے فتح ونصرت عطا فرما

۲۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ جنگ کے موقعہ پر اپنے مخالفین سے کہا کرتے یہ نبی ہمارے زمانے میں سایہ فگن ہوں گے اور وہ تمہارے خلاف ہماری مدد کریں گے۔

۳۔ شیخ ابومسلم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں عرب ان سے آپ کی جائے ولادت کے بارے میں پوچھتے تو یہ حضور ﷺ کی صفات کا تذکرہ کرتے اور مشرکین عرب پر آپ کے ذریعے فخر کرتے۔

۴۔ حضرت ابن عباس، قتادہ اور سدی رضی اللہ عنہم سے ہے یہ بنونضیر اور قریظہ کے بارے میں نازل ہوئی وہ حضور کی بعثت سے پہلے اوس وخزرج پر رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے فتح مانگا کرتے تھے۔

۵۔ علماء یہود کے بارے میں نازل ہوئی جب وہ تورات میں آپ کا تذکرہ، بعثت اور عربوں میں مبعوث ہونے کا پڑھتے اور اس کا ذکر کرتے تو وہ مشرکین عرب سے ان صفات کے بارے میں پوچھتے کیا ان کے اندر ایسی صفات والا آیا ہے؟

Marfat.com

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: آیت واضح کررہی ہے کہ وہ آپ کی نبوت سے آگاہ تھے۔

سوال: تورات کا نقل تواتر سے تھا تو اب پوچھا جائے گا کہ اس میں آپ ﷺ کے تفصیلی اوصاف تھے مثلاً آپ کی صورت، سیرت، سال وجائے ولادت کا تعین تھا یا ان کی تفصیل نہ تھی اگر اول صورت ہے تو پھر یہ تمام لوگ صدق محمد ﷺ پر شہادت تورات کی معرفت پر مجبور ہوتے تو اب اہلِ تواتر کا کذب پر اتفاق کیسے ممکن ہوا؟ اور اگر اوصاف تفصیلاً نہ تھے تو تورات میں مذکور اوصاف سے آپ ﷺ کا رسول ہونا لازم نہیں آتا تو اللہ تعالیٰ نے کیسے فرمادیا: فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ؟ (جب پہچانا ہوا آیا تو انہوں نے انکار کردیا)

جواب: تورات میں اوصاف اجمالی تھے تو ان اوصاف کی بنا پر حضور ﷺ کو وہ نبی نہ جانتے تھے بلکہ ظہورِ معجزات نے ان اوصاف میں تاکید پیدا کر کے وضاحت وتفصیل کردی تھی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے انکار پر ان کی مذمت کی۔

دوسرا مسئلہ: کفر کی وجوہات

انہوں نے آپ کے ساتھ کفر کیا۔ اس کی متعدد وجہیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ آپ بنی اسرائیل میں مبعوث ہوں گے اس لیے کہ اکثر انبیاء علیہم السلام انہی میں سے تھے تو اسی بنا پر لوگوں کو آپ کے دین کا شوق اور اس کی دعوت دیتے جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو عرب نسلِ حضرت اسماعیل علیہ السلام میں مبعوث کیا تو ان پر یہ گراں گزرا انہوں نے تکذیب شروع کردی اور اپنے پہلے طریق سے ہٹ گئے۔

۲۔ آپ کی نبوت کا اعتراف، ان کی ریاستوں اور اموال کے زوال کا سبب تھا لہٰذا انہوں نے انکار کردیا اور اس پر ڈٹ گئے۔

۳۔ ممکن ہے ان کا یہ خیال ہو کہ آپ کی بعثت صرف عرب کی طرف ہی ہوگی (چونکہ آپ کی بعثت تمام مخلوق کیلئے تھی) لہٰذا انہوں نے صاف انکار کردیا۔

تیسرا مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کا آپ کی نبوت سے آگاہ ہونے کو بیان کر کے پھر ان کو (انکار پر) کافر کہا جس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کو نہ ماننا ہی کفر نہیں۔

Marfat.com

ارشادِ ربانی "فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ" سے مراد یہ ہے کہ وہ آخرت کی خیرات و وعدہ سے محروم ہیں اس لیے کہ خیرات دنیا سے محروم ملعون نہیں ہوتا۔

یہاں لعنت کیوں؟

سوال: اللہ تعالیٰ نے سابقہ آیات میں فرمایا:

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (پ۱، البقرۃ:۸۳) اور لوگوں سے اچھی بات کہو

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (پ۷، الانعام:۱۰۸) اور انہیں گالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے۔

(تو یہاں لعنت کیوں؟)

جواب: عام کو تخصیص عارض ہوتی رہتی ہے علاوہ ازیں ہم نے پیچھے تفصیلاً بیان کیا کہ مستحق لعنت کیلئے لعنت، قولِ حسن ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

[۹۰] بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

(کس بُرے بھاؤ انہوں نے اپنی جانوں کو خریدا کہ اللہ کے نازل کردہ کے منکر ہوں اس کی جلن سے کہ اللہ اپنے فضل سے اپنے جس بندے پر چاہے وحی اتارے تو غضب پر غضب کے سزاوار ہوئے اور کافروں کیلئے ذلت کا عذاب ہے)

بِئْسَمَا کی حقیقت

بِئْسَمَا کی حقیقت سے آگاہی کیلئے چند مسائل کا جاننا ضروری ہے:

Marfat.com

پہلا مسئلہ: نِعْمَ اور بِئْسَ کا اصل عَلِمَ کے وزن پر نَعِمَ، بَئِسَ ہے البتہ جس کا دوسرا حرف حلقی ہو وہ مکسور ہوگا، اس میں چار لغتیں ہیں

۱۔ اصل پر، اول پر زبر اور دوسرے کے نیچے زیر۔

۲۔ اول، ثانی کے تابع یعنی نون سین دونوں کے نیچے زیر جیسے فِخِذ، فا اور خا دونوں کے نیچے زیر، اگرچہ اہلِ لغت دو زیروں سے بھاگتے ہیں مگر حرف حلقی کی اتباع کی وجہ سے اسے جائز رکھتے ہیں۔

۳۔ حرف حلقی مکسور کو ساکن اور ماقبل اصل پر نَعْم، بَئْس (اول پر زبر اور دوسرا ساکن) جیسے فَخْذ، فا پر زبر اور خا، ساکن۔

۴۔ حرف حلقی ساکن اور اس کا کسرہ ماقبل کو دیا جائے۔ نِعْم (نون کے نیچے زیر اور سین ساکن) جیسے فِخْذ، فاء کے نیچے زیر اور خاء ساکن۔

واضح رہے ان میں آخری تبدیلی اگرچہ جائز تھی مگر علماء نے اسے ان کے ساتھ لازم قرار دے دیا اس لیے کہ یہ دونوں اسی معنی ماضی سے نکل چکے ہیں جس کی خاطر ان کی وضع تھی وہ تھا وجود مصدر کا زمانہ ماضی میں ہونا پھر یہ دونوں کلمہ مدح وذم بن چکے ہیں اور ان سے مدح وذم میں مبالغہ ہوتا ہے تاکہ ان الفاظ کو لازم تبدیلی، اصل معنی میں تبدیلی پر دال ہو مثلاً نعم الرجل زید (زید خوب آدمی ہے) اب ضرورت شعری کے علاوہ یہ اصل میں استعمال نہیں، مبرد کہتے ہیں:

ففداء لبنی قیس علی ... ما أصاب الناس من شر وضر
ما أقلت قدمای انهم ... نعم الساعون فی الأمر المبر

دوسرا مسئلہ: یہ دونوں نعم ینعم اور بئس یبأس سے فعل ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ ان پر علامت تانیث تا، داخل ہوتی ہے مثلاً نعمت و بئست، شیخ فراء نے انہیں بمنزل اسماء قرار دیتے ہوئے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے استدلال کیا:

ألسنا بنعم الجار یؤلف بیته ... من الناس ذا مال کثیر و معدما

اور اعرابی کے قول سے، جب اسے بیٹی پر بشارت دی گئی تو اس نے کہا: "واللہ ما هی بنعم المولودة"

علماء بصرہ نے جواباً کہا یہ بطور حکایت استعمال ہوا ہے۔

تیسرا مسئلہ: نعم اور بئس اصل میں تعریف اور مذمت کیلئے ہے، ان کا فاعل ایسا اسم ہوگا جو جنس کا احاطہ کیے ہو یا وہ بصورت ظاہر ہوگا یا بصورت ضمیر، ظاہر کی دو صورتیں ہیں:

Marfat.com

۱۔ نعم الرجل زید۔ یہاں مطلق مرد مراد ہے نہ کہ معین۔

۲۔ نعم غلام الرجل زید۔

رہا شاعر کا قول:

فنعم صاحب قوم لا سلاح لهم   وصاحب الركب عثمان بن عفانا

تو یہ شاذ و نادر ہے۔

بعض نے توجیہ کرتے ہوئے کہا: صاحب الرکب سے مراد واحد ہے جب اس پر الف لام آیا تو گویا قوم مراد ہوگی۔

جب اس کا فاعل ضمیر ہو مثلاً نعم رجلاً زید۔ اب اصل یوں ہے: نعم الرجل رجلاً زید۔ اول کو ترک کیا اس لیے کہ نکرہ منصوب (رجلاً) اس پر دال تھا اور اس کا نصب بطور تمیز ہے مثلاً عشرون رجلاً اور ممیز نکرہ ہوتا ہے مثلاً کوئی نہیں کہتا عشرون الدرهم۔ اگر اس پر الف لام داخل ہو تو یوں پڑھا جائے گا۔ نعم الرجلَ۔ (زبر کے ساتھ) تو اب غرض فوت ہو جائے گی۔ اس لیے اگر وہ الف لام لانا چاہیں تو اس پر پیش لائیں گے۔ نعم الرجلُ اور ضمیر کی تکلیف سے بچیں گے۔ فاعل، ضمیر کو بنانا اختصار کی وجہ سے ہے کیونکہ نعم رجلاً اُس جنس پر دال ہے جس پر فضیلت دی گئی۔

چوتھا مسئلہ: نعم الرجل زید کی دو تراکیب ہیں

۱۔ زید مبتدا مؤخر ہو گویا زید نعم الرجل ہے زید کو مؤخر کیا مگر نسبت میں مقدم ہے جیسے مررت بہ المسکین سے مراد المسکین مررت بہ ہے رہا مبتدا کی طرف ضمیر کا لوٹنا تو لفظ الرجل مشہور طور پر جنس کو شامل ہے گویا زید اس کے تحت داخل ہے لہٰذا یہ بمنزل ذکر ہے جس کی طرف ضمیر لوٹ رہی ہے۔

۲۔ اس میں زید مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ جب کہا: نعم الرجل۔ (اچھا مرد) تو سوال اٹھا کون؟ جواب دیا: زید۔ یعنی ھو زید

پانچواں مسئلہ: نعم اور بئس کے بعد، جس کی مدح و ذم کی جائے گی وہ جنس مذکور سے ہوگا مثلاً زید، مردوں میں سے ہے جب ضابطہ یہ ہے تو ارشادِ باری تعالیٰ:

سَاۗءَ مَثَلَاۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا   کیا بری کہاوت ہے ان کی جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں

(پ۹ الاعراف: ۱۷۷)

میں قوم کی طرف مضاف محذوف ہوگا۔ "سَاۗءَ مَثَلَاۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا" ان مسائل کی تحقیق کے بعد اب ہم تفسیر کرتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا

Marfat.com

یہاں دو مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: ما نکرہ منصوبہ بئس کی فاعل کی تفسیر کر رہا ہے۔ بئس الشئ شیئاً اشتروا به انفسهم (وہ شی بہت بری ہے جس کے عوض انہوں نے اپنے نفوس کو بیچ دیا) ان یکفروا، مخصوص بالذم ہے۔

دوسرا مسئلہ: شراء کے بارے میں دو اقوال

یہاں شراء کے بارے میں دو اقوال ہیں:

پہلا قول: بمعنی بیع ہے۔ تفصیل یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایمان لانے پر قدرت دی جو اسے جنتی بنا دے اور کفر کا اختیار دیا جو اسے دوزخی بنا دے۔ تو اب بندے کا اختیار اس طرح ہوا جیسے وہ سودے میں ایک شی دے کر دوسری کا مالک بنتا ہے، اگر اس نے ایمان اختیار کیا جس میں کامیابی اور نجات ہے تو کہا جائے گا اس نے خوب سودا کیا ہے۔ بیع وشراء سے غرض ایک ملکیت کو دوسری ملکیت سے بدلنا ہے یہ چیز چونکہ دونوں طرف سے صادر ہوتی ہے لہٰذا ہر ایک کو بائع اور مشتری کہا جا سکتا ہے لہٰذا ارشادِ ربانی "بِئْسَمَا اشْتَرَوْا" کا معنی یہ کیا جا سکتا ہے انہوں نے نفوس کو کفر کے عوض بیچ دیا جو انہیں بطور نفع حاصل ہوا وہ کفر ہے تو لہٰذا یہ نفوس کا سودا کرنے والے ٹھہرے۔

دوسرا قول: ہمارے نزدیک اصح یہی ہے، آدمی جب اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہے تو وہ ایسے اعمال کرتا ہے جو اس عذاب سے خلاصی کا ذریعہ بنیں گویا اس نے ان اعمال کے ذریعے اپنے نفس کو خرید لیا۔ یہود اپنے عقائد کو عذاب سے خلاصی اور ثواب دلانے والے قرار دیتے تو انہوں نے گمان کیا ہم نے اپنے نفوس کو ان کی بنا پر خرید لیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی۔ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا

لفظ ومعنی کے اعتبار سے یہ قول، اول سے اقرب ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر فرما دی۔ "اَنْ یَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ" بلاشبہ یہاں قرآن سے، ان کا کفر مراد ہے اس لیے کہ خطاب یہود سے ہے اور وہ قرآن کے علاوہ پر ایمان رکھتے تھے۔

پھر اس انکار وکفر کی وجہ بیان کی "حسداً" اس سے غرض کفر کی طرف اشارہ ہے جیسے کہا جاتا ہے: یعادی فلان فلاناً حسداً (فلاں، فلاں کے ساتھ بطور حسد عداوت رکھتا ہے) یہ اس کی غرض پر تنبیہ ہے، اگر یہ لفظ نہ ہوتے تو کہہ سکتے تھے یہ انکار بطور جہالت تھا نہ کہ بطور سرکشی۔

فضل قدیر

Marfat.com

بغاوت کی متعدد وجوہات

یہ آیت مبارکہ نشاندہی کر رہی ہے کہ حسد حرام ہے۔ بغاوت و سرکشی کی متعدد وجوہات ہوسکتی ہیں یہاں کونسی وجہ ہے؟ اسے ان الفاظ میں ذکر کیا: "اَنْ یُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ" جو کچھ ہم نے پہلے ذکر کیا انہوں نے یہ گمان کر رکھا کہ منتظر نبوت کی صورت میں فضل عظیم ہماری قوم کو ملے گا جب انہوں نے عرب کو اس نعمت سے مالا مال دیکھا تو وہ حسد و بغاوت پر اتر آئے۔

فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: غضبین (دونوں غضب) کی تفسیر متعدد طریق سے ہے:

۱۔ ان دونوں کے دو اسباب کا اثبات ضروری ہے:

۱۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان پر نازل شدہ تعلیمات کا انکار کیا۔

۲۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر نازل شدہ شریعت کا انکار کیا تو اسی طرح اللہ تعالیٰ کے غضب در غضب اور عذاب در عذاب میں داخل ہوگئے اس لیے کہ انکار در انکار میں داخل تھے۔ امام حسن، شعبی، عکرمہ، ابوالعالیہ اور قتادہ کا یہی قول ہے۔

۲۔ یہاں فقط دو غضب کا اثبات مقصود نہیں بلکہ پے در پے غضب کی متعدد انواع مراد ہیں کیونکہ ان سے پے در پے متعدد انواع کفر کا صدور ہوا مثلاً حضرت عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ (اللہ کا بیٹا) کہا۔ (پ۱۰، التوبہ:۳۰) اللہ تعالیٰ کو بخیل کہا۔ (پ۶، المائدہ:۶۴) اور کہا: اللہ محتاج ہے اور ہم غنی۔ (پ۴، ال عمران:۱۸۱) یہ عطا اور عبید بن عمیر کا قول ہے۔

۳۔ اس سے تاکید و کثرت غضب مراد ہے اس لیے کہ کفر اگرچہ واحد تھا مگر بہت بڑا تھا، یہ شیخ ابومسلم کا قول ہے۔

۴۔ پہلا عذاب ان پر بچھڑے کی پوجا کی وجہ سے جبکہ دوسرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات چھپانے اور آپ کی نبوت کے انکار کی وجہ سے ہوا۔ امام سدی کا یہی قول ہے۔

دوسرا مسئلہ: غضب الٰہی سے مراد

ناپسند کام کے مشاہدہ کے بعد جوش خون دل کی وجہ سے انسان کو جو حالت عارض ہوتی ہے وہ غضب کہلاتی ہے یہ اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے لہٰذا یہاں اس کا وہ ارادہ اور حکم مراد ہے جو بطور لعنت و عذاب کسی نافرمان کیلئے ہوتا ہے۔

Marfat.com

تیسرا مسئلہ: غضب، باری تعالیٰ کا وصف بن سکتا ہے اور اس میں اضافہ و کثرت صحتِ عذاب کی طرح ہی ہے لہٰذا اس کا غضب ایک کفر اختیار کرنے والے پر اس طرح نہیں ہوگا جو زیادہ کفر اختیار کرتا ہے۔

وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: کفار ہی کا ذکر

یہ الفاظ "وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ" سے سخت ہیں اس لیے کہ پہلی عبارت میں کفار کے علاوہ بھی شامل تھے لیکن دوسری میں فقط کفار ہی داخل ہیں۔

دوسرا مسئلہ: عذاب درحقیقت رسوا کرنے والا نہیں ہوتا جبکہ مہین کا معنی دوسرے کو رسوا کرنے والا ہے اور یہ وصف صاحبِ عقل کا ہی ہوسکتا ہے تو یہاں اصلاً اللہ تعالیٰ عذابِ کثیر کے ساتھ کفار کو رسوا فرمانے والا ہے چونکہ رسوائی عذاب سے حاصل ہے تو اسے عذاب کا وصف بنا دیا۔

سوال: ہر عذاب میں رسوائی ہے پھر مہین کا کیا فائدہ؟

جواب: عذاب کا اہانت کے ساتھ متصل ہونا ایسا معاملہ ہے جس پر دلیل ضروری ہے تو اللہ تعالیٰ نے مہین فرما کر اس پر دلیل قائم فرما دی۔

تیسرا مسئلہ: عذاب اور کفار

بعض لوگوں نے اس سے استدلال کیا کہ عذاب صرف کفار کیلئے ہے۔ اس کے بعد دو گروہوں نے اس آیت سے استدلال کیا۔

۱۔ خوارج نے کہا دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسق پر بھی عذاب ہے لیکن یہ آیت بتا رہی ہے کہ عذاب کافر کیلئے ہی ہے تو لازم ٹھہرا کہ فاسق بھی کافر ہے۔

۲۔ مُرجئہ نے کہا: اس آیت نے واضح کیا کہ عذاب کافر کیلئے ہی ہے اور فاسق کافر نہیں ہوتا لہٰذا ضروری ہے کہ فاسق کو عذاب نہ ہو۔

لیکن ان دونوں اقوال کا فساد واضح ہے۔

Marfat.com

57/57

[۹۱] وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾

(اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ کے اُتارے پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں وہ جو ہم پر اترا اُس پر ایمان لاتے ہیں اور باقی سے منکر ہوتے ہیں حالانکہ وہ حق ہے ان کے پاس والے کی تصدیق فرماتا ہوا تم فرماؤ کہ پھر اگلے انبیاء کو کیوں شہید کیا اگر تمہیں اپنی کتاب پر ایمان تھا)

نوع افعال بد کا تذکرہ

یہ بھی ان کے افعالِ بد کی ایک نوع کا بیان ہے۔ "وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ" سے مراد یہود ہیں۔ "اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ" یعنی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تمام تعلیمات پر ایمان لاؤ۔ قائلین عموم نے اس آیت سے استدلال کیا کہ لفظ ما عموم پر دال ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی نازل کردہ تعلیمات پر ایمان لانے کا فرمایا لیکن یہ بعض پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت فرمائی۔ اگر "ما" میں عموم نہ ہوتا تو یہ مذمت درست نہیں۔

اس کے بعد ان کا قول نقل کیا۔ "قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا" یعنی ہم تورات پر اور باقی ان انبیاء کی کتاب کو مانتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی تائید میں آئے پھر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ انہوں نے انجیل و قرآن کا انکار کیا اور سارا کچھ بطور مذمت ذکر ہوا ہے۔ اگر ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تعلیمات کی معرفت کا طریقہ نہ ہوتو انہیں ان پر ایمان لانے کا حکم دینا ہی جائز نہیں ورنہ یہ تکلیف مالایطاق ہوگی جو درست نہیں تو جب دلیل سے واضح ہو جائے کہ یہ سماوی تعلیمات ہیں تو پھر ان پر ایمان لانا لازم ہو جاتا ہے لہٰذا ثابت ہو گیا کہ بعض پر ایمان اور بعض کے انکار میں تضاد ہے۔

وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ کی تفسیر

هُوَ، حضور ﷺ پر لزوم ایمان کے دلائل کی طرف اشارہ ہے، اس کی تفصیل دو طرح ہے:

۱۔ اس پر الفاظ "وَهُوَ الْحَقُّ" دلیل ہیں جب حضور ﷺ کی نبوت، معجزات سے ثابت ہو چکی ہے تو آپ نے بتایا یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہے اور اس پر ایمان لانا فرض فرمایا تو اب اس پر ایمان لانا ہر صورت فرض ہوگا، اس سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ بعض انبیاء اور بعض کتب پر ایمان لانے اور بعض کے ساتھ کفر کرنے میں تضاد ہے۔

Marfat.com

۲۔ اس پر "مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ" کی دلالت ہے اس کی تفصیل دو طرح ہے:

۱۔ آپ ﷺ نے تعلیم حاصل نہیں کی اور نہ کسی استاذ سے پڑھا تو جب آپ نے تمام واقعات بغیر کسی اختلاف کے تورات کے موافق بیان فرمائے تو واضح ہو گیا آپ ﷺ کی رہنمائی وحی و قرآن نے کی ہے۔

۲۔ قرآن حضور ﷺ کی نبوت پر دال ہے جب اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی کہ یہ تورات کی تصدیق کرتا ہے تو ضروری ہے تورات میں حضور ﷺ کی نبوت کے بارے میں تعلیمات ہوں ورنہ قرآن تورات کا مصدق ہونے کے بجائے مکذب ہوگا، جب تورات حضور ﷺ کے ذکر نبوت پر مشتمل ہے اور وہ تورات پر ایمان کے لزوم کو تسلیم کرتے ہیں تو اسی وجہ سے ان پر قرآن اور نبوت محمدی ﷺ پر ایمان لانا لازم ہو جائے گا۔

فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِيَاءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: اللہ تعالیٰ ایک اور طریق سے واضح کر رہے ہیں کہ ان کا تورات پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کئی اور وجوہ سے بھی متضاد ہے اس لیے کہ تورات واضح کرتی ہے کہ معجزہ کی دلالت صدق پر ہے اور جو دعویٰ نبوت میں صادق ہو اس کا قتل کفر ہے جب معاملہ یوں ہے تو حضرت یحییٰ، ذکریا اور عیسیٰ علیہم السلام کے قتل میں سعی کفر ہوئی، اگر تم تورات پر دعویٰ ایمان کرتے ہو تو بتاؤ تم نے ایسی سعی کیوں کی؟

دوسرا مسئلہ: یہ آیت واضح کر رہی ہے کہ دین میں مجادلہ "مناظرہ" انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے اور مخالف پر نقض و اعتراض وارد کرنا جائز ہے۔

تیسرا مسئلہ: خطاب پہلوں سے ہے

"فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ" اگرچہ بالمشافہ خطاب ہے لیکن اسلاف سے ہے اس پر متعدد دلائل ہیں:

۱۔ اس دور میں حضرات انبیاء علیہم السلام موجود نہ تھے۔

۲۔ اس دور میں انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

ماضی کا مراد ہونا ظاہر ہے کیونکہ اس پر قرینہ دال ہے۔

Marfat.com

اٰمِنُوْا اور فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ میں موافقت

سوال: اٰمِنُوْا۔ موجود لوگوں سے خطاب ہے۔ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ۔ اسلاف کی حکایت ہے ان کے درمیان مطابقت نہیں ہے؟

جواب: معنی یہ ہے تم اس تکذیب کے سبب اپنے لائے ہوئے ایمان سے خارج ہو چکے جیسا کہ تمہارے اسلاف بعض انبیاء کے قتل کی وجہ سے باقی پر ایمان سے خارج ہوئے۔

چوتھا مسئلہ: ''تم نے پہلے قتل کیے'' کہنا جائز ہے تو، انا أضربك أمس (میں تجھے گذشتہ کل ماردوں گا) کیوں جائز نہیں؟

اس میں دو اقوال ہیں:

۱۔ صفت لازمہ میں یہ کہنا جائز ہے مثلاً تم کسی برائی کرنے والے کو جانتے ہو تو کہو: افسوس تم کذب بیانی کیوں کرتے ہو گویا تم کہنا چاہتے ہو کہ یہ تمہارے لیے بہتر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ''وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ'' ہے۔ ما تلت نہیں فرمایا۔ اس لیے مراد یہی ہے کہ اس کی شان تلاوت ہے۔

۲۔ گویا فرمایا: اگر تم تورات پر ایمان رکھتے تھے تو اس سے پہلے انبیاء کے قتل پر تم راضی کیوں ہوئے؟ واللہ اعلم

[۹۲] وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾

(اور بیشک تمہارے پاس موسیٰ کھلی نشانیاں لے کر آیا پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو معبود بنالیا اور تم ظالم تھے)

تکرارِ آیت میں حکمت

یہ آیت چونکہ دوسری دفعہ آئی ہے اس کی تفسیر گزر چکی۔ تکرار کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضور ﷺ کی ظاہری حیات کے یہود، ان کا عناد و تکذیب اور ان کے اسلاف کا انبیاء کو شہید کرنا بیان کیا جو ان کی تکذیب بلکہ اس سے بھی بڑھ کر قبیح عمل ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے معجزات کا ذکر دوبارہ لایا گیا۔ پھر ان کے کھلے عمل کہ انہوں نے بچھڑے کو الٰہ بنایا کے بعد بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کی بارگاہ میں دعا اور اس کے دین و شریعت پر مضبوطی سے ثابت قدم رہے۔ فرمایا: اسی طرح کا حال تمہارے ساتھ میرا بھی ہے اگرچہ تم تکذیب و انکار میں تجاوز کر چکے ہو۔

Marfat.com

[۹۳] وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

(اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے پیمان لیا اور کوہِ طور کو تمہارے سروں پر بلند کیا لو جو ہم تمہیں دیتے ہیں زور سے اور سنو بولے ہم نے سنا اور نہ مانا اور ان کے دلوں میں بچھڑا رچ رہا تھا ان کے کفر کے سبب تم فرمادو برا حکم دیتا ہے تم کو تمہارا ایمان اگر ایمان رکھتے ہو)

دوبارہ ذکرِ عہد کیوں؟

دوبارہ عہد کے ذکر میں متعدد حکمتیں ہیں:

۱۔ یہاں اور دیگر مقامات پر تکرار تاکید اور طریقہ عرب کے مطابق مخالف پر حجت کا لزوم ہے۔

۲۔ یہاں اضافہ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا (ہم نے سنا اور نافرمانی کی) بھی ہے جو ان کی انتہائی لجاجت اور ضد پر شاہد ہے۔

قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: پہاڑ کا سایہ کی طرح اُوپر اٹھانا اعظم مخلوق ہے اس کے باوجود انہوں نے کفر پر اصرار کرتے ہوئے کہا: ''ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی'' جو واضح کر رہا ہے خوف جتنا بھی کیوں نہ دلایا جائے یہ تابع نہیں بنا سکتا۔

دوسرا مسئلہ: اکثر مفسرین نے مانا ہے کہ یہ ان کا قول ہے لیکن شیخ ابو مسلم کہتے ہیں ممکن ہے انہوں نے سنا اور ان سے نافرمانی ہوگئی اور اسے قول کہہ دیا گیا اگرچہ انہوں نے یہ بات کہی نہیں جیسے ارشادِ ربانی ہے:

اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ

تو اس سے یہی فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتی ہے (پ۱، البقرۃ:۱۱۷)

دوسرے مقام پر فرمایا:

قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ

دونوں نے عرض کی کہ ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوئے (پ۲۴ فصلت:۱۱)

Marfat.com

لیکن پہلا قول اولیٰ ہے کیونکہ بغیر دلیل کلام کو ظاہر پر محمول نہ کرنا جائز نہیں ہوتا۔

اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ کی تفسیر

یہاں متعدد مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت رچادی گئی تھی۔ یہاں دووجہ سے استعارہ ہے:

۱۔ ان کے اندر بچھڑے کی محبت اوراس کی عبادت کا شوق یوں تھا جیسے کپڑے میں رنگ "فِیْ قُلُوْبِهِمْ" یہ بیان مکان قرب ہے۔ جیسے فرمان ہے:

اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا (پ، النساء: ۱۰) وہ تو اپنے پیٹ میں نری آگ بھرتے ہیں

۲۔ جس طرح زمین کا پانی پینا، نباتات کیلئے حیات کا ذریعہ ہے اسی طرح بچھڑے کی محبت ان سے افعال بد کے صدور کا ذریعہ ہے

دوسرا مسئلہ: وَاُشْرِبُوْا" بتارہا ہے کہ فاعل ان کے علاوہ کوئی اور ہے اور یہ واضح ہے کہ یہ قدرت اللہ کے سوا کسی میں نہیں۔ معتزلہ نے دوطرح جواب دیا۔

۱۔ یہاں یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے غیر کے ذریعہ کام کروایا البتہ ان کی فرطِ الفت وعبادت کو ان کے دلوں میں محبت پلادی گئی قرار دیا اس لیے مجہول کا صیغہ لایا گیا جیسا کہا جائے، فلان معجب بنفسه (فلاں اپنے کو اعلیٰ سمجھتا ہے)

۲۔ یہاں مراد یہ ہے کہ اس نے مزین کر کے اس کی انہیں دعوت دی مثلاً سامری ابلیس یا جن وانس میں سے کسی شیطان نے کہا

اہل سنت نے ان دونوں کا رد کرتے ہوئے کہا، یہ الفاظ کو ظاہر سے ہٹانا ہے اور یہ مستقل دلیل کے بغیر جائز نہیں۔ جب ہم نے دلائل عقلیہ قطعیہ سے ثابت کر دیا کہ ہر شی کا پیدا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے تو یہاں ترکِ ظاہر کی کیا ضرورت ہے؟

"بِکُفْرِهِمْ" یہاں کفر سے اللہ تعالیٰ سے تشبیہ اوراس کے علاوہ کی عبادت کو جائز سمجھنا مراد ہے۔

قُلْ بِئْسَمَا یَاْمُرُکُمْ بِهٖ اِیْمَانُکُمْ کی تفسیر

یہاں دومسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: یہاں تورات پر ایمان مراد ہے اور تورات میں بچھڑے کی عبادت کا حکم نہیں اس پر ایمان کی اضافت بطور تحکم ہے جیسا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے ہے اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ (کیا تمہیں تمہاری نماز حکم دیتی ہے) اسی طرح یہاں ایمان کی اضافت ان کی طرف ہے۔

Marfat.com

دوسرا مسئلہ: ایمان عرض ہے اس سے امرونہی کا صدور نہیں ہوتا لیکن کبھی فعل کی طرف داعی، امر کے مشابہ ہوتا ہے مثلاً فرمانِ الٰہی ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ — بیشک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور بُری بات سے

(پ ۲۱، العنکبوت: ۴۵)

اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ مراد ان کے ایمان میں تشکیک اور ان کے صحتِ دعویٰ پر طعن ہے۔

[۹۴-۹۵] قُلْ اِنْ کَانَتْ لَکُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ عِنْدَ اللّٰہِ خَالِصَۃً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ یَّتَمَنَّوْہُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۹۵﴾

(تم فرماؤ اگر پچھلا گھر (آخرت) خالص تمہارے لیے ہو نہ اوروں کیلئے تو بھلا موت کی آرزو تو کرو اگر سچے ہو اور ہرگز کبھی اس کی آرزو نہ کریں گے ان بداعمالیوں کے سبب جو آگے کر چکے اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو)

بُرائیوں کی ایک اور نوع کا بیان

یہ ان کی قباحتوں کی ایک اور قسم کا بیان ہے وہ یہ کہا کرتے کہ آخرت صرف ہماری ہے اس پر یہ دلائل شاہد ہیں:

۱۔ مخالف کے خلاف یوں استدلال درست نہیں ہوتا۔ اگر معاملہ یوں ہے تو تم ایسا کرو مگر اس صورت میں جب اول اس کا مذہب ہوتا کہ دوسرے کا لزوم درست ہو۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے یہ اقوال ذکر کیے ہیں:

وَقَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّۃَ اِلَّا مَنْ کَانَ ھُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی — اور اہلِ کتاب بولے ہرگز جنت میں نہ جائے گا مگر وہ جو یہودی یا نصرانی ہو

(پ ۱، البقرۃ: ۱۱۱)

Marfat.com

نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں

(پ۶، المائدۃ:۱۸)

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً تو بولے ہمیں تو آگ نہ چھوئے گی مگر گنتی کے دن

(پ۱، البقرۃ:۸۰)

۳۔ اپنے بارے میں ان کا یہ عقیدہ کہ ہم ہی حق پر ہیں اس لیے کہ ہماری شریعت میں نسخ نہیں اور باقی فرقے باطل ہیں۔

۴۔ ہماری اکابر انبیاء علیہم السلام سے نسبت ہے۔ مثلاً حضرت یعقوب، حضرت اسحاق اور حضرت ابراہیم علیہم السلام، تو اللہ تعالیٰ عذاب سے ہمیں بچا کر مستحقِ ثواب کر دیں گے۔

ان چیزوں کی وجہ سے انہوں نے اپنے آپ کو بڑا سمجھا حتیٰ کہ وہ عربوں پر فخر کرتے اور پھر اسے اپنے حق میں دلیل بناتے کہ جس نبی کی بشارت و انتظار کی بات تورات میں ہے وہ ہم میں سے ہوگا نہ کہ عرب سے اور اس شبہ کی بنا پر لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے گمراہ کرتے۔

فسادِ قول پر استدلال

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے فسادِ قول پر یوں استدلال فرمایا۔ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ۔ ملازمہ کی تفصیل یہ ہے، دنیوی نعمتیں، اُخروی کے مقابل نہایت ہی حقیر ہیں پھر یہ قلیل ہونے کے ساتھ ساتھ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور و غلبہ اور ان کے ساتھ جنگ و جدال کی وجہ سے انہیں ناپسند بھی ہیں۔ جو آدمی قلیل اور کڑوی نعمتوں میں ہو اور اسے یہ یقین ہو کہ موت کے بعد عظیم انعام حاصل ہو جائیں گے تو اسے موت کا شوق ضرور ہوگا اس لیے کہ مطلوب عظیم انعامات ہیں اور ان کے حصول کی صورت موت کے سوا کوئی نہیں تو جس پر مطلوب موقوف ہو وہ بھی مطلوب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے ایسا انسان موت پر خوش اور اس کا متمنی ہو۔

تو ثابت ہوا اگر دارِ آخرت صرف انہی کی ہے تو پھر لازم تھا کہ وہ موت کی تمنا کرتے پھر اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ وہ موت کی تمنا نہیں بلکہ ہمیشہ ہرگز نہیں کریں گے لہٰذا لازماً ان کا قول ''دارِ آخرت صرف ہمارے لیے ہے'' باطل ٹھہرے گا۔

Marfat.com

چھ اہم سوالات

پہلا سوال: ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اگر دارِ آخرت صرف انہی کیلئے ہو تو ان پر موت کی آرزو لازم ہو جاتی ہے اس لیے کہ جس پر مطلوب موقوف ہے ممکن ہے وہ وسیلہ بننے کی وجہ سے مطلوب ہو مگر ذات کے اعتبار سے غیر مطلوب ہو اور موت تو آلام عظیم کا سبب ہے جس کی ان میں طاقت نہ تھی لہٰذا وہ ہر صورت موت کی تمنا نہیں کریں گے۔

دوسرا سوال: وہ اُلٹا حضور ﷺ سے یہ سوال کر سکتے ہیں تم کہتے ہو آخرت میری اُمت کیلئے ہی ہے مخالفین کیلئے نہیں تو تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ ہم آپ کو اور اُمت کو قتل کر دیں کیونکہ ہم جنگ و جدال کے سبب تمہیں اور تمہاری اُمت کو شدید نقصان اور بلاء عظیم میں مبتلا پا رہے ہیں لیکن موت کے بعد تم جنت پا لو گے لہٰذا تمہارا اپنے قتل پر خوش ہونا ضروری ہے۔

تیسرا سوال: ممکن ہے ان کا قول یہ ہو، دارِ آخرت ہمارے دین والوں کو ملے گی بشرطیکہ وہ کبائر سے بچنے والے ہوں

رہا صاحبِ کبیرہ تو وہ دائماً دوزخی ہے اس لیے کہ وہ وعید یہ تھے یا یہ کہ وہ صاحبِ کبیرہ کے بارے میں عذاب مانتے تھے اس وجہ سے انہوں نے موت کی تمنا نہ کی۔

کوئی اس کے رد میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان کا مذہب یہ تھا کہ ہمیں آگ چند دن ہی مس کرے گی اور ہر روزِ قیامت ہزار سال کے برابر ہے تو یہ ایام اگرچہ مقدار میں قلیل تھے مگر باعتبارِ مدت طویل تھے اس خوف کی بنا پر انہوں نے موت کی تمنا نہ کی۔

چوتھا سوال: حضور علیہ السلام نے موت کی تمنا سے منع کرتے ہوئے فرمایا۔ کسی تکلیف کی بنا پر موت کی تمنا نہ کرو البتہ یہ کہو اے اللہ اگر حیات میرے لیے بہتر ہے تو مجھے زندگی عطا فرما اور وفات میرے لیے بہتر ہے تو مجھے موت عطا فرما۔ (البخاری، ۶۳۵۱)

اللہ کا ارشادِ گرامی ہے:

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا (پ ۲۵، الشوریٰ: ۱۸)

اس کی جلدی مچا رہے ہیں وہ جو اس پر ایمان نہیں رکھتے اور جنہیں اس پر ایمان ہے وہ اس سے ڈر رہے ہیں

تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ موت میں جلدی سے منع کرے اور پھر لوگوں کو اس بارے میں چیلنج بھی دے۔

پانچواں سوال: تمنا دلی آرزو اور قول قائل لیتنی مت۔ (کاش میں مرگیا ہوتا) کے درمیان مشترک ہے۔ یہود کہہ سکتے ہیں تم نے ہم سے تمنا کا مطالبہ کیا ہے اور یہ مشترک ہے، اگر ہم زبان سے اس کا ذکر کریں تو متکلم کہہ سکتا ہے میری مراد یہ نہیں۔ بلکہ دلی آرزو مراد ہے اور اگر دلی آرزو کریں تو وہ کہہ سکتا ہے تم جھوٹے ہو تم دلوں میں یہ آرزوئیں رکھتے ہو جب یہود کو مشترک لفظ کا علم ہو گیا تو اب ان پر اعتراض ممکن نہ رہا اور اب وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہوں گے۔

Marfat.com

چھٹا سوال: ہم تسلیم کر لیتے ہیں اگر دار آخرت انہی کیلئے ہے تو ان پر موت کی تمنا لازم ہے لیکن تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ انہوں نے موت کی تمنا نہیں کی اور ارشادِ ربانی "وَلَن يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا" (وہ ہرگز ہمیشہ اس کی تمنا نہیں کریں گے) سے استدلال ضعیف ہے کیونکہ یہ تب درست وقوی ہوگا جب قرآن کو حق مانا جائے حالانکہ اسی میں ان کا نزاع ہے۔

ان کے جوابات

۱۔ معترض کا یہ کہنا "موت آلام کو متضمن ہونے کی وجہ تمنا سے روک دے گی" ہم کہتے ہیں انسان کو پچھنے لگوانے (اور آپریشن) سے تکلیف ہوتی ہے۔ مگر وہ اسے لگوانے سے روک نہیں پاتی اس لیے کہ انسان کو علم ہے کہ ان سے عظیم فائدہ حاصل ہوتا ہے تو یہاں بھی معاملہ ایسا ہی ہے۔

۲۔ ان کا کہنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہنا کہ پھر تمہیں اپنے قتل پر خوش ہونا چاہیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے درمیان فرق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما سکتے ہیں میری بعثت انسانیت کی طرف شرائع کی تبلیغ کیلئے ہے اور یہ مقصود ابھی تک حاصل نہیں ہوا اس لیے میں قتل پر خوش نہیں، رہا تمہارا معاملہ وہ بلاشبہ ایسا نہیں لہٰذا فرق واضح ہوگیا۔

۳۔ وہ کبائر سے خائف ہونے کی وجہ سے تمنا نہ کرتے ہوں۔

جواب: ان کا دعویٰ کہ آخرت ہماری ہے بتا رہا ہے کہ وہ وہاں ثواب کے علاوہ کسی بھی عتاب سے بے خوف تھے۔

۴۔ موت کی تمنا ممنوع ہے۔

جواب: یہ ممانعت ہماری شریعت میں ہے۔ مختلف اوقات کی وجہ سے حال مختلف ہو سکتا ہے۔ روایات میں ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ دشمنوں کی صفوں کے درمیان حالتِ وجد میں چکر لگا رہے تھے تو آپ کے صاحبزادے امام حسن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یہ دشمن کے سامنے ایسا کیوں؟ فرمایا: بیٹے تیرے والد کو اس کی کوئی پرواہ نہیں وہ موت پر گرتے ہیں یا موت ان پر گرتی ہے۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین میں (وصال کے وقت) کہا تھا:

الآن ألاقی الأحبة　　　محمداً وحزبه

(میں آج اپنے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دوستوں سے ملاقات کرنے والا ہوں)

متعدد انبیاء علیہم السلام سے موت کی تمنا ثابت ہے پھر یہ ممانعت سبب مخصوص سے موت کی تمنا پر ہے کیونکہ آپ نے فرمایا: شدائد کے وقت انسان پر تمنا موت حرام ہے اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر رضا سے خروج اور شکوہ ہو جائے گا تو اس میں وہ تمنا کیسے آ سکتی ہے جو صحت نبوت پر دال ہے۔

Marfat.com

۵۔ ان کو یہ علم نہ ہوا کہ تمنا قلبی ہے یا زبانی۔

جواب، لغت عرب میں تمنا کا اطلاق اظہار پر ہی ہوتا ہے جس طرح خبر کا تعلق بھی اظہار سے ہی ہے دلی آرزو پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا اور پھر یہ بھی محال ہے کہ حضور ﷺ انہیں موت کی تمنا کا کہیں اور مراد ایسی لے جس پر اطلاع ممکن نہ ہو علاوہ ازیں مقصد، اظہار کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔

۶۔ تمنا نہ کرنے پر کیا دلیل ہے؟

جواب: متعدد دلائل ہیں:

۱۔ اگر وہ تمنا کرتے تو اس کی نقل میں تواتر ہوتا اسی لیے کہ معاملہ بہت اہم ہے اس لیے کہ عدم تمنا کی صورت میں صحت نبوت محمدی ﷺ کا ثبوت اور تمنا کی صورت میں اس کا بطلان ہوتا ہے۔ جو بات اس پایہ کی ہو وہ نہایت ہی اہم ہے لہٰذا اس کی نقل تواتر سے ضروری تھی جب یہ منقول نہیں تو واضح ہو گیا کہ ایسا نہیں ہوا

۲۔ حضور ﷺ رائے، احتیاط، انجام کے اعتبار سے حسنِ تدبیر، دینی و دنیاوی منصب، مملکت عظیمہ کے ایسے سربراہ ہیں کہ مخالف جبراً اور موافق طوعاً تابع ہونے میں سب سے مقدم ہیں تو آپ سے ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا کہ تائید و وحی الٰہی کے بغیر ایسے معاملہ کا چیلنج دے دیں جس کے انجام کے اعتبار سے بے خوف نہ ہوں اور یہ ڈر ہو کہ کہیں مخالف دلیل سے غالب نہ آجائے اس لیے کہ ہر صاحب عقل ایسے امور میں بات نہیں کرتا جس کا اسے تجربہ نہ ہو تو پھر سب سے بڑے اعقل العقلاء (عقلمند) کا مقام و شان کیا ہوگا؟ تو ثابت ہوا آپ ﷺ نے یہ دلائل بیان نہیں کیے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کے ذریعے آگاہ فرمایا یہ موت کی تمنا نہیں کریں گے

۳۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اگر یہود موت کی تمنا کرتے تو مر جاتے اور اپنے دوزخی ٹھکانے دیکھ لیتے، اگر وہ مباہلہ کیلئے نکلتے تو واپسی پر نہ اہل کو پاتے اور نہ مال۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ہے اگر وہ موت کی تمنا کرتے تو تمام مر جاتے۔

الغرض تواتر کے ساتھ روایات سے ثابت ہے کہ انہوں نے تمنا موت نہیں کی تو حجت ثابت ہو گئی، اس استدلال کے خلاف یہ ہماری آخری گفتگو ہے اب آیئے تفسیر کرتے ہیں۔

ارشادِ ربانی "قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ" میں جنت مراد ہے کیونکہ دارِ آخرت میں مطلوب وہی ہے نہ کہ دوزخ اس لیے کہ وہ کہتے جنت ہماری ہے۔

Marfat.com

عنداللہ۔ سے مراد مکان نہیں بلکہ مرتبہ ہے اسے جگہ پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے ممکن ہے یہود مشبہ (خالق کو مخلوق کے مشابہ ماننے والے) ہوں اور اللہ رب العزت کے لیے مقام و جگہ مانتے ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرما دی۔

"خَالِصَةً" دار آخرت سے حال کی وجہ سے منصوب ہے وہ سالم تمہارے لیے ہے تمہارے سوا اس میں کسی کا حق نہیں یعنی اگر تمہارا یہ قول درست ہے کہ جنتی صرف یہود و نصاریٰ ہیں۔ الناس سے جنس مراد ہے یا عہدی۔ مسلمان، جنس اولیٰ ہے اس لیے کہ الفاظ، اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصَارٰى ہیں۔

دوسرا یہ کہ یہاں معہود بھی کوئی نہیں۔ "مِنْ دُوْنِ النَّاسِ" یہاں دون بمعنی سوا نہ کہ بمعنی مکان جیسے کسی کو ہبہ کرتے ہوئے کہا جاتا ہے: ھذا لك من دون الناس (یہ فقط تیرے لیے ہے نہ کہ لوگوں کیلئے)

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ کی تفسیر

یہاں دو مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: یہ امر شرط مفقود (ان کا سچا ہونا) سے معلق ہے یعنی امر موجود نہیں اور اس سے غرض چیلنج اور ان کے دعویٰ میں جھوٹے ہونے کا اظہار ہے۔

دوسرا مسئلہ: تمنا میں دو اقوال ہیں

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے یہ چیلنج ہے کہ دونوں فریق ایک دوسرے کے بارے میں تمنا کریں جو جھوٹا ہے وہ مر جائے۔

۲۔ یہ کہیں کاش ہم مر جائیں۔

ثانی اولیٰ ہے کیونکہ الفاظ سے اقرب ہے۔

ارشادِ ربانی "وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ" سے یقینی خبر ہے کہ یہ مستقبل میں بھی تمنا نہیں کریں گے اور یہ غیبی خبر ہے اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب پر کثرت، دواعی اور اس کلمہ کا بجا لانا نہایت ہی آسان ہونے کے باوجود خبر دی کہ یہ اسے نہیں بجا لائیں گے تو اس معاملہ کی یہ حتمی خبر ہے جس کی ضد پر امارات قائم ہیں لہٰذا اس کا حصول وحی کے بغیر ممکن نہیں۔

"اَبَدًا" یہ دوسری غیبی خبر ہے بتا دیا اب بھی یہ نہیں کریں گے اور آئندہ بھی نہیں بلاشبہ عدمِ تمنا کی خبر تمام اوقات کے حوالے سے ہے اور لہٰذا یہ دونوں غیب ہوئے۔

Marfat.com

"بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ" یہ علت کا بیان ہے کہ جس کی وجہ سے وہ تمنا نہیں کریں گے۔اس لیے کہ وہ اپنے طریقِ بد اور کثرت ذنوب سے آگاہ ہیں جو انہیں موت کی تمنا نہیں کرنے دیتے۔

"وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِالظّٰلِمِیْنَ" یہ زجر وتہدید ہے اس لیے کہ وہ راز اور سرگوشی جانتا ہے اور اس سے کوئی شئ مخفی نہیں اگر انسان یہ تصور وعقیدہ بنا لے تو اسے معاصی سے روکنے کا اعظم ذریعہ نصیب ہو جائے۔"ظٰلِمِیْنَ" فرمایا اس لیے کہ ہر کافر ظالم لیکن ہر ظالم کافر نہیں ہوتا جب ظالم عام تھا تو اس کا ذکر اولیٰ ٹھہرا۔

دو مقامات میں فرق کیوں؟

سوال: یہاں فرمایا: "وَلَنْ یَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا" لیکن سورۃ الجمعہ میں فرمایا: "وَلَا یَتَمَنَّوْنَهٗ اَبَدًا" یہاں "لَنْ" اور سورۂ جمعہ میں "لا" کی کیا حکمت ہو سکتی ہے؟

جواب: یہاں ان کا یہ دعویٰ ہے کہ دارِ آخرت ہماری ہی ہے اور سورۂ جمعہ میں دعویٰ ہے کہ ہم ہی اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو باطل فرمایا۔ بایں طور کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ موت کی تمنا کرتے۔ پہلا دعویٰ، دوسرے سے بڑا ہے اس لیے کہ انتہائی سعادت دارِ ثواب (جنت) کا حصول ہے اور مرتبہ ولایت اگرچہ اچھا ہے مگر یہ بھی جنت کا ذریعہ ہے تو جب پہلا دعوی اعظم ہے تو اس کا فاسد ہونا اللہ تعالیٰ نے لفظ "لَنْ" سے کیا۔ کیونکہ یہ لفظ نفی میں اقویٰ ہے جبکہ دوسرے دعویٰ کا درجہ یہ نہیں لہٰذا اس کے رد کیلئے لفظ "لا" پر اکتفا کیا اس لیے کہ یہ معنی نفی میں انتہائی قوت نہیں رکھتا۔ واللہ اعلم

[۹۶] وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا ۚ یَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ یُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

(اور بیشک تم ضرور انہیں پاؤ گے کہ سب لوگوں سے زیادہ جینے کی ہوس رکھتے ہیں اور مشرکوں سے ایک کو تمنا ہے کہ کہیں ہزار برس جئے اور وہ اسے عذاب سے دور نہ کرے گا اتنی عمر دیا جانا اور اللہ ان کے اعمال کو دیکھ رہا ہے)

یہ زندگی پر حریص ہیں

جب اللہ تعالیٰ نے سابقہ آیت میں واضح کیا کہ یہ موت کی تمنا نہیں کریں گے تو یہاں فرمایا یہ زندگی پر نہایت ہی حریص ہیں

Marfat.com

اس لیے کہ تیسری قسم بھی ہوتی ہے جو نہ موت کی تمنا کرے اور نہ ہی زندگی کی تو فرمایا: "وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوۃٍ" (تم انہیں سب لوگوں سے جینے میں زیادہ حریص پاؤ گے)

"لَتَجِدَنَّهُمْ" وجد بمعنی علم ہے جو دو مفاعیل چاہتا ہے مثلاً وجدت زیدا فا حفاظ۔ یہاں اس کے "هُمْ" اور اَحْرَصَ" مفعول ہیں "عَلٰی حَیٰوۃٍ" نکرہ ہے اس لیے کہ یہ خاص طویل حیات مراد ہے اس لیے یہ قرأت حضرت اُبی رضی اللہ عنہ کی قرأت "علی الحیاۃ" سے وقیع ہے۔

واو میں تین اقوال

"وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا" میں واؤ کے بارے میں تین اقوال ہیں:

۱۔ شیخ فراء اور اصم کے نزدیک یہ عاطفہ ہے معنی یہ ہوگا یہود دیگر لوگوں سے اور مشرکین سے حیات و دنیاوی زندگی پر زیادہ حریص ہیں جیسے هو أسخى الناس ومن حاتم۔ (وہ دیگر لوگوں حتیٰ کہ حاتم سے بھی زیادہ سخی ہے)

ذکرِ مشرکین الگ کیوں؟

سوال: کیا مشرکین، الناس کے تحت داخل نہیں؟

جواب: داخل ہیں لیکن ان کا ذکر الگ اس لیے کیا کہ ان کی حرص شدید ہے، اس میں عظیم زجر ہے کہ مشرکین جو آخرت و معاد پر ایمان نہیں رکھتے وہ تو صرف اسی دنیا کو ہی جانتے ہیں ان کی دنیا کے ساتھ حرص بعید نہیں اس لیے کہ یہ ان کی جنت ہے، جب حرص میں ان سے ایسے لوگ بڑھ گئے جو کتاب رکھتے تھے اور وہ آخرت و جزا کا اقرار کرتے تھے تو اب وہ زجر اعظم کے ہی لائق تھے۔

حرص زیادہ کیوں؟

سوال: ان کی حرص، مشرکین سے کیوں زیادہ تھی؟

جواب: یہ جانتے تھے ہم سیدھے اور یقیناً دوزخ میں جائیں گے لیکن مشرکین یہ نہ جانتے تھے۔

۲۔ یہ واؤ استئنافیہ ہے "علی حیاۃ" پر پہلا جملہ مکمل ہے مقدر عبارت یوں ہے۔ ومن الذين اشركوا أناس يود أحدهم۔ یعنی موصوف حذف ہے جیسے ارشادِ ربانی ہے:

وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ (پ۲۳، الصافات:۱۶۴) اور فرشتے کہتے ہیں ہم میں ہر ایک کا ایک مقام معلوم ہے

۳۔ یہاں تقدیم و تاخیر ہے۔ ولتجدنهم وطائفة من الذين أشركوا أحرص الناس على حياة (یہ اور ایک مشرکین کا گروہ

Marfat.com

زندگی پر دوسروں سے زیادہ حریص ہیں) پھر محبت کی تفسیر کی "یَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ" یہ شیخ ابو مسلم کا قول ہے۔
پہلا قول اولیٰ ہے اس لیے کہ اس واقعہ کا تعلق صرف یہود سے ہے تو ظاہر اُمراد یہی ہے کہ یہود تمام لوگوں اور مشرکین سے زیادہ حریص ہیں تاکہ ان کے اس دعویٰ کا بطلان اور اظہارِ کذب کا خوب رد ہو کہ دار آخرت ہماری ہے نہ کہ غیر کی۔ واللہ اعلم۔

دوسرا مسئلہ: "وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا" کی مراد میں تین اقوال ہیں:

۱۔ مجوس، یہ اپنے بادشاہوں سے کہا کرتے ہزار نیروز اور ہزار مہر جان زندہ رہو۔ حضرت ابن عباس سے ہے کہ یہ عجمی لوگوں کا قول ہے کہ ہزار سال جیو۔

۲۔ مشرکینِ عرب۔

۳ ہر مشرک جو آخرت نہیں مانتا ہم نے پیچھے بیان کیا یہ لوگ دنیا پر زیادہ حریص ہوں گے،" الف سنة "(ہزار سال) سے مراد عجمی لوگوں کا قول ہزار سال مراد نہیں بلکہ کثرت مراد ہے جو کہ عربوں کے ہاں معروف ہے۔

یَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ۔ اللہ تعالیٰ نے تمنا موت سے ان کا بُعد بیان کیا اور فرمایا وہ تو اس قدر زندگی و بقا چاہتے ہیں اور اس پر حرص شدید رکھتے ہیں۔ جن کا یہ حال ہو ان سے موت کی تمنا کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے؟

وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ یُّعَمَّرَ کی تفسیر

اس میں دو مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: وَمَا هُوَ سے کیا مراد ہے؟

تین اقوال ہیں:

۱۔ احدهم ہے یعنی ان میں سے کسی ایک کا بھی اس قدر عمر پانا عذاب نار سے نہیں بچا سکتا۔

۲۔ یعمر جس مصدر "عمر" پر دال ہے اور ان یعمر اس کا بدل ہے۔

۳۔ وہ مبهم ہے اور ان یعمر اس کی وضاحت ہے۔

دوسرا مسئلہ: زحــزحة، دور ہونا اور بچنا۔ قاضی کہتے ہیں: مراد یہ ہے کہ ازالہ عذاب میں کمی کی کوئی تاثیر ہی نہیں اگر اللہ تعالیٰ فرماتے: "وما هو بمبعده وبمنجیه" تو اس کی قلت تاثیر پر دلالت نہ ہوتی جیسے اس قول کی ہے۔

"وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ" بصر سے مراد کبھی علم ہوتا ہے۔ محاورہ ہے فلاں کی اس معاملہ میں نظر ہے یعنی وہ معرفت رکھتا ہے، کبھی یہ مراد ہوتا ہے کہ اس میں ایسی صفت ہے اگر مبصرات موجود ہوں تو وہ انہیں دیکھ لے، دونوں اوصاف اللہ تعالیٰ کے ہو سکتے ہیں ور جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ بعض اعمال دیکھے ہی نہیں جا سکتے تو ان کے ہاں بہر صورت بصر کا یہاں اطلاق علم پر ہی ہوگا۔ واللہ اعلم

Marfat.com

[۹۷-۹۸] قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾

(تم فرمادو جوکوئی جبریل کا دشمن ہوتو اس (جبریل) نے تو تمہارے دل پر اللہ کے حکم سے یہ قرآن اُتارا اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتا اور ہدایت و بشارت مسلمانوں کو جوکوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل اور میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے کافروں کا)

یہود کی برائیوں کی ایک اور نوع کا تذکرہ

یہ بھی یہود کے قبائح اور ان کے بداقوال وافعال کی نوع کا بیان ہے، یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: فرمان "قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ" کیلئے یہود کی طرف سے کسی ایسے معاملہ کا ہونا ضروری ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ کہنے کا حکم دیا اور وہ امر قائم مقام ضرورت کے ہوگا اور اگر ان سے ایسا کوئی معاملہ ظاہر نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہرگز نہ ہوتا لہٰذا مفسرین نے متعدد امور ذکر کیے ہیں۔

آیات کا پسِ منظر

ا۔ حضور ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ عبداللہ بن صوریا نے پوچھا: یا محمد! تمہاری نیند کیسی ہے؟ ہمیں آخرالزماں نبی کی نیند کے بارے میں اطلاع ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میری آنکھیں سوتی ہیں مگر دل بیدار رہتا ہے۔ کہنے لگا: تم نے سچ کہا۔ مجھے بچے کے بارے میں بتائیں، وہ مرد سے ہوتا ہے یا عورت سے؟ فرمایا: ہڈیاں، پٹھے اور رگیں مرد سے اور گوشت، خون، ناخن وبال عورت سے ہوتے ہیں۔ کہنے لگا: تم نے سچ کہا، کیا وجہ مرد چچوں کے مشابہ نہ کہ ماموں کے یا ماموں کے مشابہ ہوتا ہے نہ کہ چچوں کے؟ فرمایا: جس کا نطفہ غالب آجائے اس کی مشابہت ہو جاتی ہے۔ کہنے لگا: تم نے سچ کہا۔ کونسا طعام تھا جسے اسرائیل نے اپنے اُوپر حرام کیا اور تورات میں ہے نبی اُمی اس کی خبر دے گا؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: تمہیں اللہ کی قسم! جس نے تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی کیا تم جانتے ہو اسرائیل شدید اور طویل بیمار ہو گئے تو

Marfat.com

اللہ کیلئے نذر مانی اگر اللہ تعالیٰ نے بیماری سے شفاء دی تو وہ اپنے اوپر محبوب کھانا اور پینا حرام ٹھہرالیں گے اور وہ اونٹ کا گوشت اور دودھ تھا۔ کہنے لگا: ہاں۔ ایک بات رہ گئی ہے اگر تم نے بتادی تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا۔ کونسا فرشتہ تم پر اللہ کی وحی لاتا ہے؟ فرمایا: جبریل امین۔ کہنے لگا: یہ تو ہمارا دشمن ہے جو قتال اور عذاب لے کر آتا ہے۔ ہمارا رسول تو میکائیل ہے جو بشارت اور آسانی لاتا ہے اگر وحی لانے والے یہ ہوتے تو ہم آپ پر ایمان لے آتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: حضرت جبریل سے تمہاری عداوت کی ابتدا کیسے ہوئی؟ کہنے لگا: عداوت کی ابتدا یوں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کو اطلاع دی عنقریب ایک شخص بیت المقدس کو تباہ کردے گا اس کا نام بخت نصر ہے، اس کا تمام حلیہ بیان کیا ہم نے اسے تلاش کر کے قتل کیلئے آدمی بھیجے تو جبریل نے اس کا دفاع کیا اور کہا: جس پر تمہیں قتل کیلئے مسلط کیا ہے یہ بیت المقدس بر باد کرنے والا نہیں۔ لہٰذا اس کے قتل میں کوئی فائدہ نہیں؟ پھر وہی آدمی جواں ہوا، بادشاہ بنا اور ہمارے خلاف لڑ کر بیت المقدس تباہ کیا اور ہمیں قتل کیا۔ اسی وجہ سے ہم اسے دشمن رکھتے ہیں۔ رہے حضرت میکائیل تو وہ حضرت جبریل کے دشمن ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں بتاتا ہوں جو جبریل کا دشمن ہے وہ میکائیل کا بھی دشمن ہے اور یہ دونوں بھی اس کے دشمن ہیں۔ ابن صوریا نے اس کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ دو آیات نازل فرمادئیں

۲۔ روایات میں ہے اعلیٰ مدینہ کی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زمین تھی ان کا گزر مدارسِ یہود پر ہوتا ان کے ہاں کبھی بیٹھ کر گفتگو سنتے، وہ کہنے لگے، عمر ہم تم سے محبت کرتے ہیں اور ہمیں تمہاری فکر ہے۔ فرمایا: میں تمہارے پاس تمہاری محبت کی وجہ سے نہیں آیا اور نہ مجھے اپنے دین میں کوئی شبہ ہے جس کے ازالہ کیلئے آتا ہوں۔ میں تو اس لیے آتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں میرے ایمان میں اور اضافہ و بصیرت ہو اور تمہاری کتب میں آپ کا تذکرہ دیکھ سکوں۔ انہوں نے آپ سے جبریل کے بارے میں پوچھا اور کہا: یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے اسرار سے آگاہ کرتا ہے اور یہ عذاب وخسف لے کر آتا ہے۔ ہاں میکائیل سلامتی اور ہریالی لاتے ہیں۔ فرمایا: ان کا اللہ کے ہاں کیا درجہ ہے؟ کہنے لگے: بہت قرب والے ہیں۔ جبریل دائیں طرف اور میکائیل اس کے بائیں جانب ہے اور میکائیل، جبریل کے دشمن ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تمہارا قول درست ہے تو وہ دونوں دشمن نہیں ہو سکتے تم تو گدھے سے بھی زیادہ بے وقوف ہو اور جو ایک کا دشمن ہے وہ دوسرے کا بھی دشمن ہے اور جو ان دونوں کا دشمن وہ اللہ کا دشمن ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ واپس لوٹے تو حضرت جبریل امین پہلے وحی لے کر آچکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر تمہارے رب نے تمہاری موافقت کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اس کے بعد میں دین میں پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گیا۔

فضل قدیر

Marfat.com

۴۔ مقاتل کہتے ہیں: یہود نے کہا: جبریل ہمارا دشمن ہے اسے ہمارے اندر نبوت لانے کا حکم ہوا مگر غیر کے پاس چلا گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں۔

واضح رہے اقرب یہی ہے کہ ان کی عداوتِ جبریل کا سبب حضور ﷺ پر نزولِ قرآن ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی "مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ" بتا رہا ہے کہ نزول کو عداوت کا سبب نہیں بنانا چاہیے کیونکہ یہ تو اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا۔ لہٰذا اسے سببِ عداوت بنانا مناسب نہیں۔ اس کی تائید ان وجوہ سے ہوتی ہے:

۱۔ جبریل نے قرآن لایا جس میں فرمانبرداروں کیلئے ثواب اور عاصیوں کیلئے عذاب اور حرب وقتال کا حکم ہے وہ اس کے اختیاری عمل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جس کا وہ اعتراف کرتے ہیں کہ اس سے نہ تو خلاصی ہے اور نہ ہی مخالفت کی گنجائش۔ تو ایسی راہ پر چلنے والی شخصیت کے ساتھ عداوت، اللہ تعالیٰ کی عداوت کا سبب ہے اور یہ عداوت کفر ہے لہٰذا لازم آیا اس شخصیت کی عداوت بھی کفر ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت میکائیل علیہ السلام کو اگر اس کتاب کی مثل لے کر آنے کا حکم دیا تو اس نے سرکشی کر دی یا حکم الٰہی ماننے سے انکار کر دیا تو یہ ملائکہ معصومین کے لائق ہی نہیں یا انہوں نے اسے قبول کر کے اس کے حکم کے مطابق پیغام پہنچا دیا تو اب حضرت میکائیل علیہ السلام پر بھی وہ اعتراض ہوں گے جو حضرت جبریل پر تھے تو عداوت کے ساتھ حضرت جبریل علیہ السلام کو ہی مخصوص کرنے کی کیا وجہ؟

۳۔ حضور پر نزول قرآن جیسا کہ یہود پر شاق ہے اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نزول تورات دوسرے لوگوں پر شاق تھا اگر بعض لوگوں کی نفرت نزول قرآن کی قباحت کا تقاضا کرتی ہے تو پہلوں کی نفرت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر انزال تورات کی قباحت کا تقاضا کرنا چاہیے تھا تو اس کا باطل ہونا واضح ہے لہٰذا ان وجوہ سے ان کے اقوال کا فساد ثابت ہو گیا۔

دوسرا مسئلہ: کچھ لوگ یہود سے یہ قول نہیں مانتے کہ جبریل ان کے دشمن ہیں اس لیے کہ موجود یہود انکار کرتے ہوئے اصرار کرتے ہیں کہ ہمارے اسلاف میں سے کسی کا قول یہ نہیں لیکن یہ باطل ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ قول نقل فرمایا ہے اور وہ سب سے بڑا صادق ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ شدید جاہل تھے انہوں نے ہی کہا تھا:

اِجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ (پ ۹، الاعراف: ۱۳۸) ہمیں ایک خدا بنا دے جیسے ان کیلئے اتنے خدا ہیں

Marfat.com

تیسرا مسئلہ: شیخ ابنِ کثیر نے جبریل، جیم پر زبر، را کے نیچے زیر ہمزہ کے بغیر پڑھا۔ امام حمزہ، کسائی اور ابو بکر نے عاصم سے جیم اور را پر زبر اور ہمزہ، باقی نے جیم اور را کے نیچے زیر اور غیر ہمزہ بروزن قندیل پڑھا۔ اس میں سات لغات ہیں۔ تین ہم نے ذکر کیں۔ جبریل بروزن جبراعل، جبرائیل بروزن جبراعیل، جبرائیل بروزن جبراعل، جبرین (نون) یہ معرفہ اور عجمہ ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

چوتھا مسئلہ: جبریل کا معنی

بعض نے جبریل کا معنی عبداللہ کیا تو جبر، عبد اور ایل، اللہ اور میکائیل، عبداللہ، یہ حضرت ابن عباس اور اہلِ علم کی جماعت کا قول ہے۔

شیخ ابو علی السوی کہتے ہیں یہ دو وجہ سے درست نہیں:

۱۔ اسماءِ الٰہیہ میں "ایل" نہیں ہے۔

۲۔ اگر بات یوں ہوتی تو آخر اسم مجرور ہوتا۔

"فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ" کی تفسیر

اس میں چند سوالات ہیں:

پہلا سوال: "إِنَّهُ" اور "نَزَّلَهُ" میں ضمیر کس طرف ہے؟

جواب: اس میں دو اقوال ہیں:

۱۔ پہلی ضمیر سیدنا جبریل امین کی طرف ہے۔

۲۔ قرآن کی طرف ہے اگر چہ پہلے ذکر نہیں مگر معروف ہے، جیسے فرمان ہے:

وَمَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِنْ دَابَّةٍ (پ۲۲، فاطر: ۴۵) تو زمین کی پیٹھ پر کوئی چلنے والا نہ چھوڑا

یہاں ضمیر "ارض" کی طرف ہے۔

یہ حضرت ابنِ عباس اور اکثر اہلِ علم کا قول ہے یعنی اگر ان کی عداوت اسی لیے ہے کہ جبریل قرآن لاتے ہیں تو ان پر واضح ہو جانا چاہیے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے لاتے ہیں۔ صاحب کشاف کہتے ہیں ایسی شئ کی طرف ضمیر لوٹانا جس کا پیچھے ذکر نہ ہو اس کی عظمتِ شان کو واضح کرتا ہے کہ وہ نہایت ہی معروف ہے گویا وہ اپنی ذات پر شاہد ہے اور اسی کے نام کے بجائے اس کی صفت کا ذکر کر دیا ہے۔

Marfat.com

۲۔ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو نازل کیا وہ خود نازل نہیں ہوئے۔

دوسرا سوال: قرآن، حضور ﷺ پر نازل ہوا حالانکہ فرمایا "نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ" اس میں کیا حکمت؟ جواب: ہم نے اس پر تفصیلی گفتگو سورۂ شعراء کی آیت:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ (پ۱۹، الشعراء:۱۹۳) اسے روح الامین لے کر اترا تمہارے دل پر

کے تحت کی ہے اکثر اُمت کا موقف یہی ہے کہ نزول قرآن آپ پر ہوا نہ کہ قلب انور پر البتہ قلب کا ذکر اس لیے ہے کہ نازل کرنے والے نے اسے آپ کے قلب انور میں محفوظ کردیا تاکہ آپ امت تک پہنچاسکیں جب امت تک ادائیگی کے لئے قلب میں محفوظ کرنا ضروری تھا تو اب کہا جاسکتا ہے: "نزله علی قلبك" اگرچہ حقیقتاً نزول آپ پر ہوا نہ کہ آپ کے قلب انور پر۔

تیسرا سوال: کلام کا تقاضا "عَلٰى قَلْبِيْ" (میرے دل پر) ہے؟

جواب: بطور حکایت کلام الٰہی ہے گویا فرمایا گیا میرے قول کو نقل کرو اور کہو: "مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ"

چوتھا سوال: فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ، جزا شرط کیسے بن سکتا ہے؟

جواب: دو وجہ سے ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کردیا یہ عداوت غلط ہے اس لیے کہ وہ کتاب جس میں بشارت وہدایت ہے اس کے لانے کا انہیں حکم ہوا جب وہ مامور ہیں تو معذور ٹھہرے بلکہ جب وہ ہدایت اور بشارت لائے تو ان کا مشکور ہونا لازم تھا تو اب ان کے ساتھ عداوت کیسے جائز ہوسکتی ہے؟

۲۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کردیا اگر وہ ان کے ساتھ عداوت رکھتے ہیں تو انہیں حق ہے کیونکہ یہ تم پر کتاب لے کر آئے جو تمہاری نبوت پر برہان اور تمہارے صدق کی تصدیق کرنے والی ہے اور یہ اسے ناپسند کرتے ہیں تو یہ اسے کیوں ناپسند نہیں کریں گے جو آپ کے معاملہ کو پختہ کرے گا۔

بِاِذْنِ اللّٰهِ کی تفسیر

"بِاِذْنِ اللّٰهِ" (اللہ کے حکم سے) تو علم کے بجائے حکم سے تفسیر کرنا تین وجوہات سے اولیٰ ہے۔

۱۔ اذن کا حقیقی معنی امر ہے اور علم مجازی معنی ہے جہاں تک ممکن ہو لفظ کو حقیقی معنی پر رکھنا لازم ہوتا ہے۔

۲۔ انزال، فرائض میں سے ہے اور یہ امر وحکم سے ثابت ہے نہ کہ علم سے۔

۳۔ جب یہ انزال امر لازم کی بنا پر ہوگا تو حجت میں زیادہ مؤکد ہوگا۔

Marfat.com

"مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ" کی تفسیر

اکثر مفسرین کا اجماع ہے مراد سابقہ کتب ہیں، کسی مخصوص کو مراد نہ لیا جائے بعض نے تورات مراد لی اور کہا یہ اس طرف اشارہ ہے کہ وہ نبوت محمدی ﷺ پر دلالت میں قرآن کے موافق ہے۔

سوال: کیا احکامِ قرآن باقی کتب کے احکام کے مخالف نہیں؟ تو جب یہ ان احکام کی تصدیق نہیں کرتا تو صرف دلائل توحید اور نبوت میں موافق ہونے کی وجہ سے مصدق کہنا کیسے اولیٰ ہوسکتا ہے؟ یعنی اسے غیر مصدق بھی کہا جاسکتا ہے۔

جواب: ان کتب میں جو احکام تھے وہ انہی اوقات کیلئے تھے موجودہ حالات کیلئے نہیں تھے اس لیے کہ نسخ مدت عبادت کی انتہا کا بیان ہوتا ہے تو اب شرائع کا اختلاف قرآن اور دیگر کتب میں نہ رہا۔

قرآن دو چیزوں ہدایت و بشارت پر مشتمل ہے

۱۔ اس میں ان اعمال قلبی اور اعمال اعضاء کا بیان ہے جس کا انسان کو پابند کیا گیا ہے اس وجہ سے یہ ہدایت ہے۔

۲۔ یہ بیان کہ ان اعمال کی بجا آوری پر ثواب کس قدر حاصل ہوگا اسی اعتبار سے یہ بشارت ہے۔

جب اول، دوسرے پر وجود میں مقدم ہے تو اللہ تعالیٰ نے لفظ ھدیٰ کو بشریٰ سے مقدم فرمایا۔

سوال: اس کی ہدایت اور بشارت کو اہلِ ایمان کے ساتھ مخصوص کیوں کیا؟ حالانکہ یہ شان تمام کے اعتبار سے ہے۔

جواب: اس کے متعدد جوابات ہیں

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس لیے مخصوص فرمایا کہ وہی اس سے ہدایت پاتے ہیں۔ جیسے فرمایا: "هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ"

۲۔ یہ بشارت فقط اہلِ ایمان کیلئے ہے کیونکہ بشارت وہ خبر ہے جو خیر عظیم کے حصول پر دال ہو اور یہ صرف اہلِ ایمان کا ہی حصہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں مخصوص فرمایا۔

دوسری آیت "مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ" کے بارے میں واضح رہے کہ جب پہلی آیت میں فرمایا: "جو جبریل کا دشمن ہے" اس لیے کہ وہ قلب محمدی ﷺ پر قرآن لے کر نازل ہوئے تو اب لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بھی دشمن ہو اور اس آیت میں واضح کیا جو اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے وہ جبریل کا بھی دشمن ہے تو واضح کیا ان کی عداوت پر انہیں عظیم ضرر بصورت عداوتِ الٰہی مل رہا ہے اس لیے کہ ان کی عداوت نہ مؤثر، نہ نافع اور نہ نقصان دہ۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ان سے عداوت دائمی تکلیف دہ عذاب کی صورت میں ہے جس سے بڑھ کر کوئی نقصان نہیں ہوسکتا۔

Marfat.com

چند سوالات

پہلا سوال: یہ اللہ کے دشمن کیسے ہو سکتے ہیں جب عداوت کیلئے دشمن کی طرف سے نقصان کا خدشہ ہونا چاہیے اور یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں محال ہے؟

اولیاء اللہ کی عداوت اللہ سے عداوت ہے

جواب: حقیقی طور پر معنی عداوت ہمارے اندر ہی پایا جاتا ہے اس لیے کہ دشمن دوسرے کو نقصان دینا چاہتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں محال ہے لہٰذا یہاں ان دو میں سے ایک مراد ہو سکتا ہے۔

۱۔ ان کی عداوت اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے ہو تو اسے عداوتِ الٰہی قرار دے دیا، جیسے فرمان ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں ان کی جزا یہ ہے

(پ۶، المائدۃ:۳۳)

دوسرے مقام پر فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (پ۲۲، الاحزاب:۵۷) بیشک جو ایذاء دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو

ان دونوں مقامات پر اولیاء اللہ سے عداوت مراد ہے اس لیے کہ محاربت اور اذیت اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے۔

۲۔ ان کا طاعت وعبادت الٰہی کو ناپسند کرنا اور اس سے دور رہنا مراد ہو سکتا ہے اس لیے کہ دشمن اپنے دشمن کی مخالفت کرتا ہے نہ کہ طاعت تو اسی وجہ سے ان کے عمل کو عداوت قرار دیا گیا البتہ حضرت جبریل علیہ السلام اور رسلان کرام کے ساتھ ان کی عداوت ہو سکتی ہے کیونکہ ان کا نقصان ممکن ہے البتہ ان کی عداوت ان پر بھی مؤثر نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ امور موثرہ سے عاجز ہیں لیکن ان کی عداوت یہود میں مؤثر ہے جو دنیا میں بصورت ذلت ومسکنت اور آخرت میں دائمی عذاب ہے۔

دوسرا سوال: جب حضرت جبریل اور میکائیل ملائکہ میں شامل ہیں تو ان کا ذکر بعد میں کیوں ہوا؟

جواب: اس کا جواب کئی طرح ہے

۱۔ ان کی فضیلت کی وجہ سے ہوا گویا وہ اپنے کمالِ فضل کی بنا پر ملائکہ کے علاوہ دوسری جنس بن چکے ہیں۔

۲۔ حضور ﷺ اور یہود کے درمیان انہی دونوں کا تذکرہ ہوا تھا اور آیات بھی انہی کی وجہ سے نازل ہوئیں لہٰذا ان کے ناموں کی تصریح ضروری تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں دیگر ملائکہ سے افضل ہیں ورنہ یہ تاویل درست نہ ہوگی۔

Marfat.com

سیدنا جبریل امین کی فضیلت

جب یہ ثابت ہوگیا تو ہم یہ واضح کرنا چاہ رہے ہیں کہ حضرت جبریل، حضرت میکائیل سے افضل ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کا ذکر مقدم کیا اور مفضول کا ذکر فاضل پر مقدم کرنا عرفی طور پر قبیح ہے لہٰذا یہ شرعاً بھی قبیح ہوگا حضور علیہ السلام کا فرمان ہے جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھا ہوتا ہے۔

۲۔ حضرت جبریل علیہ السلام قرآن، وحی اور علم لے کر نازل ہوئے جو بقاء ارواح کا مادہ ہے اور حضرت میکائیل علیہ السلام، سبزہ (رزق) اور بارش لاتے ہیں جو مادہ اجسام ہے جب علم، غذا سے افضل ہے تو حضرت جبریل علیہ السلام بھی حضرت میکائیل علیہ السلام سے افضل ٹھہرے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل کی یہ شان بیان کی:

مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ (پ۳۰، التکویر:۲۱) اس کا حکم مانا جاتا ہے امانت دار ہے

یہاں صفت "مُطاع" ان کی اطاعت مطلق بیان ہوئی جو ظاہراً تقاضا کر رہی ہے کہ اطاعت کرنے والوں میں حضرت میکائیل علیہ السلام بھی ہیں لہٰذا حضرت جبریل علیہ السلام کا ان سے افضل ہونا ضروری ہے۔

دوسرا مسئلہ: شیخ ابوعمرو، حفص نے عاصم سے میکال بروزن قنطار نقل کیا۔ امام نافع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ہمزہ کے بعد یا نہیں یہ بروزن میکاعل ہے باقی نے میکائیل بروزن میکاعیل پڑھا ہے۔ اس میں یہ بھی لغات ہیں میکئیل بروزن میکعیل، میکئِل بروزن کمیکعیل،۔ ابن جنی کہتے ہیں جب عرب عجمی لفظ بولتے ہیں تو اختلاط ہو جاتا ہے۔

تیسرا مسئلہ: جبریل و میکائیل کے درمیان واؤ کو بعض نے عاطفہ اور بعض نے بمعنی "اَوْ" قرار دیا یعنی ان میں سے کس ایک کا بھی دشمن، اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے۔

چوتھا مسئلہ: "عَدُوٌّ لِّلْکٰفِرِیْنَ" یہاں ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لایا گیا تا کہ واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کے کفر کی وجہ سے دشمن ہے اور ملائکہ کی عداوت کفر ہے۔

Marfat.com

[۹۹] وَلَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ۚ وَمَا یَكْفُرُ بِهَاۤ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾

(اور بیشک ہم نے تمہاری طرف روشن آیتیں اُتاریں اور ان کے منکر نہ ہوں گے مگر فاسق لوگ)

رزائل یہود کی ایک اور نوع کا بیان

یہ ان کے قبائح اور رزائل کی ایک اور نوع کا بیان ہے، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ہے۔ یہود حضور ﷺ کی آمد سے پہلے اوس اور خزرج پر رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے فتح مانگتے تھے۔ جب آپ کی بعثت عربوں میں ہوئی تو انہوں نے اپنے قول کا انکار کرتے ہوئے کفر کیا، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہنے لگے یہود، اللہ سے ڈرو اور اسلام لاؤ تم ہم پر حضور ﷺ کے وسیلہ سے فتح کی دعا کیا کرتے، ہم مشرک تھے اور تم ہمیں آپ کی بعثت اور شانوں سے آگاہ کیا کرتے تھے تو بعض نے کہا یہ ایسے معجزات لے کر نہیں آئے جن کا بیان ہم تم سے کیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

چند مسائل

پہلا مسئلہ: آیات بینات-قرآن

مختار یہ ہے کہ آیات بینات سے مراد قرآن ہے۔ جس کی مثل جن وانس نہیں لاسکتے اگر چہ وہ ایک دوسرے کے معاون بن جائیں۔ بعض نے کہا: قرآن کے ساتھ ساتھ دیگر دلائل بھی مراد ہوسکتے ہیں۔ مثلاً ان کا مباہلہ نہ کرنا، موت کی تمنا نہ کرنا اور دیگر معجزات مثلاً قلیل طعام سے کثیر کا سیر ہوجانا، مقدس انگلیوں سے چشموں کا بہہ جانا اور قمر کا پھٹنا۔

قاضی کہتے ہیں اولیٰ یہی ہے کہ قرآن مراد لیا جائے اس لیے کہ آیات کے ساتھ جب نزول کا ذکر آئے تو قرآن ہی مراد ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

دوسرا مسئلہ: قرآن کو آیات قرار دینے کی حکمت

قرآن کو آیات (دلائل) قرار دینے کی چند وجوہ ہیں:

۱۔ آیت دلالت رکھتی ہے تو جب قرآن کا بعض اپنی فصاحت کی وجہ سے صدقِ مدعیٰ پر دال ہے تو قرآن آیات ٹھہرے گا۔

۲۔ بعض آیات غیبی اخبار پر دال ہیں تو یہ قرآن ان غیوب پر دال ہے۔

۳۔ یہ دلائل توحید، نبوت اور شرائع پر دال ہیں تو یہ اس جہت سے آیات ہیں۔

Marfat.com

بینات صفت کی وجہ

سوال: ہر دلیل بین ہوتی ہے تو پھر آیات کی صفت بینات کیوں؟

جواب: اس کا جواب یہ نہیں دیا جا سکتا کہ بعض دلائل دوسروں سے زیادہ بین ہوتے ہیں اس لیے کہ یہ تب درست ہو جب علوم میں بعض کا دوسروں پر اقوی ہونا ممکن ہو اور یہ محال ہے کیونکہ کسی شی کے عالم کو اپنے اعتقاد کے مخالف جانب کا جواز حاصل ہو گا یا نہ ہو گا اگر جانب مخالف کا جواز حاصل ہے تو وہ اعتقاد علم نہیں اور اگر حاصل نہیں تو محال کہ دوسری شی اس سے مؤکد ہو۔

لہٰذا ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ نفس علم میں تفاوت نہیں ہوتا البتہ طریق علم میں ہوسکتا ہے کیونکہ علوم کی باعتبار طریق حصول تقسیم ہوتی ہے تو جس دلیل کے مقدمات زیادہ ہوں گے اس کی طرف وصول مشکل ہو گا اور جس کے مقدمات کم ہوں گے اسی کی طرف وصول اقرب ہو گا اور یہی دلیل بین کہلائے گی۔

تیسرا مسئلہ: انزال، اُوپر سے شی کا نیچے کی طرف حرکت کرنا ہے یہ چیز جسم میں ہوتی ہے کلام میں محال ہے لیکن جب حضرت جبریل علیہ السلام اُوپر سے نیچے آئے اور اس کی خبر دی تو اسے انزال قرار دے دیا۔

"وَمَا یَکْفُرُ بِهَاۤ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ" کی تفسیر

اس میں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: آیات سے کفر کی دوصورتیں ہیں:

ا۔ انہیں درست جانتے ہوئے ان کا انکار۔

۲۔ جہالت، عدم تدبر اور دلائل سے اعراض کی وجہ سے ان کا انکار۔

ظاہراً کسی کی تخصیص نہیں لہٰذا تمام صورتیں ہوسکتی ہیں۔

دوسرا مسئلہ: فسق کا مفہوم

لغۃً فسق انسان کا مقرر حد سے نکلنا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ — سو ابلیس کے قوم جن سے تھا تو اپنے رب کے حکم سے نکل گیا

(پ۱۵، الکہف:۵۰)

Marfat.com

جب ترکھجور سے گٹھلی نکلے تو عرب "فسقت النواۃ" کہتے ہیں فجور کا معنی بھی اسی کے قریب ہے کیونکہ وہ "فجور السد" سے ہے جو پانی کو فاسد ہونے کی جگہ سے بچائے۔

صاحب صغیرہ اور فسق

سوال: کیا صاحب صغیرہ اللہ کے حکم سے تجاوز نہیں کرتا لیکن اسے فاسق و فاجر نہیں کہا جاتا؟

جواب: ان دونوں کا اطلاق اس معاملہ پر ہوتا ہے جو بڑا ہو کیونکہ جس نے نہر سے چھوٹا سوراخ کیا اسے نہر کھودنے والا نہیں کہا جاتا۔ اسی طرح فاسق تب کہیں گے جب زیادتی بڑی ہو۔

جب یہ ثابت ہو گیا تو "اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ" میں دو وجہ ہیں:

۱۔ ہر کافر فاسق ہے لیکن برعکس نہیں گویا فاسق کا اطلاق کافر اور غیر کافر دونوں پر ہوتا ہے لہٰذا اس کا ذکر اولیٰ ہے۔

۲۔ وہ کافر مراد ہو جو کفر کی ہر حد سے متجاوز ہو تو اب معنی یہ ہوگا جب یہ آیات ظاہر و بین ہیں تو ان کے ساتھ کفر کرنے والا کافر، کفر کی آخری اور ہر اس حد سے متجاوز ہونا ہے جو عقل و شرع کی نظر میں مستحسن تھی۔

[۱۰۰] اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

(اور کیا جب کبھی کوئی عہد کرتے ہیں ان میں ایک فریق اُسے پھینک دیتا ہے بلکہ ان میں اکثر کا ایمان نہیں)

رزائل یہود کی ایک اور نوع کا تذکرہ

یہ بھی ان کے قبائح کی ایک اور نوع کا بیان ہے۔ یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: "اَوَ كُلَّمَا" میں واؤ عاطفہ اور اس پر ہمزہ استفہام داخل ہے بعض نے واؤ کو زائد قرار دیا لیکن یہ صحیح نہیں اس لیے کہ جب معنی درست ہے تو پھر زائدہ قرار دینا درست نہیں ہوگا۔

دوسرا مسئلہ: صاحب کشاف کہتے ہیں واؤ عاطفہ اور محذوف پر عطف ہے کہ انہوں نے آیات بینات سے بھی کفر کیا اور جب بھی عہد کیا، ابوسماک نے واؤ کو ساکن پڑھا۔ "فاسقون"، الذین فسقوا کے مفہوم میں ہے۔ گویا فرمایا: نہیں ان کے ساتھ کفر کیا مگر جنہوں نے فسق اختیار کیا اور اللہ کا عہد کئی بار توڑا۔ اسے "عوھدوا وعھدوا" بھی پڑھا گیا

Marfat.com

تیسرا مسئلہ: اس استفہام سے انکار اور ان کے اقدام کو بڑا قرار دینا مقصود ہے اس لیے کہ اس لفظ کا استعمال نہایت ہی برا قرار دینے اور خاموش کر دینے میں مبالغہ کیلئے ہے۔

اور "اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا" واضح کر رہا ہے کہ انہوں نے لگاتار عہد توڑے اور انہیں پس پشت ڈال دیا بلکہ یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ گویا یہ ان کی عادت بن گئی تھی تو گویا ان آیات سے کفر پر حضور ﷺ کو تسلی دی یہ کوئی انہوں نے نیا کام نہیں کیا بلکہ یہ تو ان کی طبیعت، ان کے اور ان کے سلف کی عادت ہے جیسا کہ اوپر آیات میں بیان ہوا کہ انہوں نے عہد در عہد توڑ ڈالے اس لیے کہ جن کا طریقہ ہی یہی ہو تو اس کی مخالفت نفس پر شاق نہیں گزرتی۔ جس قدر اس کی مخالفت جس کی عادت نہ ہو۔

چوتھا مسئلہ: عہد کی صورتیں

۱۔ جب اللہ تعالیٰ نے نبوت محمدی ﷺ اور آپ کی شریعت کی صحت پر دلائل دیے تو گویا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عہد تھا اور ان کا ان دلائل کو قبول کرنا ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ سے معاہدہ کی طرح تھا۔

۲۔ وہ عہد جو حضور ﷺ کی آمد سے پہلے تھا کہ جب ان کی بعثت ہوگئی ہم ان پر ایمان لائیں گے اور مشرکین کو یہاں سے نکال دیں گے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ سے انہوں نے متعدد عہد کیے اور پھر انہیں توڑ ڈالا۔

۴۔ یہود نے عہد کیا تھا کہ آپ ﷺ کے خلاف کسی کافر کی مدد نہیں کریں گے لیکن انہوں نے عہد شکنی کرتے ہوئے غزوہ خندق کے موقع پر قریش کی مدد کی۔

دلائل عقلیہ پر اگر یہ روایت درست ہے تو یہ آیت کے تحت داخل ہوگی لیکن اس کے ساتھ مخصوص نہ کیا جائے بلکہ اقرب یہ ہے کہ وہی مراد ہو جس کا تعلق آیات اللہ سے کفر کے ساتھ ہے۔ جب معاملہ یوں ہے تو اسے ہر اس نقضِ عہد پر محمول کرنا اقویٰ ہوگا جو سابقہ کتب اور صحت قول اور نبوت محمدی ﷺ پر مشتمل ہے۔

پانچواں مسئلہ: "نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ" (ایک فریق نے پھینک دیا) فرمایا: اس لیے کہ جن سے عہد لیا ان میں ایمان دار بھی تھے یا آئندہ ایمان لانے والے بھی تھے تو جب یہ تمام کی صفت نہ تھی تو فریق کا ذکر کیا۔ پھر اس گمان کا امکان تھا کہ وہ کم ہوں۔ تو فرمایا: "بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ" اس میں دو اقوال ہیں:

۱۔ اکثر فُساق، حسد اور سرکشی کی وجہ سے کبھی بھی آپ کی تصدیق نہیں کریں گے۔

Marfat.com

۲- لَا یُؤْمِنُوْنَ- یہ اپنی کتاب کی تصدیق کرنے والے نہیں کیونکہ یہ تو اپنی قوم میں رسول کے ساتھ منافقین کی طرح ہیں ان کے سامنے کتاب ورسول پر ایمان کی بات کرتے ہیں مگر اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنے کیلئے تیار ہی نہیں۔

[۱۰۱] وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

(اور جب ان کے پاس تشریف لایا اللہ کے یہاں سے ایک رسول ان کی کتابوں کی تصدیق فرماتا تو کتاب والوں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب پیٹھ پیچھے پھینک دی گویا وہ کچھ علم ہی نہیں رکھتے)

تصدیقِ رسول کا معنیٰ

''رسول ان کی تصدیق کرتے ہیں'' کا معنی یہ ہے کہ وہ نبوت موسیٰ اور صحت تورات کے معترف ہیں یا یوں کہ تورات نے حضور ﷺ کی آمد کی بشارت دی تھی جب آپ تشریف لے آئے تو محض آپ کی آمد نے ہی تورات کی تصدیق کردی۔ ''نَبَذَ فَرِيْقٌ'' یہ ان کے ترک واعراض کی مثال ہے کہ اس شی کی طرح جسے بطور بے نیازی اور قلتِ التفات پشت پیچھے پھینک دیتا ہے۔

''مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ'' میں دو اقوال ہیں:

۱- مراد وہ لوگ ہیں جنہیں کتاب کا علم تھا وہ اسی کا درس لیتے اور یاد کرتے اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس فریق کا وصف علم بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ''

۲- جو لوگ کتاب سے تمسک کا دعویٰ کرتے تھے خواہ انہیں اس کا علم تھا یا نہ تھا جیسے اہلِ ایمان کو اہل قرآن کہہ دیا جاتا ہے اس سے مراد اس کے علوم کے ماہر نہیں ہوتے بلکہ اس پر ایمان لانے اور اس کے حکم پر چلنے والے مراد ہوتے ہیں۔

''كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ'' بعض نے تورات اور بعض نے قرآن مراد لیا تورات دو وجہ سے اقرب ہے:

۱- پھینکنا وہاں ہوتا ہے جب پہلے تمسک ہو اگر اس کی طرف وہ متوجہ ہی نہ ہوں تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انہوں نے اسے پھینک دیا اور یہ بات تورات میں تھی۔

۲- فرمایا: ''نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ'' اگر قرآن مراد ہوتا تو پھر ایک فریق کی تخصیص کا کوئی فائدہ نہیں اس لیے کہ ان تمام نے قرآن کی تصدیق نہیں کی۔

Marfat.com

۲۔ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ یہ اپنی کتاب کی تصدیق کرنے والے نہیں کیونکہ یہ تو اپنی قوم میں رسول کے ساتھ منافقین کی طرح ہیں ان کے سامنے کتاب ورسول پر ایمان کی بات کرتے ہیں مگر اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنے کیلئے تیار ہی نہیں۔

[۱۰۱] وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

(اور جب ان کے پاس تشریف لایا اللہ کے یہاں سے ایک رسول ان کی کتابوں کی تصدیق فرماتا تو کتاب والوں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب پیٹھ پیچھے پھینک دی گویا وہ کچھ علم ہی نہیں رکھتے)

تصدیقِ رسول کا معنیٰ

''رسول ان کی تصدیق کرتے ہیں'' کا معنی یہ ہے کہ وہ نبوت موسیٰ اور صحت تورات کے معترف ہیں یا یوں کہ تورات نے حضور ﷺ کی آمد کی بشارت دی تھی جب آپ تشریف لے آئے تو محض آپ کی آمد نے ہی تورات کی تصدیق کردی۔ ''نَبَذَ فَرِيْقٌ'' یہ ان کے ترک واعراض کی مثال ہے کہ اس شی کی طرح جسے بطور بے نیازی اور قلتِ التفات پشت پیچھے پھینک دیتا ہے۔

''مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ'' میں دو اقوال ہیں:

۱۔ مراد وہ لوگ ہیں جنہیں کتاب کا علم تھا وہ اسی کا درس لیتے اور یاد کرتے اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس فریق کا وصف علم بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ''

۲۔ جو لوگ کتاب سے تمسک کا دعویٰ کرتے تھے خواہ انہیں اس کا علم تھا یا نہ تھا جیسے اہلِ ایمان کو اہل قرآن کہہ دیا جاتا ہے اس سے مراد اس کے علوم کے ماہر نہیں ہوتے بلکہ اس پر ایمان لانے اور اس کے حکم پر چلنے والے مراد ہوتے ہیں۔

''كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ'' بعض نے تورات اور بعض نے قرآن مراد لیا تورات دو وجہ سے اقرب ہے:

۱۔ پھینکنا وہاں ہوتا ہے جب پہلے تمسک ہو اگر اس کی طرف وہ متوجہ ہی نہ ہوں تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انہوں نے اسے پھینک دیا اور یہ بات تورات میں تھی۔

۲۔ فرمایا: ''نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ'' اگر قرآن مراد ہوتا تو پھر ایک فریق کی تخصیص کا کوئی فائدہ نہیں اس لیے کہ ان تمام نے قرآن کی تصدیق نہیں کی۔

Marfat.com

تورات پھینکنے سے مراد

سوال: تورات کے ساتھ تو وہ تمسک کرتے تھے تو پھر پھینکنے کا کیا معنی؟

جواب: جب اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت، نعت اور شان کا ذکر اور لزومِ ایمان کی بات آتی تو اس سے اعراض کر لیتے ہیں تو یہ ان کا تورات کو پھینکنا ہے "کَاَنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ"۔ یہ الفاظ واضح کر رہے ہیں انہوں نے جاننے کے بعد پھینکا کیونکہ یہ بات عالم سے کہی جا سکتی ہے اس اعتبار سے آیت بتا رہی ہے یہ فریق حضور کی نبوت کی صحت کو جانتا تھا لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور یہ ثابت ہے کہ عظیم تعداد نے انکار نہیں کیا تو یہ جان بوجھ کر انکار کرنے والے تعداد میں کم تھے جن سے مکابرہ جائز ہے۔

[۱۰۲] وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ عَلٰی مُلْكِ سُلَیْمٰنَ وَمَا كَفَرَ سُلَیْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّیٰطِیْنَ كَفَرُوْا یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَكَیْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ وَمَا یُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰی یَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَیَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا یُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَیْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ وَمَا هُمْ بِضَآرِّیْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَیَتَعَلَّمُوْنَ مَا یَضُرُّهُمْ وَلَا یَنْفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

(اور اس کی پیروی کی جو شیطان پڑھا کرتے تھے سلطنت سلیمان کے زمانہ میں اور سلیمان نے کفر نہ کیا ہاں شیطان کافر ہوئے لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں اور وہ (جادو) جو دو فرشتوں ہارون اور ماروت پر بابل میں اُترا اور وہ دونوں کسی کو کچھ نہ سکھاتے جب تک یہ نہ کہہ لیتے کہ ہم تو نری آزمائش (میں) ہیں تو اپنا ایمان نہ کھو وہ ان سے سیکھتے جس سے وہ مرد اور اس کی عورت میں جدائی ڈالیں اور اس سے خدا کے حکم کے بغیر کسی کو ضرر نہیں پہنچا سکتے اور وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان دے گا نفع نہ دے گا اور یقیناً ضرور انہیں معلوم ہے کہ جس نے یہ سودا لیا آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں اور یقیناً بہت بری چیز ہے وہ جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانیں بیچیں کاش انہیں علم ہوتا)

Marfat.com

تورات پھینکنے سے مراد

سوال: تورات کے ساتھ تو وہ تمسک کرتے تھے تو پھر پھینکنے کا کیا معنی؟

جواب: جب اس میں حضور ﷺ کی نبوت، نعت اور شان کا ذکر اور لزومِ ایمان کی بات آتی تو اس سے اعراض کر لیتے ہیں تو یہ ان کا تورات کو پھینکنا ہے "كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ"۔ یہ الفاظ واضح کر رہے ہیں انہوں نے جاننے کے بعد پھینکا کیونکہ یہ بات عالم سے کہی جاسکتی ہے اس اعتبار سے آیت بتا رہی ہے یہ فریق حضور کی نبوت کی صحت کو جانتا تھا لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور یہ ثابت ہے کہ عظیم تعداد نے انکار نہیں کیا تو یہ جان بوجھ کر انکار کرنے والے تعداد میں کم تھے جن سے مکابرہ جائز ہے۔

[۱۰۲] وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

(اور اس کی پیروی کی جو شیطان پڑھا کرتے تھے سلطنت سلیمان کے زمانہ میں اور سلیمان نے کفر نہ کیا ہاں شیطان کافر ہوئے لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں اور وہ (جادو) جو دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر بابل میں اُترا اور وہ دونوں کسی کو کچھ نہ سکھاتے جب تک یہ نہ کہہ لیتے کہ ہم تو نری آزمائش (میں) ہیں تو ایمان نہ کھو وہ ان سے سیکھتے جس سے وہ مرد اور اس کی عورت میں جدائی ڈالیں اور اس سے خدا کے حکم کے بغیر کسی کو ضرر نہیں پہنچا سکتے اور وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان دے گا نفع نہ دے گا اور یقیناً ضرور انہیں معلوم ہے کہ جس نے یہ سودا لیا آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں اور یقیناً بہت بری چیز ہے وہ جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانیں بیچیں کاش انہیں علم ہوتا)

Marfat.com

افعالِ بد کی ایک اور نوع کا تذکرہ

یہ ان کے افعال بد کی ایک اور نوع کا تذکرہ ہے اور وہ ان کا جادوگر ہونا، اسی کی طرف متوجہ ہونا اور لوگوں کو اس کی دعوت دینا ہے ارشادِ ربانی "وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ" میں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: "وَاتَّبَعُوْا" کا فاعل یہود ہیں جن کا تذکرہ چلا آرہا ہے۔ پھر یہاں چند اقوال ہیں:

۱۔ حضور ﷺ کی ظاہری حیات کے یہود مراد ہیں۔

۲۔ گذشتہ یہود مراد ہیں۔

۳۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور کے جادوگر مراد ہیں کیونکہ اکثر یہود ان کی نبوت کے منکر اور انہیں دنیاوی بادشاہ ہی جانتے تھے اور ممکن ہے وہ لوگ یہ تصور رکھتے ہوں کہ یہ ملک عظیم بھی انہیں جادو کی وجہ سے ملا ہے۔

۴۔ یہ تمام کو شامل ہے اور یہی اولیٰ ہے جب تخصیص پر دلیل کوئی نہیں تو اب بعض مراد لینا اور بعض کو ترک کرنا اولیٰ نہیں ہوگا۔

شیخ سدی کہتے ہیں جب حضور ﷺ کی تشریف آوری ہوئی تو انہوں نے تورات کے ساتھ معارضہ کیا لیکن تورات اور قرآن کا اتفاق تھا تو انہوں نے تورات پھینک دی اور کتاب آصف اور ہاروت و ماروت کا جادو پکڑ لیا جو قرآن کے موافق نہ تھے اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی کا یہی مفہوم ہے: "وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ" اور اس کے بعد بتایا انہوں نے جادو کی اتباع کر لی۔

دوسرا مسئلہ: "تَتْلُوْا" کی متعدد تفاسیر

۱۔ اس سے مراد تلاوت و اخبار ہے۔

۲۔ امام ابو مسلم کہتے ہیں، انہوں نے ملک سلیمان پر جھوٹ باندھا جھوٹ کیلئے تلا علیہ اور سچ کیلئے تلا عنہ اور مبہم بات میں دونوں طرح جائز ہے۔ اقرب اول معنی ہے کیونکہ تلاوت حقیقی خبر ہوتی ہے ہاں خبر دینے والا امتیاز کیلئے مذکورہ محاورات کہہ سکتا ہے لیکن جب روی عن فلان ہ اخبر عن فلان ہ تلا عن فلان کہا جائے گا تو خبر و تلاوت ہی مراد ہوگی اور یہ بھی امکان ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں جو انہوں نے خبر دی اس میں یہ تمام اوصاف ہوں۔

تیسرا مسئلہ: شیاطین میں اختلاف ہے

۱۔ اکثر کے نزدیک شیاطین سے جن مراد ہیں۔

Marfat.com

۲- متکلمین معتزلہ کے ہاں شیاطین سے انسان مراد ہیں۔

۳- دونوں مراد ہیں۔

اول کی دلیل یہ ہے کہ شیاطین، سن کر باتیں چوری کرتے، پھر ان کے ساتھ متعدد جھوٹ ملا کر کاہنوں اور نجومیوں کو بتاتے جو اپنی کتب میں لکھ کر لوگوں کو سکھاتے اور یہ چیز حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں خوب مشہور تھی حتیٰ کہ ان کا عقیدہ تھا جنات غیب جانتے ہیں اور وہ یہ بھی کہتے تھے حضرت سلیمان علیہ السلام کا علم بھی یہی ہے اور اسی کی وجہ سے ان کا ملک قائم ہے اور ان کی وجہ سے جن وانس اور ہوا ان کے حکم کے تابع ہے۔

دوسرے قول کی دلیل یہ ہے کہ روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو خصوصی علوم عطا فرمائے تھے انہوں نے اپنے تخت کے نیچے دفن کیے تھے اس مقصد کے پیشِ نظر کہ اگر ظاہر میں یہ ختم ہو گئے تو مدفون تو باقی رہ جائیں گے۔ جب ان پر مدت گزر گئی تو وہ منافقین کے ہاتھ لگ گئے۔ انہوں نے ان کے مناسب دیگر جادو کی اشیاء شامل کر دیں آپ کے وصال کے بعد انہوں نے لوگوں کو مغالطہ دیا کہ یہ ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کا وظیفہ تھا اور انہیں سب کچھ اسی کی وجہ سے حاصل تھا یہ معنیٰ "وَمَا تَتْلُوا الشَّيَاطِيْنُ" کا ہے۔

اس قول والوں نے اول قول کے فساد پر یوں استدلال کیا اگر جنات کتب وشرائع انبیاء کی تبدیلی پر اسی طرح قادر ہوتے کہ وہ لوگوں کے درمیان محرف صورت میں باقی رہیں تو پھر تمام شرائع سے اعتماد اٹھ جائے گا اور اسی وجہ سے تمام ادیان پر طعن ہوگا

سوال: جب تم نے انسانوں سے مان لیا تو شیطان جنات سے کیوں نہیں مانتے؟

جواب: فرق ہے اگر انسان کرے گا تو اس کا کسی نہ کسی طریق سے اظہار ہو جاتا ہے لیکن جنات سے اگر مان لیں کہ انہوں نے خط سلیمان علیہ السلام کی طرح خط کا اضافہ کر دیا تو وہ ظاہر نہ ہوگا بلکہ مخفی ہوگا لہٰذا تمام ادیان پر طعن کا سبب بن جائے گا۔

چوتھا مسئلہ: "عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ" کی تفسیر

۱- ابن جریج کے بقول علی بمعنیٰ فِیْ ہے۔

۲- لفظ عہد مقدر ہے "علی عهد ملك سليمان" اقرب یہی ہے مراد یہ ہو کہ انہوں نے شیاطین کی باتوں کی اتباع میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملک پر افتراء باندھا کیونکہ وہ کتب سحر پڑھتے اور کہتے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسی علم کی وجہ سے یہ سب کچھ پایا تو ان کتب کی تلاوت ملکِ سلیمان پر افترا کی طرح ہے۔

Marfat.com

۲۔ متکلمین معتزلہ کے ہاں شیاطین سے انسان مراد ہیں۔

۳۔ دونوں مراد ہیں۔

اول کی دلیل یہ ہے کہ شیاطین، سن کر باتیں چوری کرتے، پھر ان کے ساتھ متعدد جھوٹ ملا کر کاہنوں اور نجومیوں کو بتاتے جو اپنی کتب میں لکھ کر لوگوں کو سکھاتے اور یہ چیز حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں خوب مشہور تھی حتیٰ کہ ان کا عقیدہ تھا جنات غیب جانتے ہیں اور وہ یہ بھی کہتے تھے حضرت سلیمان علیہ السلام کا علم بھی یہی ہے اور اسی کی وجہ سے ان کا ملک قائم ہے اور ان کی وجہ سے جن وانس اور ہوا ان کے حکم کے تابع ہے۔

دوسرے قول کی دلیل یہ ہے کہ روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو خصوصی علوم عطا فرمائے تھے انہوں نے اپنے تخت کے نیچے دفن کیے تھے اس مقصد کے پیش نظر کہ اگر ظاہر میں یہ ختم ہوگئے تو مدفون تو باقی رہ جائیں گے۔ جب ان پر مدت گزر گئی تو وہ منافقین کے ہاتھ لگ گئے۔ انہوں نے ان کے مناسب دیگر جادو کی اشیاء شامل کردیں آپ کے وصال کے بعد انہوں نے لوگوں کو مغالطہ دیا کہ یہ ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کا وظیفہ تھا اور انہیں سب کچھ اسی کی وجہ سے حاصل تھا یہ معنیٰ "وَمَا تَتْلُوا الشَّيَاطِيْنُ" کا ہے۔

اس قول والوں نے اول قول کے فساد پر یوں استدلال کیا اگر جنات کتب وشرائع انبیاء کی تبدیلی پر اسی طرح قادر ہوتے کہ وہ لوگوں کے درمیان محرف صورت میں باقی رہیں تو پھر تمام شرائع سے اعتماد اٹھ جائے گا اور اسی وجہ سے تمام ادیان پر طعن ہوگا

سوال: جب تم نے انسانوں سے مان لیا تو شیطان جنات سے کیوں نہیں مانتے؟

جواب: فرق ہے اگر انسان کرے گا تو اس کا کسی نہ کسی طریق سے اظہار ہوجاتا ہے لیکن جنات سے اگر مان لیں کہ انہوں نے خط سلیمان علیہ السلام کی طرح خط کا اضافہ کردیا تو وہ ظاہر نہ ہوگا بلکہ مخفی ہوگا لہٰذا تمام ادیان پر طعن کا سبب بن جائے گا۔

چوتھا مسئلہ: "عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ" کی تفسیر

۱۔ ابن جریج کے بقول علی بمعنیٰ فِیْ ہے۔

۲۔ لفظ عہد مقدر ہے "علی عهد ملك سليمان" اقرب یہی ہے مراد یہ ہو کہ انہوں نے شیاطین کی باتوں کی اتباع میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملک پر افتراء باندھا کیونکہ وہ کتب سحر پڑھتے اور کہتے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسی علم کی وجہ سے یہ سب کچھ پایا تو ان کتب کی تلاوت ملکِ سلیمان پر افترا کی طرح ہے۔

Marfat.com

پانچواں مسئلہ: ملک سلیمان سے کیا مراد ہے؟

۱۔ قاضی کہتے ہیں، نبوت یا اس میں نبوت داخل ہے اور نبوت کے تحت نازل کردہ کتاب اور شریعت ہے۔

نوٹ: آگے عبارت مکمل نہیں محشی و مصحح نے بھی یہی بات کہی ہے۔ (قادری غفرلہ)

پھر قوم نے صحیفہ نکالا جس میں انواعِ جادو تھیں جسے انہوں نے تخت کے نیچے دفن کیا ہوا تھا اسے ان کی موت کے بعد نکالا اور لوگوں کو وہم پیدا کیا کہ اس کی وجہ سے حکومت تھی، میرے نزدیک اصح یہی ہے کہ قوم نے جب یہ دعویٰ کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس علم کے سبب حکومت پائی گویا دعویٰ حکومت سلیمانی پر افترا کی راہ ٹھہرا۔

چھٹا مسئلہ: انہوں نے کس وجہ سے جادو کی نسبت حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف کی؟ متعدد وجوہ ہیں:

۱۔ آپ کی تعظیم و شان کی وجہ سے تاکہ لوگوں کو اس کی قبولیت میں ترغیب ہو۔

۲۔ یہود حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت تسلیم نہ کرتے تھے بلکہ کہتے یہ ساری حکومت جادو کی وجہ سے ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے جب جنات کو آپ کے تابع کیا تو وہ آپ کے پاس آتے جاتے اور ان سے متعدد اسرار کا استفادہ کرتے تو انہیں گماں ہوا کہ آپ نے ان کا جادو سیکھا ہے۔

ارشادِ ربانی "وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ" سے آپ کی کفر سے برأت کا اعلان ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ قوم نے آپ کی طرف کفر و سحر کی نسبت کی تھی۔ یہاں چند اشیاء ہیں:

۱۔ بعض روایاتِ یہود میں ہے کہ وہ کہتے محمد پر تعجب ہے کہ کہتے ہیں سلیمان نبی تھے حالانکہ وہ تو ساحر تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

۲۔ یہودی ساحر کہتے تھے ہم نے جادو حضرت سلیمان علیہ السلام سے سیکھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی برأت بیان کی۔

۳۔ لوگوں کا خیال تھا ان کا ملک جادو کی وجہ سے تھا تو اللہ تعالیٰ نے بری قرار دیتے ہوئے واضح کیا وہ نبی تھے لہٰذا ان کا جادوگر ہونا اس کے منافی ہے پھر فرمایا: جس سے وہ بری ہیں وہ ان کے غیر کے ساتھ متصل ہے۔ فرمایا: "وَلَكِنَّ الشَّيَاطِيْنَ كَفَرُوْا" انہوں نے جادو کو اپنا پیشہ بنایا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا پھر واضح کیا کہ انہوں نے کیا کفر کیا؟ کیونکہ یہ وہم ممکن تھا کہ انہوں نے اولاً جادو کے ساتھ کفر نہ کیا ہو۔ فرمایا: "يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ"

Marfat.com

جادو پر گفتگو

جادو پر کئی طرح گفتگو ہے:

پہلا مسئلہ: لغوی بحث، اہلِ لغت کے ہاں وہ چیز جو لطیف ہو اور اس کا سبب مخفی ہو، سحر (حا پر زبر) مخفی غذا اور جس کی گزرگاہ آسان ہو، لبید کہتے ہیں۔

ونسحر بالطعام وبالشراب

اس کے دو مفہوم بیان ہوئے ہیں:

۱۔ ہم مسحور و مخدوع کی طرح دھوکہ اور بیماری میں آئے۔

۲۔ ہم نے طعام و شراب کو غذا بنایا، دونوں صورتوں میں خفا موجود ہے اور کہا:

فان تسألینا فیم نحن فاننا　　عصافیر من هذا الأنام المسحر

اس میں معنی اول کا احتمال ہے لیکن دوسرے کا بھی احتمال یوں ہوسکتا ہے کہ مسحر سے مراد صاحب جادو ہو۔ یہ بھی خفا کی طرف راجع ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال میرے سحر (حلقوم) اور نحر (سینہ) کے درمیان ہوا۔ (البخاری، ۱۳۸۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ مقدس ہے:

اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ (پ۱۹، الشعراء:۱۵۳) تم پر تو جادو ہوا ہے

یعنی اس مخلوق میں سے جو کھاتی پیتی ہے اس پر یہ قول دال ہے:

وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (پ۱۹، الشعراء:۱۵۴) تم تو ہمیں جیسے آدمی ہو

ممکن ہے یہ مفہوم ہو کہ تم ہماری طرح جادوگر ہو، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نقل فرمایا کہ انہوں نے جادوگروں سے کہا:

مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ (پ۱۱-یونس:۸۱) یہ جو تم لائے یہ جادو ہے اللہ اسے باطل کردے گا۔

اور فرمایا:

فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ (پ۹-الاعراف:۱۱۶) جب انہوں نے ڈالا لوگوں کی آنکھوں پر جادو کردیا اور انہیں ڈرایا

Marfat.com

59
59

دوسرا مسئلہ: عُرف شرع اور جادو

واضح ہو عرف شرع میں سحر ہر اس امر کے ساتھ مخصوص ہے جس کا سبب مخفی ہو اور اسے خلاف حقیقت خیال کیا جائے اور دھوکہ و بناوٹ سمجھا جائے۔ جب اس کا ذکر بغیر قید ہو تو وہاں فاعل کی مذمت مقصود ہوتی ہے۔ جیسے فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ (پ۹، الاعراف:۱۱۶) انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا

یعنی انہوں نے لوگوں کو ایسا چکر دیا حتیٰ کہ انہوں نے خیال کیا کہ رسیاں اور لکڑیاں دوڑ رہی ہیں۔ ارشاد ہے:

يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى (پ۱۶، طٰہٰ:۶۶) جادو کے زور سے ان کے خیال میں دوڑتی ہوئی معلوم ہوئیں

کبھی لفظ سحر مقید ہو کر بطور مدح و تعریف آتا ہے، روایت میں ہے زبرقان بن بدر اور عمرو بن اہتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو سے کہا: زبرقان کے بارے میں مجھے بتاؤ۔ انہوں نے کہا: یہ اپنے علاقہ میں مقتدا، شدید جنگجو۔

زبرقان کہنے لگا: اللہ کی قسم یہ جانتا ہے کہ میں اس سے افضل ہوں تو عمرو نے بڑے فصیح الفاظ میں اس کی مذمت کی کہ یہ بے وقوف باپ کا بیٹا اور اس کا خالو نہایت ہی کمینہ ہے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان من البیان لسحرًا (البخاری، ۵۱۴۶) کچھ بیان جادو ہوتے ہیں

یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض بیانات کو سحر فرمایا۔ کیونکہ ایسا آدمی اپنے حسنِ بیان اور بلیغ عبارت کے ذریعے مشکل شی کی حقیقت سے پردہ اٹھا کر اسے واضح کر دیتا ہے۔

سوال: جو حق کو واضح اور آشکار کر دے اسے سحر کیسے کہا جا سکتا ہے؟ کیونکہ یہاں تو مخفی کا اظہار ہوتا ہے نہ کہ ظاہر کا اخفاء حالانکہ لفظ سحر میں ظاہر کا اخفاء ہوتا ہے۔

جواب: اسے دو وجہ سے سحر کہا گیا ہے:

۱۔ یہ اپنے لطف و حسن کی وجہ سے دلوں کو مائل کر لیتا ہے تو اسے سحر کے ساتھ مشابہت ہوگئی کیونکہ وہ بھی دلوں کو مائل کر لیتا ہے تو اس وجہ سے اسے سحر قرار دیا نہ کہ اس وجہ سے جو تم سمجھ رہے ہو۔

۲۔ بیان پر قادر آدمی بد کو حسین اور حسین کو بد کرنے پر قادر ہوتا ہے تو اس وجہ سے بھی اس کی جادو کے ساتھ مشابہت ہے۔

Marfat.com

تیسرا مسئلہ: اقسام جادو

سحر کی چند اقسام ہیں:

جادو کی پہلی قسم

کلدانی اور کسدانی کا جادو جو قدیم زمانہ میں تھے، ستاروں کی پوجا کرتے اور انہیں عالم میں متصرف مانتے اور کہتے خیر، شر، سعادت اور نحوست ان کی وجہ سے ہے، ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تا کہ ان کے عقائد اور مذہب کا رد کریں۔

تمام معتزلہ اس پر متفق ہیں۔ غیر اللہ، جسم، حیات، رنگ اور ذائقہ کی خلقت پر قادر نہیں۔ قاضی نے تفسیر میں ان کے دلائل کا خلاصہ ذکر کیا ہے ہم انہیں نقل کر کے ان کی کمزوری واضح کر دیتے ہیں۔

۱۔ عقلی دلیل جس پر ان کا مدار ہے وہ یہ ہے ہر ماسوی اللہ متحیز ہوگا یا قائم بامتحیز۔ اگر غیر اللہ فاعل جسم وحیات ہو تو وہ غیر ضرور متحیز ہوگا اور وہ متحیز یقیناً قادر بالقدرت ہوگا کیونکہ اگر وہ قادر لذاتہ ہوگا تو ہر جسم کی یہ شان ہوتی کیونکہ تمام اجسام آپس میں متماثل ہیں لیکن قادر بالقدرت سے جسم وحیات کا فعل درست نہیں اس پر دو دلائل ہیں:

۱۔ بداہۃً واضح ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی ابتداً جسم وحیات پر قادر نہیں۔ اس کے امتناع میں ہماری قدرت مشترک ہے تو یہ امتناع حکم مشترک ہے۔ لہٰذا یہاں علت مشترکہ ہوگی اور یہاں سوائے اس کے کوئی اشتراک نہیں کہ ہم قادر بالقدرت ہیں جب یہ مسلم وثابت ہے تو جو قادر بالقدرت ہوگا اس کیلئے فعل جسم وحیات متعذر رہوگا۔

۲۔ ہماری قدرت ایک دوسرے سے مخالف ہے اگر ہمیں خلق جسم وحیات پر قدرت صالحہ ہوتی تو بعض کی بعض میں مخالفت نہ ہوتی اور اگر خلق جسم وحیات کی صلاحیت کیلئے اس قدر مخالفت کافی ہوتی تو ضروری ہے یہ قدرت ایک دوسرے کے مخالف ہو اور خلق جسم وحیات کیلئے صالح ہو جب معاملہ یوں نہیں تو ہم جان لیں قادر بالقدرت خلق جسم وحیات پر قادر نہیں۔

۲۔ اگر ہم اسے جائز مانیں تو معجزات سے نبوات پر استدلال متعذر رہو جائے گا۔ اس لیے کہ اگر ہم خوارق کا حدوث قوی سماوی اور ارضی کے اتصال سے جائز مان لیں تو قطعی نہیں رہے گا کہ انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ پر صادر ہونے والے خوارق اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں بلکہ جائز ہوگا کہ وہ بطور جادو انہیں کر دیں تو اب ہر طرح نبوات کا قول باطل ٹھہرے گا۔

۳۔ اگر ہم مان لیں کہ لوگوں میں خلق جسم، حیات اور الوان پر قدرت ہے تو ایسا انسان اموال عظیمہ کے حصول پر بغیر مشقت

Marfat.com

تیسرا مسئلہ: اقسامِ جادو

سحر کی چند اقسام ہیں:

جادو کی پہلی قسم

کلدانی اور کسدانی کا جادو جو قدیم زمانہ میں تھے، ستاروں کی پوجا کرتے اور انہیں عالم میں متصرف مانتے اور کہتے خیر، شر، سعادت اور نحوست ان کی وجہ سے ہے، ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تا کہ ان کے عقائد اور مذہب کا رد کریں۔

تمام معتزلہ اس پر متفق ہیں۔ غیر اللہ، جسم، حیات، رنگ اور ذائقہ کی خلقت پر قادر نہیں۔ قاضی نے تفسیر میں ان کے دلائل کا خلاصہ ذکر کیا ہے ہم انہیں نقل کر کے ان کی کمزوری واضح کر دیتے ہیں۔

ا۔ عقلی دلیل جس پر ان کا مدار ہے وہ یہ ہے ہر ماسوی اللہ متحیز ہوگا یا قائم بامتحیز۔ اگر غیر اللہ فاعل جسم وحیات ہو تو وہ غیر ضرور متحیز ہوگا اور وہ متحیز یقیناً قادر بالقدرت ہوگا کیونکہ اگر وہ قادر لذاتہ ہوگا تو ہر جسم کی یہ شان ہوتی کیونکہ تمام اجسام آپس میں متماثل ہیں لیکن قادر بالقدرت سے جسم وحیات کا فعل درست نہیں اس پر دو دلائل ہیں:

ا۔ بداہۃً واضح ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی ابتداً جسم وحیات پر قادر نہیں۔ اس کے امتناع میں ہماری قدرت مشترک ہے تو یہ امتناع حکم مشترک ہے۔ لہٰذا یہاں علت مشترکہ ہوگی اور یہاں سوائے اس کے کوئی اشتراک نہیں کہ ہم قادر بالقدرت ہیں جب یہ مسلم وثابت ہے تو جو قادر بالقدرت ہوگا اس کیلئے فعل جسم وحیات متعذر رہوگا۔

۲۔ ہماری قدرت ایک دوسرے سے مخالف ہے اگر ہمیں خلق جسم وحیات پر قدرت صالحہ ہوتی تو بعض کی بعض میں مخالفت نہ ہوتی اور اگر خلق جسم وحیات کی صلاحیت کیلئے اس قدر مخالفت کافی ہوتی تو ضروری ہے یہ قدرت ایک دوسرے کے مخالف ہو اور خلق جسم وحیات کیلئے صالح ہو جب معاملہ یوں نہیں تو ہم جان لیں قادر بالقدرت خلق جسم وحیات پر قادر نہیں۔

۲۔ اگر ہم اسے جائز مانیں تو معجزات سے نبوات پر استدلال متعذر ہو جائے گا۔ اس لیے کہ اگر ہم خوارق کا حدوث قوی سماوی اور ارضی کے اتصال سے جائز مان لیں تو قطعی نہیں رہے گا کہ انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ پر صادر ہونے والے خوارق اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں بلکہ جائز ہوگا کہ وہ بطور جادو انہیں کر دیں تو اب ہر طرح نبوات کا قول باطل ٹھہرے گا۔

۴۔ اگر ہم مان لیں کہ لوگوں میں خلق جسم، حیات اور الوان پر قدرت ہے تو ایسا انسان اموال عظیمہ کے حصول پر بغیر مشقت

Marfat.com

قادر ہوگا لیکن مشاہدہ یہ ہے کہ جادوگر شدید جدوجہد کے باوجود حقیر مال حاصل کرسکتا ہے لہٰذا ہم اس کے کذب سے آگاہ ہوگئے اس طریقہ سے ہم جان لیں گے کہ کیمیا کا دعویٰ کرنے والوں کا دعویٰ بھی باطل ہے کیونکہ اگر وہ غیر سونے کو سونا بنانے پر قادر ہوتے تو یا تو قلیل مال سے ایسا ہوجاتا تو اب لازمی طور پر وہ اپنے آپ کو مشقت وذلت سے محفوظ کرلیتے۔ یا وہ آلات عظیمہ اور اموال خطیرہ سے کام بنتا تو پھر لازماً وہ اس کا اظہار بڑے بڑے بادشاہوں کیلئے کرتے بلکہ بادشاہ پر اسے سیکھنا لازم تھا کیونکہ یہ ان کیلئے علاقے فتح کرنے سے انفع ہے۔

اور ہمارے علم میں ہے کہ ایسا کرنے سے وہ بھاگتے ہیں جو اس قول کے فساد پر شاہد ہے۔

قاضی کہتے ہیں اس سے ثابت ہوا، ساحر اس میں سے کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ واضح رہے یہ دلائل ضعیف ہیں

پہلی وجہ: اس پر کیا دلیل ہے کہ ماسوی اللہ یا تو متحیز ہے یا قائم بالمتحیز۔ کیا تمہیں علم نہیں فلاسفہ عقل، نفوس فلکیہ اور نفوس ناطقہ کے اثبات پر مصر ہیں اور ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ فی نفسہ نہ متحیز ہیں اور نہ اس کے ساتھ قائم ہیں تو اس کے فساد پر کونسی دلیل ہے؟ اگر سوال اٹھے وہ اسی طرح موجود ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے مثل ہوجائیں گے۔ ہم کہتے ہیں ہم اسے نہیں مانتے کیونکہ اسلوب میں اشتراک ماہیت میں اشتراک کا تقاضا نہیں کرتا اگر ہم اسے مان لیں تو یہ کیوں جائز نہیں کہ بعض اجسام اس پر لذاتہ قادر ہوں؟ ان کا یہ کہنا کہ اجسام متماثل ہیں اگر ایک جسم ایسا ہوا تو دوسرا بھی ایسے ہوگا؟ ہم کہتے ہیں تماثل اجسام پر کونسی دلیل ہے؟ اگر وہ سوال اٹھائیں جسم کا مفہوم ممتد فی الجہات اور مشاغل لاحیاز ہے اور اس اعتبار سے ان میں کوئی تفاوت نہیں۔ ہم کہتے ہیں: یہ ان کی صفت ہے اور لازم ہے یہ بعید نہیں کہ اشیاء ماہیت میں مختلف اور لوازم میں مشترک ہوں، اگر ہم مان لیں کہ قادر بالقدرت ہونا لازم ہے تو تم کیوں کہتے ہو کہ ایسا قادر خلق جسم وحیات پر قادر نہیں؟ یہ کہنا قدرت اس امتناع میں مشترک ہے اور امتناع حکم مشترک ہے۔ لہٰذا علت مشترکہ ضروری اور سوائے قادر بالقدرت ہونے کے اشتراک کوئی نہیں۔ ہم کہتے ہیں: یہ تمام مقدمات ہم نہیں مانتے۔ ہم امتناع کو حکم معلل نہیں مانتے اس لیے کہ یہ عدمی ہے اور عدم معلل نہیں بن سکتا۔ اگر مان لیں یہ وجودی ہے لیکن ان کا مذہب یہ ہے کہ اکثر احکام معلل نہیں ہوتے تو کیوں جائز نہیں کہ یہاں بھی معاملہ یہی ہو۔ اگر مان لیں یہ معلل ہے تو کیا وجہ تم کہتے ہو کہ حکم مشترک کیلئے علت مشترکہ ضروری ہے۔ کیا: ظلم میں قبح بحیثیت ظلم ہونے کے بطور معلل حاصل نہیں۔ اسی طرح کذب میں بھی اور جہل میں بھی؟ ہم مان لیتے ہیں علت مشترکہ ضروری ہے لیکن ہم یہ نہیں مانتے کہ ان کا فقط قادر بالقدرت ہونا ہی مشترک ہے۔ یہ کیوں جائز نہیں کہ ان کی قدرت مشترکہ کسی معین وصف میں ہو اور قدرت الٰہی ہو جو تخلیق جسم کی صالح ہو اور اس وصف سے خارج ہو اور معاملہ کے ایسا نہ ہونے پر کیا دلیل ہے؟

Marfat.com

پہلی وجہ: تو ہوسکتا ہے کہ اس قدرت کی مخالفت بعض قدر سے اس قدر شدید نہ ہو جو اس بعض کی دوسرے بعض کے ساتھ ہے۔

ہم کہتے ہیں: یہ ضعیف ہے کیونکہ ہم اس قدر کی مخالفت کو خلق جسم کی صلاحیت کا معلل قرار نہیں دے رہے بلکہ اس کو معین خصوصیت قرار دے رہے ہیں جس کی وجہ سے یہ دیگر کے مخالف ہے اور اس خصوصیت کے بارے میں آشکار ہے کہ یہ باقی قدر میں حاصل نہیں اس کی نظیر یوں ہے کہ صوت کی مخالفت بیاض سے، مخالفت سواد کی بیاض سے زیادہ شدید نہیں اگر یہ مخالفت مانع ہے اس سے کہ صورت کو دیکھا جائے تو لازم ہے سواد مخالف بیاض ہو کہ اس کے دیکھنے میں مانع ہو، جب یہ کلام فاسد ہے تو جو کچھ انہوں نے کہا وہ بھی فاسد ہوگا۔ قاضی پر تعجب جب انہوں نے مسئلہ رویت (دیدارِ الٰہی) میں یہ وجوہ اشاعرہ سے نقل کر کے انہی سوالات سے انہیں کمزور ثابت کیا، پھر خود ہی انہی سے استدلال کیا اس مسئلہ پر جو اثباتِ نبوت میں اصل ہے اور رد ہے ان لوگوں کا جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور ہمارے درمیان واسطہ ثابت کیا۔

دوسری وجہ: کہ اس اصل کے جواز پر صحت نبوات کا قول باقی نہیں رہے گا۔ ہم کہتے ہیں صحت نبوات کا قول اس قاعدہ کے فساد پر متفرع ہے یا نہیں؟ اگر اول صورت ہے تو صحت نبوات کی بنا پر اس اصل کا فساد نہیں ہوگا ورنہ دور لازم اور اگر وہ دوسری صورت ہے تو یہ کلام بالکلیہ ساقط ہو جائے گا۔

تیسری وجہ: سائل کہہ سکتا ہے کہ کلام امکان میں ہے۔

اور ہم نہیں کہتے کہ یہ حالت ہر ایک کو حاصل ہے بلکہ یہ حالت انسان کو دور کے زمانوں میں حاصل ہوگی لہٰذا تمہارے بات ہمیں لازم نہیں آتی۔ یہ جادو کی نوع اول میں گفتگو تھی۔

جادو کی دوسری قسم

جادو کی دوسری قسم یہ ہے۔ اصحاب اوہام اور نفس قوی جادو کرے۔ جب کہا جاتا ہے: انا ما ھو؟ تو اس کے مفہوم پر اختلاف ہے۔ کچھ کہتے ہیں اس سے باڈی مراد ہے، بعض نے کہا وہ جسم جو اس باڈی میں حلول کیے ہے بعض نے کہا وہ موجود ہے لیکن نہ جسم اور نہ جسمانی، جب ہم کہتے ہیں انسان باڈی کا نام ہے تو یہ عناصر اربعہ سے مرکب ہے یہ کیوں ممکن نہیں کہ بعض ٹھنڈے اوقات میں اتفاق ہو کہ نواحی میں ایسا مزاج ہو کہ خلق جسم پر قدرت اور ہم سے امور غائبہ و متعذرہ کا علم رکھتا ہو۔

اسی طرح اس صورت میں گفتگو ہے جب انسان اس باڈی میں جسم ساری ہو، لیکن جب ہم یہ کہتے ہیں کہ انسان، نفس ہے تو یہ کہنا جائز کیوں نہیں کہ نفوس مختلف ہیں تو کسی نفس میں یہ اتفاق ہو سکتا ہے کہ وہ لذاتہ ان حوادثات عجیبہ کے قادر اور اسرار غائبہ پر مطلع

Marfat.com

پہلی وجہ: تو ہوسکتا ہے کہ اس قدرت کی مخالفت بعض قدر سے اس قدر شدید نہ ہو جو اس بعض کی دوسرے بعض کے ساتھ ہے۔

ہم کہتے ہیں: یہ ضعیف ہے کیونکہ ہم اس قدر کی مخالفت کو خلق جسم کی صلاحیت کا معلل قرار نہیں دے رہے بلکہ اس کو معین خصوصیت قرار دے رہے ہیں جس کی وجہ سے یہ دیگر کے مخالف ہے اور اس خصوصیت کے بارے میں آشکار ہے کہ یہ باقی قدر میں حاصل نہیں اس کی نظیر یوں ہے کہ صوت کی مخالفت بیاض سے، مخالفت سواد کی بیاض سے زیادہ شدید نہیں اگر یہ مخالفت مانع ہے اس سے کہ صورت کو دیکھا جائے تو لازم ہے سواد مخالف بیاض ہو کہ اس کے دیکھنے میں مانع ہو، جب یہ کلام فاسد ہے تو جو کچھ انہوں نے کہا وہ بھی فاسد ہوگا۔ قاضی پر تعجب جب انہوں نے مسئلہ رویت (دیدارِ الٰہی) میں یہ وجوہ اشاعرہ سے نقل کر کے انہی سوالات سے انہیں کمزور ثابت کیا، پھر خود ہی انہی سے استدلال کیا اس مسئلہ پر جو اثباتِ نبوت میں اصل ہے اور رد ہے ان لوگوں کا جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور ہمارے درمیان واسطہ ثابت کیا۔

دوسری وجہ: کہ اس اصل کے جواز پر صحت نبوات کا قول باقی نہیں رہے گا۔ ہم کہتے ہیں صحت نبوات کا قول اس قاعدہ کے فساد پر متفرع ہے یا نہیں؟ اگر اول صورت ہے تو صحت نبوات کی بنا پر اس اصل کا فساد نہیں ہوگا ورنہ دور لازم اور اگر وہ دوسری صورت ہے تو یہ کلام بالکلیہ ساقط ہو جائے گا۔

تیسری وجہ: سائل کہہ سکتا ہے کہ کلام امکان میں ہے۔

اور ہم نہیں کہتے کہ یہ حالت ہر ایک کو حاصل ہے بلکہ یہ حالت انسان کو دور کے زمانوں میں حاصل ہوگی لہٰذا تمہارے بات ہمیں لازم نہیں آتی۔ یہ جادو کی نوع اول میں گفتگو تھی۔

جادو کی دوسری قسم

جادو کی دوسری قسم یہ ہے۔ اصحاب اوہام اور نفس قوی جادو کرے۔ جب کہا جاتا ہے: انہ ما ھو؟ تو اس کے مفہوم پر اختلاف ہے۔ کچھ کہتے ہیں اس سے باڈی مراد ہے، بعض نے کہا وہ جسم جو اس باڈی میں حلول کیے ہے بعض نے کہا وہ موجود ہے لیکن نہ جسم اور نہ جسمانی، جب ہم کہتے ہیں انسان باڈی کا نام ہے تو یہ عناصر اربعہ سے مرکب ہے یہ کیوں ممکن نہیں کہ بعض ٹھنڈے اوقات میں اتفاق ہو کہ نواحی میں ایسا مزاج ہو کہ خلق جسم پر قدرت اور ہم سے امور غائبہ و متعذرہ کا علم رکھتا ہو۔

اسی طرح اس صورت میں گفتگو ہے جب انسان اس باڈی میں جسم ساری ہو، لیکن جب ہم یہ کہتے ہیں کہ انسان، نفس ہے تو یہ کہنا جائز کیوں نہیں کہ نفوس مختلف ہیں تو کسی نفس میں یہ اتفاق ہوسکتا ہے کہ وہ لذاتہ ان حوادثات عجیبہ کے قادر اور اسرار غائبہ پر مطلع

Marfat.com

ہواور اس احتمال کے فساد پر سوائے سابقہ وجوہ کے کوئی دلیل نہیں اور ان وجوہ کا بطلان ثابت ہو چکا ہے۔

پھر اس احتمال میں یہ دلائل تاکید پیدا کرتے ہیں۔

۱۔ لکڑی کا ٹکڑا اگر زمین پر ہو تو اس پر انسان کا چلنا ممکن ہے لیکن آگ پر پل کی صورت میں ہو تو اس پر چلنا دشوار ہوگا۔ یہاں صرف گر جانے کا خیال قوی ہو جانے کی وجہ سے گرا دیتا ہے۔

۲۔ اطباء کا اتفاق ہے کہ صاحب نکسیر، سرخ اشیاء نہ دیکھے اور صاحب مرگی زیادہ چمک والی اشیاء نہ دیکھے اور اس کی وجہ نفوس کا اوہام کے تابع ہونا ہے۔

۳۔ صاحب شفاء نے طبائع حیوان کے بارے میں ارسطو سے نقل کیا مرغی جب آواز میں اور لڑنے میں مرغ کے زیادہ مشابہ ہو تو اس کی پنڈلی پر وہی چیز اُگ آتی ہے جو مرغ کی پنڈلی پر ہوتی ہے اس کے بعد صاحب شفاء نے لکھا یہ بات دلالت کرتی ہے کہ احوال جسمانی، نفسانی احوال کے تابع ہوتے ہیں۔

۴۔ اُمتوں کا اتفاق ہے زبانی دعا جو طلب دل سے خالی ہو وہ قلیل العمل اور غیر مؤثر ہوتی ہے۔

یہ دلالت کر رہی ہے کہ ارادوں اور نفوس کے اثرات ہوتے ہیں اور یہ اتفاق کسی معین مسئلہ اور مخصوص حکمت کے ساتھ مخصوص نہیں۔

اب اگر آپ انصاف سے کام لیں تو معلوم ہو رہا ہے کہ افعال حیوانیہ کے مبادی قریبہ محض تصورات نفسانیہ ہی ہیں اس لیے کہ پٹھوں میں قوت محرکہ غریدہ فعل یا اس کے ترک یا اس کی ضد کے صالح ہوتے ہیں اور ایک کو دوسرے پر کسی مرجح کی وجہ سے ترجیح ہوگی اور وہ فعل کا جمیل یا لذیذ یا یہ تصور کہ فعل قبیح یا تکلیف دہ ہے، یہ تصورات ہی ایسے مبادی ہیں جو ان افعال کے مبادی کیلئے ہیں تو یہ مبادی افعال کا خود بھی مبادی بننا کونسا بعید ہے واسطہ درمیان سے ختم ہو جائے گا۔

۵۔ تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہیں کہ تصورات، ابدان میں حدوث کیفیات کیلئے مبادی قریبہ ہیں۔ کیونکہ غضب تختی طبیعت سے سخت ہوتا ہے حتیٰ کہ تختی اسے بہت زیادہ تقویت دیتی ہے۔

بادشاہ کا واقعہ

منقول ہے کسی بادشاہ کو فالج ہوا، اطباء علاج سے عاجز آ گئے تو ایک حاذق حکیم اچانک اس پر داخل ہوا اور اس نے اسے خوب سنائیں، گالیاں دیں اور عزت پر حملہ آور ہوا، بادشاہ غضب میں آ گیا تو وہ اپنے موت کے بستر سے جوش میں آ کر اٹھنے لگا تو اس کی بیماری اور مرض مہلک اس سے ختم ہو گئی تو جب تصورات بدن میں حدوث حوادث کیلئے تصورات مبادی ہیں تو خارج بدن

Marfat.com

ہو اور اس احتمال کے فساد پر سوائے سابقہ وجوہ کے کوئی دلیل نہیں اور ان وجوہ کا بطلان ثابت ہو چکا ہے۔

پھر اس احتمال میں یہ دلائل تاکید پیدا کرتے ہیں۔

۱۔ لکڑی کا ٹکڑا اگر زمین پر ہو تو اس پر انسان کا چلنا ممکن ہے لیکن آگ پر پل کی صورت میں ہو تو اس پر چلنا دشوار ہوگا۔ یہاں صرف گر جانے کا خیال قوی ہو جانے کی وجہ سے گرا دیتا ہے۔

۲۔ اطباء کا اتفاق ہے کہ صاحب نکسیر، سرخ اشیاء نہ دیکھے اور صاحب مرگی زیادہ چمک والی اشیاء نہ دیکھے اور اس کی وجہ نفوس کا اوہام کے تابع ہونا ہے۔

۳۔ صاحب شفاء نے طبائع حیوان کے بارے میں ارسطو سے نقل کیا مرغی جب آواز میں اور لڑنے میں مرغ کے زیادہ مشابہ ہو تو اس کی پنڈلی پر وہی چیز اُگ آتی ہے جو مرغ کی پنڈلی پر ہوتی ہے اس کے بعد صاحب شفاء نے لکھا یہ بات دلالت کرتی ہے کہ احوال جسمانی، نفسانی احوال کے تابع ہوتے ہیں۔

۴۔ اُمتوں کا اتفاق ہے زبانی دعا جو طلب دل سے خالی ہو وہ قلیل العمل اور غیر مؤثر ہوتی ہے۔

یہ دلالت کر رہی ہے کہ ارادوں اور نفوس کے اثرات ہوتے ہیں اور یہ اتفاق کسی معین مسئلہ اور مخصوص حکمت کے ساتھ مخصوص نہیں۔

اب اگر آپ انصاف سے کام لیں تو معلوم ہو رہا ہے کہ افعال حیوانیہ کے مبادی قریبہ محض تصورات نفسانیہ ہی ہیں اس لیے کہ پٹھوں میں قوت محرکہ غریزہ فعل یا اس کے ترک یا اس کی ضد کے صالح ہوتے ہیں اور ایک کو دوسرے پر کسی مرجح کی وجہ سے ترجیح ہوگی اور وہ فعل کا جمیل یا لذیذ یا یہ تصور کہ فعل قبیح یا تکلیف دہ ہے، یہ تصورات ہی ایسے مبادی ہیں جو ان افعال کے مبادی کیلئے ہیں تو یہ مبادی افعال کا خود بھی مبادی بننا کونسا بعید ہے واسطہ درمیان سے ختم ہو جائے گا۔

۵۔ تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہیں کہ تصورات، ابدان میں حدوث کیفیات کیلئے مبادی قریبہ ہیں۔ کیونکہ غضب سختی طبیعت سے سخت ہوتا ہے حتیٰ کہ سختی اسے بہت زیادہ تقویت دیتی ہے۔

بادشاہ کا واقعہ

منقول ہے کسی بادشاہ کو فالج ہوا، اطباء علاج سے عاجز آ گئے تو ایک حاذق حکیم اچانک اس پر داخل ہوا اور اس نے اسے خوب سنائیں، گالیاں دیں اور عزت پر حملہ آور ہوا، بادشاہ غضب میں آ گیا تو وہ اپنے موت کے بستر سے جوش میں آ کر اٹھنے لگا تو اس کی بیماری اور مرض مہلک اس سے ختم ہوگئی تو جب تصورات بدن میں حدوث حوادث کیلئے تصورات مبادی ہیں تو خارج بدن

Marfat.com

حدوثِ حوادث کے مبادی ہونے میں کوئی بُعد نہیں۔

۶۔ نظر بدلگ جانے پر عقلاء متفق ہیں تو یہ دلیل بھی ہماری بات ہی کو تقویت دے رہی ہے۔

جب تم نے جان لیا تو اب ہم کہتے ہیں جونفوس یہ افعال کرتے ہیں کبھی وہ بہت قوی ہوتے ہیں تو وہ ان افعال میں آلات و ادوات کے محتاج نہیں ہوتے اور کبھی خفیف ہونے کی وجہ سے آلات سے مدد کے محتاج ہوتے ہیں۔

تفصیل کچھ یوں ہے کہ نفس کو جب بدن پر غلبہ حاصل ہو تو اس کا تعلق عالم سماء کی طرف شدید ہوتا ہے گویا وہ ارواح سماویہ میں سے ایک روح ہے لہٰذا اس جہان کے مواد میں تاثیر میں قوی ہوتا ہے، اور اگر نفس ضعیف ہو اور اس کا تعلق لذات بدنیہ سے شدید ہو تو اب اس کا تصرف صرف اس بدن تک ہی ہوگا، تو اگر انسان چاہے کہ میرے بدن کی تاثیر دوسرے بدن میں ہو تو وہ غیر کی تمثال لے کر حس کے سامنے رکھے اور حس کو اس میں مشغول کردے اور خیال کو اس پر مرکوز رکھے، نفس ناطقہ اس طرف متوجہ ہوگا تو تاثیرات نفسانیہ اور تصرفات روحانیہ قوی ہو جائیں گی، اسی لیے تمام امتوں کا اس پر اجماع ہے ایسے اعمال میں مشق کیلئے بُجرب دوری اشیاء مالوفات، قلت غذا اور انقطاع از خلق ضروری ہے، یہ امور جس قدر تام ہوں گے تاثیر بھی اسی قدر اقوی ہوگی اور پھر اگر نفس اپنی ماہیت اور خاصیت میں بھی اسی امر کے مناسب ہوا تو تاثیر بہت زیادہ بڑھ جائے گی۔

سبب متعین بھی ہے کہ نفس جب پہلے فعل کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ تمام قوت سے اس میں مشغول ہوتا ہے اور جب وہ افعالِ کثیرہ میں مشغول ہوتا ہے تو اس کی قوت بٹ جاتی ہے اور وہ ان افعال پر منقسم ہو کر رہ جاتا ہے لہٰذا ان میں سے ہر فعل کو قوت سے کچھ حصہ اور نہر سے کچھ پانی ہی ملتا ہے، اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں قوت خاطر میں برابر دو انسانوں میں سے ایک واحد فن پر کام کرتا ہے جبکہ دوسرا دو میں تو فن واحد والا دو فنون والے سے قوی ہوتا ہے، جب آدمی کسی بھی مسئلہ کی حقیقت جاننا چاہتا ہے تو وہ اس وقت غور و فکر صرف اسی کی طرف متوجہ ہو کر دماغ کو دوسری سے فارغ کرتا ہے کیونکہ اس میں فراغت کی صورت میں ہی دل کی تمام توجہ اسی مسئلہ کی طرف ہوگی تو اب فعل زیادہ آسان اور احسن ہوگا، جب معاملہ یونہی ہے تو جب انسان لذات و شہوات کے حصول میں اپنی توجہات کو لگا دیتا ہے تو قوتِ نفسانیہ بھی ان میں مستغرق ہو جاتی ہے تو اس میں فعل غریب کی قوی کشش نہیں رہ جاتی خصوصاً یہاں تو ایک اور آفت بھی ہے کہ ایسا نفس اول تا آخر ان لذات میں ڈوب کر رہ جاتا ہے اور وہ کبھی بھی افعال غریبہ کے حدوث کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تو یہ طبعاً اول پر قربان اور دوسرے سے متنفر ہو جاتا ہے، جب اس نے مطلوب اول پالیا تو اب وہ جانب آخر کیسے متوجہ ہوگا؟ اس سے واضح ہوگیا کہ ان اعمال کی مشق صرف احوال جسمانیہ سے جدائی، مخالطتِ مخلوق سے علیحدگی اور تمام توجہ کا عالمِ صفا و ارواح کی طرف ہونے سے ہوتا ہے۔

Marfat.com

حدوثِ حوادث کے مبادی ہونے میں کوئی بُعد نہیں۔

۶۔ نظر بدلگ جانے پر عقلاء متفق ہیں تو یہ دلیل بھی ہماری بات ہی کو تقویت دے رہی ہے۔

جب تم نے جان لیا تو اب ہم کہتے ہیں جو نفوس یہ افعال کرتے ہیں کبھی وہ بہت قوی ہوتے ہیں تو وہ ان افعال میں آلات و ادوات کے محتاج نہیں ہوتے اور کبھی خفیف ہونے کی وجہ سے آلات سے مدد کے محتاج ہوتے ہیں۔

تفصیل کچھ یوں ہے کہ نفس کو جب بدن پر غلبہ حاصل ہو تو اس کا تعلق عالم سماء کی طرف شدید ہوتا ہے گویا وہ ارواح سماویہ میں سے ایک روح ہے لہٰذا اس جہان کے مواد میں تاثیر میں قوی ہوتا ہے، اور اگر نفس ضعیف ہو اور اس کا تعلق لذات بدنیہ سے شدید ہو تو اب اس کا تصرف صرف اس بدن تک ہی ہوگا، تو اگر انسان چاہے کہ میرے بدن کی تاثیر دوسرے بدن میں ہو تو وہ غیر کی تمثال لے کر حس کے سامنے رکھے اور حس کو اس میں مشغول کر دے اور خیال کو اس پر مرکوز رکھے، نفس ناطقہ اس طرف متوجہ ہوگا تو تاثیرات نفسانیہ اور تصرفات روحانیہ قوی ہو جائیں گی، اسی لیے تمام امتوں کا اس پر اجماع ہے ایسے اعمال میں مشق کیلئے بُعد دوری اشیاء مالوفات، قلت غذا اور انقطاع از خلق ضروری ہے، یہ امور جس قدر تام ہوں گے تاثیر بھی اسی قدر اقوی ہوگی اور پھر اگر نفس اپنی ماہیت اور خاصیت میں بھی اسی امر کے مناسب ہوا تو تاثیر بہت زیادہ بڑھ جائے گی۔

سبب متعین بھی ہے کہ نفس جب پہلے فعل کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ تمام قوت سے اس میں مشغول ہوتا ہے اور جب وہ افعالِ کثیرہ میں مشغول ہوتا ہے تو اس کی قوت بٹ جاتی ہے اور وہ ان افعال پر منقسم ہو کر رہ جاتا ہے لہٰذا ان میں سے ہر فعل کو قوت سے کچھ حصہ اور نہر سے کچھ پانی ہی ملتا ہے، اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں قوت خاطر میں برابر دو انسانوں میں سے ایک واحد فن پر کام کرتا ہے جبکہ دوسرا دو میں تو فن واحد والا دو فنون والے سے قوی ہوتا ہے، جب آدمی کسی بھی مسئلہ کی حقیقت جاننا چاہتا ہے تو وہ اس وقت غور و فکر صرف اسی کی طرف متوجہ ہو کر دماغ کو دوسری سے فارغ کرتا ہے کیونکہ اس میں فراغت کی صورت میں ہی دل کی تمام توجہ اسی مسئلہ کی طرف ہوگی تو اب فعل زیادہ آسان اور احسن ہوگا، جب معاملہ یونہی ہے تو جب انسان لذات و شہوات کے حصول میں اپنی توجہات کو لگا دیتا ہے تو قوتِ نفسانیہ بھی ان میں مستغرق ہو جاتی ہے تو اس میں فعل غریب کی قوی کشش نہیں رہ جاتی خصوصاً یہاں تو ایک اور آفت بھی ہے کہ ایسا نفس اول تا آخر ان لذات میں ڈوب کر رہ جاتا ہے اور وہ کبھی بھی افعال غریبہ کے حدوث کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تو یہ طبعاً اول پر قربان اور دوسرے سے متنفر ہو جاتا ہے، جب اس نے مطلوب اول پا لیا تو اب وہ جانب آخر کیسے متوجہ ہوگا؟ اس سے واضح ہو گیا کہ ان اعمال کی مشق صرف احوال جسمانیہ سے جدائی، مخالطتِ مخلوق سے علیحدگی اور تمام توجہ کا عالمِ صفا و ارواح کی طرف ہونے سے ہوتا ہے۔

Marfat.com

یہاں دو اور انواع بھی ہیں:

۱۔ نفوس جب ابدان سے جدا ہو جاتے ہیں تو ان میں قوت اور تاثیر کے لحاظ سے دوسرے نفوس کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے تو یہ نفوس، صافی ہو گئے تو بعید نہیں کہ مشابہت کی وجہ سے دیگر نفوس کے ساتھ ان کا تعلق بن جائے اور انہیں بدن کی طرح تعلق نوعی بن جائے تو اب فعل پر کثیر نفوس آپس میں معاون ہوں گے جب قوت کامل اور قوی ہوگی تو تاثیر بھی قوی ہوگی۔

۲۔ نفوس ناطقہ جب کدورات نفسانیہ سے صاف ہو جاتے ہیں تو یہ ارواح ساویہ اور نفوس فلکیہ کے فیضانِ انوار کے قابل ہو جاتے ہیں، تو یہ نفوس ان ارواح کے انوار سے قوی ہو جاتے ہیں پھر یہ امور غریبہ مخالفِ عادت پر قوت پا لیتے ہیں یہ اصحاب اوہام اور رقی کے جادو کی شرح ہے۔

جادو کی تیسری قسم

تیسری قسم ارواح ارضیہ سے مدد کا حصول ہے، کچھ متاخرین فلاسفہ اور معتزلہ نے جنات کا انکار کیا ہے ورنہ اکابر فلاسفہ ان کے وجود کے منکر نہ تھے البتہ ان کا نام ان کے ہاں ارواح ارضیہ ہے اور یہ مختلف ہیں بعض اچھے اور بعض شریر، اچھے مومن جن اور شریر کافر و شیاطین۔ پھر کچھ متاخرین فلاسفہ نے کہا یہ ارواح جواہر اور بذاتہا قائم ہیں نہ یہ محل کے محتاج ہیں اور نہ ان کا اس میں حلول ہے۔ یہ جزئیات کے عالم قادر اور مدرک ہیں اور ان کا اتصال نفوسِ ناطقہ کے ساتھ آسمانی ارواح سے زیادہ آسان ہے البتہ یہ بات اصولی ہے کہ نفوس ناطقہ کو جو قوت ارواحِ ارضیہ کے اتصال سے ہوگی وہ ارواح ساویہ کے اتصال کی قوت سے نہایت ضعیف ہوگی۔

اتصال آسان ہونے کی وجہ یہ ہے کیونکہ ہمارے نفوس اور ارواح ارضیہ میں مناسبت آسان ہے دوسرا یہ کہ ان میں ارواحِ ساویہ کی نسبت مشابہت و مشاکلت کامل اور شدید ہے۔

ارواحِ ساویہ کے اتصال سے قوت اقوی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ارواح ساویہ کی نسبت ارواح ارضیہ سے ایسی ہی ہے جیسے سورج کو شعلہ، سمندر کو قطرہ اور سلطان کو رعایا سے ہے۔ انہوں نے کہا اگرچہ ان کے وجود پہ برہان تامہ تو قائم نہیں مگر ان کا امکان واحتمال تو ہے۔ اصحاب سحر اور ارباب تجربہ شاہد ہیں کہ ارواحِ ارضیہ سے اتصال آسان اعمال رقی، دخن اور تجرید سے حاصل ہو جاتا ہے اس نوع کو عزائم اور عمل تسخیر جن کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

جادو کی چوتھی قسم

جادو کی چوتھی قسم تخیلات اور نظر بندی ہے اور یہ ان مقدمات پر مبنی ہے:

پہلا مقدمہ: آنکھوں کی غلطیاں کثیر ہیں مثلاً کشتی سوار جب کنارہ کی طرف دیکھتا ہے تو وہ ٹھہری ہوئی اور کنارے کو متحرک پاتا ہے واضح ہے وہ ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن دیکھ رہا ہے۔ قطرہ نازلہ کو خط مستقیم، شعلہ جوالہ کو دائرہ۔ چھوٹا انگور پانی میں اور چھوٹا شخص ضباب میں بڑا، بوقت طلوع قرص شمس بخارات ارض بڑے اور سورج کے بلند ہونے کے بعد چھوٹے نظر آتے ہیں۔ عظیم کو دور سے حقیر دیکھنا۔ تو واضح ہے یہ اشیاء رہنمائی کر رہی ہیں کہ قوتِ باصرہ، اسباب عارضہ کی وجہ سے بعض اوقات نفس الامر کے خلاف دیکھتی ہے۔

دوسرا مقدمہ: قوت باصرہ، محسوسات سے کامل واقف تب ہوتی ہے جب محسوس کو اسے دیکھنے کا خوب موقعہ ملا ہو اگر ایک محسوس کو وہ نہایت ہی قلیل وقت میں دیکھے پھر اسی طرح دوسرے کو پھر تیسرے کو تو اختلاط ہو جائے گا اور محسوسات ایک دوسرے سے ممتاز نہ ہوں گے مثلاً چکی کے مرکز سے محیط کی طرف مختلف رنگوں میں خطوط کثیرہ بنائے جائیں پھر وہ چلے تو حس صرف ایک رنگ میں دیکھے گی گویا وہ تمام کا مرکب ہے سو ایسے ہی نفس کسی معاملہ میں مشغول ہو تو اس کے سامنے دوسری چیز آتی ہے مگر وہ اسے محسوس ہی نہیں کرتا مثلاً انسان بادشاہ کے پاس جاتا ہے وہاں کوئی دوسرا آدمی ملا اس سے گفتگو بھی کی مگر یہ نہ اس کو جانتا ہے اور نہ اس کے کلام کو کیونکہ دل کسی اور طرف متوجہ تھا، اسی طرح آئینہ دیکھنے والا اپنی آنکھ میں پڑنے والے تنکا دیکھنے کا ارادہ کرتا ہے مگر اس سے بڑی شی نہیں دیکھتا اگرچہ وہ چہرے، پیشانی یا دیگر اعضاء میں جو مقابل آئینہ ہیں، بعض اوقات انسان آئینہ کی سطح بھی دیکھتا ہے کہ یہ ہموار ہے یا نہیں تو اس وقت وہ آئینہ میں کچھ بھی نہیں دیکھ رہا ہوتا۔ یہ مقدمات کو جان لینے کے بعد اس نوع سحر کا جاننا آسان ہو گیا۔ اس لیے کہ ماہر شعبدہ باز کوئی عمل کرتا ہے تو وہ ناظرین کو اس عمل کی طرف اس قدر متوجہ کر لیتا ہے کہ آنکھ اس میں مشغول رہتی ہے اور وہ تیزی سے دوسرا عمل کر دیتا ہے، اس کا عمل دو متفاوت اشیاء کی وجہ سے مخفی رہتا ہے۔

۱۔ لوگوں کا پہلی چیز میں مشغول ہو جانا۔

۲۔ دوسرے عمل کو نہایت ہی پھرتی سے کر لینا

تو اب ایسی شی دیکھے گا جس کو وہ دیکھ نہ رہے تھے تو اس پر بہت ہی متعجب ہوں گے، اگر شعبدہ باز خاموش رہتا اور خواطر کو ضد مراد کی طرف پھیرنے کیلئے گفتگو نہ کرتا تو نہ نفوس اور نہ اوہام اس ضد کی طرف حرکت کرتے اور اہل نظر اس کے عمل سے

Marfat.com

جادو کی چوتھی قسم

جادو کی چوتھی قسم تخیلات اور نظر بندی ہے اور یہ ان مقدمات پر مبنی ہے:

پہلا مقدمہ: آنکھوں کی غلطیاں کثیر ہیں مثلاً کشتی سوار جب کنارہ کی طرف دیکھتا ہے تو وہ ٹھہری ہوئی اور کنارے کو متحرک پاتا ہے واضح ہے وہ ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن دیکھ رہا ہے۔ قطرہ نازلہ کو خط مستقیم، شعلہ جوالہ کو دائرہ۔ چھوٹا انگور پانی میں اور چھوٹا شخص ضباب میں بڑا، بوقت طلوع قرص شمس بخارات ارض بڑے اور سورج کے بلند ہونے کے بعد چھوٹے نظر آتے ہیں۔ عظیم کو دور سے حقیر دیکھنا۔ تو واضح ہے یہ اشیاء رہنمائی کر رہی ہیں کہ قوتِ باصرہ، اسباب عارضہ کی وجہ سے بعض اوقات نفس الامر کے خلاف دیکھتی ہے۔

دوسرا مقدمہ: قوت باصرہ، محسوسات سے کامل واقف تب ہوتی ہے جب محسوس کو اسے دیکھنے کا خوب موقعہ ملا ہو اگر ایک محسوس کو وہ نہایت ہی قلیل وقت میں دیکھے پھر اسی طرح دوسرے کو پھر تیسرے کو تو اختلاط ہو جائے گا اور محسوسات ایک دوسرے سے ممتاز نہ ہوں گے مثلاً چکی کے مرکز سے محیط کی طرف مختلف رنگوں میں خطوط کثیرہ بنائے جائیں پھر وہ چلے تو حس صرف ایک رنگ میں دیکھے گی گویا وہ تمام کا مرکب ہے سو ایسے ہی نفس کسی معاملہ میں مشغول ہو تو اس کے سامنے دوسری چیز آتی ہے مگر وہ اسے محسوس ہی نہیں کرتا مثلاً انسان بادشاہ کے پاس جاتا ہے وہاں کوئی دوسرا آدمی ملا اس سے گفتگو بھی کی مگر یہ نہ اس کو جانتا ہے اور نہ اس کے کلام کو کیونکہ دل کسی اور طرف متوجہ تھا، اسی طرح آئینہ دیکھنے والا اپنی آنکھ میں پڑنے والے تنکا دیکھنے کا ارادہ کرتا ہے مگر اس سے بڑی شی نہیں دیکھتا اگرچہ وہ چہرے، پیشانی یا دیگر اعضاء میں جو مقابل آئینہ ہیں، بعض اوقات انسان آئینہ کی سطح بھی دیکھتا ہے کہ یہ ہموار ہے یا نہیں تو اس وقت وہ آئینہ میں کچھ بھی نہیں دیکھ رہا ہوتا۔ یہ مقدمات کو جان لینے کے بعد اس نوع سحر کا جاننا آسان ہو گیا۔ اس لیے کہ ماہر شعبدہ باز کوئی عمل کرتا ہے تو وہ ناظرین کو اس عمل کی طرف اس قدر متوجہ کر لیتا ہے کہ آنکھ اس میں مشغول رہتی ہے اور وہ تیزی سے دوسرا عمل کر دیتا ہے، اس کا عمل دو متفاوت اشیاء کی وجہ سے مخفی رہتا ہے۔

۱۔ لوگوں کا پہلی چیز میں مشغول ہو جانا۔

۲۔ دوسرے عمل کو نہایت ہی پھرتی سے کر لینا

تو اب ایسی شی دیکھے گا جس کو وہ دیکھ نہ رہے تھے تو اس پر بہت ہی متعجب ہوں گے، اگر شعبدہ باز خاموش رہتا اور خواطر کو ضد مراد کی طرف پھیرنے کیلئے گفتگو نہ کرتا تو نہ نفوس اور نہ اوہام اس ضد کی طرف حرکت کرتے اور اہلِ نظر اس کے عمل سے

Marfat.com

آگاہ ہو جاتے، اس قول ''شعبدہ باز نظر بندی کرتا ہے'' کا یہی معنی ہے کہ وہ نظر کو اس سے غیر متوجہ کر دیتا ہے جو وہ دکھانا چاہتا ہے، جس قدر وہ لوگوں کی نظر کو اپنے مقصود کے مخالف میں متوجہ کرنے میں ماہر ہوگا اس قدر وہ اپنے عمل کا ماہر ہوگا، جس قدر احوال حس کے متعدد انواع کو نوع واحد بنانے میں شدید ہوں گے اس قدر عمل احسن ہوگا۔ مثلاً شعبدہ باز بہت زیادہ چمک، روشنی میں بیٹھے، تو اب نظر میں خلل و کمی ہوگی اسی طرح جب وہ نہایت ہی تاریکی میں ہو، اسی طرح چمکدار رنگ بھی عقل میں خلل واقع کر دیتے ہیں، اسی طرح الوان ظلمانی سے بھی آگاہی کم ہوتی ہے، اس نوع سحر میں یہی جامع گفتگو ہے۔

جادو کی پانچویں قسم

وہ اعمالِ عجیبہ جو کبھی آلات مرکبہ کی ترکیب سے نسب ہندسہ پر ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی گھوڑوں کی صورت میں مثلاً وہ دو گھوڑے ایک دوسرے کو مار دیتے ہیں اور مثلاً گھوڑ سوار کے ہاتھ دھوتا ہوتا ہے جب وہ ایک گھنٹہ گزرتا ہے تو بغیر مس کیسے بولتا ہے، اسی طرح وہ صُور جنہیں رومی اور ہندی لوگ بتاتے ہیں کہ دیکھنے والا ان میں اور انسان میں فرق نہیں کر سکتا۔ وہ انہیں ہنسنے والا اور رونے والا تصور کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان میں خوشی کی مسکراہٹ اور شرمندگی کی مسکراہٹ میں فرق کیا جا سکتا ہے، یہ نہایت ہی باریک خیالی امور ہیں، فرعون کے جادوگروں کا جادو اسی قسم سے تھا، اسی باب سے صندوق الساعات کا تعلق ہے، اسی کے تحت بھاری اشیاء کو کھینچنے کا علم بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ بھاری شی کو نہایت ہی ہلکی پھلکی شی سے کھینچ لیا جائے۔ حقیقتاً اسے باب جادو میں شامل کرنا مناسب نہیں کیونکہ ان کے اسباب نفسیہ معلوم ہیں جو بھی ان سے مطلع ہوگا وہ یہ عمل کر سکے گا ہاں ان سے اطلاع نہایت ہی مشکل ہے۔ اس لیے انہیں کوئی ہی پا سکتا ہے۔ اسی وجہ سے اہلِ ظاہر اسے جادو ہی میں شامل مانتے ہیں۔ اسی باب سے عمل ارجعیانوس موسیقار کا تعلق بھی ہے جو اس نے پرانے ہیکل یروشلم کی تجدید کے وقت کیا۔

موسیقار کا واقعہ

ہوا یوں کہ وہ اتفاقاً کسی جنگل سے گزر رہا تھا وہاں اس نے براصل کا بچہ پایا، یہ ایسا پرندہ ہے جو غمگین آواز نکالتا ہے اور براصل اس کے پاس زیتون ڈالتے تو وہ کچھ کھا لیتا ہے اور کچھ چھوڑ دیتا ہے یہ موسیقار وہاں سے گذرا اور وہاں کھڑا ہو گیا اور اس بچے کے احوال پر غور کرنے لگا تو اس نے محسوس کیا کہ اس کی آواز میں درد اور سوز اس قدر ہے کہ پرندے سن کر آجاتے ہیں اور وہ زیتون وغیرہ کھانے کیلئے اس کے پاس چھوڑ جاتے ہیں۔ اس نے بھی ایک آلہ کے ذریعے اس کی آواز نکالنے کی کوشش کی کہ جب بھی اس میں ہوا آئے تو وہ اسی طرح سیٹی کی آواز نکالے۔ یہاں تک کہ وہ اس میں کامیاب ہو گیا۔ براصل نے وہاں زیتون لانا

Marfat.com

شروع کر دیا جیسا کہ وہ اس بچے کے پاس لا رہے تھے اور یہ گمان کیا شاید یہاں ہمارا ہی بچہ ہے، جب اس پر اعتماد ہو گیا تو وہ اپنا آلہ لے کر ہیکل یروشلم آیا۔ اس نے اس رات کے بارے میں پوچھا جس میں اس کا ناظم و مہتمم اسطرخس دفن ہوا تھا۔ اسے بتایا گیا وہ آب کی پہلی رات تھی تو اس نے شیشہ کا خول بصورت براصیل اس ہیکل پر نصب کیا اور اس پر قبہ تعمیر کروایا اور کہا کہ اسے پہلی آب کھولا کریں تو اس صورت میں ہوا کی وجہ سے براصیل کی آواز پیدا ہوتی اور اس پر براصیل زیتون لے کر آجاتے حتیٰ کہ وہ قبہ ہر روز زیتون سے بھر جاتا، لوگ اسے مدفون کی کرامت گردانتے۔ اس قسم میں اسی طرح کی متعدد اشیاء شامل ہیں جن کی تفصیل کا یہ مقام نہیں۔

جادو کی چھٹی قسم

خاص ادویات سے معاونت حاصل کر لینا مثلاً طعام میں بعض ایسی ادویات شامل کرنا جو عقل زائل کر دیں، نشہ اور دھواں مثلاً دماغ الحمار، جب انسان کھائے تو اس کا عقل منجمد اور فطانت کم ہو جاتی ہے اور ان خواص کا انکار ممکن نہیں کیونکہ مقناطیس کا اثر عیاں وظاہر ہے البتہ لوگ اس میں خلط ملط کر کے صدق کو کذب اور باطل کو حق بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

جادو کی ساتویں قسم

دل کا مسخر کر لینا، کہ جادوگر دعویٰ کرے میں اسم اعظم جانتا ہوں یا جن میرے تابع ہو کر کام بجالاتے ہیں، ممکن ہے سامع ضعیف العقل اور کم علم ہونے کی وجہ سے اسے صحیح مان لے اور دل کو اس سے متعلق کر لے تو اب اس پر اس کا خوف اور رعب پیدا ہو جائے گا، جب خوف آ گیا تو حواس کمزور ہو گئے تو اب ساحر جو چاہے کرے، جو لوگ تجربہ رکھتے ہیں اور اہلِ علم کے احوال سے آگاہ ہیں وہ جانتے ہیں کہ قلب کا نفاذِ عمل اور اخفاءِ اسرار پر کس قدر اثر عظیم ہوتا ہے؟

جادو کی آٹھویں قسم

نمیمہ اور تضریب سے نہایت ہی خفیف انداز میں عمل کرنا اور یہ لوگوں میں معروف ہے۔

یہ جادو کی اقسام اور ان کی تفصیل میں گفتگو تھی۔

چوتھا مسئلہ: کیا یہ انواع ممکن ہیں

کیا یہ انواع سحر ممکن ہیں یا نہیں؟ اس میں اہلِ اسلام کے مختلف اقوال ہیں۔

Marfat.com

شروع کر دیا جیسا کہ وہ اس بچے کے پاس لا رہے تھے اور یہ گمان کیا شاید یہاں ہمارا ہی بچہ ہے، جب اس پر اعتماد ہو گیا تو وہ اپنا آلہ لے کر ہیکل یروشلم آیا۔ اس نے اس رات کے بارے میں پوچھا جس میں اس کا ناظم و مہتمم اسطرخس دفن ہوا تھا۔ اسے بتایا گیا وہ آب کی پہلی رات تھی تو اس نے شیشہ کا خول بصورت براصیل اس ہیکل پر نصب کیا اور اس پر قبہ تعمیر کروایا اور کہا کہ اسے پہلی آب کھولا کریں تو اس صورت میں ہوا کی وجہ سے براصیل کی آواز پیدا ہوتی اور اس پر براصیل زیتون لے کر آجاتے حتیٰ کہ وہ قبہ ہر روز زیتون سے بھر جاتا، لوگ اسے مدفون کی کرامت گردانتے۔ اس قسم میں اسی طرح کی متعدد اشیاء شامل ہیں جن کی تفصیل کا یہ مقام نہیں۔

جادو کی چھٹی قسم

خاص ادویات سے معاونت حاصل کر لینا مثلاً طعام میں بعض ایسی ادویات شامل کرنا جو عقل زائل کر دیں، نشہ اور دھواں مثلاً دماغ الحمار، جب انسان کھائے تو اس کا عقل منجمد اور فطانت کم ہو جاتی ہے اور ان خواص کا انکار ممکن نہیں کیونکہ مقناطیس کا اثر عیاں وظاہر ہے البتہ لوگ اس میں خلط ملط کر کے صدق کو کذب اور باطل کو حق بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

جادو کی ساتویں قسم

دل کا مسخر کر لینا، کہ جادوگر دعویٰ کرے میں اسم اعظم جانتا ہوں یا جن میرے تابع ہو کر کام بجالاتے ہیں، ممکن ہے سامع ضعیف العقل اور کم علم ہونے کی وجہ سے اسے صحیح مان لے اور دل کو اس سے متعلق کر لے تو اب اس پر اس کا خوف اور رعب پیدا ہو جائے گا، جب خوف آگیا تو حواس کمزور ہو گئے تو اب ساحر جو چاہے کرے، جو لوگ تجربہ رکھتے ہیں اور اہلِ علم کے احوال سے آگاہ ہیں وہ جانتے ہیں کہ قلب کا نفاذِ عمل اور اخفاءِ اسرار پر کس قدر اثر عظیم ہوتا ہے؟

جادو کی آٹھویں قسم

نمیمہ اور تضریب سے نہایت ہی خفیف انداز میں عمل کرنا اور یہ لوگوں میں معروف ہے۔

یہ جادو کی اقسام اور ان کی تفصیل میں گفتگو تھی۔

چوتھا مسئلہ: کیا یہ انواع ممکن ہیں

کیا یہ انواع سحر ممکن ہیں یا نہیں؟ اس میں اہلِ اسلام کے مختلف اقوال ہیں۔

Marfat.com

معتزلہ کا قول

معتزلہ کہتے ہیں، جونوع، تخیل، ادویات اور تضریب کی طرف منسوب ہیں یہ ممکن ہیں باقی پانچ کا وہ انکار کرتے ہیں، ان کا وجود ماننے اوران کا قول کرنے والوں کی تکفیر کرتے ہیں۔

اہلسنّت مانتے ہیں کہ ساحر قدرت رکھتا ہے کہ وہ ہوا میں اڑے، انسان کو حمار اور حمار کو انسان بنادے مگر وہ کہتے ہیں جب ساحر مخصوص عمل کرتا اور پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہی ان اشیاء کو پیدا کرنے والا ہوتا ہے، اس میں فلک و نجوم ہرگز مؤثر نہیں ہوتے۔

فلاسفہ، اہلِ نجوم اور صابئہ کا مؤقف پیچھے گزر چکا ہے۔

ہمارے اصحاب نے صابئہ کے اس قول سے یوں استدلال کیا ہے کہ عالم کا حدوث ثابت ہے لہٰذا اس کے موجد کا قادر ہونا ضروری ہے۔ عقل جب کسی شئ کو مقدور مانتی ہے تو اس لیے مقدور ہے کہ ممکن ہے اور امکان، تمام ممکنات میں قدر مشترک ہے تو اب تمام ممکنات اللہ تعالیٰ کے مقدور ہوں گے، اگر ان مقدورات میں سے کوئی بھی کسی اور سبب سے موجود ہو تو ضروری ہے کہ وہ سبب اسی مقدور کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تعلق زائل کردے تو اب حادث اللہ تعالیٰ کے عجز کا سبب بنے گا جو محال ہے لہٰذا ثابت ہوا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بغیر کسی ممکن کا وقوع محال ہوگا۔ اب صابئہ کا قول باطل ہوجائے گا۔ وہ کہتے ہیں جب یہ ثابت ہے تو ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ ان خوارق کا وقوع بوقت جادو حسب عادت محال ہے۔

انہوں نے جادو کی وجہ سے ان کے وقوع پر قرآن واحادیث سے استدلال کیا ہے۔

قرآنی دلائل

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے:

وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ — اس سے نقصان نہیں پہنچا سکتے کسی کو مگر خدا کے حکم سے

استثناواضح کررہی ہے یہ اثر جادو کے سبب ہے۔

احادیث اس سلسلہ میں متواتر و احاد مروی ہے۔

۱۔ حضور ﷺ پر جادو کردیا گیا جب اس حالت میں آپ ﷺ کوئی عمل کرتے تو فرماتے، مجھے احساس ہوتا ہے میں نے یہ بات کہی یا یہ کام کیا مگر نہ کہا نہ کیا ہوتا ہے۔

(البخاری:۵۷۶۶)

Marfat.com

۲۔ یہودی عورت نے جادو کر کے کنوئیں کی تہہ میں رکھ دیا تھا جب اسے نکالا گیا تو آپ سے تکلیف دور ہوگئی اور معوذتین کا نزول ہوا۔

۳۔ جادوگرنی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور پوچھا: کیا میرے لیے توبہ ہے؟ پوچھا: تو نے کب جادو کیا؟ کہنے لگی: میں ہاروت و ماروت کے مقام بابل گئی تاکہ جادو سیکھوں۔ انہوں نے مجھے کہا: اللہ کی بندی امر دنیا سے عذاب آخرت حاصل نہ کرو۔ میں نے انکار کیا انہوں نے کہا جاؤ اس راکھ پر پیشاب کرو میں پیشاب کرنے کیلئے چلی اور سوچا ایسا نہیں کروں گی۔ ان کے پاس آئی اور کہا میں نے کردیا ہے۔ کہنے لگے: تو نے وہاں کیا دیکھا؟ کہا کچھ نہیں۔ کہنے لگے تو ابھی بہتر راہ پر ہے، اللہ سے ڈرو اور نہ سیکھو۔ میں نے انکار کیا۔ کہنے لگے: جاؤ پھر پیشاب کرو۔ میں گئی اور پیشاب کیا۔ میں نے دیکھا لگام والا گھوڑا میرے فرج سے نکل کر آسمان کی طرف چلا گیا۔ میں نے واپس آکر انہیں بتایا تو کہنے لگے: وہ تیرا ایمان تھا جو تجھ سے خارج ہوگیا اور اب تو جادوگرنی ہے۔ میں نے کہا: کیسے؟ کہنے لگے: جو چاہتی ہے اس کا تصور کرو۔ میں نے دل میں گندم کے دانہ کا تصور کیا تو میرے سامنے دانہ آگیا میں نے اسے بونے کا سوچا اسی وقت اس سے پودا و خوشہ سامنے آگئے، میں نے پینے کا خیال کیا تو وہ پس گیا پھر روئی بن گیا بس میں جو بھی تصور کرتی وہ ہو جاتا۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: تیرے لیے توبہ نہیں ہے۔

۴۔ اس سلسلہ میں متعدد و کثیر حکایات منقول ہیں جو بہت ہی مشہور ہیں۔

معتزلہ کے دلائل

معتزلہ نے انکار پر یہ دلائل دیے ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى (پ ۱۶، طٰہٰ: ۶۹)

اور جادوگر کا بھلا نہیں ہوتا کہیں آوے

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمانِ الٰہی ہے:

وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا (پ ۱۹، الفرقان: ۸)

اور ظالم بولے تم تو پیروی نہیں کرتے مگر ایسے مرد کی جس پر جادو ہوا

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسحور ہو گئے تھے (جادو چل گیا تھا) تو ان کے قول کی مذمت نہ ہوتی۔

۳۔ اگر جادو ہو سکتا ہے تو پھر معجزہ اور جادو میں امتیاز کہاں؟

Marfat.com

۲۔ یہودی عورت نے جادو کر کے کنوئیں کی تہہ میں رکھ دیا تھا جب اسے نکالا گیا تو آپ سے تکلیف دور ہوگئی اور معوذتین کا نزول ہوا۔

۳۔ جادوگرنی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور پوچھا: کیا میرے لیے توبہ ہے؟ پوچھا: تو نے کب جادو کیا؟ کہنے لگی: میں ہاروت و ماروت کے مقام بابل گئی تا کہ جادو سیکھوں۔ انہوں نے مجھے کہا: اللہ کی بندی امر دنیا سے عذاب آخرت حاصل نہ کرو۔ میں نے انکار کیا انہوں نے کہا جاؤ اس راکھ پر پیشاب کرو میں پیشاب کرنے کیلئے چلی اور سوچا ایسا نہیں کروں گی۔ ان کے پاس آئی اور کہا میں نے کر دیا ہے۔ کہنے لگے: تو نے وہاں کیا دیکھا؟ کہا کچھ نہیں۔ کہنے لگے تو ابھی بہتر راہ پر ہے، اللہ سے ڈرو اور نہ سیکھو۔ میں نے انکار کیا۔ کہنے لگے: جاؤ پھر پیشاب کرو۔ میں گئی اور پیشاب کیا۔ میں نے دیکھا لگام والا گھوڑا میرے فرج سے نکل کر آسمان کی طرف چلا گیا۔ میں نے واپس آکر انہیں بتایا تو کہنے لگے: وہ تیرا ایمان تھا جو تجھ سے خارج ہو گیا اور اب تو جادوگرنی ہے۔ میں نے کہا: کیسے؟ کہنے لگے: جو چاہتی ہے اس کا تصور کرو۔ میں نے دل میں گندم کے دانہ کا تصور کیا تو میرے سامنے دانہ آ گیا میں نے اسے بونے کا سوچا اسی وقت اس سے پودا و خوشہ سامنے آ گئے، میں نے پیسنے کا خیال کیا تو وہ پس گیا پھر روئی بن گیا بس میں جو بھی تصور کرتی وہ ہو جاتا۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: تیرے لیے توبہ نہیں ہے۔

۴۔ اس سلسلہ میں متعدد و کثیر حکایات منقول ہیں جو بہت ہی مشہور ہیں۔

معتزلہ کے دلائل

معتزلہ نے انکار پر یہ دلائل دیے ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى (پ۱۶، طہ:۶۹) اور جادوگر کا بھلا نہیں ہوتا کہیں آوے

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمانِ الٰہی ہے:

وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا (پ۱۹، الفرقان:۸) اور ظالم بولے تم تو پیروی نہیں کرتے مگر ایسے مرد کی جس پر جادو ہوا

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسحور ہو گئے تھے (جادو چل گیا تھا) تو ان کے قول کی مذمت نہ ہوتی۔

۳۔ اگر جادو ہو سکتا ہے تو پھر معجزہ اور جادو میں امتیاز کہاں؟

نعش قدیر

Marfat.com

ہمارے دلائل یقینی ہیں اور جو تم نے احادیث نقل کی ہیں وہ احاد ہیں اور وہ ہمارے ان دلائل کے مقابل نہیں آسکتیں۔

پانچواں مسئلہ: جادو سیکھنا

جادو سیکھنا نہ قبیح ہے اور نہ ممنوع۔ تمام محققین کا اتفاق ہے کہ ہر علم اپنی ذات کے اعتبار سے اعلیٰ و معزز ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فرمان میں عموم بھی ہے۔

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ — تم فرماؤ کیا برابر ہیں جاننے والے اور نہ جاننے والے؟

(پ۲۳، الزمر:۹)

اور اس لیے بھی کہ اگر جادو سیکھا نہ جاتا تو اس کے اور معجزہ میں فرق کیسے ہوتا، حالانکہ معجزہ کو معجزہ جاننا لازم ہے اور جس پر کسی واجب کا مدار ہو اس کا حصول بھی واجب ہوتا ہے۔ لہٰذا تحصیلِ جادو لازم ہوگی اور جو خود لازم ہو وہ مذموم و قبیح کیسے ہوسکتا ہے؟

چھٹا مسئلہ: تکفیر جادوگر

جادوگر کافر ہے یا نہیں؟ فقہاء کا اختلاف ہے کہ اسے کافر کہا جائے یا نہیں؟ حضور ﷺ سے مروی ہے:

من أتی کاھناً أو عرافاً فصدقھما بقول فقد کفر بما أنزل علی محمد علیه السلام — جو کسی کاہن اور کھوجی کے پاس گیا اور ان کے قول پر ایمان لے آیا اس نے محمد ﷺ پر نازل شدہ تعلیمات کے ساتھ کفر کیا (سنن ابوداؤد:۳۹۰۴)

اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ جو یہ مانے کہ ستارے ہی تدبیر کرتے ہیں اور یہی حوادث، خیر و شر کے خالق ہیں وہ ہر حال میں کافر ہے اور یہ جادو کی پہلی قسم تھی۔

رہی دوسری قسم کہ یہ اعتقاد کرے کہ روحِ انسانی تصفیہ اور قوت میں یہاں تک چلی جاتی ہے کہ وہ ایجادِ اجسام، حیات، قدرت اور جسم و شکل کی تبدیلی پر قادر ہو جاتی ہے تو اظہر یہی ہے کہ اس کی تکفیر پر اُمت کا اجماع ہے۔

تیسری قسم کا حکم

ساحر یہ اعتقاد رکھے کہ وہ تصفیہ، دم پڑھنے اور بعض ادویہ کی وجہ سے یہاں تک کر سکتا ہے کہ ان افعال کے بعد بطور عادت اجسام، حیات، عقل اور شکل میں تبدیلی لا سکتا ہے، معتزلہ اس کی بھی تکفیر کرتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ اس اعتقاد کے بعد انبیاء و رسل کا صدق کیسے معلوم ہوگا؟

Marfat.com

لیکن یہ قول کمزور ہے۔کوئی کہہ سکتا ہے انسان اگر نبوت کا دعویٰ کرے اور دعویٰ بھی جھوٹا ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے بندے کے ہاتھ پر ایسی اشیاء کا اظہار ہی نہیں فرمائے گا تاکہ التباس نہ ہو اور اگر جھوٹ کا دعویٰ نہیں اور اس کے ہاتھ پر ان اشیاء کا اظہار ہوا تو اس پر التباس نہیں ہوگا کیونکہ حق باطل سے یوں ممتاز ہوگا کہ حق کیلئے دعویٰ نبوت کے ساتھ ان اشیاء کا حصول ہوگا جبکہ باطل کا دعویٰ ہوگا مگر ان کا حصول نہ ہوگا۔باقی انواع جادو بلاشبہ کفر نہیں۔

سوال: یہود نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف جادو کی نسبت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت کا اعلان کیا:

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ (سلیمان نے کفر نہیں کیا)

یہ واضح کر رہا ہے کہ ہر جادو کفر ہے۔پھر یہ بھی فرمایا:

وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ لیکن شیاطین نے کفر کیا کہ لوگوں کو جادو سکھایا

اس سے بھی ہر جادو کا کفر ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ملکین (فرشتوں) کے بارے میں ہے کہ وہ کسی کو جادو نہ سکھاتے حتیٰ کہ کہتے:

اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ہم آزمائش ہیں تو کفر نہ کرو

ان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے ہر جادو کفر ہے۔

جواب: حکایتِ حال کے صدق کیلئے جادو کی صورتِ واحد ہی کافی ہے اور اس سے مراد ستاروں کو خدا ماننا ہے۔

ساتواں مسئلہ: جادوگر اور قتل

کیا جادوگر کو قتل کر دیا جائے یا نہیں؟

نوع اول، یہ اعتقاد کہ ستارے خدا اور مؤثر حقیقی ہیں، اسی طرح نوع ثانی کہ ساحر اعتقاد کرے کہ میں اجسام، حیات، قدرت، عقل اور مختلف اشکال پر قادر ہو چکا ہوں ان دونوں صورت کے کفر میں کوئی شبہ نہیں۔اگر مسلمان ایسا عقیدہ اختیار کرے تو وہ مرتد ہے اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا اگر توبہ نہ کرے مصر رہے تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔

حضرت امام مالک اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: اس کی توبہ مقبول نہیں۔ہم (شوافع) کہتے ہیں اگر وہ دوبارہ اسلام لے آئے تو اس کا اسلام معتبر ہوگا۔حضور ﷺ کا فرمان ہے:

نَحْنُ نَحْكُمُ بِالظَّاهِرِ ہم ظاہر پر ہی فیصلہ کرتے ہیں

رہی قسم ثالث یہ اعتقاد ہو کہ دم کرنے اور ادویات کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے طریقہ پر خلق اجسام و حیات اور تبدیلی شکل و صورت پیدا کر دیتا ہے۔یعنی اس کا اعتقاد یہ ہوتا ہے اس طریق سے اجسام، حیات اور تبدیلی خلقت تک وہ پہنچ جاتا ہے، معتزلہ

Marfat.com

لیکن یہ قول کمزور ہے۔کوئی کہہ سکتا ہے انسان اگر نبوت کا دعویٰ کرے اور دعویٰ بھی جھوٹا ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے بندے کے ہاتھ پر ایسی اشیاء کا اظہار ہی نہیں فرمائے گا تا کہ التباس نہ ہو اور اگر جھوٹ کا دعویٰ نہیں اور اس کے ہاتھ پر ان اشیاء کا اظہار ہوا تو اس پر التباس نہیں ہوگا کیونکہ حق باطل سے یوں ممتاز ہوگا کہ حق کیلئے دعویٰ نبوت کے ساتھ ان اشیاء کا حصول ہوگا جبکہ باطل کا دعویٰ ہوگا مگر ان کا حصول نہ ہوگا۔باقی انواع جادو بلاشبہ کفر نہیں۔

سوال: یہود نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف جادو کی نسبت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت کا اعلان کیا:

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ (سلیمان نے کفر نہیں کیا)

یہ واضح کر رہا ہے کہ ہر جادو کفر ہے۔پھر یہ بھی فرمایا:

وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ لیکن شیاطین نے کفر کیا کہ لوگوں کو جادو سکھایا

اس سے بھی ہر جادو کا کفر ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ملکین (فرشتوں) کے بارے میں ہے کہ وہ کسی کو جادو نہ سکھاتے حتیٰ کہ کہتے:

اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ہم آزمائش ہیں تو کفر نہ کرو

ان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے ہر جادو کفر ہے۔

جواب: حکایتِ حال کے صدق کیلئے جادو کی صورتِ واحد ہی کافی ہے اور اس سے مراد ستاروں کو خدا ماننا ہے۔

ساتواں مسئلہ: جادوگر اور قتل

کیا جادوگر کو قتل کر دیا جائے یا نہیں؟

نوع اول، یہ اعتقاد کہ ستارے خدا اور مؤثر حقیقی ہیں، اسی طرح نوع ثانی کہ ساحر اعتقاد کرے کہ میں اجسام، حیات، قدرت، عقل اور مختلف اشکال پر قادر ہو چکا ہوں ان دونوں صورت کے کفر میں کوئی شبہ نہیں۔اگر مسلمان ایسا عقیدہ اختیار کرے تو وہ مرتد ہے اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا اگر توبہ نہ کرے مصر رہے تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔

حضرت امام مالک اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: اس کی توبہ مقبول نہیں۔ہم (شوافع) کہتے ہیں اگر وہ دوبارہ اسلام لے آئے تو اس کا اسلام معتبر ہوگا۔حضور ﷺ کا فرمان ہے:

نَحْنُ نَحْكُمُ بِالظَّاهِرِ ہم ظاہر پر ہی فیصلہ کرتے ہیں

رہی قسم ثالث یہ اعتقاد ہو کہ دم کرنے اور ادویات کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے طریقہ پر خلق اجسام و حیات اور تبدیلی شکل و صورت پیدا کر دیتا ہے۔یعنی اس کا اعتقاد یہ ہوتا ہے اس طریق سے اجسام، حیات اور تبدیلی خلقت تک وہ پہنچ جاتا ہے، معتزلہ

Marfat.com

کہتے ہیں یہ بھی کفر ہے کیونکہ اس اعتقاد کی موجودگی میں صدق انبیاء پر معجزہ سے استدلال ممکن نہ ہوگا۔ لیکن یہ بات کمزور ہے۔ جواباً کہا جاسکتا ہے فرق ہے یوں کہ مدعی نبوت اگر دعویٰ میں سچا ہوا تو ان اشیاء کا ظہور ہوگا اور اگر کاذب ہوا تو ان کا حصول مشکل تو اس سے سحر اور معجزہ میں فرق ہو جاتا ہے۔ جب واضح ہوا یہ کافر نہیں اور ممکن الوقوع ہے اگر ساحر نے ان میں سے کچھ کہا اور اس کا اعتقاد تھا کہ اس کا لانا مباح ہے تو کافر کیونکہ اس نے ممنوع کو مباح قرار دیا اور اگر اس کی حرمت کا قائل تھا تو امام شافعی رضی اللہ عنہ کے ہاں اس کا حکم جنایت والا ہے۔ مثلاً کہتا ہے میرے جادو سے اغلب قتل ہے تو اس سے قصاص لیا جائے گا اور اگر کہتا ہے کہ بعض اوقات قتل ہو جاتا ہے اور بعض اوقات نہیں تو یہ شبہ عمد ہے اگر کہے میں نے دوسرے پر جادو کیا مگر ہوا اس پر گیا تو یہ خطا ہے، جس کی وجہ سے دیت مخففہ لازم ہوگی۔ کیونکہ ثبوت اقرار سے ہوا اور اگر قبیلہ تصدیق کرتا ہے تو ان پر ہوگی یہ مذہب شافعی کی تفصیل ہے

شیخ حسن بن زیاد، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں ساحر کو قتل کر دیا جائے نہ اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اور نہ اس کا قول قبول کیا جائے کہ میں نے جادو ترک کر کے توبہ کر لی ہے، جب اس نے اقرار کر لیا تو اس کا خون مباح، اگر دو آدمی گواہی دیں یہ جادوگر ہے یا اس کا وصف بیان کریں جس سے جادوگر ہونا معلوم ہو تو اسے قتل کیا جائے اور توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ اگر یہ اقرار کرے میں نے ایک دفعہ جادو کیا اور کافی عرصہ سے اسے ترک کر دیا تو اس کی بات قبول کی جائے اور قتل نہ کیا جائے۔

شیخ محمد بن شجاع نے امام علی رازی سے نقل کیا۔ میں نے امام ابویوسف سے امام ابوحنیفہ کی رائے جادوگر کے بارے میں پوچھی تو فرمایا: اسے قتل کیا جائے اور توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے یہ بمنزل مرتد نہیں اور فرمایا: ساحر کفر کے ساتھ زمین پر فساد بھی پھیلاتا ہے اور جس کی یہ حالت ہو اسے قتل پر قتل ہی کیا جاتا ہے، ہمارے اصحاب کہتے ہیں:

۱۔ جب ثابت ہو گیا کہ یہ نوع کفر نہیں بلکہ فسق ہے تو اگر حق غیر میں جنایت نہیں ہوتی تو اس میں حق وہی ہے جو تفصیلاً گزرا ہے

۲۔ یہودی ساحر کو قتل نہ کیا گیا، اس کا نام لبید بن اعصم تھا اس نے حضور ﷺ پر جادو کیا۔ خیبر کی یہودی جادوگر عورت زینب کو بھی قتل نہ کروایا لہٰذا اہل ایمان کو بھی قتل نہ کیا جائے۔ آپ کا فرمان ہے:

لَهُمْ مَا لِلْمُسْلِمِيْنَ وَ عَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ (سنن ابوداؤد: ۲۶۴۱)

ان غیر مسلموں کے حقوق وہی ہیں جو مسلمانوں کے ہیں اور ان کے فرائض وہی ہیں جو مسلمانوں کے ہیں

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل

امام ابوحنیفہ کے دلائل یہ روایات ہیں:

۱۔ امام نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی نے جادو کیا، پکڑی گئی۔ اعتراف پر اسے

Marfat.com

کہتے ہیں یہ بھی کفر ہے کیونکہ اس اعتقاد کی موجودگی میں صدق انبیاء پر معجزہ سے استدلال ممکن نہ ہوگا۔ لیکن یہ بات کمزور ہے۔ جواباً کہا جاسکتا ہے فرق ہے یوں کہ مدعی نبوت اگر دعویٰ میں سچا ہوا تو ان اشیاء کا ظہور ہوگا اور اگر کاذب ہوا تو ان کا حصول مشکل تو اس سے سحر اور معجزہ میں فرق ہو جاتا ہے۔ جب واضح ہوا یہ کافر نہیں اور ممکن الوقوع ہے اگر ساحر نے ان میں سے کچھ کہا اور اس کا اعتقاد تھا کہ اس کا لانا مباح ہے تو کافر کیونکہ اس نے ممنوع کو مباح قرار دیا اور اگر اس کی حرمت کا قائل تھا تو امام شافعی رضی اللہ عنہ کے ہاں اس کا حکم جنایت والا ہے۔ مثلاً کہتا ہے میرے جادو سے اغلب قتل ہے تو اس سے قصاص لیا جائے گا اور اگر کہتا ہے کہ بعض اوقات قتل ہو جاتا ہے اور بعض اوقات نہیں تو یہ شبہ عمد ہے اگر کہے میں نے دوسرے پر جادو کیا مگر ہوا اس پر گیا تو یہ خطا ہے جس کی وجہ سے دیت مخففہ لازم ہوگی۔ کیونکہ ثبوت اقرار سے ہوا اور اگر قبیلہ تصدیق کرتا ہے تو ان پر ہوگی یہ مذہب شافعی کی تفصیل ہے

شیخ حسن بن زیاد، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں ساحر کو قتل کر دیا جائے نہ اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اور نہ اس کا قول قبول کیا جائے کہ میں نے جادو ترک کر کے توبہ کر لی ہے، جب اس نے اقرار کر لیا تو اس کا خون مباح، اگر دو آدمی گواہی دیں یہ جادوگر ہے یا اس کا وصف بیان کریں جس سے جادوگر ہونا معلوم ہو تو اسے قتل کیا جائے اور توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ اگر یہ اقرار کرے میں نے ایک دفعہ جادو کیا اور کافی عرصہ سے اسے ترک کر دیا تو اس کی بات قبول کی جائے اور قتل نہ کیا جائے۔

شیخ محمد بن شجاع نے امام علی رازی سے نقل کیا۔ میں نے امام ابو یوسف سے امام ابوحنیفہ کی رائے جادوگر کے بارے میں پوچھی تو فرمایا: اسے قتل کیا جائے اور توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے یہ بمنزل مرتد نہیں اور فرمایا: ساحر کفر کے ساتھ زمین پر فساد بھی پھیلاتا ہے اور جس کی یہ حالت ہو اسے قتل پر قتل ہی کیا جاتا ہے، ہمارے اصحاب کہتے ہیں:

۱۔ جب ثابت ہو گیا کہ یہ نوع کفر نہیں بلکہ فسق ہے تو اگر حق غیر میں جنایت نہیں ہوتی تو اس میں حق وہی ہے جو تفصیلاً گزرا ہے

۲۔ یہودی ساحر کو قتل نہ کیا گیا، اس کا نام لبید بن اعصم تھا اس نے حضور ﷺ پر جادو کیا۔ خیبر کی یہودی جادوگر عورت زینب کو بھی قتل نہ کروایا لہٰذا اہل ایمان کو بھی قتل نہ کیا جائے۔ آپ کا فرمان ہے:

لَهُمْ مَا لِلْمُسْلِمِينَ وَ عَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُسْلِمِينَ (سنن ابوداؤد: ۲۶۴۱)

ان غیر مسلموں کے حقوق وہی ہیں جو مسلمانوں کے ہیں اور ان کے فرائض وہی ہیں جو مسلمانوں کے ہیں

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل

امام ابوحنیفہ کے دلائل یہ روایات ہیں:

۱۔ امام نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی نے جادو کیا، پکڑی گئی۔ اعتراف پر اسے

Marfat.com

حضرت عبدالرحمٰن بن زید رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک بات پہنچی تو ناراض ہوئے تو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے حاضر ہو کر تمام معاملہ بتایا گویا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ناراضگی کا سبب ان کی اجازت کے بغیر قتل تھا۔

۲۔ حضرت عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمال کے نام تحریراً لکھا ہر جادوگر مرد و عورت کو قتل کر دو تو ہم نے تین جادوگروں کو قتل کر دیا۔ (سنن ابوداؤد: ۳۰۴۳)

۳۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ نجومی قسم کے لوگ عجم کے کاہن ہیں جو ان کے پاس گیا اور ان کے قول پر ایمان لے آیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ تعلیمات کا منکر ٹھہرا۔

جواب: ممکن ہے یہ جادوگر کافر ہوں اور حکایت حال کے صدق کیلئے صورت واحد بھی کافی ہوتی ہے۔

جادو کی باقی انواع مثلاً شعبدہ بازی، آلات عجیبہ خواہ وہ گھوڑے ہوں یا ہندسے، اسی طرح خوف وغیرہ دلا کر اعتقاد دلانا، تضریب و نمیمہ اختیار کرنا، فرقت پیدا کرنا وہم پیدا کرنا کہ یہ تحریر اسم اعظم سے ہے تو یہ تمام کفر نہیں۔ اسی طرح لوگوں کے گھروں میں میلی اشیاء دفن کرنا۔ اسی طرح کہنا کہ جنات تابع ہیں، اسی طرح ادویات کھانوں میں ملا دینا کیونکہ یہ چیزیں حدِ کفر تک نہیں پہنچ پاتیں اور نہ ان میں قتل ہے، یہ سحر و جادو میں تفصیلی گفتگو تھی۔ اللّٰہ الکافی والوافی

وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ　　ہاں شیطان کافر ہوئے لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں

ظاہر آیت بتا رہا ہے ان کے کفر کی وجہ لوگوں کو جادو سکھانا ہے اس لیے کہ حکم کا کسی وصف پر مترتب ہونا بتاتا ہے کہ یہ وصف علت ہے، جو کفر نہیں اسکی تعلیم سبب کفر نہ ہوگی لہٰذا آیت بتا رہی ہے تعلیم جادو کفر ہے اور خود جادو بھی کفر ہے اس سے منکر کہہ سکتا ہے ہم نہیں مانتے حکم کا وصف پر مرتب ہونا علت پر دال ہے بلکہ معنی یہ ہے کہ انہوں نے کفر کیا اور اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے لوگوں کو جادو کی تعلیم دی۔

سوال: یہ معاملہ مشکل ہے اللہ تعالیٰ نے آخر آیت میں فرمایا: دونوں فرشتوں نے سحر کی تعلیم دی اگر تعلیم سحر کفر ہے تو ان دونوں سے کفر لازم آئے گا اور یہ درست نہیں کیونکہ ثابت و مسلم ہے ملائکہ تمام معصوم ہیں۔ پھر یہ بھی گذرا کہ جس پر سحر کا اطلاق آتا ہے اس کا کفر ہونا ضروری نہیں لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں۔ لفظ مشترک تمام مسمیات کو شامل نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہم اسے اس جادو پر محمول کریں جو کفر ہے اور وہ نوع اول ہے۔ یعنی ستاروں کو خدا ماننا اور ان سے اظہارِ معجزات و خوارق میں مدد طلب کرنا یہ جادو کفر ہے۔ شیاطین کا کفر بھی یہی جادو تھا نہ کہ باقی اقسام۔

باقی دونوں فرشتوں کے بارے میں ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ انہوں نے جادو کی یہی قسم سکھائی بلکہ ممکن ہے انہوں نے

Marfat.com

حضرت عبدالرحمٰن بن زید رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک بات پہنچی تو ناراض ہوئے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حاضر ہو کر تمام معاملہ بتایا گویا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ناراضگی کا سبب ان کی اجازت کے بغیر قتل تھا۔

۲۔ حضرت عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمال کے نام تحریراً لکھا ہر جادوگر مرد و عورت کو قتل کر دو تو ہم نے تین جادوگروں کو قتل کر دیا۔

(سنن ابوداؤد: ۳۰۴۳)

۳۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ نجومی قسم کے لوگ عجم کے کاہن ہیں جو ان کے پاس گیا اور ان کے قول پر ایمان لے آیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ تعلیمات کا منکر ٹھہرا۔

جواب: ممکن ہے یہ جادوگر کافر ہوں اور حکایت حال کے صدق کیلئے صورت واحد بھی کافی ہوتی ہے۔

جادو کی باقی انواع مثلاً شعبدہ بازی، آلات عجیبہ خواہ وہ گھوڑے ہوں یا ہندسے، اسی طرح خوف وغیرہ دلا کر اعتقاد دلانا، تضریب و نمیمہ اختیار کرنا، فرقت پیدا کرنا وہم پیدا کرنا کہ یہ تحریر اسم اعظم سے ہے تو یہ تمام کفر نہیں۔ اسی طرح لوگوں کے گھروں میں میلی اشیاء دفن کرنا۔ اسی طرح کہنا کہ جنات تابع ہیں، اسی طرح ادویات کھانوں میں ملا دینا کیونکہ یہ چیزیں حدِ کفر تک نہیں پہنچ پاتیں اور نہ ان میں قتل ہے، یہ سحر و جادو میں تفصیلی گفتگو تھی۔ اللہ الکافی والوافی

وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ہاں شیطان کافر ہوئے لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں

ظاہر آیت بتا رہا ہے ان کے کفر کی وجہ لوگوں کو جادو سکھانا ہے اس لیے کہ حکم کا کسی وصف پر مترتب ہونا بتاتا ہے کہ یہ وصف علت ہے، جو کفر نہیں اسکی تعلیم سبب کفر نہ ہوگی لہٰذا آیت بتا رہی ہے تعلیم جادو کفر ہے اور خود جادو بھی کفر ہے اس سے منکر کہہ سکتا ہے ہم نہیں مانتے حکم کا وصف پر مرتب ہونا علت پر دال ہے بلکہ معنی یہ ہے کہ انہوں نے کفر کیا اور اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے لوگوں کو جادو کی تعلیم دی۔

سوال: یہ معاملہ مشکل ہے اللہ تعالیٰ نے آخر آیت میں فرمایا: دونوں فرشتوں نے سحر کی تعلیم دی اگر تعلیم سحر کفر ہے تو ان دونوں سے کفر لازم آئے گا اور یہ درست نہیں کیونکہ ثابت و مسلم ہے ملائکہ تمام معصوم ہیں۔ پھر یہ بھی گذرا کہ جس پر سحر کا اطلاق آتا ہے اس کا کفر ہونا ضروری نہیں لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں۔ لفظ مشترک تمام مسمیات کو شامل نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہم اسے اس جادو پر محمول کریں جو کفر ہے اور وہ نوع اول ہے۔ یعنی ستاروں کو خدا ماننا اور ان سے اظہارِ معجزات و خوارق میں مدد طلب کرنا یہ جادو کفر ہے۔ شیاطین کا کفر بھی یہی جادو تھا نہ کہ باقی اقسام۔

باقی دونوں فرشتوں کے بارے میں ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ انہوں نے جادو کی یہی قسم سکھائی بلکہ ممکن ہے انہوں نے

Marfat.com

دوسری انواع کی تعلیم دی ہو، جیسا کہ باری تعالیٰ نے فرمایا:

فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ — وہ سیکھتے ہیں ان سے جو جدائی پیدا کر دے آدمی اور اس کی بیوی کے درمیان

اگر یہ کہا جائے کہ وہ اسی نوع کی تعلیم دیتے تو یاد رہے ان کی تعلیم کفر تب بنتی ہے جب معلم اس کو حق مانے اور اسے صواب و درست جانے اگر وہ سکھاتا ہے کہ اس سے احتراز کرو تو یہ کفر نہیں اور تعلیمِ ملائکہ کا مقصد یہی تھا کہ لوگ اس سے بچیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ — اور وہ دونوں کسی کو کچھ نہ سکھاتے جب تک یہ نہ کہہ لیتے کہ ہم تو نری آزمائش ہیں تم اپنا ایمان نہ کھوؤ۔

البتہ شیاطین لوگوں کو جادو کی تعلیم دیتے ان کا مقصد ہی ان اشیاء کو حق جاننا تھا لہٰذا فرق واضح ہو گیا۔

آٹھواں مسئلہ: امام نافع، ابنِ کثیر، عاصم اور ابوعمرو نے "لکنّ" پر شد اور شیاطین کو اس کا اسم بنا کر منصوب پڑھا باقی نے اسے مخفف اور شیاطین پر رفع پڑھا۔ معنیٰ ایک ہی ہے، اسی طرح سورۂ انفال میں ہے:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى — بلکہ اللہ نے پھینکیں

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ — (پ۹، الانفال: ۱۷) بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا

مختار یہ ہے کہ جب ساتھ واؤ ہو تو تشدید احسن اور واؤ نہ ہو تو تخفیف احسن، وجہ یہ ہے کہ تخفیف کی صورت میں عطف کیلئے آتا ہے تو اتصالِ کلام کی وجہ سے واؤ کی ضرورت نہیں۔ مشدد عاطفہ نہیں ہوتا کیونکہ اس وقت یہ اِنَّ والا عمل کرتا ہے۔

"وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ" کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: مَآ اُنْزِلَ، کے ما کی دو صورتیں ہیں:

۱- یہ بمعنی الذی ہو ہے، اسی میں پھر تین اقوال ہیں:

پہلا قول: اس کا سحر پر عطف ہے یعنی لوگوں کو جادو سکھاتے اور انہیں ملکین پر نازل ہونے والا بھی سکھاتے ہیں۔

Marfat.com

دوسرا قول: اس کا عطف "مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ" پر ہے۔ یعنی وہ اتباع کرتے ہیں جو شیاطین نے پڑھا وہ افترا ہے ملک سلیمان علیہ السلام پر اور جو نازل ہوا ملکین پر کیونکہ ایک جادو کفر ہے اور اسی کو شیاطین پڑھتے تھے دوسرے جادو کی تاثیر خاوند و بیوی میں تفریق پیدا کرنا تھی اور یہی ملکین پر نازل کیا گیا تھا گویا اللہ تعالیٰ یہود کے بارے میں مطلع فرما رہا ہے کہ انہوں نے دونوں جادوؤں کی اتباع کی اور صرف کسی ایک پر اکتفا نہیں کیا۔

تیسرا قول: اس کا عطف "ملکِ سلیمان" پر ہونے کی وجہ سے یہ محل جر میں ہے، یعنی جو شیاطین نے پڑھا بطور افترا ملک سلیمان پر اور نازل کردہ ملکین پر۔

ملکین پر نزول جادو کا انکار

شیخ ابو مسلم کا یہی مختار ہے اور انہوں نے کہا: ملکین پر نازل کردہ جادو نہیں اس پر ان کے دلائل یہ ہیں:

۱۔ اگر یہ جادو ہے تو نازل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور یہ جائز نہیں اس لیے کہ جادو کفر و بدعت ہے لہٰذا اس کا انزال اللہ تعالیٰ کے لائق ہی نہیں۔

۲۔ ارشاد مبارک:

وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ — ہاں شیطان کافر ہوئے لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں

واضح کر رہا ہے کہ جادو کی تعلیم کفر ہے اگر ثابت ہو جائے ملائکہ بھی اسی کی تعلیم دیتے ہیں تو ان کا کفر لازم آئے گا اور یہ باطل ہے۔

۳۔ جس طرح حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعثت تعلیمِ سحر کیلئے نہیں تو ملائکہ کیلئے یہ بات بطریق اولیٰ نہ ہوگی۔

۴۔ جادو کی نسبت کفار، فساق اور شیاطین کی طرف ہی ہوتی ہے تو جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا اور اس پر عذاب کی وعید فرمائی اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا مناسب ہی نہیں، جادو محض باطل اور بناوٹ ہوتی ہے اور سنتِ الٰہیہ اس کا ابطال ہے۔

جیسے واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں ہے:

مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ (پ ۱۱ یونس: ۸۱) — جو تم لائے یہ جادو ہے اللہ اسے باطل کر دے گا

پھر شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے آیت مبارکہ کی ایسی تفسیر کی ہے جو مفسرین کی اکثریت کے مخالف ہے تو لکھا۔

جیسا کہ شیاطین نے جادو کی نسبت ملکِ سلیمان کی طرف کر دی حالانکہ ملک سلیمان اس سے بری ہے اسی طرح انہوں نے جو کچھ ملائکہ پر نازل ہوا اسے جادو کہہ دیا حالانکہ ان پر نازل شدہ جادو ہرگز نہ تھا بلکہ وہ شریعت، دین اور خیر کی دعا تھی اور وہ

Marfat.com

دوسرا قول: اس کا عطف "مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْن" پر ہے۔ یعنی وہ اتباع کرتے ہیں جو شیاطین نے پڑھا وہ افترا ہے ملک سلیمان علیہ السلام پر اور جو نازل ہوا ملکین پر کیونکہ ایک جادو کفر ہے اور اسی کو شیاطین پڑھتے تھے دوسرے جادو کی تاثیر خاوند و بیوی میں تفریق پیدا کرنا تھی اور یہی ملکین پر نازل کیا گیا تھا گویا اللہ تعالیٰ یہود کے بارے میں مطلع فرمارہا ہے کہ انہوں نے دونوں جادوؤں کی اتباع کی اور صرف کسی ایک پر اکتفانہیں کیا۔

تیسرا قول: اس کا عطف "ملکِ سلیمان" پر ہونے کی وجہ سے یہ محل جر میں ہے، یعنی جو شیاطین نے پڑھا بطور افترا ملک سلیمان پر اور نازل کردہ ملکین پر۔

ملکین پر نزول جادو کا انکار

شیخ ابو مسلم کا یہی مختار ہے اور انہوں نے کہا: ملکین پر نازل کردہ جادو نہیں اس پر ان کے دلائل یہ ہیں:

۱۔ اگر یہ جادو ہے تو نازل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور یہ جائز نہیں اس لیے کہ جادو کفر و بدعت ہے لہٰذا اس کا انزال اللہ تعالیٰ کے لائق ہی نہیں۔

۲۔ ارشاد مبارک:

وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ — ہاں شیطان کافر ہوئے لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں

واضح کررہا ہے کہ جادو کی تعلیم کفر ہے اگر ثابت ہو جائے ملائکہ بھی اسی کی تعلیم دیتے ہیں تو ان کا کفر لازم آئے گا اور یہ باطل ہے۔

۳۔ جس طرح حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعثت تعلیمِ سحر کیلئے نہیں تو ملائکہ کیلئے یہ بات بطریق اولیٰ نہ ہوگی۔

۴۔ جادو کی نسبت کفار، فساق اور شیاطین کی طرف ہی ہوتی ہے تو جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا اور اس پر عذاب کی وعید فرمائی اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا مناسب ہی نہیں، جادو محض باطل اور بناوٹ ہوتی ہے اور سنتِ الٰہیہ اس کا ابطال ہے۔

جیسے واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں ہے:

مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ (پ ۱۱ یونس: ۸۱) — جو تم لائے یہ جادو ہے اللہ اسے باطل کر دے گا

پھر شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے آیت مبارکہ کی ایسی تفسیر کی ہے جو مفسرین کی اکثریت کے مخالف ہے تو لکھا۔

جیسا کہ شیاطین نے جادو کی نسبت ملکِ سلیمان کی طرف کر دی حالانکہ ملک سلیمان اس سے بری ہے اسی طرح انہوں نے جو کچھ ملائکہ پر نازل ہوا اسے جادو کہہ دیا حالانکہ ان پر نازل شدہ جادو ہرگز نہ تھا بلکہ وہ شریعت، دین اور خیر کی دعا تھی اور وہ

Marfat.com

لوگوں کو یہی سکھاتے اور ساتھ کہتے: اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ۔ تاکہ لوگ ان کی بات کو قبول کر کے اس پر ہی چلیں۔ کچھ لوگ بات مان لیتے اور کچھ نہ مانتے بلکہ مخالفت کرتے ہوئے ان سے کچھ فتنہ اور کفر کی اتنی مقدار سیکھ لیتے جس سے خاوند اور بیوی کے درمیان تفریق کر دی جائے۔ یہ شیخ ابو مسلم کے مذہب کی تفصیل تھی۔

۲۔ ما بمعنی جحد (انکار) ہے اور اس کا عطف "مَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ" پر ہے۔ گویا فرمایا: نہ سلیمان نے کفر کیا اور نہ ملکین پر جادو نازل ہوا کیونکہ جادوگر، جادو کی نسبت حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف کرتے اور کہتے یہی جادو بابل میں ہاروت و ماروت پر نازل ہوا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں ارشادات میں ان کا رد فرمایا ہے۔ "وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ اَحَدٍ" میں بھی انکار ہے یعنی انہوں نے یہ چیز کسی کو نہیں سکھائی بلکہ وہ تو اس سے سختی کے ساتھ منع کرتے۔

ارشادِ مبارک حَتّٰى يَقُوْلَا اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ۔ یعنی ہم آزمائش و ابتلاء ہیں فَلَا تَكْفُرْ (تو کفر نہ کرو، ایمان بچاؤ) یہ اس محاورہ کی طرح ہے۔ امرت فلانا بكذا حتٰى قلت له ان فعلت كذا نالك كذا۔ یعنی میں نے فعل کرنے کو نہیں کہا بلکہ اس سے بچنے کا کہا ہے۔

یاد رہے یہ اقوال اگرچہ حسن ہیں مگر قولِ اول ان سے احسن ہے۔ اس لیے کہ "مَا اُنْزِلَ" کا عطف متصل پر، دور والے سے اولیٰ ہے البتہ کوئی اور دلیل ہو تو الگ معاملہ ہوگا۔

پھر شیخ ابو مسلم کا اولاً یہ کہنا اگر وہ نازل کردہ جادو ہے تو وہ اللہ تعالیٰ نازل فرمانے والا ہے اس کے جواب میں ہم کہہ سکتے ہیں شی کی معرفت بعض اوقات اسے وجود میں لانے کیلئے ہوتی ہے اور بعض اوقات اس سے احتراز کیلئے جیسے شاعر نے کہا:

عرفت الشر لا للشر لكن لتوقيه

(میں نے شر کو پہچانا محض شر کیلئے نہیں ہاں اس سے بچنے کیلئے)

ان کا ثانیاً یہ کہنا کہ تعلیم سحر کفر ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ — ہاں شیطان کافر ہوئے لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں

تو جواب یہ ہے یہ حال کی حکایت ہے اس کے صدق کیلئے فقط ایک صورت کا پایا جانا کافی ہے اور وہ یہ کہ جب کوئی ایسے جادو کی تعلیم دے جو ستاروں کو خدا قرار دے اور اس کی تعلیم سے مقصد اس مذہب کو حق ثابت کرنا ہوا۔

ان کا ثالثاً کہنا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی آمد تعلیم سحر کیلئے نہیں اور یہی حکم ملائکہ کا ہے۔

جواب: ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اس کی تعلیم کیلئے بعثتِ انبیاء جائز نہیں کیونکہ ممکن ہے ان کی یہ تعلیم سحر اس کے مقابلہ اور ابطال کیلئے ہو

Marfat.com

ان کا قول رابعاً کہ جادو کی نسبت کفار اور باقی لوگوں کی طرف ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کیسے ہوگی حالانکہ اس نے اسے منع کر دیا ہے۔

جواب: اس پر عمل اور اس کی تعلیم میں فرق ہے یہ کیوں ممکن نہیں کہ اس پر عمل منع ہو؟ اور اس کی تعلیم سے غرض اس کا فساد دور کرنا ہو تو اس وقت یہ مامور ہوگا۔

دوسرا مسئلہ: حضرت حسن نے "ملکین" میں لام کے نیچے زیر پڑھی ہے اور یہی حضرت ضحاک اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے پھر ان کا اختلاف ہے، حضرت حسن کہتے ہیں یہ دو معالج تھے جو لوگوں کو جادو کی تعلیم دیتے۔ بعض نے کہا: یہ دو صالح بادشاہ تھے، مشہور قرأت لام پر زبر ہے اور یہ دونوں آسمان سے نازل ملائکہ تھے ان کا نام ہاروت و ماروت ہے بعض حضرت جبریل اور حضرت میکائیل اور بعض ان کے علاوہ مراد لیتے ہیں

کسرہ (زیر) پر دلائل

جن لوگوں نے زیر پڑھی ان کے دلائل یہ ہیں:

۱۔ تعلیم سحر ملائکہ کے شان کے لائق نہیں۔

۲۔ ملائکہ کا نزول کیسے جائز ہوسکتا ہے۔ جب کہ فرمانِ الٰہی ہے:

وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَکًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ — اور اگر ہم فرشتہ اُتارتے تو کام تمام ہوگیا ہوتا پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی (پ۷، الانعام:۸)

۳۔ اگر وہ ملائکہ تھے تو کیا وہ انسان کی صورت میں تھے یا نہیں اگر انسان کی شکل میں تھے حالانکہ وہ انسان نہ تھے تو پھر یہ لوگوں کیلئے تجہیل اور تلبیس ہوگی اور یہ جائز نہیں اور اگر یہ جائز ہے تو پھر یہ کیوں جائز نہیں کہ ہر نظر آنے والا انسان حقیقت میں انسان نہ ہو بلکہ فرشتہ ہو اور اگر وہ انسانی شکل میں نہ تھے اور اس پر اس آیت سے اعتراض ہوگا:

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَکًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا — اگر ہم نبی فرشتہ بناتے تو اسے مرد بناتے

جواب: اول کا جواب یہ ہے کہ ہم عنقریب اس حکمت کو بیان کرنے والے ہیں جس کی خاطر ملائکہ کو تعلیم سحر کیلئے اتارا گیا۔

دوسرے کا جواب ہے کہ یہ آیت عام اور زبر کے ساتھ متواتر اور خاص ہے اور خاص، عام پر مقدم ہوتا ہے۔

تیسرے کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں انسانی صورت میں اتارا، انبیاء کے ادوار میں لوگوں پر یہ لازم تھا کہ وہ کسی بھی انسان کو قطعی طور پر انسان نہ سمجھے جیسا کہ حضور ﷺ کی ظاہری حیات میں حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ انہیں دیکھنے والوں پر لازم تھا کہ وہ انہیں انسان یقین نہ کریں بلکہ توقف لازم تھا۔

Marfat.com

ان کا قول رابعاً کہ جادو کی نسبت کفار اور باقی لوگوں کی طرف ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کیسے ہوگی حالانکہ اس نے اسے منع کر دیا ہے۔

جواب: اس پر عمل اور اس کی تعلیم میں فرق ہے یہ کیوں ممکن نہیں کہ اس پر عمل منع ہو؟ اور اس کی تعلیم سے غرض اس کا فساد دور کرنا ہو تو اس وقت یہ مامور ہوگا۔

دوسرا مسئلہ: حضرت حسن نے "ملکین" میں لام کے نیچے زیر پڑھی ہے اور یہی حضرت ضحاک اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے پھر ان کا اختلاف ہے، حضرت حسن کہتے ہیں یہ دو معالج تھے جو لوگوں کو جادو کی تعلیم دیتے۔ بعض نے کہا: یہ دو صالح بادشاہ تھے، مشہور قرأت لام پر زبر ہے اور یہ دونوں آسمان سے نازل ملائکہ تھے ان کا نام ہاروت و ماروت ہے بعض حضرت جبریل اور حضرت میکائیل اور بعض ان کے علاوہ مراد لیتے ہیں

کسرہ (زیر) پر دلائل

جن لوگوں نے زیر پڑھی ان کے دلائل یہ ہیں:

۱۔ تعلیمِ سحر ملائکہ کے شان کے لائق نہیں۔

۲۔ ملائکہ کا نزول کیسے جائز ہوسکتا ہے۔ جب کہ فرمانِ الٰہی ہے:

وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ اور اگر ہم فرشتہ اُتارتے تو کام تمام ہوگیا ہوتا پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی (پ ، الانعام:۸)

۳۔ اگر وہ ملائکہ تھے تو کیا وہ انسان کی صورت میں تھے یا نہیں اگر انسان کی شکل میں تھے حالانکہ وہ انسان نہ تھے تو پھر یہ لوگوں کیلئے تجہیل اور تلبیس ہوگی اور یہ جائز نہیں اور اگر یہ جائز ہے تو پھر یہ کیوں جائز نہیں کہ ہر نظر آنے والا انسان حقیقت میں انسان نہ ہو بلکہ فرشتہ ہو اور اگر وہ انسانی شکل میں نہ تھے اور اس پر اس آیت سے اعتراض ہوگا:

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا اگر ہم نبی فرشتہ بناتے تو اسے مرد بناتے

جواب: اول کا جواب یہ ہے کہ ہم عنقریب اس حکمت کو بیان کرنے والے ہیں جس کی خاطر ملائکہ کو تعلیم سحر کیلئے اتارا گیا۔

دوسرے کا جواب ہے کہ یہ آیت عام اور زبر کے ساتھ متواتر اور خاص ہے اور خاص، عام پر مقدم ہوتا ہے۔

تیسرے کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں انسانی صورت میں اتارا، انبیاء کے ادوار میں لوگوں پر یہ لازم تھا کہ وہ کسی بھی انسان کو قطعی طور پر انسان نہ سمجھے جیسا کہ حضور ﷺ کی ظاہری حیات میں حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ انہیں دیکھنے والوں پر لازم تھا کہ وہ انہیں انسان یقین نہ کریں بلکہ توقف لازم تھا۔

Marfat.com

تیسرا مسئلہ: سببِ نزول میں اختلاف

جب ہم انہیں ملائکہ قرار دیتے ہیں تو اب ان کے سبب نزول میں اختلاف ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ہے جب ملائکہ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں بتایا اور انہوں نے عرض کیا:

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ — کیا تو بنائے گا زمین میں فساد کرنے والا اور خون بہانے والا

تو اللہ تعالیٰ سے جواباً فرمایا:

اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (پ ۱، البقرہ:۳۰) — مجھے معلوم ہے جو تم نہیں جانتے

پھر ان میں سے ایک جماعت ملائکہ (کرام کاتبین) کو انسانوں کے اعمال پر مقرر کیا تو وہ ان کے اعمال خبیثہ لے کر جاتے تو ملائکہ ان پر تعجب کرتے اور ان کے ان اعمال بد کے باوجود انہیں اللہ تعالیٰ کے باقی رکھنے پر بھی متعجب ہوتے پھر ان ملائکہ نے ان کی طرف جادو کی نسبت کی تو ملائکہ اور متعجب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو آزمائش میں ڈالا اور فرمایا: تم اپنے میں سے دو فرشتوں کو منتخب کرو جو علم، زہد اور دیانت میں اعلیٰ ہیں تاکہ میں انہیں زمین پر اتار کر آزماؤں۔ انہوں نے ہاروت و ماروت کو منتخب کیا اور ان پر انسانی شہوت سوار کر دی انہیں اتارا اور شرک، قتل، زنا اور شراب سے منع کر دیا۔ جب وہ زمین پر آئے تو زہرہ نامی خاتون آئی جو بڑی حسین تھی، انہوں نے اسے اپنے ساتھ محبت کا کہا مگر اس نے انکار کیا اور کہا: تم دونوں بُتوں کی عبادت کرو اور شراب پیو تو پھر تمہارے ساتھ معاملہ ہو سکتا ہے۔ اولاً انہوں نے انکار کیا پھر شہوت نے غلبہ کر لیا تو انہوں نے اس کی شرط مان لی۔ انہوں نے شراب پی بُت کی پوجا کی۔ اتنے میں سائل آ گیا۔ عورت نے کہا اگر اس نے لوگوں کو بتا دیا تو ہمارا معاملہ بگڑ جائے گا، اگر تم میرے ساتھ کامل تعلق چاہتے ہو تو اسے قتل کر دو۔ پہلے تو کچھ رُکے پھر قتل کر دیا۔ قتل سے فارغ ہو کر عورت کو دیکھنے لگے تو وہ غائب ہو چکی تھی۔ دونوں نے حسرت و ندامت کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں گڑگڑائے تو انہیں اختیار دیا تم آخرت کا عذاب لے لو یا دنیا کا عذاب۔ انہوں نے عذابِ دنیا کو ترجیح دی تو ان دونوں کو آسمان و زمین کے درمیان بابل میں معلق کر دیا گیا اور دونوں لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔

زُہرہ کون تھی؟

مفسرین کے زُہرہ کے بارے میں دو اقوال ہیں:

Marfat.com

پہلاقول: اللہ تعالیٰ نے ان دونوں ملائکہ کی آزمائش کیلئے ان میں انسانی شہوت کو پیدا کیا اور زہرہ ستارے کو خوبصورت شکل میں خاتون بنا کر اتارا۔ پھر وہ زہرہ اپنے فلک سمیت اپنے آسمان کی طرف بلند ہو گیا اور یہ ان کے عمل پر توبیخ تھی۔

دوسراقول: یہ زمانہ کی بدنام عورت تھی، انہوں نے شراب، قتل اور عبادت بُت کے بعد اس کے ساتھ غلط کام کیا پھر انہوں نے اسے وہ نام بتایا جس کے واسطہ سے وہ آسمان پر جاتے۔ اس نے نام پڑھا اور آسمان کی طرف بلند ہوگئی اس کا نام ''بیدخت'' تھا اللہ تعالیٰ نے اسے مسخ فرما کر زہرہ ستارہ بنا دیا۔

یادرہے یہ روایت فاسد، مردود اور غیر مقبول ہے کیونکہ کتاب اللہ میں اس پر کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کے جھوٹ ہونے پر شواہد ہیں

بُطلان پر شواہد

پہلی دلیل: جو دلائل گزر چکے کہ ملائکہ تمام معاصی سے معصوم ہوتے ہیں۔

دوسری دلیل: یہ بات کہ انہیں عذاب دنیا اور عذاب آخرت میں اختیار ملا فاسد ہے بلکہ اولیٰ یہ تھا کہ انہیں توبہ اور عذاب میں اختیار ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ ساری عمر شرک کرنے والے کو انہی دو (توبہ و عذاب) میں اختیار دیتا ہے تو ان ملائکہ کے بارے میں بخل کیسے ہو سکتا ہے؟

تیسری دلیل: تعجب خیز ہے یہ بات کہ وہ عذاب کی حالت میں جادو سکھاتے اور اس کی دعوت دیتے رہے

جب اس قول کا فساد واضح ہو گیا اب انزال کی وجوہ سنیے۔

اسباب انزال

تو یہ اسباب ہو سکتے ہیں:

پہلی وجہ: اس دور میں کثیر جادوگر تھے انہوں نے اس سلسلہ میں عجیب معاملات کے دروازے کھول رکھے تھے وہ نبوت کا دعویٰ کر کے لوگوں سے مقابلہ اور تحدی کرتے اللہ تعالیٰ نے ان ملائکہ کو بھیجا تا کہ یہ لوگوں کو جادو کی تعلیم دیں اور وہ ان جھوٹے نبوت کے دعوے داروں کا مقابلہ کر سکیں اور یہ اعلیٰ مقصد اور احسن غرض ہے۔

دوسری وجہ: اس بات کا علم کہ معجزہ، سحر کے مخالف ہے اور یہ معجزہ اور جادو کی حقیقت و ماہیت جاننے پر موقوف ہے اور لوگ

Marfat.com

پہلا قول: اللہ تعالیٰ نے ان دونوں ملائکہ کی آزمائش کیلئے ان میں انسانی شہوت کو پیدا کیا اور زہرہ ستارے کو خوبصورت شکل میں خاتون بنا کر اتارا۔ پھر وہ زہرہ اپنے فلک سمیت اپنے آسمان کی طرف بلند ہو گیا اور یہ ان کے عمل پر توبیخ تھی۔

دوسرا قول: یہ زمانہ کی بدنام عورت تھی، انہوں نے شراب، قتل اور عبادت بُت کے بعد اس کے ساتھ غلط کام کیا پھر انہوں نے اسے وہ نام بتایا جس کے واسطہ سے وہ آسمان پر جاتے۔ اس نے نام پڑھا اور آسمان کی طرف بلند ہو گئی اس کا نام ''بیدخت'' تھا اللہ تعالیٰ نے اسے مسخ فرما کر زہرہ ستارہ بنا دیا۔

یاد رہے یہ روایت فاسد، مردود اور غیر مقبول ہے کیونکہ کتاب اللہ میں اس پر کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کے جھوٹ ہونے پر شواہد ہیں

بُطلان پر شواہد

پہلی دلیل: جو دلائل گزر چکے کہ ملائکہ تمام معاصی سے معصوم ہوتے ہیں۔

دوسری دلیل: یہ بات کہ انہیں عذاب دنیا اور عذاب آخرت میں اختیار ملا فاسد ہے بلکہ اولیٰ یہ تھا کہ انہیں توبہ اور عذاب میں اختیار ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ ساری عمر شرک کرنے والے کو انہی دو (توبہ و عذاب) میں اختیار دیتا ہے تو ان ملائکہ کے بارے میں بخل کیسے ہو سکتا ہے؟

تیسری دلیل: تعجب خیز ہے یہ بات کہ وہ عذاب کی حالت میں جادو سکھاتے اور اس کی دعوت دیتے رہے

جب اس قول کا فساد واضح ہو گیا اب انزال کی وجوہ سنیے۔

اسباب انزال

تو یہ اسباب ہو سکتے ہیں:

پہلی وجہ: اس دور میں کثیر جادوگر تھے انہوں نے اس سلسلہ میں عجیب معاملات کے دروازے کھول رکھے تھے وہ نبوت کا دعویٰ کر کے لوگوں سے مقابلہ اور تحدی کرتے اللہ تعالیٰ نے ان ملائکہ کو بھیجا تا کہ یہ لوگوں کو جادو کی تعلیم دیں اور وہ ان جھوٹے نبوت کے دعوے داروں کا مقابلہ کر سکیں اور یہ اعلیٰ مقصد اور احسن غرض ہے۔

دوسری وجہ: اس بات کا علم کہ معجزہ، سحر کے مخالف ہے اور یہ معجزہ اور جادو کی حقیقت و ماہیت جاننے پر موقوف ہے اور لوگ

Marfat.com

ماہیت سحر سے جاہل تھے لہٰذا ان پر ماہیت معجزہ کی معرفت دشوار تھی، اللہ تعالیٰ نے ان ملائکہ کو بھیجا تا کہ اس فائدہ وغرض کی وجہ سے لوگوں کو ماہیت سحر سے آگاہ کریں۔

تیسری وجہ: یہ کہنا بھی غلط نہیں، ایسا جادو جو اعداء الٰہی کے درمیان عداوت اور اولیاء اللہ میں اُلفت پیدا کرے وہ مفسرین کے نزدیک مباح یا مستحب ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس غرض کیلئے ملائکہ کو تعلیم سحر کیلئے نازل فرمایا۔ پھر لوگوں نے ان سے سیکھا لیکن اسے بطور شر استعمال کیا جس سے اولیاء اللہ میں عداوت اور اعداء اللہ میں الفت پیدا ہوئی۔

چوتھی وجہ: ہر شی کے علم کا حصول حسن وخوب ہوتا ہے، اگر جادو ممنوع ٹھہرا تو لازم کہ وہ متصور ومعلوم ہو کیونکہ جس کا تصور ہی نہ ہو اس سے ممانعت ممتنع ہوگی۔

پانچویں وجہ: ممکن ہے جنات انواع جادو سے واقف تھے لیکن انسان ان کا مقابلہ نہ کر پاتا تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ بھیجے تا کہ وہ انسانوں کو ایسے امور کی تعلیم دیں جس سے وہ جنات کا مقابلہ کرسکیں۔

چھٹی وجہ: ممکن ہے یہ عمل ذمہ داری میں شدت پیدا کرنے کیلئے ہو جب کوئی اسے سیکھ لے گا تو لذاتِ دنیا اور عاجلہ میں مشغول ہوگا تو اس کے استعمال سے روکا تو اب اس کیلئے یہ رکنا نہایت ہی مشکل ہوگا اور اسے ثواب بھی زائد حاصل ہوگا جیسا کہ قوم حضرت طالوت کو نہر کے پانی سے آزمایا۔ ارشاد ہوتا ہے:

فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهٗ مِنِّيْ — تو جو اس کا پانی پۓ وہ میرا نہیں اور جو نہ پۓ وہ میرا ہے

(پ۲، البقرۃ:۲۴۹)

ان تمام وجوہات سے ثابت ہو رہا ہے کہ تعلیمِ سحر کیلئے اللہ تعالیٰ کا ملائکہ کو نازل فرمانا کوئی بعید از قیاس نہیں۔ واللہ اعلم

چوتھا مسئلہ: بعض نے کہا: یہ حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانے کا واقعہ ہے کیونکہ جب دونوں بصورت بشر نازل ہوئے تو اس دور میں کسی رسول کا ہونا ضروری ہے تا کہ یہ ان کا معجزہ بنے یہ دونوں رسول نہیں ہوسکتے کیونکہ ثابت ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی طرف کسی فرشتہ کو رسول نہیں بناتے۔

پانچواں مسئلہ: ہاروت و ماروت، ملکین کیلئے عطف بیان ہے یہ ان کا عَلَم اور عجمی الفاظ ہیں، اس پر دلیل ان کا غیر منصرف ہونا ہے اگر یہ ہرت ومرت (بمعنی توڑنا) سے ہوتے جیسا کہ بعض کا خیال ہے تو پھر، منصرف تھے۔ شیخ زہری نے ہاروت و ماروت کو بطور خبر مرفوع پڑھا یعنی "هما هاروت و ماروت"

Marfat.com

وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتّٰى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: تفریق کی تفسیر دو طرح سے ہے:

۱۔ تفریق یوں کہ یہ اعتقاد ہو کہ یہ جادو میں تفریق میں مؤثر ہے تو کافر ہو جائے گا، جب آدمی کافر ہوا بیوی سے نکاح ختم اور وہ جدا ہو جائے لہٰذا ان میں تفریق آجائے گی۔

۲۔ یہ کہ ان دونوں کے درمیان جعلسازی، چغلخوری اور دیگر وجوہ سے علیحدگی پیدا کر دی جائے۔

دوسرا مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے یہاں تفریق کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ وہ ان سے صرف اس قدر سیکھتے بلکہ اس صورت کا تذکرہ باقی صورتوں پر تنبیہ ہے کیونکہ، خاوند کا بیوی کی طرف مائل ہونا اور محبت کرنا دیگر محبتوں سے معروف زائد و ممتاز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جادو کی یہ صورت بیان فرما کر تنبیہ کی ہے کہ جب اس شدید تعلق و معاملہ میں یہ تفریق کر دیتا ہے تو دیگر میں بطریق اولیٰ کر دے گا۔

ارشاد مبارک "وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ أَحَدٍ" ہمارے مذکور موقف پر دلیل ہے کہ مطلقاً ضرر کا ذکر ہے نہ کہ صرف خاوند و بیوی میں تفریق کا تو یہ بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تفریق کا ذکر اس کے بڑا حادثہ اور اعلیٰ مرتبہ کی وجہ سے کیا ہے۔

وجوہات تاویل

وجوہ تاویل متعدد ہیں:

۱۔ حضرت حسن کہتے ہیں یہاں تخلیہ مراد ہے یعنی اگر کسی نے جادو کیا تو اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کا اثر روک دے اور اگر چاہے تو اس جادو اور اس بندے کو چھوڑ دے۔ یعنی اثر ہونے دے۔

۲۔ شیخ اصم کہتے ہیں باذن اللہ سے مراد "بعلم اللہ" ہے، اذان کی وجہ تسمیہ یہی ہے کہ یہ نماز کے وقت کا لوگوں کے علم کیلئے ذریعہ ہے۔ اذان کو اذن بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اسی حاسہ (سمع) سے اذان کا ادراک ہوتا ہے اسی طرح فرمانِ الٰہی ہے:

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ (پ۱۰، التوبۃ:۳)

اور منادی پکار دیتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں میں بڑے حج کے دن

یعنی لوگوں کیلئے اطلاع ہے۔

Marfat.com

وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَا اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: تفریق کی تفسیر دو طرح سے ہے:

۱۔ تفریق یوں کہ یہ اعتقاد ہو کہ یہ جادو میں تفریق میں مؤثر ہے تو کافر ہو جائے گا، جب آدمی کافر ہوا بیوی سے نکاح ختم اور وہ جدا ہو جائے لہٰذا ان میں تفریق آ جائے گی۔

۲۔ یہ کہ ان دونوں کے درمیان جعلسازی، چغلخوری اور دیگر وجوہ سے علیحدگی پیدا کر دی جائے۔

دوسرا مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے یہاں تفریق کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ وہ ان سے صرف اس قدر سیکھتے بلکہ اس صورت کا تذکرہ باقی صورتوں پر تنبیہ ہے کیونکہ، خاوند کا بیوی کی طرف مائل ہونا اور محبت کرنا دیگر محبتوں سے معروف زائد و ممتاز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جادو کی یہ صورت بیان فرما کر تنبیہ کی ہے کہ جب اس شدید تعلق و معاملہ میں یہ تفریق کر دیتا ہے تو دیگر میں بطریق اولیٰ کر دے گا۔

ارشاد مبارک "وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ" ہمارے مذکور موقف پر دلیل ہے کہ مطلقاً ضرر کا ذکر ہے نہ کہ صرف خاوند و بیوی میں تفریق کا تو یہ بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تفریق کا ذکر اس کے بڑا حادثہ اور اعلیٰ مرتبہ کی وجہ سے کیا ہے۔

وجوہات تاویل

وجوہ تاویل متعدد ہیں:

۱۔ حضرت حسن کہتے ہیں یہاں تخلیہ مراد ہے یعنی اگر کسی نے جادو کیا تو اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کا اثر روک دے اور اگر چاہے تو اس جادو اور اس بندے کو چھوڑ دے۔ یعنی اثر ہونے دے۔

۲۔ شیخ اصم کہتے ہیں باذن اللہ سے مراد "بعلم اللّٰہ" ہے، اذان کی وجہ تسمیہ یہی ہے کہ یہ نماز کے وقت کا لوگوں کے علم کیلئے ذریعہ ہے۔ اذان کو اذن بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اسی حاسہ (سمع) سے اذان کا ادراک ہوتا ہے اسی طرح فرمانِ الٰہی ہے:

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ (پ۱۰، التوبۃ:۳)

اور منادی پکار دیتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں میں بڑے حج کے دن

یعنی لوگوں کیلئے اطلاع ہے۔

Marfat.com

دوسری جگہ فرمانِ الٰہی ہے:

فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ (پ۳، البقرہ: ۲۷۹) تو یقین کرلو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا

اس کا معنی ہے، جان لو۔

ایک اور جگہ ہے:

فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَاءٍ (پ۱۷، الانبیاء: ۱۰۹) تو فرمادو میں نے تمہیں لڑائی کا اعلان کردیا برابری پر

یعنی میں نے تمہیں بتادیا ہے۔

۳۔ عمل جادو سے جو کچھ مرتب ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق، ایجاد اور پیدا کرنے سے ہوتا ہے جس کا معاملہ یوں ہی ہو اس کو اذن اللہ کی طرف منسوب کرنا درست ہے جیسا کہ فرمانِ مقدس ہے:

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (پ۱۴، النحل: ۴۰) جو چیز ہم چاہیں اس سے ہمارا فرمانا یہی ہوتا ہے کہ ہم کہیں ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے

۴۔ یہاں اذن سے امر مراد ہے اور یہ وجہ اسی وقت باری تعالیٰ کے لائق ہے جب خاوند بیوی کی تفریق کی تفسیر یوں ہو اعتقاد رکھنے والا کافر ہو جائے گا اور کفر کا تقاضا تفریق ہے اور یہ حکم شرعی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے امر سے ہی ہوگا۔

"وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ" کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: لفظ شرا کا بطور مجاز ان وجوہات کی بنا پر ذکر ہوا۔

۱۔ جب انہوں نے کتاب اللہ کو پسِ پشت ڈالا اور شیطان کی تعلیم پر چلنا شروع کردیا تو گویا انہوں نے کتاب اللہ کے عوض جادو خرید لیا۔

۲۔ ملائکہ نے تعلیم سحر کے ذریعے اس سے بچنے کا قصد کیا تاکہ لوگ اس سے بچ کر اُخروی منافع حاصل کریں لیکن انہوں نے اس کا استعمال کیا گویا منافعِ آخرت کے عوض منافع دنیا کو خرید لیا۔

۳۔ جب انہوں نے سحر کو استعمال کیا۔

Marfat.com

دوسری جگہ فرمانِ الٰہی ہے:

فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (پ۳، البقرہ:۲۷۹) تو یقین کرلو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا

اس کا معنی ہے، جان لو۔

ایک اور جگہ ہے:

فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ (پ۱۷، الانبیاء:۱۰۹) تو فرمادو میں نے تمہیں لڑائی کا اعلان کردیا برابری پر

یعنی میں نے تمہیں بتادیا ہے۔

۳۔ عمل جادو سے جو کچھ مرتب ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق، ایجاد اور پیدا کرنے سے ہوتا ہے جس کا معاملہ یوں ہی ہو اس کو اذن اللہ کی طرف منسوب کرنا درست ہے جیسا کہ فرمانِ مقدس ہے:

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (پ۱۴، النحل:۴۰) جو چیز ہم چاہیں اس سے ہمارا فرمانا یہی ہوتا ہے کہ ہم کہیں ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے

۴۔ یہاں اذن سے امر مراد ہے اور یہ وجہ اسی وقت باری تعالیٰ کے لائق ہے جب خاوند بیوی کی تفریق کی تفسیر یوں ہو اعتقاد رکھنے والا کافر ہو جائے گا اور کفر کا تقاضا تفریق ہے اور یہ حکم شرعی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے امر سے ہی ہوگا۔

"وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ" کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: لفظ شرا کا بطور مجاز ان وجوہات کی بنا پر ذکر ہوا۔

۱۔ جب انہوں نے کتاب اللہ کو پسِ پشت ڈالا اور شیطان کی تعلیم پر چلنا شروع کردیا تو گویا انہوں نے کتاب اللہ کے عوض جادو خرید لیا۔

۲۔ ملائکہ نے تعلیم سحر کے ذریعے اس سے بچنے کا قصد کیا تاکہ لوگ اس سے بچ کر اُخروی منافع حاصل کریں لیکن انہوں نے اس کا استعمال کیا گویا منافعِ آخرت کے عوض منافع دنیا کو خرید لیا۔

۳۔ جب انہوں نے سحر کو استعمال کیا۔

Marfat.com

دوسرا مسئلہ، خلاق کا مفہوم

اکثر کا قول ہے خلاق کا معنی حصہ ہے۔ شیخ قفال کہتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ اس کا اصل خلق ہے جس کا معنی تقدیر ہے اس سے خلق الادیم، قدر للرجل كذا درهما رزقا على عمل كذا۔ کچھ نے کہا: خلاق، خلاصی، امیہ بن ابی ملت نے کہا:

يدعون بالويل فيها لاخلاق لهم　　　الاسرابيل قطران وأغلال

(انہیں دوزخ میں لے جایا جائے گا وہاں خلاصی نہ ہوگی یہ وہاں سنگل اور بیڑیوں میں جکڑے جائیں گے)

سوال: آیت میں یہ سوال باقی ہے "لَقَدْ عَلِمُوْا" میں ان کیلئے علم کیسے مانا جبکہ "لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ" سے علم کی نفی کی

۱۔ یہاں علم والے اور غیر علم والے ایک نہیں، علم والوں سے مراد وہ ہیں جنہوں نے جادو سیکھا اور لوگوں کو اس کی تعلیم کیلئے بلایا۔ انہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

رہے جہال جو جادو سیکھنے کی طرف راغب ہوتے یہ علم والے نہ تھے یہ شیخ اخفش اور قطرب کا جواب ہے۔

۲۔ ہم مانتے ہیں دونوں ایک ہی تھے مگر فرق یہ ہے کہ جانا انہوں نے کچھ اور تھا اور جاہل کسی اور سے تھے۔ انہوں نے یہ جانا تھا کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ لیکن وہ اس سے جاہل تھے کہ وہ کس قدر منافع آخرت فوت کر چکے ہیں اور انہیں کس قدر نقصان اور عقوبات حاصل ہوں گی۔

۳۔ ہم مانتے ہیں لوگ بھی ایک اور ان کا معلوم بھی ایک ہی تھا لیکن انہوں نے اپنے علم سے فائدہ نہ اٹھایا بلکہ اس سے منہ پھیر لیا تو ان کا علم کالعدم قرار دیا گیا جیسے اللہ تعالیٰ نے کفار کو فرمایا:

صُمًّا وَّبُكْمًا وَّعُمْيًا　　(پ ۱۵، الاسراء: ۹۷)　　اندھے اور گونگے اور بہرے

کیونکہ انہوں نے حواس سے نفع وفائدہ حاصل نہ کیا جیسا کہ کوئی آدمی کام کرے لیکن موقعہ ومحل کے مطابق نہ کرے تو کہا جاتا ہے: "تو نے کیا مگر نہ کرنے کے برابر"

Marfat.com

دوسرا مسئلہ، خلاق کا مفہوم

اکثر کا قول ہے خلاق کا معنی حصہ ہے۔شیخ قفال کہتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ اس کا اصل خلق ہے جس کا معنی تقدیر ہے اس سے خلق الادیم، قدر للرجل کذا درھما رزقا علی عمل کذا۔ کچھ نے کہا: خلاق، خلاصی، امیہ بن ابی ملت نے کہا:

یدعون بالویل فیھا لاخلاق لھم الاسرابیل قطران واغلال

(انہیں دوزخ میں لے جایا جائے گا وہاں خلاصی نہ ہوگی یہ وہاں سنگل اور بیڑیوں میں جکڑے جائیں گے)

سوال: آیت میں یہ سوال باقی ہے "لَقَدْ عَلِمُوْا" میں ان کیلئے علم کیسے مانا جبکہ "لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ" سے علم کی نفی کی

۱۔ یہاں علم والے اور غیر علم والے ایک نہیں، علم والوں سے مراد وہ ہیں جنہوں نے جادو سیکھا اور لوگوں کو اس کی تعلیم کیلئے بلایا۔ انہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

رہے جہال جو جادو سیکھنے کی طرف راغب ہوتے یہ علم والے نہ تھے یہ شیخ اخفش اور قطرب کا جواب ہے۔

۲۔ ہم مانتے ہیں دونوں ایک ہی تھے مگر فرق یہ ہے کہ جانا انہوں نے کچھ اور تھا اور جاہل کسی اور سے تھے۔انہوں نے یہ جانا تھا کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔لیکن وہ اس سے جاہل تھے کہ وہ کس قدر منافع آخرت فوت کر چکے ہیں اور انہیں کس قدر نقصان اور عقوبات حاصل ہوں گی۔

۳۔ ہم مانتے ہیں لوگ بھی ایک اور ان کا معلوم بھی ایک ہی تھا لیکن انہوں نے اپنے علم سے فائدہ نہ اٹھایا بلکہ اس سے منہ پھیر لیا تو ان کا علم کالعدم قرار دیا گیا جیسے اللہ تعالیٰ نے کفار کو فرمایا:

صُمًّا وَّبُكْمًا وَّعُمْيًا (پ۱۵، الاسراء:۹۷) اندھے اور گونگے اور بہرے

کیونکہ انہوں نے حواس سے نفع وفائدہ حاصل نہ کیا جیسا کہ کوئی آدمی کام کرے لیکن موقعہ ومحل کے مطابق نہ کرے تو کہا جاتا ہے:

''تو نے کیا مگر نہ کرنے کے برابر''

Marfat.com

[۱۰۳] وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

(اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو اللہ کے یہاں کا ثواب بہت اچھا ہے کاش انہیں علم ہوتا)

اَنَّهُمْ، کی ضمیر یہود کی طرف ہے جن کا ذکر پہلے آیا۔ اللہ تعالیٰ نے "وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ" میں ان پر وعید کی تو اب ان کیلئے وعدہ کا ذکر ہے تا کہ شوق وخوف کا اجتماع ہو جائے کیونکہ یہ اجتماعیت طاعت کی دعوت اور نافرمانی سے اعراض کا اعلیٰ سبب بنتی ہے

اٰمَنُوْا کی تفسیر

جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ   تو کتاب والوں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دی (پ۱، البقرۃ:۱۰۱)

پھر ان کے بارے میں بتایا: "اِتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ" اور انہوں نے جادو کو اپنا لیا، اس کے بعد فرمایا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا یعنی کتاب اللہ کو انہوں نے پھینک دیا تھا اس پر کاش ایمان لاتے، اگر اس سے مراد قرآن لیا جائے تو جائز ہے اور اگر مراد ان کی کتاب ہو جس کی تصدیق قرآن نے کی تو پھر بھی درست، اگر دونوں مراد ہوں تب بھی درست۔ تقویٰ سے مراد فعلِ ممنوعات اور ترکِ مامورات سے بچنا ہے۔

لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ کی تفسیر

اس میں چند وجوہ ہیں:

پہلی وجہ: جواب محذوف ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے: "وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَاُثِيْبُوْا" (اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو انہیں ثواب دیا جاتا) لیکن جملہ فعلیہ ترک کر کے اسمیہ لایا گیا تا کہ ثبات ثواب اور اس کے دوام پر دلالت ہو۔

سوال: یوں کیوں نہ کہہ دیا: لَمَثُوْبَةُ اللّٰهِ خَيْرٌ (اللہ کا ثواب بہتر ہے)

جواب: یہاں مراد یہ ہے کہ اللہ کے ثواب کا جز بھی ان کیلئے کہیں بہتر ہے۔

دوسری وجہ: یہ بھی ممکن ہے ارشاد پاک "وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا" اللہ تعالیٰ کا ان کے ارادۂ ایمان سے بطور آرزو بیان ہو گویا فرمایا: کاش وہ ایمان لے آتے۔ پھر یہی بات فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب کہیں بہتر ہے۔

Marfat.com

[۱۰۴] یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۱۰۴)

(اے ایمان والو! راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو اور کافروں کیلئے دردناک عذاب ہے)

بعثت کے بعد ان کے افعالِ بد

اللہ تعالیٰ نے ان کے وہ قبائح بیان فرمائے جو حضور ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے کے تھے، اب ان کے ان افعال بد کا تذکرہ ہے جو حضور ﷺ کی آمد و بعثت کے بعد کے ہیں جن میں آپ پر طعن وافترا اور دینِ محمدی کی مخالفت بھی شامل ہے۔ اس باب کی نوع اول یہی ہے تو یہاں بھی چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ، اٰمَنُوْا سے خطاب

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مومنین کو اٹھاسی مقامات پر یوں خطاب فرمایا: "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تورات میں خطاب "یٰٓاَیُّهَا الْمَسَاکِیْن" تھا گویا جب اللہ تعالیٰ نے اولاً ہی انہیں لفظ مساکین سے خطاب فرمایا تو ان کیلئے آخر میں مسکنت ثابت کردی۔ ارشادِ مبارک ہے:

وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ (پ۱، البقرہ:۶۱) اور ان پر مقرر کردی گئی خواری اور ناداری

تو یہ آیت مبارکہ بتا رہی ہے جب اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اولاً ہی لفظ ایمان سے خطاب کیا تو اللہ تعالیٰ انہیں روزِ قیامت دوزخ کے عذاب سے امن عطا فرمائے گا۔ پھر اسم مومن، اسماء وصفات باری میں اعلیٰ نام ہے جب دنیا میں اس نے ہمیں اسماء وصفات میں اشرف وافضل نام سے مخاطب فرمایا تو ہم اس کے فضل پر بھروسہ کر کے کہتے ہیں وہ آخرت میں بھی ہمارے ساتھ معاملہ احسن فرمائے گا۔

دوسرا مسئلہ، دونوں مترادف الفاظ

یہ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ مترادف کلمات میں سے ایک سے منع اور دوسرے کی اجازت عطا فرمادے اسی وجہ سے امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک نماز ترجمہ فاتحہ پڑھنے سے ادا نہ ہوگی خواہ عبرانی ہو یا فارسی تو کوئی بُعد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے راعنا سے منع فرمایا اور اُنظُرنا کی اجازت دے دی حالانکہ دونوں مترادف ہیں۔

فضل قدیر

Marfat.com

[۱۰۴] يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾

(اے ایمان والو! راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو اور کافروں کیلئے دردناک عذاب ہے)

بعثت کے بعد ان کے افعالِ بد

اللہ تعالیٰ نے ان کے وہ قبائح بیان فرمائے جو حضور ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے کے تھے، اب ان کے ان افعال بد کا تذکرہ ہے جو حضور ﷺ کی آمد و بعثت کے بعد کے ہیں جن میں آپ پر طعن وافترا اور دینِ محمدی کی مخالفت بھی شامل ہے۔ اس باب کی نوع اول یہی ہے تو یہاں بھی چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ، اٰمَنُوْا سے خطاب

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مومنین کو اٹھاسی مقامات پر یوں خطاب فرمایا: "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تورات میں خطاب "يٰٓاَيُّهَا الْمَسَاكِيْن" تھا گویا جب اللہ تعالیٰ نے اولاً ہی انہیں لفظ مساکین سے خطاب فرمایا تو ان کیلئے آخر میں مسکنت ثابت کردی۔ ارشادِ مبارک ہے:

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ (پ ۱، البقرہ: ۶۱) اوران پر مقرر کردی گئی خواری اور ناداری

تو یہ آیت مبارکہ بتا رہی ہے جب اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اولاً ہی لفظ ایمان سے خطاب کیا تو اللہ تعالیٰ انہیں روزِ قیامت دوزخ کے عذاب سے امن عطا فرمائے گا۔ پھر اسم مومن، اسماء و صفات باری میں اعلیٰ نام ہے جب دنیا میں اس نے ہمیں اسماء و صفات میں اشرف و افضل نام سے مخاطب فرمایا تو ہم اس کے فضل پر بھروسہ کر کے کہتے ہیں وہ آخرت میں بھی ہمارے ساتھ معاملہ احسن فرمائے گا۔

دوسرا مسئلہ، دونوں مترادف الفاظ

یہ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ مترادف کلمات میں سے ایک سے منع اور دوسرے کی اجازت عطا فرمادے اسی وجہ سے امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک نماز ترجمہ فاتحہ پڑھنے سے ادا نہ ہوگی خواہ عبرانی ہو یا فارسی تو کوئی بُعد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رَاعِنَا سے منع فرمایا اور اُنْظُرْنَا کی اجازت دے دی حالانکہ دونوں مترادف ہیں۔

فضل قدیر

Marfat.com

جمہور مفسرین کی رائے

لیکن جمہور مفسرین فرماتے ہیں: رَاعِنَا سے منع کی وجہ اس کا نوع فساد پر مشتمل ہونا ہے پھر اس میں ان چند وجوہ کا تذکرہ کیا

پہلی وجہ: رسول اللہ ﷺ جب مسلمانوں کو علمی بات بتاتے تو وہ عرض کرتے:

رَاعِنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ — اے اللہ کے رسول ہماری رعایت فرمائیے

یہود کے ہاں اسی طرح کا کلمہ تھا جس سے وہ ایک دوسرے کو سب وشتم کرتے اور وہ "رَاعِیْنَا" تھا جس کا معنی ہے:

اِسْمَعْ لَا سُمِعْتَ — سنیں اور تو سنا نہ جائے

جب انہوں نے اہلِ اسلام کو رَاعِنَا کہتے سنا تو انہوں نے موقعہ غنیمت جانتے ہوئے حضور ﷺ کو اسی طرح مخاطب کرنا شروع کیا اور مقصد گالی دینا تھا تو مسلمانوں کو اس لفظ سے منع کر دیا گیا اور حکم اس لفظ "انظرنا" کا دیا گیا۔ اس تاویل آیت کی صحت پر سورۃ النساء میں یہ ارشادِ باری تعالیٰ شاہد ہے:

وَیَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا وَاسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَیًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِی الدِّیْنِ (پ۵، النساء:۴۶)

اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہ مانا اور سنیے آپ سنائے نہ جائیں اور راعنا کہتے ہیں زبانیں پھیر کر اور دین میں طعنہ کیلئے۔

یہ بھی مروی ہے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ کلمہ سنا تو فرمایا: اللہ کے دشمنو! تم پر اللہ کی لعنت ہو۔ قسم مجھے اس ذات اقدس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں نے تم میں سے کسی کو رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کرتے ہوئے یہ کلمہ سنا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ وہ کہنے لگے: کیا تم رَاعِنَا نہیں کہتے؟ تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوگئی:

تیسری وجہ: یہودیوں کہتے:

رَاعِنَا اَیْ اَنْتَ رَاعِیْ غَنَمِنَا — تم ہماری بکریاں چرانے والے (چرواہا) ہو

تو اللہ تعالیٰ نے اس لفظ سے منع فرمادیا۔

نوٹ: اس مسئلہ پر بندہ کے مقالہ "کیا رسول اللہ ﷺ نے اُجرت پر بکریاں چرائیں" کا مطالعہ مفید رہے گا (قادری عفی عنہ)

چوتھی وجہ: راعنا دعی سے باب مفاعلہ ہے اس میں فعل جانبین سے ہوتا ہے تو گویا یہ لفظ مخاطبین میں مساوات کا موہم ہے۔ گویا انہوں نے کہا:

ہم تمہاری بات سننے میں رعایت کرتے ہیں تم ہماری بات سننے کی رعایت کرو تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع ہی کر دیا اور واضح کیا کیونکہ مخاطبت میں بھی تعظیم رسول اللہ ﷺ نہایت ہی ضروری ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (پ ۱۸، النور: ۶۳) رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو

پانچویں وجہ: لفظ "رَاعِنَا" میں اپنے کو بلند سمجھ کر خطاب ہے گویا سامع کہتا ہے میرے کلام کا خیال کرو۔ اس سے غفلت نہ کرو اور نہ ہی کسی اور طرف متوجہ ہوں لیکن "اُنْظُرْنَا" میں محض انتظار کا سوال ہوتا ہے گویا یہ کہنا ہوتا ہے اپنی گفتگو میں اتنی مقدار توقف کرو کہ اسے اچھی طرح سمجھ لوں۔

چھٹی وجہ: لفظ "رَاعِنَا" بروزن عاطنا، معاطاۃ سے اور "رَاعِنَا" مراعاۃ سے ہے۔ پھر انہوں نے اس کے نون کو اصلی قرار دیتے ہوئے رعونت سے مشتق بنالیا اور یہی درست ہے تو رعونت سے اسم فاعل راعن ہے۔ ممکن ہے انہوں نے بطور مصدر ہی مانا ہو جیسا محاورہ ہے: عیاذاً بك۔ یعنی آپ کی پناہ چاہتا ہوں تو راعنا سے مراد فعلت رعونۃ۔ (یہ کام تم نے بطور رعونت کیا) ممکن ہے ان کی مراد "صرت راعنا" ہو۔ (یعنی تم صاحب رعونت ہو) جب انہوں نے یہ وجوہ فاسد، مراد لیں تو اللہ تعالیٰ کا اس سے منع فرمانا ضروری ہوگیا۔

ساتویں وجہ: مراد یہ ہو کہ تم ایسا قول نہ کرو جو رعونت کی طرف منسوب ہے۔ بمعنی راعن جیسے تامر (کھجور والا) لابن (اینٹ والا)

وَقُوْلُوا انْظُرْنَا کی تفسیر

اس کے چند معانی ہیں:

۱۔ یہ بمعنی انتظرہ ہے یعنی ٹھہرو اور انتظار کرو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

اُنْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ (پ ۲۷، الحدید: ۱۳) ہمیں ایک نگاہ دیکھو کہ ہم تمہارے نور سے کچھ حصہ لیں

اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ حضور ﷺ کو ٹھہرنے کا کہیں تا کہ ان سے نقل کر سکیں تو وہ لوٹانے کے محتاج نہ ہوں گے۔

سوال: کیا حضور ﷺ کلام میں جلدی کرتے تھے کہ یہ کہنے کی ضرورت پیش آئی؟

جواب: دو طرح سے ہے:

۱۔ یہ الفاظ دوران کلام کہے جا سکتے ہیں اگرچہ کلام میں عجلت و تیزی نہ ہو جیسے دوران کلام کہا جاتا ہے، اسمع (اچھی طرح سنو)، اسمعت (کیا تم سن رہے ہو)

Marfat.com

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (پ۱۸، النور:۶۳) رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو

پانچویں وجہ: لفظ "رَاعِنَا" میں اپنے کو بلند سمجھ کر خطاب ہے گویا سامع کہتا ہے میرے کلام کا خیال کرو۔ اس سے غفلت نہ کرو اور نہ ہی کسی اور طرف متوجہ ہوں لیکن "اُنْظُرْنَا" میں محض انتظار کا سوال ہوتا ہے گویا یہ کہنا ہوتا ہے اپنی گفتگو میں اتنی مقدار توقف کرو کہ اسے اچھی طرح سمجھ لوں۔

چھٹی وجہ: لفظ "رَاعِنَا" بروزن عاطنا، معاطاۃ سے اور "رَاعِنَا" مراعاۃ سے ہے۔ پھر انہوں نے اس کے نون کو اصلی قرار دیتے ہوئے رعونت سے مشتق بنالیا اور یہی درست ہے تو رعونت سے اسم فاعل راعن ہے۔ ممکن ہے انہوں نے بطور مصدر ہی مانا ہو جیسا محاورہ ہے: عیاذاً بك۔ یعنی آپ کی پناہ چاہتا ہوں تو راعنا سے مراد فعلت رعونۃ۔ (یہ کام تم نے بطور رعونت کیا) ممکن ہے ان کی مراد "صرت راعنا" ہو۔ (یعنی تم صاحب رعونت ہو) جب انہوں نے یہ وجوہ فاسد، مراد لیں تو اللہ تعالیٰ کا اس سے منع فرمانا ضروری ہوگیا۔

ساتویں وجہ: مراد یہ ہو کہ تم ایسا قول نہ کرو جو رعونت کی طرف منسوب ہے۔ بمعنی راعن جیسے تامر (کھجور والا) لابن (اینٹ والا)

وَقُوْلُوا انْظُرْنَا کی تفسیر

اس کے چند معانی ہیں:

۱۔ یہ بمعنی انتظرہ ہے یعنی ٹھہرو اور انتظار کرو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ (پ۲۷، الحدید:۱۳) ہمیں ایک نگاہ دیکھو کہ ہم تمہارے نور سے کچھ حصہ لیں

اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ حضور ﷺ کو ٹھہرنے کا کہیں تاکہ ان سے نقل کرسکیں تو وہ لوٹانے کے محتاج نہ ہوں گے۔

سوال: کیا حضور ﷺ کلام میں جلدی کرتے تھے کہ یہ کہنے کی ضرورت پیش آئی؟

جواب: دو طرح سے ہے:

۱۔ یہ الفاظ دوران کلام کہے جاسکتے ہیں اگرچہ کلام میں عجلت و تیزی نہ ہو جیسے دوران کلام کہا جاتا ہے، اسمع (اچھی طرح سنو، اسمعت (کیا تم سن رہے ہو)

Marfat.com

۲۔ مفسرین نے ارشادِ الٰہی "لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ" (اپنی زبان کو حرکت نہ دو کہ تم اسے جلدی پالو) کے تحت لکھا۔ حضور ﷺ پر جب حضرت جبریل وحی القا کرتے تو آپ حصول وحی اور اخذِ قرآن میں جلدی فرماتے تو حکم ہوا: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ۔ ممکن ہے آپ ﷺ امورِ دین میں صحابہ سے گفتگو جلدی کرتے ہوں تا کہ وہ انہیں جلدی پالیں تو وہ اسی حالت میں عرض کرتے ہوں آپ تھوڑا وقفہ فرمائیں تا کہ ہم کلام کو اچھی طرح سمجھ لیں۔

۳۔ اُنظرنا کا معنی "اُنظر الینا" (ہم پر شفقت فرمائیں) ہے۔ مگر "الی" کو حذف کر دیا گیا ہے جیسا کہ اس ارشادِ الٰہی میں ہے۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ (پ ۹، الاعراف:۱۵۵) موسیٰ نے اپنی قوم سے مرد چنے

قَوْمَهٗ، سے پہلے من محذوف ہے اصل 'من قومه' تھا۔ مقصد یہ کہ جب معلم، طالب علم کی طرف دیکھے گا تو اس کا کلام بطور افہام واظہار اظہر واقویٰ ہوگا۔

۴۔ حضرت اُبی بن کعب کی روایت میں "انظرنا" نظرۃ سے ہے یعنی ہمیں مہلت دیجیے۔

وَاسْمَعُوْا کی تفسیر

سلامتی حاسہ کے وقت حصول سماع ایسا ضروری امر ہے کہ وہ طاقت بشر سے خارج ہے لہٰذا اس کے لیے امر کا جواز کہاں؟ اس لیے یہاں تین امور سے ایک مراد ہے۔

۱۔ حضور ﷺ کی گفتگو کے لیے اپنے کانوں کو فارغ کرو حتیٰ کہ تمہیں گفتگو لوٹانے کی ضرورت نہ پڑے۔

۲۔ اسے بطور قبول واطاعت سنو نہ کہ یہود کی طرح سنو جنہوں نے کہا تھا: سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا (ہم نے سنا مگر نافرمانی کی)

۳۔ جس کا حکم ہے اسے اچھی طرح سنو تا کہ تم ممنوعات کا مرتکب نہ ہوں، یہ ان کیلئے تاکید ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اگر یہ رسول ﷺ کے ساتھ تعظیم وتکریم سے نہ چلے اور انہوں نے آپ ﷺ کی گفتگو کو توجہ سے نہ سنا اور اس میں غور وفکر نہ کیا تو ان کفار کیلئے دردناک عذاب ہے اور عذاب الیم کا مفہوم پہلے گزر چکا ہے۔

Marfat.com

61

[۱۰۵] مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾

(وہ جو کافر ہیں کتابی یا مشرک وہ نہیں چاہتے کہ تم پر کوئی بھلائی نازل ہو تمہارے رب کے پاس سے اور اللہ اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جسے چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے)

سابقہ آیت سے ربط

اللہ تعالیٰ نے یہود اور کفار کی عداوت اور معاندت کی تفصیل بیان کی تو اب اہلِ ایمان کو ان سے بچنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: "مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا"۔ ان کے دلوں سے ہر قسم کی محبت و یگانگت کی نفی کی جس سے مسلمانوں کی فضیلت کا اظہار ہوتا۔

یہاں دو مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: پہلا "من" بیانیہ ہے کیونکہ کفار جنس اور اس کے نیچے دو انواع ہیں: اہلِ کتاب اور مشرکین، اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی ہے:

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِيْنَ (پ۳۰، البینۃ:۱) کتابی کافر اور مشرک اپنا دین چھوڑنے کو نہ تھے

۲ دوسرا زائد ہے بطور استغراق واحاطہ خیر ہے۔

۳۔ تیسرا ابتداء غایت کیلئے ہے۔

دوسرا مسئلہ: الخیر، وحی، اسی طرح رحمت، اس پر شاہد یہ ارشادِ الٰہی ہے:

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ (پ۲۵، الزخرف:۳۲) کیا تمہارے رب کی رحمت وہ بانٹتے ہیں

مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنے کو نزولِ وحی کا زیادہ اہل و حقدار سمجھتے ہیں اور تم پر نزولِ وحی سے محبت نہیں کرتے بلکہ حسد کرتے ہیں اس کے بعد واضح کیا اس حسد سے وحی کا زوال نہیں ہوسکتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور احسان کیلئے جسے چاہے مخصوص فرمالے۔

Marfat.com

[۱۰۵] مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾

(وہ جو کافر ہیں کتابی یا مشرک وہ نہیں چاہتے کہ تم پر کوئی بھلائی نازل ہو تمہارے رب کے پاس سے اور اللہ اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جسے چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے)

سابقہ آیت سے ربط

اللہ تعالیٰ نے یہود اور کفار کی عداوت اور معاندت کی تفصیل بیان کی تو اب اہلِ ایمان کو ان سے بچنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: "مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا"۔ ان کے دلوں سے ہر قسم کی محبت و یگانگت کی نفی کی جس سے مسلمانوں کی فضیلت کا اظہار ہوتا۔

یہاں دو مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: پہلا "من" بیانیہ ہے کیونکہ کفار جنس اور اس کے نیچے دو انواع ہیں: اہلِ کتاب اور مشرکین، اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی ہے:

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِيْنَ (پ۳۰، البینۃ:۱) — کتابی کافر اور مشرک اپنا دین چھوڑنے کو نہ تھے

۲ دوسرا زائد ہے بطور استغراق و احاطہ خیر ہے۔

۳۔ تیسرا ابتداءِ غایت کیلئے ہے۔

دوسرا مسئلہ: الخیر، وحی، اسی طرح رحمت، اس پر شاہد یہ ارشادِ الٰہی ہے:

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ (پ۲۵، الزخرف:۳۲) — کیا تمہارے رب کی رحمت وہ بانٹتے ہیں

مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنے کو نزولِ وحی کا زیادہ اہل و حقدار سمجھتے ہیں اور تم پر نزولِ وحی سے محبت نہیں کرتے بلکہ حسد کرتے ہیں اس کے بعد واضح کیا اس حسد سے وحی کا زوال نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور احسان کیلئے جسے چاہے مخصوص فرما لے۔

Marfat.com

[۱۰۶] مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا ؕ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۰۶﴾

(جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلادیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ سب کچھ کرسکتا ہے)

طعن کی دوسری نوع

یہ یہود کی طرف سے اسلام پر طعن کی نوع ثانی ہے، کہتے ہیں دیکھو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے صحابہ کو ایک حکم دیتے ہیں پھر اس سے منع کر کے اس کے برخلاف کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔ کہتے ہیں آج یہ حکم ہے مگر کل اس سے رجوع کر لیتے ہیں تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوگئی، اس پر گفتگو چند مسائل کے عنوان سے کرتے ہیں۔

پہلا مسئلہ، نسخ کا معنی ومفہوم

نسخ، لغت میں کسی شئی کو باطل کرنا ہے، شیخ قفال کہتے ہیں کہ نسخ نقل اور تحویل ہے۔ جب ہوا، آثار ونشانات فنا کردے تو کہا جاتا ہے: نسخت الریح آثار القوم۔ جب سایہ ختم ہو تو کہتے ہیں نسخت الشمس الظل۔ کیونکہ وہ سایہ کسی دوسری جگہ نہیں ہوتا حتیٰ کہ گمان کرلیا جائے کہ وہ منتقل ہوگیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلۡقَى الشَّيۡطٰنُ فِىۡۤ اُمۡنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنۡسَخُ اللّٰهُ مَا يُلۡقِى الشَّيۡطٰنُ (پ۱۷، الحج:۵۲)

اس پر بھی یہ واقعہ گزرا ہے کہ جب انہوں نے پڑھا تو شیطان نے ان کے پڑھنے میں لوگوں پر کچھ اپنی طرف سے ملا دیا تو مٹا دیتا ہے اللہ اس شیطان کے ڈالے ہوئے کو

یعنی اسے زائل اور باطل فرما دیتا ہے۔

چونکہ کلام میں اصل حقیقی معنی ہوتا ہے جب لفظ نسخ کا معنی حقیقی ابطال ثابت ہوگیا تو اب ضروری ہے کہ اس کا حقیقی معنی نقل نہ ہوتا کہ اشتراک کسی طرح لازم نہ آئے۔

سوال: ہوا کو کہنا یہ آثار کی ناسخ اور شمس ظل کا ناسخ ہے یہ بطور مجاز ہے کیونکہ آثار وظل کا زائل فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے تو یہ مجاز ہے تو اس سے لفظ کے حقیقی معنی پہ دلالت یہ استدلال ممتنع ہوگا، ہم آپ کی مذکورہ گفتگو کے ساتھ معارضہ کرتے ہوئے کہتے ہیں بلکہ

Marfat.com

نسخ نقل وتحویل ہے اسی سے نسخ الکتاب الی کتب آخر ہے گویا اس نے اس کی طرف نقل کیا یا اس کی حکایت نقل کی، اس سے تناسخ ارواح اور تناسخ قرآن، تناسخ مواریث میں بھی ایک سے دوسرے کی طرف اول کے بدل کے طور وارث بن جاتا ہے، ارشادِ الٰہی ہے

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ　　ہمارا یہ نوشتہ تم پر حق بولتا ہے ہم لکھتے رہے تھے جو تم نے کیا

(پ۲۵، الجاثیہ: ۲۹)

لہٰذا ضروری ہے کہ اس لفظ کا حقیقی معنی نقل ہو تو لازم ہے ابطال اس کا حقیقی معنی نہ ہو ورنہ اشتراک لازم

پہلے سوال کا جواب

جواب: اول سے دو طرح ہے:

۱۔ کوئی امتناع نہیں کہ ناسخ اللہ تعالیٰ ہو کیونکہ وہی شمس اور ہوا کو اس ازالہ کیلئے مؤثر بناتا ہے اور یہ بھی ناسخ ہوں کیونکہ یہ تاثیر ان کے ساتھ مخصوص ہے۔

۲۔ اہلِ لغت نے نسخ کی شمس اور ہوا کی طرف نسبت میں خطا کی ہے بات اسی طرح ہے لیکن ہماری دلیل ان کا لفظ نسخ کا ازالہ پہ اطلاق ہے کہ اس فعل کی نسبت انہوں نے ہوا و شمس کی طرف کی ہے۔

دوسرے سوال کا جواب

دوسرے سوال کا جواب یوں ہے کہ نقل، ابطال سے خاص ہے اس لیے کہ جب نقل ہوگی تو صفت معدوم اور اس کے بعد دوسری صفت حاصل ہو جائے گی کیونکہ مطلق عدم ایسے عدم سے اہم ہوتا ہے جس کے بعد دوسری شی حاصل ہو جائے جب لفظ سے خاص وعام دونوں مراد لیے جاسکتے ہوں تو اسے عام کیلئے حقیقت بنانا اولیٰ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

دوسرا مسئلہ: امام ابن عامر نے "ما ننسخ" نون پر پیش، سین کے نیچے زیر اور باقی قراء دونوں پر زبر پڑھتے ہیں۔

قرأت ابنِ عامر

امام ابن عامر کی قرأت کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ نسخ اور انسخ دونوں کا معنی ایک ہی ہے

۲۔ انسختہ یعنی میں نے اسے صاحب نسخ بنایا جیسے لوگوں نے حجاج سے کہا: جب اس نے ایک آدمی کو پھانسی دیا: اقبروا فلانا یعنی اسے صاحب قبر بنائیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

نسخ، نقل وتحویل ہے اسی سے نسخ الکتاب الی کتب آخر ہے گویا اس نے اس کی طرف نقل کیا یا اس کی حکایت نقل کی، اس سے تناسخ ارواح اور تناسخ قرآن، تناسخ مواریث میں بھی ایک سے دوسرے کی طرف اول کے بدل کے طور وارث بن جاتا ہے، ارشادِ الٰہی ہے

هٰذَا كِتَابُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ہمارا یہ نوشتہ تم پر حق بولتا ہے ہم لکھتے رہے تھے جو تم نے کیا (پ۲۵، الجاثیہ:۲۹)

لہٰذا ضروری ہے کہ اس لفظ کا حقیقی معنی نقل ہو تو لازم ہے ابطال اس کا حقیقی معنی نہ ہو ورنہ اشتراک لازم

پہلے سوال کا جواب

جواب: اول سے دو طرح ہے:

۱۔ کوئی امتناع نہیں کہ ناسخ اللہ تعالیٰ ہو کیونکہ وہی شمس اور ہوا کو اس ازالہ کیلئے مؤثر بناتا ہے اور یہ بھی ناسخ ہوں کیونکہ یہ تاثیر ان کے ساتھ مخصوص ہے۔

۲۔ اہلِ لغت نے نسخ کی شمس اور ہوا کی طرف نسبت میں خطا کی ہے بات اسی طرح ہے لیکن ہماری دلیل ان کا لفظ نسخ کا ازالہ پہ اطلاق ہے کہ اس فعل کی نسبت انہوں نے ہوا وشمس کی طرف کی ہے۔

دوسرے سوال کا جواب

دوسرے سوال کا جواب یوں ہے کہ نقل، ابطال سے خاص ہے اس لیے کہ جب نقل ہوگی تو صفت معدوم اور اس کے بعد دوسری صفت حاصل ہو جائے گی کیونکہ مطلق عدم ایسے عدم سے اہم ہوتا ہے جس کے بعد دوسری شی حاصل ہو جائے جب لفظ سے خاص وعام دونوں مراد لیے جاسکتے ہوں تو اسے عام کیلئے حقیقت بنانا اولیٰ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

دوسرا مسئلہ: امام ابن عامر نے "ما ننسخ" نون پر پیش، سین کے نیچے زیر اور باقی قراء دونوں پر زبر پڑھتے ہیں۔

قرأت ابنِ عامر

امام ابن عامر کی قرأت کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ نسخ اور انسخ دونوں کا معنی ایک ہی ہے

۲۔ انسخته یعنی میں نے اسے صاحب نسخ بنایا جیسے لوگوں نے حجاج سے کہا: جب اس نے ایک آدمی کو پھانسی دیا: اقبروا فلانا یعنی اسے صاحب قبر بنائیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ (پ ۳۰ عبس:۲۱) پھر اسے موت دی پھر قبر میں رکھوا دیا

امام ابن کثیر اور ابو عمرو نے "ننساھا" پڑھا۔ نون اور ہمزہ پر زبر، شرط کی وجہ سے مجزوم، امام ابو عمرو ایسی جگہ سے ہمزہ نہیں گراتے کیونکہ اس کا سکون علامت جزم ہوتا ہے اب یہ النسئ بمعنی تاخیر سے ہے، اس سے ارشاد الٰہی ہے:

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْكُفْرِ (پ ۱۰ التوبۃ:۳۷) ان کا مہینے پیچھے ہٹانا نہیں مگر اور کفر میں بڑھنا

بیع موجل کونسیئہ کہا جاتا ہے۔ اہلِ لغت کہتے ہیں، انسأ اللّٰه أجله ونسأ في أجله کا معنی اللہ نے اس میں اضافہ وموخر کر دیا۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے:

مَنْ سَرَّهُ النَّسْءُ فِي الْاَجَلِ وَالزِّيَادَةَ فِي الرِّزْقِ فَلْيَصِلْ رَحْمَه (البخاری، ۲۰۶۷) جو آدمی عمر لمبی اور رزق میں اضافہ چاہتا ہے وہ صلہ رحمی سے کام لے

باقی قراء نے نون پر پیش اور سین کے نیچے زیر پڑھی تو یہ نسیان سے ہوگا، پھر اکثر نے اسے نسیان پر محمول کیا جس کی ضد ذکر (یاد) ہے۔ بعض نے نسیان کا معنی ترک لیا، ارشادِ الٰہی ہے:

فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (پ ۱۶ طٰہٰ:۱۱۵) انہوں نے ترک کیا اور ہم ان کیلئے عزم نہیں پاتے

فرمایا:

فَالْیَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ یَوْمِهِمْ هٰذَا (پ ۸، الاعراف:۵۱) تو آج ہم انہیں چھوڑ دیں گے جیسا انہوں نے اس دن کے ملنے کا خیال چھوڑا تھا۔

یعنی ہم نے ان کو چھوڑ دیا جیسا کہ انہوں نے ہمیں چھوڑا تھا۔

مختار یہی ہے کہ نسیان کو بطور مجاز ترک پر محمول کیا جائے کیونکہ منسی (بھلا دیا گیا) متروک ہی ہوتا ہے چونکہ ترک لوازم نسیان سے تھا اس لیے ملزوم کا اطلاق لازم پر کر دیا۔

ننسها مشدد و تنسها بطور خطاب رسول بھی پڑھا گیا۔ حضرت عبداللہ کی قرأت ما ننسك من آية او ننسخها۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پڑھا: ما ننسخ من آية أو ننسكها۔

تیسرا مسئلہ: ما یہاں جزائیہ ہے جیسے ما تصنع اصنع، اس کا عمل شرط و جزا میں جزم ہے بشرطیکہ دونوں مضارع ہوں ننسخ شرط اور نأت جزا۔ دونوں مجزوم ہیں۔

Marfat.com

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ (پ۳۰ عبس:۲۱) پھر اسے موت دی پھر قبر میں رکھوادیا

امام ابنِ کثیر اور ابو عمرو نے "ننساھا" پڑھا۔نون اور ہمزہ پر زبر،شرط کی وجہ سے مجزوم،امام ابو عمرو ایسی جگہ سے ہمزہ نہیں گراتے کیونکہ اس کا سکون علامت جزم ہوتا ہے اب یہ النسئ بمعنی تاخیر سے ہے،اس سے ارشادِ الٰہی ہے:

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْكُفْرِ (پ۱۰ التوبۃ:۳۷) ان کا مہینے پیچھے ہٹانا نہیں مگر اور کفر میں بڑھنا

بیع موجل کو نسیئہ کہا جاتا ہے۔اہلِ لغت کہتے ہیں،انسأ اللہ أجله ونسأ فی أجله کا معنی اللہ نے اس میں اضافہ وموخر کر دیا۔

حضورﷺ کا فرمان ہے:

مَنْ سَرَّهُ النَّسْءُ فِی الْاَجَلِ وَالزِّیَادَةَ فِی الرِّزْقِ فَلْیَصِلْ رِحْمَه (البخاری،۲۰۶۷) جو آدمی عمر لمبی اور رزق میں اضافہ چاہتا ہے وہ صلہ رحمی سے کام لے

باقی قراء نے نون پر پیش اور سین کے نیچے زیر پڑھی تو یہ نسیان سے ہوگا،پھر اکثر نے اسے نسیان پر محمول کیا جس کی ضد ذکر(یاد) ہے۔بعض نے نسیان کا معنی ترک لیا،ارشادِ الٰہی ہے:

فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (پ۱۶ طٰہٰ:۱۱۵) انہوں نے ترک کیا اور ہم ان کیلئے عزم نہیں پاتے

فرمایا:

فَالْیَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ یَوْمِهِمْ هٰذَا (پ۸ ،الاعراف:۵۱) تو آج ہم انہیں چھوڑ دیں گے جیسا انہوں نے اس دن کے ملنے کا خیال چھوڑا تھا۔

یعنی ہم نے ان کو چھوڑ دیا جیسا کہ انہوں نے ہمیں چھوڑا تھا۔

مختار یہی ہے کہ نسیان کو بطور مجاز ترک پر محمول کیا جائے کیونکہ منسی (بھلا دیا گیا) متروک ہی ہوتا ہے چونکہ ترک لوازم نسیان سے تھا اس لیے ملزوم کا اطلاق لازم پر کر دیا۔

ننسھا مشدد و تنسھا بطور خطاب رسول بھی پڑھا گیا۔حضرت عبداللہ کی قرأت ما ننسك من آیة او ننسخھا۔حضرت حذیفہؓ نے پڑھا:ما ننسخ من آیة أو ننسکھا۔

تیسرا مسئلہ: مایہاں جزائیہ ہے جیسے ما تصنع اصنع،اس کا عمل شرط وجزا میں جزم ہے بشرطیکہ دونوں مضارع ہوں ننسخ شرط اور ناْت جزا۔دونوں مجزوم ہیں۔

Marfat.com

چوتھا مسئلہ، تناسخ اہلِ علم کے ہاں

اہلِ علم کے ہاں تناسخ اس طریق شرعی کا نام ہے جو واضح کرے کہ جو پہلے بطریق شرعی حکم ثابت تھا وہ اس کے بعد باقی نہیں رہا پھر دوسرا اس کے بعد ہوگا یوں کہ اگر یہ نہ ہوتا تو پہلا ثابت ہی رہتا۔ طریق شرعی، سے مراد یہ ہے کہ خواہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو یا رسول اللہ ﷺ کا یا دونوں میں سے کسی کا فعل ہو۔

ایک قول کے مطابق اس سے اجماع امت خارج ہوگیا کیونکہ اس تفسیر کے مطابق وہ طریق شرعی نہیں۔ یہ لازم نہیں کہ شرع حکم عقلی کی ناسخ ہو کیونکہ عقل طریق شرعی نہیں۔ یہ بھی لازم نہیں کہ معجزہ حکم شرعی کا ناسخ ہو کیونکہ معجزہ طریق شرعی نہیں اور حکم کو غایت یا شرط یا استثناء کے ساتھ مقید کرنا لازم نہیں کیونکہ یہ تراخی نہیں ہوتا۔ یہ بھی لازم نہیں جب اللہ تعالیٰ نے فعل واحد کا ہمیں حکم دیا تو اس کی مثل سے ہمیں منع فرمائے کیونکہ اگر اس طرح کا ناسخ نہ ہوگی تو مثل حکم امر بھی ثابت نہ ہوگا۔

پانچواں مسئلہ، جواز نسخ

ہمارے مذہب میں نسخ عقلاً جائز اور نقلاً واقع ہے، یہود کا اس میں اختلاف ہے، ان میں سے بعض عقلاً اس کے منکر اور بعض عقلاً قائل ہیں لیکن نقلاً نہیں مانتے، بعض اہلِ اسلام سے بھی انکارِ نسخ منقول ہے۔

جمہور کے دلائل

جواز و وقوع نسخ پر جمہور امت مسلمہ نے خوب دلائل دیے ہیں اس لیے کہ یہ دلائل حضور ﷺ کی نبوت پر بھی دال ہیں، آپ کی صحت نبوت تبھی ثابت ہوگی جب ماقبل شرائع کا نسخ مانا جائے تو نسخ کا ماننا قطعی ٹھہرا۔

یہود پر دو الزامی رد

ہم یہ بھی کہیں گے کہ یہود پر دو الزامی باتیں ہیں:

۱۔ تورات میں ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے کشتی سے نکلتے وقت فرمایا: میں نے ہر چوپائے کو تیری اور تیری اولاد کی ملکیت میں دیا اور تمہارے لیے اجازت ہے مثلاً پٹھوں کا کھانا لیکن خون کے علاوہ تو اسے نہ کھانا پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل پر بہت سے حیوانات کا کھانا حرام فرمادیا۔

۲۔ حضرت آدم علیہ السلام کو بہن کے بھائی کے ساتھ نکاح کا حکم تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اسے حرام فرمادیا۔

Marfat.com

چوتھا مسئلہ، ناسخ اہلِ علم کے ہاں

اہلِ علم کے ہاں ناسخ اس طریق شرعی کا نام ہے جو واضح کرے کہ جو پہلے بطریق شرعی حکم ثابت تھا وہ اس کے بعد باقی نہیں رہا پھر دوسرا اس کے بعد ہو گا یوں کہ اگر یہ نہ ہوتا تو پہلا ثابت ہی رہتا۔ طریق شرعی، سے مراد یہ ہے کہ خواہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یا دونوں میں سے کسی کا فعل ہو۔

ایک قول کے مطابق اس سے اجماع امت خارج ہو گیا کیونکہ اس تفسیر کے مطابق وہ طریق شرعی نہیں۔ یہ لازم نہیں کہ شرع حکم عقلی کی ناسخ ہو کیونکہ عقل طریق شرعی نہیں۔ یہ بھی لازم نہیں کہ معجزہ حکم شرعی کا ناسخ ہو کیونکہ معجزہ طریق شرعی نہیں اور حکم کو غایت یا شرط یا استثناء کے ساتھ مقید کرنا لازم نہیں کیونکہ یہ تراخی نہیں ہوتا۔ یہ بھی لازم نہیں جب اللہ تعالیٰ نے فعل واحد کا ہمیں حکم دیا تو اس کی مثل سے ہمیں منع فرمائے کیونکہ اگر اس طرح کا ناسخ نہ ہو گی تو مثل حکم امر بھی ثابت نہ ہو گا۔

پانچواں مسئلہ، جواز نسخ

ہمارے مذہب میں نسخ عقلاً جائز اور نقلاً واقع ہے، یہود کا اس میں اختلاف ہے، ان میں سے بعض عقلاً اس کے منکر اور بعض عقلاً قائل ہیں لیکن نقلاً نہیں مانتے، بعض اہلِ اسلام سے بھی انکارِ نسخ منقول ہے۔

جمہور کے دلائل

جواز ووقوع نسخ پر جمہور امت مسلمہ نے خوب دلائل دیے ہیں اس لیے کہ یہ دلائل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر بھی دال ہیں، آپ کی صحت نبوت تبھی ثابت ہو گی جب ما قبل شرائع کا نسخ مانا جائے تو نسخ کا ماننا قطعی ٹھہرا۔

یہود پر دو الزامی رد

ہم یہ بھی کہیں گے کہ یہود پر دو الزامی باتیں ہیں:

۱۔ تورات میں ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے کشتی سے نکلتے وقت فرمایا: میں نے ہر چوپائے کو تیری اور تیری اولاد کی ملکیت میں دیا اور تمہارے لیے اجازت ہے مثلاً پٹھوں کا کھانا لیکن خون کے علاوہ تو اسے نہ کھانا پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل پر بہت سے حیوانات کا کھانا حرام فرما دیا۔

۲۔ حضرت آدم علیہ السلام کو بہن کے بھائی کے ساتھ نکاح کا حکم تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اسے حرام فرما دیا۔

Marfat.com

منکرین نسخ

منکرین نسخ کہتے ہیں: ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ حضور ﷺ کی صحت نبوت کیلئے نسخ کا ماننا ضروری ہے کیونکہ یہ کہنا جائز ہے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے اپنی امتوں سے فرمایا ہو: یہ شریعت، ظہور شرع محمد ﷺ تک ہی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت محمد ﷺ کی شریعت کی اتباع کا حکم دیا ہو، تو ظہور شرع محمدی کے وقت سے ان کی شریعت پر عمل کا حکم ختم اور آپ کی شرع پر عمل لازم ہو گیا لیکن یہ نسخ نہیں بلکہ اس فرمان کی طرح جاری ہے۔

ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ (پ۲، البقرۃ: ۱۸۷) پھر رات آنے تک روزے پورے کرو

بالکل نسخ کا انکار کرنے والے مسلمانوں نے اس دلیل پر بنیاد رکھی ہے، قرآن میں ہے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے تورات وانجیل میں حضرت محمد ﷺ کی آمد کی بشارت دی۔ جب ان کا ظہور ہو گیا تو آپ کی شریعت پر عمل لازم، جب بات اسی طرح ہے تو اس احتمال کی وجہ سے وقوع نسخ کا یقین ممتنع ٹھہرا اور یہی مذکور الزامات پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔

منکرین کے دلائل

جب اللہ تعالیٰ نے شریعت حضرت عیسیٰ بیان کی، اس شریعت پر دال الفاظ وہ ان کے دوام پر دال ہیں یا دوام پر دال نہیں۔ یا دوام ولا دوام دونوں پر دال نہیں۔ اگر وہاں ان کے ثبوت میں دوام تھا اب کہا جا رہا ہے ان میں دوام نہیں تو خبر اول کذب ہوگا اور یہ شرع میں جائز نہیں پھر یہ بھی ہے اگر ہم جواز نسخ مان لیں پھر ہمارے پاس کوئی طریق علمی نہیں جس سے یہ جان لیں کہ ہماری شرع منسوخ نہ ہوگی اس لیے کہ زیادہ سے زیادہ شریعت یہ کہے گی یہ دائمی شریعت ہے اور ہرگز منسوخ نہ ہوگی لیکن اسی طرح کا معاملہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی شریعت میں پاتے ہیں حالانکہ وہ دائمی نہ رہیں تو اب ہر شریعت پر وثوق ختم ہو گیا

سوال: جواباً یہ کیوں نہیں کہا جا سکتا کہ الفاظ دوام پر دال تھے مگر ان کا اتصال ایسے الفاظ سے تھا جو منسوخ کے مقتضی تھے یا ان کا اتصال نہ تھا مگر اس پر نص تھی جو ہم تک نقل نہیں ہوئی۔

جواب: یہ متعدد وجوہ سے ضعیف ہے۔

۱۔ صراحۃً الفاظ کا دوام پر دلالت کرنا اور صراحۃً دوام پر دلالت نہ کرنا تو متضاد کو جمع کرنا ہے اور یہ کم عقلی اور عبث ہے۔

۲۔ یہ مان لیا اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا تھا کہ ان دونوں کی شریعت عنقریب منسوخ ہو جائے گی، جب ان کی نقل ہوئی تو اس کا یہ پہلو وکیفیت بھی منقول ہوگی۔

Marfat.com

اس لیے کہ اگر اس پہلو کے بغیر نقل شرع جائز رکھیں تو ایسا ہماری شریعت میں بھی جائز ہوگا۔ تو اب ہم یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ یقیناً ہماری شریعت منسوخ نہیں ہوسکتی کیونکہ منسوخ ہونا عظیم چیز ہے جس کا نقل ضروری ہے اور جس کا یہ مقام ہو اس کا مشہور ہونا اور حد تواتر تک پہنچنا ضروری ہوتا ہے ورنہ تو قرآن کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ اس سے معارضہ کیا گیا لیکن منقول نہ ہوسکا۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے ممکن ہے حضرت محمد ﷺ نے اس کے اصل کو بدل ڈالا ہو لیکن وہ نقل نہ ہوسکا تو اس کیفیت کا نسخ کا تواتر کے ساتھ منقول ہونا ضروری ہے۔

تو اب ہم کہتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے زمانہ میں اسی پر تصریح کی ان کی شریعتیں عنقریب منسوخ ہوجائیں گی تو اس بات کا اہل تواتر تک مشہور ہونا اور انہیں بداہۃً معلوم ہونا ضروری ہے اور اگر معاملہ یوں ہوتا تو جمع عظیم کا اس قدر تنازعہ کرنا محال ہوتا حالانکہ ہم یہود و نصاریٰ کو اس کے انکار پر متفق پاتے ہیں جس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اس پر کوئی نص نہ تھی کہ ان دونوں کی شریعتیں عنقریب منسوخ ہونے والی ہیں۔

دوسری قسم: یوں کہا جائے بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے شریعت موسوی پر نص کی کہ یہ منقطع اور غیر دائم ہے گویا باطل ہے اگر یہ ثابت تھا تو اس کا اہل تواتر کیلئے یقیناً معلوم ہونا ضروری تھا اور اگر اسے درست مان لیا جائے تو یہ نسخ نہ ہوگا بلکہ یہ انتہاء حکم ہوگا۔

تیسری قسم: اللہ تعالیٰ نے شریعت موسوی کے بارے میں نص فرمائی۔ لیکن اس کا دائم یا غیر دائم ہونا بیان نہ فرمایا تو اب کہتے ہیں اصول فقہ میں ثابت ہے مطلق امر تکرار کا فائدہ نہیں دیتا وہ صرف ایک دفعہ کیلئے ہوتا ہے جب مکلّف اسے ایک مرتبہ بجالایا تو اب اس کی ذمہ داری ختم ہوگی تو اب اس کے بعد دوسرا امر، اول امر کا نسخ نہیں ہوتا تو اس تقسیم سے معلوم ہورہا ہے کہ قول نسخ محال ہے

ضعیف استدلال

یاد رہے ہم نے ''المحصول فی اصول الفقه'' میں یہ تمام گفتگو نقل کی اور وقوع نسخ پر ارشادِ گرامی:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا

جب ہم کوئی آیت منسوخ کریں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے

سے استدلال کیا لیکن اس سے استدلال بھی ضعیف ہے کیونکہ ماشرط و جزا پر دال ہے جیسے کہا جائے من جاءك فاكرمه (جو تمہارے پاس آئے اس کا احترام کرو) تو اس کی دلالت آمد پر نہیں بلکہ اس پر ہے کہ اگر اس کی آمد ہو تو اکرام لازم ہوگا تو اسی طرح یہ آیت بھی حصول نسخ پر دال نہیں بلکہ اس پر ہے کہ جب نسخ ہوا تو لازم ہے کہ ناسخ اس سے بہتر ہو لہٰذا اقویٰ یہ ہے کہ ثبوت نسخ کیلئے اس ارشادِ الٰہی سے استدلال کیا جائے۔

فصل قدیر

Marfat.com

اس لیے کہ اگر اس پہلو کے بغیر نقل شرع جائز رکھیں تو ایسا ہماری شریعت میں بھی جائز ہوگا۔ تو اب ہم یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ یقیناً ہماری شریعت منسوخ نہیں ہوسکتی کیونکہ منسوخ ہونا عظیم چیز ہے جس کا نقل ضروری ہے اور جس کا یہ مقام ہو اس کا مشہور ہونا اور حدتواتر تک پہنچنا ضروری ہوتا ہے ورنہ تو قرآن کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ اس سے معارضہ کیا گیا لیکن منقول نہ ہوسکا۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے ممکن ہے حضرت محمد ﷺ نے اس کے اصل کو بدل ڈالا ہو لیکن وہ نقل نہ ہوسکا تو اس کیفیت کا نسخ کا تواتر کے ساتھ منقول ہونا ضروری ہے۔

تو اب ہم کہتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے زمانہ میں اسی پر تصریح کی ان کی شریعتیں عنقریب منسوخ ہو جائیں گی تو اس بات کا اہل تواتر تک مشہور ہونا اور انہیں بداہۃً معلوم ہونا ضروری ہے اور اگر معاملہ یوں ہوتا تو جمع عظیم کا اس قدر تنازعہ کرنا محال ہوتا حالانکہ ہم یہود و نصاریٰ کو اس کے انکار پر متفق پاتے ہیں جس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اس پر کوئی نص نہ تھی کہ ان دونوں کی شریعتیں عنقریب منسوخ ہونے والی ہیں۔

دوسری قسم: یوں کہا جائے بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے شریعت موسوی پر نص کی کہ یہ منقطع اور غیر دائم ہے گویا باطل ہے اگر یہ ثابت تھا تو اس کا اہل تواتر کیلئے یقیناً معلوم ہونا ضروری تھا اور اگر اسے درست مان لیا جائے تو یہ نسخ نہ ہوگا بلکہ یہ انتہاء حکم ہوگا۔

تیسری قسم: اللہ تعالیٰ نے شریعت موسوی کے بارے میں نص فرمائی۔ لیکن اس کا دائم یا غیر دائم ہونا بیان نہ فرمایا تو اب کہتے ہیں اصول فقہ میں ثابت ہے مطلق امر تکرار کا فائدہ نہیں دیتا وہ صرف ایک دفعہ کیلئے ہوتا ہے جب مکلّف اسے ایک مرتبہ بجالایا تو اب اس کی ذمہ داری ختم ہوگی تو اب اس کے بعد دوسرا امر، اول امر کا نسخ نہیں ہوتا تو اس تقسیم سے معلوم ہو رہا ہے کہ قول نسخ محال ہے

ضعیف استدلال

یادرہے ہم نے "المحصول فی اصول الفقه" میں یہ تمام گفتگو نقل کی اور وقوع نسخ پر ارشادِ گرامی:

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا

جب ہم کوئی آیت منسوخ کریں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے

سے استدلال کیا لیکن اس سے استدلال بھی ضعیف ہے کیونکہ ماشرط و جزا پر دال ہے جیسے کہا جائے من جاءك فاکرمه (جو تمہارے پاس آئے اس کا احترام کرو) تو اس کی دلالت آمد پر نہیں بلکہ اس پر ہے کہ اگر اس کی آمد ہو تو اکرام لازم ہوگا تو اسی طرح یہ آیت بھی حصول نسخ پر دال نہیں بلکہ اس پر ہے کہ جب نسخ ہوا تو لازم ہے کہ ناسخ اس سے بہتر ہو لہٰذا اقویٰ یہ ہے کہ ثبوت نسخ کیلئے اس ارشادِ الٰہی سے استدلال کیا جائے۔

فضل قدیر

Marfat.com

وَاِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ (پ ۱۴، النحل: ۱۰۱) اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلیں

اور اس سے:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ (پ ۱۳، الرعد: ۳۹) اللہ جو چاہے مٹاتا ہے اور ثابت کرتا ہے اور اصل لکھا ہوا اسی کے پاس ہے

واللہ تعالیٰ اعلم

چھٹا مسئلہ: کیا قرآن میں نسخ ہے؟

تمام اہلِ علم متفق ہیں کہ قرآن میں نسخ ہے، امام ابو مسلم بن بحر اسے تسلیم نہیں کرتے

جمہور کے دلائل

قرآن میں وقوع نسخ پر جمہور کے یہ دلائل ہیں:

پہلی دلیل: یہی آیت مبارکہ:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلادیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے

شیخ ابو مسلم نے اس کے متعدد جوابات دیے ہیں:

۱۔ یہاں آیات منسوخہ سے مراد کتب قدیمہ تورات وانجیل کی شریعتیں ہیں۔ مثلاً سبت، مشرق ومغرب کی طرف نماز جو اللہ تعالیٰ نے ہم سے ساقط کردیں اور ہمیں دیگر عبادات کا حکم دیا کیونکہ یہود ونصاریٰ ایک دوسرے سے کہتے تھے: "لَا تُؤْمِنُوْۤا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ"، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارک سے ان کا ابطال فرمایا۔

۲۔ یہاں نسخ سے شریعت کا لوح محفوظ سے دیگر کتب کی طرف نقل کرنا ہے جیسے کہا جاتا۔ نسخت الکتاب۔ (میں نے کتاب نقل کی)

۳۔ پیچھے ہم نے بیان کیا کہ یہ وقوع نسخ پر دلیل نہیں بلکہ اس پر دلیل ہے کہ اگر نسخ ہوا تو بہتر سے ہوگا۔

اول کا جواب

بعض نے اول کا جواب یہ دیا کہ جب آیات کا لفظ مطلقاً آتا ہے تو اس سے آیاتِ قرآن مراد ہوتی ہیں کیونکہ وہی ہمارے ہاں معروف ومتعین ہیں۔

Marfat.com

دوسرے کا جواب

لوح محفوظ سے قرآن کا منتقل ہونا کچھ قرآن کا خاصہ نہیں بلکہ تمام کا ہے حالانکہ نسخ کا تعلق تو کچھ قرآن سے ہے۔

اول پر اعتراض

اول جواب پر اعتراض ہوسکتا ہے کہ ہم قرآن کے ساتھ آیات کی تخصیص تسلیم نہیں کرتے بلکہ آیات کا لفظ جمیع دلائل کو شامل ہے

دوسرے پر اعتراض

ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ نسخ مذکور کا تعلق بعض قرآن سے ہے بلکہ تقدیر (واللہ اعلم) یوں ہے کہ ہم لوح سے منسوخ نہیں فرماتے کہ بعد میں اس سے بہتر لے آتے ہیں۔

دوسری دلیل: قرآن میں وقوع نسخ ماننے والوں کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیوہ کو ایک سال کامل مدت کا حکم دیتے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ (پ۲، البقرۃ:۲۴۰)

اور جو تم میں مریں اور بیبیاں چھوڑ جائیں وہ اپنی عورتوں کیلئے وصیت کر جائیں سال بھر تک نان نفقہ دینے کی۔

پھر اسے منسوخ فرما کر چار ماہ اور دس دن کا حکم دیا۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا (پ۲، البقرہ:۲۳۴)

اور جو تم میں مریں اور بیبیاں چھوڑیں وہ چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رکھیں۔

شیخ ابو مسلم کہتے ہیں سال عدت بسر کرنا بالکل ہی ختم نہیں ہوگیا اس لیے کہ اگر وہ حاملہ ہے تو اس کی عدت کامل سال ہوگی تو اس آیت کا بعض صورتوں میں حکم باقی ہے تو اسے تخصیص کہو نہ کہ نسخ۔

جواب: اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حمل کی سورت میں عدت، وضع حمل سے ختم ہو جائے گی خواہ وہ سال ہو یا اس سے زیادہ مدت میں ہو تو ایک سال مدت تو بالکلیہ زائل ہوگئی۔

تیسری دلیل: اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری سے پہلے صدقہ دینے کا حکم دیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً (پ۲۸، المجادلۃ:۱۲)

اے ایمان والو جب تم رسول سے کوئی آہستہ بات کرنا چاہو تو اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقہ دے لو

Marfat.com

دوسرے کا جواب

لوح محفوظ سے قرآن کا منتقل ہونا کچھ قرآن کا خاصہ نہیں بلکہ تمام کا ہے حالانکہ نسخ کا تعلق تو کچھ قرآن سے ہے۔

اول پر اعتراض

اول جواب پر اعتراض ہوسکتا ہے کہ ہم قرآن کے ساتھ آیات کی تخصیص تسلیم نہیں کرتے بلکہ آیات کا لفظ جمیع دلائل کو شامل ہے

دوسرے پر اعتراض

ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ نسخ مذکور کا تعلق بعض قرآن سے ہے بلکہ تقدیر (واللہ اعلم) یوں ہے کہ ہم لوح سے منسوخ نہیں فرماتے کہ بعد میں اس سے بہتر لے آتے ہیں۔

دوسری دلیل: قرآن میں وقوع نسخ ماننے والوں کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیوہ کو ایک سال کامل مدت کا حکم دیتے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ (پ۲، البقرۃ:۲۴۰) اور جو تم میں مریں اور بیبیاں چھوڑ جائیں وہ اپنی عورتوں کیلئے وصیت کر جائیں سال بھر تک نان نفقہ دینے کی۔

پھر اسے منسوخ فرما کر چار ماہ اور دس دن کا حکم دیا۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا (پ۲، البقرہ:۲۳۴) اور جو تم میں مریں اور بیبیاں چھوڑیں وہ چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رکھیں۔

شیخ ابو مسلم کہتے ہیں سال عدت بسر کرنا بالکل ہی ختم نہیں ہوگیا اس لیے کہ اگر وہ حاملہ ہے تو اس کی عدت کامل سال ہوگی تو اس آیت کا بعض صورتوں میں حکم باقی ہے تو اسے تخصیص کہو نہ کہ نسخ۔

جواب: اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حمل کی سورت میں عدت، وضع حمل سے ختم ہوجائے گی خواہ وہ سال ہو یا اس سے زیادہ مدت میں ہو تو ایک سال مدت تو بالکلیہ زائل ہوگئی۔

تیسری دلیل: اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری سے پہلے صدقہ دینے کا حکم دیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً (پ۲۸، المجادلۃ:۱۲) اے ایمان والو جب تم رسول سے کوئی آہستہ بات کرنا چاہو تو اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقہ دے لو

Marfat.com

پھر اس صدقہ کو منسوخ کر دیا۔

شیخ ابو مسلم کہتے ہیں: یہ حکم اس لیے ختم وساقط ہوا کہ اس کا سبب ختم ہو گیا۔ سبب صدقہ یہ تھا کہ منافق اہلِ ایمان سے الگ ہو جائیں کیونکہ وہ صدقہ نہیں کرتے تھے، جب یہ غرض پوری ہو گئی تو صدقہ کا حکم ختم۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اگر معاملہ یوں ہی تھا تو ہونا یہ چاہیے تھا کہ جو صدقہ نہ کرے وہ منافق ٹھہرے حالانکہ یہ باطل ہے کیونکہ منقول یہی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی صدقہ نہ کرتا اور اس پر یہ ارشادِ الٰہی شاہد ہے۔

فَاِذۡ لَمۡ تَفۡعَلُوۡا وَ تَابَ اللّٰہُ عَلَیۡکُمۡ (پ ۲۸، المجادلہ: ۱۳)

پھر جب تم نے یہ نہ کیا اور اللہ نے اپنی مہر سے تم پر رجوع فرمائی

چوتھی دلیل:

اللہ تعالیٰ نے ایک مومن کو دس کفار سے مقابلہ کا حکم دیا۔

اِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ عِشۡرُوۡنَ صٰبِرُوۡنَ یَغۡلِبُوۡا مِائَتَیۡنِ (پ ۱۰، الانفال: ۶۵)

اگر تم میں سے بیس صبر والے ہوں گے دو سو پر غالب ہوں گے

پھر اس ارشادِ عالی سے اسے منسوخ فرمایا:

اَلۡـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنۡکُمۡ وَ عَلِمَ اَنَّ فِیۡکُمۡ ضَعۡفًا فَاِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ مِّائَۃٌ صَابِرَۃٌ یَّغۡلِبُوۡا مِائَتَیۡنِ (پ ۱۰، الانفال: ۶۶)

اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کی اور وہ جانتا ہے تمہارے ضعف کو اگر تم میں سو ہوں تو کافروں کے ہزار پر غالب آئیں گے

پانچویں دلیل:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سَیَقُوۡلُ السُّفَہَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىہُمۡ عَنۡ قِبۡلَتِہِمُ الَّتِیۡ کَانُوۡا عَلَیۡہَا (پ ۲، البقرۃ: ۱۴۲)

اب کہیں گے بے وقوف لوگ کس نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے قبلے سے جس پر وہ تھے

پھر اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کرتے ہوئے فرمایا:

فَوَلِّ وَجۡہَکَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ (پ ۲، البقرۃ: ۱۴۴)

ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف

شیخ ابو مسلم کہتے ہیں: اس قبلہ (بیت المقدس) کا حکم بالکل ہی زائل نہیں ہو گیا، کیونکہ عدمِ علم کی صورت یا علم کے باوجود عذر کی صورت میں اس کی طرف منہ کیا جا سکتا ہے۔

جواب: آپ کے مطابق بیت المقدس اور دیگر جہات میں کوئی فرق نہیں تو ایسی خصوصیات جس کی بنا پر بیت المقدس دیگر

Marfat.com

جہات سے ممتاز تھا وہ اب بالکلیہ ختم۔ لہٰذا نسخ ہے۔

چھٹی دلیل: اللہ تعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے:

وَاِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْا اِنَّمَا اَنْتَ مُفْتَرٍ (پ ۱۴، النحل:۱۰۱)

اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو اتارتا ہے کافر کہیں تم تو دل سے بنالاتے ہو

لفظ تبدیل، رفع و اثبات دونوں کو شامل ہے، مرفوع یا تلاوت ہوگی یا حکم، جو بھی ہو یہ رفع و نسخ ہوگا۔

ہم نے طویل اور تفصیلاً لکھا کیونکہ ان میں سے ہر ایک دلیل وقوعِ نسخ پر فی الجملہ دلیل ہے۔

شیخ ابو مسلم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی یہ شان بیان کی ہے:

لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ

جھوٹ اس کے آگے اور نہ پیچھے سے داخل ہوسکتا ہے

اگر نسخ مان لیا جائے تو باطل کا شامل ہونا لازم آتا ہے۔

جواب: مراد یہ ہے کہ اس کتاب سے پہلے ایسی کوئی کتاب الٰہی نہیں جو اسے باطل کہے اور نہ ہی بعد میں کوئی کتاب الٰہی ہے جو اسے باطل قرار دے۔

ساتواں مسئلہ: منسوخ فقط حکم ہوگا یا فقط تلاوت یا دونوں

حکم منسوخ لیکن تلاوت منسوخ نہیں کی مثال اوپر مذکورہ آیات ہیں، منسوخ فقط تلاوت کی مثال حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ہم آیت رجم "اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا اَلْبَتَّةَ نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ" پڑھا کرتے تھے۔

(سنن ابن ماجہ:۲۵۵۳)

اسی طرح مروی ہے: "لو كان لابن آدم و اديان من مال لابتغى اليهما ثالثًا ولا يملأ جوف ابن آدم الا التراب و يتوب الله على من تاب"

نوٹ: اس پر بندہ کے مقالہ "تلاوت قرآن کا نسخ محال" کا مطالعہ مفید رہے گا (قادری عفی عنہ)

حکم اور تلاوت دونوں منسوخ کی مثال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ رضاعت کے بارے قران میں نازل تھا کہ دس گھونٹ دودھ ہو اور وہ پانچ کے ساتھ منسوخ ہوگیا۔ (مسلم،۱۴۵۲)

تو دس بطور تلاوت و حکم دونوں طرح منسوخ ہے اور خمس کی تلاوت منسوخ لیکن حکم باقی ہے، یہ بھی مروی ہے سورۃ الاحزاب سبع طوال کی طرح یا اس سے زائد تھی پھر اس میں کمی آگئی۔

Marfat.com

جہات سے ممتاز تھا وہ اب بالکلیہ ختم۔لہٰذا نسخ ہے۔

چھٹی دلیل: اللہ تعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے:

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ (پ۱۴، النحل:۱۰۱) اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو اتارتا ہے کافر کہیں تم تو دل سے بنالاتے ہو

لفظ تبدیل، رفع و اثبات دونوں کو شامل ہے، مرفوع یا تلاوت ہوگی یا حکم، جو بھی ہو یہ رفع و نسخ ہوگا۔

ہم نے طویل اور تفصیلاً لکھا کیونکہ ان میں سے ہر ایک دلیل وقوعِ نسخ پر فی الجملہ دلیل ہے۔

شیخ ابو مسلم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی یہ شان بیان کی ہے:

لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ جھوٹ اس کے آگے اور نہ پیچھے سے داخل ہوسکتا ہے

اگر نسخ مان لیا جائے تو باطل کا شامل ہونا لازم آتا ہے۔

جواب: مراد یہ ہے کہ اس کتاب سے پہلے ایسی کوئی کتاب الٰہی نہیں جو اسے باطل کہے اور نہ ہی بعد میں کوئی کتاب الٰہی ہے جو اسے باطل قرار دے۔

ساتواں مسئلہ: منسوخ فقط حکم ہوگا یا فقط تلاوت یا دونوں

حکم منسوخ لیکن تلاوت منسوخ نہیں کی مثال اوپر مذکورہ آیات ہیں، منسوخ فقط تلاوت کی مثال حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ہم آیت رجم "اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا اَلْبَتَّةَ نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ" پڑھا کرتے تھے۔ (سنن ابن ماجہ:۲۵۵۲)

اسی طرح مروی ہے: "لو كان لابن آدم و اديان من مال لابتغى اليهما ثالثًا ولا يملأ جوف ابن آدم الا التراب و يتوب الله على من تاب"

نوٹ: اس پر بندہ کے مقالہ "تلاوت قرآن کا نسخ محال" کا مطالعہ مفید رہے گا (قادری عفی عنہ)

حکم اور تلاوت دونوں منسوخ کی مثال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔رضاعت کے بارے قران میں نازل تھا کہ دس گھونٹ دودھ ہو اور وہ پانچ کے ساتھ منسوخ ہوگیا۔ (مسلم،۱۴۵۲)

تو دس بطور تلاوت و حکم دونوں طرح منسوخ ہے اور خمس کی تلاوت منسوخ لیکن حکم باقی ہے، یہ بھی مروی ہے سورۃ الاحزاب سبع طوال کی طرح یا اس سے زائد تھی پھر اس میں کمی آگئی۔

Marfat.com

آٹھواں مسئلہ: مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْ نُنْسِھَا کی تفسیر

اس کی تفسیر میں اہلِ علم کا اختلاف ہے بعض نے نسخ کی تفسیر ازالہ سے، بعض نے نقل سے کی ہے مثلاً نسخت الکتاب۔ یہ حضرت عطاء اور حضرت سعید بن المسیب کا قول ہے۔

پہلے قول پر دلائل

قول اول پر یہ دلائل دیے گئے ہیں:

۱۔ معنی یہ ہے کہ ہم نہیں منسوخ کرتے کسی آیت کو جس کی تم تلاوت کرتے ہو یا نہیں بھلاتے قرآن کو جو تم پڑھ رہے ہوتے ہو پھر تم بھلا دیے جاتے ہو، یہ حضرت حسن، اصم اور اکثر متکلمین کا قول ہے یہ "ما ننسخ" کو فقط نسخ حکم (تلاوت نہیں) اور ننسھا کو نسخ حکم اور تلاوت دونوں پر محمول کرتے ہیں۔

سوال: وقوع نسیان عقلاً و شرعاً ممنوع ہے عقلاً اس لیے کہ قرآن کا اہلِ تواتر تک پہنچنا ضروری ہے جبکہ تمام اہلِ تواتر سے نسیان محال ہے، شرعاً اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (پ ۱۴، الحجر: ۹) ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں

پہلے کا جواب

پہلے کا جواب دو طرح ہے:

۱۔ نسیان ہو سکتا ہے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ حکم دیدے کہ اسے قرآن نہ مانو اور اسے نماز میں تلاوت اور استدلال سے خارج کر دو جب اس پر عمل ساقط ہو گیا اور وقت بھی کافی گزر گیا تو نسیان ثابت اور اگر وہ کہیں یاد بھی ہے تو بطور خبر واحد ہی ہو گی تو اس طرح وہ صدور سے محو ہو جائے گی۔

۲۔ یہ بطور معجزہ رسول ﷺ ہوا جیسا کہ احادیث میں ہے صحابہ رات سورت کی تلاوت کرتے بوقت صبح تمام کو بھول جاتی۔

دوسرے کا جواب

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ دوسری آیت سے معارض ہے

سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰٓی اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ (پ ۳۰، الاعلیٰ: ۶، ۷) ہم آپ کو عنقریب پڑھائیں گے کہ تم بھولو گے نہیں مگر جو اللہ چاہے

Marfat.com

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ (پ۱۵، الکہف: ۲۴) اور یاد کرو اپنے رب کو جب تم بھولو

دوسرا قول: ما ننسخ من آیۃ کا معنی یہ ہے کہ ہم اسے بدل دیتے ہیں یا اس کا حکم فقط یا تلاوت فقط یا دونوں کو او ننسھا ہم اسے اپنے حال پر رہنے دیتے ہیں اس میں تبدیلی نہیں کرتے، پیچھے آچکا نسیان بمعنی ترک آتا ہے۔ حاصل آیات یہ ہے کہ جسے ہم بدلتے ہیں اس سے بہتر یا اس کے مثل لاتے ہیں۔

تیسرا قول: ما ننسخ من آیۃ۔ یعنی ہم نے آیت کو انزال کے بعد مرفوع (اُٹھایا) نہیں کیا او ننسأھا۔ (ہمزہ کے ساتھ قرأت) یا ہم نے اس کے انزال کو لوح محفوظ سے موخر نہیں کیا یا مراد یہ ہے کہ ہم نے اس کا نسخ مؤخر کر دیا کہ فی الحال اسے منسوخ نہیں کر رہے ہاں ہم اس کا بدل کریں گے جو مصلحت میں اس کے قائم مقام ہو۔

چوتھا قول: ما ننسخ من آیۃ یہ وہ آیت ہے جو حکم و تلاوت دونوں میں منسوخ ہے۔ "او ننسھا" (یا ہم نے اسے چھوڑ دیا) یہ وہ آیت ہے جو حکم میں منسوخ لیکن تلاوت میں منسوخ نہیں بلکہ وہ تلاوت میں باقی ہے۔

دوسری رائے

دوسری رائے والوں کے ہاں ما ننسخ من آیۃ کا معنی یہ ہے ہم اسے لوح محفوظ سے منتقل کر دیں گے "او ننسھا" یا ہم اسے مؤخر کر دیں گے۔ ننسھا قرات کی صورت میں معنی ہوگا ہم نے اسے ترک کر دیا یعنی ہم نے اس کا نسخ ترک کر کے اسے منسوخ نہیں کیا۔ من آیۃ، تمام مفسرین نے آیت قرآن پر ہی محمول کیا ہے، بخلاف امام ابو مسلم وہ تورات وانجیل پر محمول کرتے ہیں، اس پر گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا کی تفسیر

اس میں دو اقوال ہیں:

۱۔ وہ دوسری آسانی پیدا کرنے والی ہوگی۔

۲۔ اس دوسری میں مصلحت زیادہ ہوگی۔

یہ دوسرا قول اولیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مکلّف کی مصلحت کو دیکھتا ہے نہ کہ اس کی طبیعت کی آسانی۔

سوال: اگر دوسری میں اول سے زیادہ مصلحت تھی تو اول ناقص الاصلاح ہوگی تو اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم کیسے دے دیا؟

Marfat.com

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ (پ۱۵ الکہف: ۲۴) اور یاد کرو اپنے رب کو جب تم بھولو

دوسرا قول: ما ننسخ من آیۃ کا معنی یہ ہے کہ ہم اسے بدل دیتے ہیں یا اس کا حکم فقط یا تلاوت فقط یا دونوں کو او ننسھا ہم اسے اپنے حال پر رہنے دیتے ہیں اس میں تبدیلی نہیں کرتے، پیچھے آچکا نسیان بمعنی ترک آتا ہے۔ حاصل آیات یہ ہے کہ جسے ہم بدلتے ہیں اس سے بہتر یا اس کے مثل لاتے ہیں۔

تیسرا قول: ما ننسخ من آیۃ۔ یعنی ہم نے آیت کو انزال کے بعد مرفوع (اُٹھایا) نہیں کیا او ننساھا۔ (ہمزہ کے ساتھ قرأت) یا ہم نے اس کے انزال کو لوح محفوظ سے موخر نہیں کیا یا مراد یہ ہے کہ ہم نے اس کا نسخ مؤخر کر دیا کہ فی الحال اسے منسوخ نہیں کر رہے ہاں ہم اس کا بدل کریں گے جو مصلحت میں اس کے قائم مقام ہو۔

چوتھا قول: ما ننسخ من آیۃ یہ وہ آیت ہے جو حکم و تلاوت دونوں میں منسوخ ہے۔ "او ننسھا" (یا ہم نے اسے چھوڑ دیا) یہ وہ آیت ہے جو حکم میں منسوخ لیکن تلاوت میں منسوخ نہیں بلکہ وہ تلاوت میں باقی ہے۔

دوسری رائے

دوسری رائے والوں کے ہاں ما ننسخ من آیۃ کا معنی یہ ہے ہم اسے لوح محفوظ سے منتقل کر دیں گے "او ننسھا" یا ہم اسے مؤخر کر دیں گے۔ ننسھا قرات کی صورت میں معنی ہوگا ہم نے اسے ترک کر دیا یعنی ہم نے اس کا نسخ ترک کر کے اسے منسوخ نہیں کیا۔ من آیۃ، تمام مفسرین نے آیت قرآن پر ہی محمول کیا ہے، بخلاف امام ابو مسلم وہ تورات وانجیل پر محمول کرتے ہیں، اس پر گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا کی تفسیر

اس میں دو اقوال ہیں:

۱۔ وہ دوسری آسانی پیدا کرنے والی ہوگی۔

۲۔ اس دوسری میں مصلحت زیادہ ہوگی۔

یہ دوسرا قول اولیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مکلف کی مصلحت کو دیکھتا ہے نہ کہ اس کی طبیعت کی آسانی۔

سوال: اگر دوسری میں اول سے زیادہ مصلحت تھی تو اول ناقص الاصلاح ہوگی تو اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم کیسے دے دیا؟

Marfat.com

جواب: اول میں وقت کے حوالہ سے دوسری سے مصلحت تھی جبکہ دوسرے وقت میں دوسری میں زیادہ ہے۔ لہٰذا سوال ختم۔

مسائل کا استنباط

اہلِ علم نے اس آیت مبارکہ سے بہت سارے مسائل نسخ کا استنباط کیا ہے۔

پہلا مسئلہ: بعض لوگوں نے کہا: حکم کا نسخ بدل کے بغیر جائز نہیں ہوگا انہوں نے اس آیت سے یوں استدلال کیا: یہ آیت بتا رہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو منسوخ کرے گا تو اس سے بہتر یا اس کی مثل ضرور عطا کرے گا اور یہ لزومِ بدل پر نص ہے۔

جواب: یہ کیوں نہیں کہا جاسکتا کہ یہاں اس وقت اس حکم کی نفی اور اس پر عمل کے ساقط ہونے کو بہتر قرار دیا گیا ہے تو اب دلالت وقوعِ نسخ پر ہے مگر بدل پر نہیں مثلاً بوقت حاضری بارگاہ رسول ﷺ صدقہ منسوخ ہوا مگر اس کا بدل نہیں قرار دیا۔

دوسرا مسئلہ: بعض نے کہا کسی شی کا نسخ، اس سے زیادہ ثقیل سے نہ ہوگا۔ انہوں نے استدلال یوں کیا، ارشادِ الٰہی ہے:

نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا　　ہم اس سے بہتر یا اس کی مثل لائیں گے

تو یہ اس شی کے زیادہ ثقیل ہونے کے منافی ہے اس لیے کہ اثقل نہ اس سے بہتر ہوگی اور نہ ہی مثل

جواب: یہ کیوں جائز نہیں کہ یہاں خیر سے مراد، آخرت میں اکثر ثواب والی شی ہو۔ پھر اثقل (زیادہ ثقیل) سے وقوعِ نسخ بھی ہوا ہے مثلاً زانیات کے بارے میں اولاً حکم تھا کہ انہیں گھروں میں قید کردو پھر ان کے رجم اور کوڑوں کا حکم آگیا۔ صومِ عاشورا کو صوم رمضان سے منسوخ، بعض کے نزدیک نماز اصلاً دو رکعت تھی گھر میں چار سے منسوخ ہوگی۔

جب یہ بات واضح ہوگئی تو اب سنیے تو ان صورتوں میں اثقل سے نسخ ہوا ہے۔ رہا اخف کے ساتھ نسخ مثلاً سال کی عدت کا چار ماہ دس دن سے، نسخ نماز تہجد میں اختیار کے ساتھ نسخ، مثل کے ساتھ نسخ کی مثال بیت المقدس سے کعبہ کا قبلہ بننا ہے۔

تیسرا مسئلہ: امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کتاب اللہ، سنت متواترہ سے بھی منسوخ نہیں ہوسکتی، ان کا استدلال متعدد طریقوں سے ہے

۱۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں واضح کردیا ہے کہ وہ کسی بھی آیت کو اس سے بہتر سے منسوخ فرمائے گا اور یہ نشاندہی کر رہی ہے کہ بعد میں آنے والی آیت اس کی جنس سے ہوگی جیسے کہ انسان کہے: ما اخذ منك من ثواب آتيك بخير منه (میں تجھ سے اجر نہیں لوں گا جب تک اس سے بہتر نہ دے) تو اس میں اس کی جنس سے ہونا لازمی ہے تو اب ضروری ہوگا کہ ناسخ جنس سے ہو تو جنس قرآن، قرآن ہی ہے۔

Marfat.com

جواب: اول میں وقت کے حوالہ سے دوسری سے مصلحت تھی جبکہ دوسرے وقت میں دوسری میں زیادہ ہے۔ لہٰذا سوال ختم۔

مسائل کا استنباط

اہلِ علم نے اس آیت مبارکہ سے بہت سارے مسائل نسخ کا استنباط کیا ہے۔

پہلا مسئلہ: بعض لوگوں نے کہا: حکم کا نسخ بدل کے بغیر جائز نہیں ہوگا انہوں نے اس آیت سے یوں استدلال کیا: یہ آیت بتا رہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو منسوخ کرے گا تو اس سے بہتر یا اس کی مثل ضرور عطا کرے گا اور یہ لزومِ بدل پر نص ہے۔

جواب: یہ کیوں نہیں کہا جاسکتا کہ یہاں اس وقت اس حکم کی نفی اور اس پر عمل کے ساقط ہونے کو بہتر قرار دیا گیا ہے تو اب دلالت وقوع نسخ پر ہے مگر بدل پر نہیں مثلاً بوقت حاضری بارگاہ رسول ﷺ صدقہ منسوخ ہوا مگر اس کا بدل نہیں قرار دیا۔

دوسرا مسئلہ: بعض نے کہا کسی شی کا نسخ، اس سے زیادہ ثقیل سے نہ ہوگا۔ انہوں نے استدلال یوں کیا، ارشادِ الٰہی ہے:

نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ہم اس سے بہتر یا اس کی مثل لائیں گے

تو یہ اس شی کے زیادہ ثقیل ہونے کے منافی ہے اس لیے کہ اثقل نہ اس سے بہتر ہوگی اور نہ ہی مثل

جواب: یہ کیوں جائز نہیں کہ یہاں خیر سے مراد، آخرت میں اکثر ثواب والی شی ہو۔ پھر اثقل (زیادہ ثقیل) سے وقوع نسخ بھی ہوا ہے مثلاً زانیات کے بارے میں اولاً حکم تھا کہ انہیں گھروں میں قید کردو پھر ان کے رجم اور کوڑوں کا حکم آ گیا۔ صومِ عاشورا کو صوم رمضان سے منسوخ، بعض کے نزدیک نماز اصلاً دو رکعت تھی گھر میں چار سے منسوخ ہوگی۔

جب یہ بات واضح ہوگئی تو اب سنیے تو ان صورتوں میں اثقل سے نسخ ہوا ہے۔ رہا اخف کے ساتھ نسخ مثلاً سال کی عدت کا چار ماہ دس دن سے، نسخ نماز تہجد میں اختیار کے ساتھ نسخ، مثل کے ساتھ نسخ کی مثال بیت المقدس سے کعبہ کا قبلہ بننا ہے۔

تیسرا مسئلہ: امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کتاب اللہ، سنت متواترہ سے بھی منسوخ نہیں ہوسکتی، ان کا استدلال متعدد طریقوں سے ہے

۱۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں واضح کردیا ہے کہ وہ کسی بھی آیت کو اس سے بہتر سے منسوخ فرمائے گا اور یہ نشاندہی کررہی ہے کہ بعد میں آنے والی آیت اس کی جنس سے ہوگی جیسے کہ انسان کہے: ما اخذ منك من ثواب آتيك بخير منه (میں تجھ سے اجر نہیں لوں گا جب تک اس سے بہتر نہ دے) تو اس میں اس کی جنس سے ہونا لازمی ہے تو اب ضروری ہوگا کہ ناسخ جنس سے ہو تو جنس قرآن، قرآن ہی ہے۔

Marfat.com

۲۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ — ہم اس سے بہتر لائیں گے۔

یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ اس سے بہتر لانے میں وہ ہی یکتا ہے اور وہ قرآن یہی کلام اللہ ہے نہ کہ سنت وہ تو رسول اللہ کا کلام ہے۔

۳۔ نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ کے الفاظ میں یہ اشارہ بھی ہے کہ بعد والا پہلے سے بہتر ہوگا تو سنت، قرآن سے بہتر کہاں؟

۴۔ ارشادِ الٰہی ہے:

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ — کیا تم نہیں جانتے اللہ ہر شی پر قادر ہے

یہ الفاظ نشاندہی کر رہے ہیں کہ یہ خیر (بہتر) وہی ذات لاسکتی ہے جو تمام خیرات پر قادر ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

ان تمام کا جواب

اس آیت میں یہ کہیں نہیں کہ وہ خیر و بہتر ہی لازماً ناسخ ہوگی بلکہ ممکن ہے وہ خیر، ناسخ کا مغایر اور حصول نسخ کے بعد خاص ہو، اس احتمال کے ثابت ہونے پر دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں صراحت ہے کہ اس خیر کا لانا، آیت اول کے نسخ پر مرتب ہوگا اب اگر اس اول کا نسخ، خیر پر مرتب ہو تو دور لازم آئے گا جو باطل ہے۔

جمہور کے دلائل

سنت، کتاب اللہ کیلئے ناسخ بن سکتی ہے اس پر جمہور کے دلائل یہ ہیں:

۱۔ آیت وصیت (رشتہ داروں کیلئے وصیت والی آیت) حضور ﷺ کے اس فرمان سے منسوخ ہے:

اَلَا لَا وَصِیَّةَ لِوَارِثٍ (سنن ابوداود، ۳۵۶۵) — سنو ورثاء کیلئے وصیت جائز نہیں

۲۔ آیت جلد (کوڑوں کا حکم) حدیث رجم سے منسوخ ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں: اول دلیل ضعیف ہے کیونکہ میراث ورثاء کا حق ہے یہی بات ان کیلئے وصیت سے مانع ہے تو ثابت ہوا آیت میراث ہی اس وصیت سے مانع ہے۔

دوسری بھی ضعیف ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: الشیخ والشیخۃ قرآن تھا تو اس کے ساتھ نسخ ہوا نہ کہ حدیث سے۔ تفصیلی گفتگو کیلئے اصول فقہ کا مطالعہ ضروری ہے۔ واللہ اعلم

ارشاد مبارک

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ — کیا تم نہیں جانتے بلاشبہ اللہ ہر شی پر قادر ہے؟

فضل قدیر

Marfat.com

۲۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ ہم اس سے بہتر لائیں گے۔

یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ اس سے بہتر لانے میں وہ ہی یکتا ہے اور وہ قرآن یہی کلام اللہ ہے نہ کہ سنت وہ تو رسول اللہ کا کلام ہے۔

۳۔ نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ کے الفاظ میں یہ اشارہ بھی ہے کہ بعد والا پہلے سے بہتر ہوگا تو سنت، قرآن سے بہتر کہاں؟

۴۔ ارشادِ الٰہی ہے:

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کیا تم نہیں جانتے اللہ ہر شی پر قادر ہے

یہ الفاظ نشاندہی کر رہے ہیں کہ یہ خیر (بہتر) وہی ذات لا سکتی ہے جو تمام خیرات پر قادر ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

ان تمام کا جواب

اس آیت میں یہ کہیں نہیں کہ وہ خیر و بہتر ہی لازماً ناسخ ہوگی بلکہ ممکن ہے وہ خیر، ناسخ کا مغایر اور حصول نسخ کے بعد خاص ہو، اس احتمال کے ثابت ہونے پر دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں صراحت ہے کہ اس خیر کا لانا، آیت اول کے نسخ پر مرتب ہوگا اب اگر اس اول کا نسخ، خیر پر مرتب ہو تو دور لازم آئے گا جو باطل ہے۔

جمہور کے دلائل

سنت، کتاب اللہ کیلئے ناسخ بن سکتی ہے اس پر جمہور کے دلائل یہ ہیں:

۱۔ آیت وصیت (رشتہ داروں کیلئے وصیت والی آیت) حضور ﷺ کے اس فرمان سے منسوخ ہے:

اَلَا لَا وَصِیَّةَ لِوَارِثٍ (سنن ابو داود، ۳۵۶۵) سنو ورثاء کیلئے وصیت جائز نہیں

۲۔ آیت جلد (کوڑوں کا حکم) حدیث رجم سے منسوخ ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں: اول دلیل ضعیف ہے کیونکہ میراث ورثاء کا حق ہے یہی بات ان کیلئے وصیت سے مانع ہے تو ثابت ہوا آیت میراث ہی اس وصیت سے مانع ہے۔

دوسری بھی ضعیف ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: الشیخ والشیخۃ قرآن تھا تو اس کے ساتھ نسخ ہوا نہ کہ حدیث سے۔ تفصیلی گفتگو کیلئے اصول فقہ کا مطالعہ ضروری ہے۔ واللہ اعلم

ارشاد مبارک

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کیا تم نہیں جانتے بلاشبہ اللہ ہر شی پر قادر ہے؟

فضل قدیر

Marfat.com

یہ حضور ﷺ اور دیگر تمام کو اللہ تعالیٰ کی اس قدرت پر متوجہ کرنا ہے کہ مکلف اس کی مشیت، حکم اور حکمت کے تحت ہے جس کا وہ ارادہ فرمائے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جسے وہ پسند کرلے اس میں کوئی رکاوٹ نہیں بن سکتا۔

نواں مسئلہ، معتزلہ کا خلق قرآن پر استدلال

معتزلہ نے اسی آیت سے کئی وجوہ سے استدلال کیا کہ قرآن مخلوق ہے۔

۱۔ کلام اللہ اگر قدیم ہوتا تو ناسخ ومنسوخ بھی قدیم ہوتے لیکن یہ محال ہے کیونکہ نسخ کا منسوخ سے مؤخر ہونا ضروری ہے اور شی سے مؤخر ہونے والے کا قدیم ہونا محال ہے اور منسوخ کا زائل اور مرتفع ہونا ضروری ہے، زائل ہونے والے کا قدیم ہونا بالاتفاق محال ہے۔

۲۔ آیت بتارہی ہے کہ کچھ حصہ قرآن دوسرے سے خیر وافضل ہے اور جس کی صفت یہ ہو وہ قدیم نہیں ہوسکتا

۳۔ ارشادِ گرامی 'اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ' نشاندہی کررہا ہے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض کے نسخ پر اور اول سے بہتر لانے پر قادر ہے اور جو قدرت کے تحت ہو وہ فعل حادث ہوگا۔

ہمارے اصحاب کا جواب

اہلِ علم نے اس کا جواب یوں دیا کہ ناسخ ومنسوخ، الفاظ، عبارات اور لغات کا مدلول ہے لہٰذا اس کے حادث ہونے میں کوئی نزاع ہی نہیں۔ وہ معنی حقیقی جو ان عبارات اور اصطلاحات کا مدلول ہے تم اسے کیوں حادث کہتے ہو؟

معتزلہ کہتے ہیں جو معنی عبادات ولغات کا مدلول ہے بلاشبہ اس کا تعلق اول زائل ہوگیا اور اسے دوسرا تعلق لاحق ہوا تو تعلق اول حادث کیونکہ وہ زائل ہوگیا اور قدیم زائل نہیں ہوتا، تعلق ثانی بھی حادث کیونکہ عدم کے بعد ہوا اور کلام حقیقی ان تعلقات سے جدا نہیں اور جو ان تعلقات سے جدا نہیں وہ محدث اور جو حادث سے جدا نہ ہو وہ حادث جو کلام اس سے متعلق ہے وہ لازماً حادث ہی ہوگی۔

جواب اصحاب

اصحاب نے یہ جواب دیا اللہ تعالیٰ کی قدرت ازل میں ایجاد عالم سے متعلق ہوئی، عالم کے دخول وجود کے بعد وہ تعلق باقی رہا یا نہیں؟ اگر باقی ہے تو لازم کہ قادر ایجاد موجود پر قادر ہو اور یہ محال ہے اور اگر تعلق باقی نہیں تو تمہاری بیان کردہ وجہ کے مطابق قدرتِ الٰہیہ کا حادث ہونا لازم، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا علم اس سے متعلق تھا کہ عنقریب عالم معرض وجود میں آئے گا جب عالم وجود

Marfat.com

میں آ گیا تو اب اگر تعلق اول باقی ہے تو یہ جہالت ہے اور اگر باقی نہیں تو تعلق اول حادث اس لیے کہ اگر وہ قدیم ہوتا تو زائل نہ ہوتا جو اس کے بعد متعلق ہوگا وہ حادث ہی ہوگا تو اب اللہ تعالیٰ کی عالمیت، تعلقات حادثہ سے جدا نہیں، جو محدث سے جدا نہ ہو وہ حادث ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عالمیت، حادث ہوگی تو جو جواب اللہ تعالیٰ کی عالمیت وقدرت پر تمہارا ہے وہی جواب کلام کے بارے میں ہمارا ہے۔

دسواں مسئلہ: اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ معدوم بھی شی ہوتا ہے اس پر گفتگو گزر چکی ہے ہم اسے لوٹانا مناسب نہیں سمجھتے۔ قدیر بروزن فعیل بمعنی قادر ہے اور یہ وزن مبالغہ کیلئے ہے۔

[۱۰۷] اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾

(کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ کے لیے ہی ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی حمایتی ہوگا نہ مددگار)

سابقہ آیت سے تعلق

جب اللہ تعالیٰ نے جوازِ نسخ کا فیصلہ سنایا تو اس کے بعد یہ بیان کیا کہ آسمان و زمین کی حکومت اسی کی ہے نہ کہ غیر کی، یہ اس پر تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اوامر ونواہی کا ہونا ہی احسن ہے کیونکہ وہی مخلوق کا مالک ہے یہی ہمارے اصحاب کا مذہب ہے اور اس کا مخلوق کو مکلف و ذمہ دار بنانا محض اس لیے حسین ہے کہ وہ مخلوق کا مالک اور ان کا والی ہے نہ کہ اس سے کے حصول ثواب یا دفع عتاب ہو، شیخ قفال کہتے ہیں: ممکن ہے یہ معاملہ قبلہ کی طرف اشارہ ہو کیونکہ اس نے بتایا میں آسمانوں اور زمین کا مالک ہوں۔ تمام مکانات اور جہات اسی کی ہیں اور بعض جہات کو بعض پر حرمت وفضیلت بھی نہیں البتہ جسے اللہ تعالیٰ حرمت عطا فرمائے تو جب صورت حال یہی ہے تو استقبال قبلہ کا حکم محض تشریف کی خاطر تخصیص ہے تو اب ایک جہت سے دوسری جہت کی طرف تبدیلی میں کوئی مانع نہیں۔ لفظ ولی ونصیر فعیل بمعنی فاعل مبالغہ کیلئے ہے۔

Marfat.com

میں آ گیا تو اب اگر تعلق اول باقی ہے تو یہ جہالت ہے اور اگر باقی نہیں تو تعلق اول حادث اس لیے کہ اگر وہ قدیم ہوتا تو زائل نہ ہوتا جو اس کے بعد متعلق ہوگا وہ حادث ہی ہوگا تو اب اللہ تعالیٰ کی عالمیت، تعلقات حادثہ سے جدا نہیں، جو محدث سے جدا نہ ہو وہ حادث ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عالمیت، حادث ہوگی تو جو جواب اللہ تعالیٰ کی عالمیت وقدرت پر تمہارا ہے وہی جواب کلام کے بارے میں ہمارا ہے۔

دسواں مسئلہ: اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ معدوم بھی شی ہوتا ہے اس پر گفتگو گزر چکی ہے ہم اسے لوٹانا مناسب نہیں سمجھتے۔قدیر بروزن فعیل بمعنی قادر ہے اور یہ وزن مبالغہ کیلئے ہے۔

[۱۰۷] اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَمَا لَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیۡرٍ ﴿۱۰۷﴾

(کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ کے لیے ہی ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی حمایتی ہوگا نہ مددگار)

سابقہ آیت سے تعلق

جب اللہ تعالیٰ نے جوازِ نسخ کا فیصلہ سنایا تو اس کے بعد یہ بیان کیا کہ آسمان وزمین کی حکومت اسی کی ہے نہ کہ غیر کی، یہ اس پر تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اوامر ونواہی کا ہونا ہی احسن ہے کیونکہ وہی مخلوق کا مالک ہے یہی ہمارے اصحاب کا مذہب ہے اور اس کا مخلوق کو مکلف وذمہ دار بنانا محض اس لیے حسین ہے کہ وہ مخلوق کا مالک اور ان کا والی ہے نہ کہ اس سے کے حصول ثواب یا دفع عتاب ہو، شیخ قفال کہتے ہیں: ممکن ہے یہ معاملہ قبلہ کی طرف اشارہ ہو کیونکہ اس نے بتایا میں آسمانوں اور زمین کا مالک ہوں۔تمام مکانات اور جہات اسی کی ہیں اور بعض جہات کو بعض پر حرمت وفضیلت بھی نہیں البتہ جسے اللہ تعالیٰ حرمت عطا فرمائے تو جب صورت حال یہی ہے تو استقبال قبلہ کا حکم محض تشریف کی خاطر تخصیص ہے تو اب ایک جہت سے دوسری جہت کی طرف تبدیلی میں کوئی مانع نہیں۔لفظ ولی ونصیر فعیل بمعنی فاعل مبالغہ کیلئے ہے۔

Marfat.com

62
62

بعض کا استدلال

بعض نے اس آیت سے یہ استدلال کیا کہ ملک، قدرت کے علاوہ ہے کیونکہ اولاً فرمایا:

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ — کیا تمہیں خبر نہیں بلاشبہ اللہ ہر شی پر قادر ہے

پھر بعد میں فرمایا:

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ — کیا تمہیں خبر نہیں کہ اللہ کیلئے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی

[۱۰۸] اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۤءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾

(کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے ویسا سوال کرو جو موسیٰ سے پہلے ہوا تھا اور جو ایمان کے بدلے کفر لے وہ درست راستہ سے بہک گیا)

یہاں چند مسائل ہیں۔

پہلا مسئلہ: اَم کی اقسام

اَم کی دو قسمیں ہیں، متصلہ اور منقطعہ، متصلہ، الف کی طرح ہے اور یہ اَی سے لیا گیا ہے۔ جیسے اَو، اس محاورہ سے ہے اضرب ایهم شئت زیداً ام عمراً، جب تم کہو اضرب احدهم تو معنی ہوگا، زید یا عمر کو مارو۔

اَم منقطعہ، کلام تام کے بعد آتا ہے کیونکہ یہ بمعنی بل اور الف ہوتا ہے جیسے محاورہ ہے انها ابل ام شاة گویا کہا بلکہ یہ بکری ہے۔ اس سے ارشادِ الٰہی ہے:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ (پ ۲۶ الاحقاف: ۸) — بلکہ وہ کہتے ہیں یہ انہوں نے گھڑا ہے

یعنی بلکہ وہ کہتے ہیں، اخطل نے کہا:

کذبتك عینك ام رأیت بواسط — غلس الظلام من الرباب خیالاً

Marfat.com

دوسرا مسئلہ: یہاں مخاطب کون ہیں؟

یہاں مخاطب کون ہیں؟ اس بارے میں متعدد اقوال ہیں۔

پہلا قول: مسلمان مخاطب ہیں، یہ شیخ اصم، جبائی اور ابو مسلم کا قول ہے، ان کے دلائل یہ ہیں:

۱۔ آخر آیت میں ہے:

وَمَنْ یَّتَبَدَّلِ الْکُفْرَ بِالْاِیْمَانِ — جس نے کفر، ایمان کے بدلے لیا

تو یہ بات اہلِ ایمان کے حق میں ہی درست ہو سکتی ہے۔

۲۔ ارشاد "اَمْ تُرِیْدُوْنَ" کا تقاضا ہے کہ اس کا کسی پر عطف ہو اور وہ ارشاد 'لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا' ہے گویا فرمایا کہو ہم پر نظر کرم کرو اور بغور سنو تو کیا تم اس حکم کے مطابق کرو گے یا اپنے رسول سے سوالات کا ارادہ رکھتے ہو؟

۳۔ مسلمان رسول اللہ ﷺ سے ایسے سوالات پوچھتے جن میں تجسس کا کوئی فائدہ ہی نہ تھا جیسے یہود نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایسے سوالات کیے جن میں کوئی فائدہ ہی نہ تھا۔

۴۔ مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں نے کہا تھا، ذات انواط ہمارے لیے مقرر کیجیے جیسے مشرکین کے لیے ذات انواط ہے اور یہ ایک درخت تھا جس کی وہ عبادت کرتے اور اس کے ساتھ اپنے ماکولات و مشروبات معلق کرتے جیسے لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہمارے لیے الہ بناؤ جیسے ان کے لیے الہ ہے۔

دوسرا قول، مخاطب اہلِ مکہ ہیں

یہ اہلِ مکہ سے خطاب ہے یہ حضرت ابن عباس اور مجاہد کا قول ہے، ہوا یوں کہ عبداللہ بن امیہ المخزومی گروہ قریش کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا، اے محمد اللہ کی قسم میں تم پر ایمان نہیں لاؤں گا یہاں تک کہ تم ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری کر دو یا تمہارے لیے جنت سے کھجور اور انگور آئیں یا تمہارا گھر سونے چاندی کا ہو یا تم آسمانوں پر چڑھو، پھر ہم تمہارے اس چڑھنے پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ تم پر اللہ کی طرف سے عبداللہ بن اُمیہ کی طرف یہ تحریر لاؤ کہ محمد رسول ہے تم اس کی اتباع کرو۔

اور باقی لوگوں نے کہا اگر تم اس کی طاقت نہیں رکھتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دفعۃً کتاب لے آؤ جس میں حلال و حرام اور حدود و فرائض ہوں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف تختیوں کی صورت میں کتاب لائے اور اس میں یہ تمام چیزیں

Marfat.com

دوسرا مسئلہ: یہاں مخاطب کون ہیں؟

یہاں مخاطب کون ہیں؟ اس بارے میں متعدد اقوال ہیں۔

پہلا قول: مسلمان مخاطب ہیں، یہ شیخ اصم، جبائی اور ابو مسلم کا قول ہے، ان کے دلائل یہ ہیں:

۱۔ آخر آیت میں ہے:

وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ — جس نے کفر، ایمان کے بدلے لیا

تو یہ بات اہلِ ایمان کے حق میں ہی درست ہوسکتی ہے۔

۲۔ ارشاد "اَمْ تُرِيْدُوْنَ" کا تقاضا ہے کہ اس کا کسی پر عطف ہو اور وہ ارشاد 'لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا' ہے گویا فرمایا کہو ہم پر نظر کرم کرو اور بغور سنو تو کیا تم اس حکم کے مطابق کرو گے یا اپنے رسول سے سوالات کا ارادہ رکھتے ہو؟

۳۔ مسلمان رسول اللہ ﷺ سے ایسے سوالات پوچھتے جن میں تجسس کا کوئی فائدہ ہی نہ تھا جیسے یہود نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایسے سوالات کیے جن میں کوئی فائدہ ہی نہ تھا۔

۴۔ مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں نے کہا تھا، ذات انواط ہمارے لیے مقرر کیجیے جیسے مشرکین کے لیے ذات انواط ہے اور یہ ایک درخت تھا جس کی وہ عبادت کرتے اور اس کے ساتھ اپنے ماکولات و مشروبات معلق کرتے جیسے لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہمارے لیے الہ بناؤ جیسے ان کے لیے الہ ہے۔

دوسرا قول، مخاطب اہلِ مکہ ہیں

یہ اہلِ مکہ سے خطاب ہے یہ حضرت ابن عباس اور مجاہد کا قول ہے، ہوا یوں کہ عبداللہ بن امیہ المخزومی گروہ قریش کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا، اے محمد اللہ کی قسم میں تم پر ایمان نہیں لاؤں گا یہاں تک کہ تم ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری کردو یا تمہارے لیے جنت سے کھجور اور انگور آئیں یا تمہارا گھر سونے چاندی کا ہو یا تم آسمانوں پر چڑھو، پھر ہم تمہارے اس چڑھنے پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ تم پر اللہ کی طرف سے عبداللہ بن اُمیہ کی طرف یہ تحریر لاؤ کہ محمد رسول ہے تم اس کی اتباع کرو۔

اور باقی لوگوں نے کہا اگر تم اس کی طاقت نہیں رکھتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دفعۃً کتاب لے آؤ جس میں حلال و حرام اور حدود و فرائض ہوں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف تختیوں کی صورت میں کتاب لائے اور اس میں یہ تمام چیزیں

Marfat.com

تھیں تو تب ہم آپ پر ایمان لائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کیا تم اپنے رسول اللہ سے آیات لانے کا اسی طرح سوال کرتے ہو جو ستر آدمیوں نے کیا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ اپنا آپ دکھائے۔

حضرت مجاہد کہتے ہیں قریش نے سیدنا محمد ﷺ سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کیلئے کوہ صفا کو سونے چاندی کا بنا دیں تو فرمایا ہاں لیکن وہ تمہارے لیے بنی اسرائیل کے دستر خوان کی طرح ہوگا وہ انکار کرتے ہوئے بھاگ گئے۔

تیسرا قول، یہ یہود سے خطاب ہے

یہاں مراد یہود ہیں اور یہی قول اصح ہے کیونکہ یہ صورت ابتدا 'يَا بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ' سے لے کر تمام انہی کے احوال سے حکایت اور انہی کے خلاف دلیل ہے، دوسری بات یہ ہے کہ یہ سورت مدنی ہے پھر ذکر بھی یہود کا ہی ہے کسی دوسرے کا تذکرہ نہیں پھر رسول پر ایمان لانے والے کہاں ان سے سوال کریں گے جو سوال کرے گا وہ ایمان کو کفر سے بدل لے گا۔

تیسرا مسئلہ: ارشادِ الٰہی:

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ‍ کیا تم اپنے رسول سے سوال کا ارادہ کرتے ہو جیسے موسیٰ سے پہلے سوال کیا گیا

ظاہراً اس پر دال نہیں کہ انہوں نے سوال کیا چہ جائیکہ اس میں کیفیتِ سوال پہ دلالت ہو بلکہ اس میں ان روایات کی طرف رجوع ضروری ہے کہ جن میں ان کے سوال کا تذکرہ ہے۔ واللہ اعلم

چوتھا مسئلہ: سوال کیا تھا؟

اگر ان کا سوال طلب معجزات تھا تو یہ کفر کیسے ہو گیا؟ کیونکہ واضح ہے کہ کسی شی پر دلیل طلب کرنا کفر نہیں ہوتا اور یہ اگر سوال نو احکام کی تفصیل کے بارے میں تھا تو یہ بھی کفر نہیں کیونکہ ملائکہ نے خلقتِ بشر کی تفصیلی حکمت پوچھی تھی اور یہ کفر نہیں۔

تو اولیٰ یہی ہے کہ آیت مبارکہ کو اس پر محمول کیا جائے کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ ہمارے لیے الٰہ بنا دیجیے جیسے ان مشرکین کیلئے الٰہ ہے اور اگر انہوں نے معجزات کا سوال کیا تو ممکن ہے اس سے مقصد ضد، ہٹ دھرمی ہو اسی لیے سوال کفر قرار پایا۔

پانچواں مسئلہ: ماقبل سے ربط و تعلق

اس آیت کا ماقبل سے ربط کئی طرح سے ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے جب بتایا کہ شرائع میں نسخ ہو سکتا ہے تو شاید انہوں نے اس حکم کی تفاصیل مانگی ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع

Marfat.com

کرتے ہوئے واضح کیا کہ ایسے سوالات میں مشغول نہ ہوں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو غلط سوالات کی اجازت نہ تھی۔

۲۔ جب پہلے احکام ونواہی گزرے تو فرمایا اگر تم نے میرے احکام کو قبول نہ کیا اور طاعت سے سرکشی کی تو تم ان لوگوں کی طرح ہو جاؤ گے جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وہ سوالات کیے جو نہیں کیے جانے چاہئیں تھے۔

یہ شیخ ابو مسلم کا قول ہے۔

۳۔ جب اوامر ونواہی فرمائے تو فرمایا کیا تم ان پر عمل کرو گے یا اس طرح کرو گے جیسے تم سے پہلے قوم نے کیا؟

چھٹا مسئلہ: سواء السبیل کی تفسیر

سواء السبیل، راستہ کا وسط، ارشادِ الٰہی ہے:

فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ (پ۲۳ - الصافات:۵۵) پھر جھانکا تو اسے بھڑکتی آگ میں دیکھا

یہاں مراد وسط دوزخ ہے۔

مقصد تشبیہ ہے نہ کہ نفس حقیقت، وجہ تشبیہ یوں ہے کہ جو طریق ایمان پر چلے گا وہ اس پر استقامت وسیدھے راستے پر ہے جو کامیابی اور ثواب وانعام کی راہ ہے اور اس کو کفر کے ساتھ بدلنے والا اس سیدھے راہ سے ہٹ جانے والا ہے تو اسے کہا جائے گا کہ وہ راہ اعتدال سے گمراہ ہو گیا۔

[۱۰۹] وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾

(بہت اہلِ کتاب نے چاہا کاش تمہیں ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں اپنے دلوں کی جلن سے بعد اس کے کہ حق ان پر خوب ظاہر ہو چکا ہے تو تم چھوڑو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے بلاشبہ اللہ ہر شئی پر قادر ہے)

Marfat.com

کرتے ہوئے واضح کیا کہ ایسے سوالات میں مشغول نہ ہوں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو غلط سوالات کی اجازت نہ تھی۔

۲۔ جب پہلے احکام ونواہی گزرے تو فرمایا اگر تم نے میرے احکام کو قبول نہ کیا اور طاعت سے سرکشی کی تو تم ان لوگوں کی طرح ہو جاؤ گے جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وہ سوالات کیے جو نہیں کیے جانے چاہئیں تھے۔

یہ شیخ ابو مسلم کا قول ہے۔

۳۔ جب اوامر ونواہی فرمائے تو فرمایا کیا تم ان پر عمل کرو گے یا اس طرح کرو گے جیسے تم سے پہلے قوم نے کیا؟

چھٹا مسئلہ: سواء السبیل کی تفسیر

سواء السبیل، راستہ کا وسط، ارشادِ الٰہی ہے:

فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَاۗءِ الْجَحِيْمِ (پ۲۳ -الصافات:۵۵) پھر جھانکا تو اسے بھڑکتی آگ میں دیکھا

یہاں مراد وسط دوزخ ہے۔

مقصد تشبیہ ہے نہ کہ نفس حقیقت، وجہ تشبیہ یوں ہے کہ جو طریق ایمان پر چلے گا وہ اس پر استقامت وسیدھے راستے پر ہے جو کامیابی اور ثواب وانعام کی راہ ہے اور اس کو کفر کے ساتھ بدلنے والا اس سیدھے راہ سے ہٹ جانے والا ہے تو اسے کہا جائے گا کہ وہ راہ اعتدال سے گمراہ ہو گیا۔

[۱۰۹] وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾

(بہت اہلِ کتاب نے چاہا کاش تمہیں ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں اپنے دلوں کی جلن سے بعد اس کے کہ حق ان پر خوب ظاہر ہو چکا ہے تو تم چھوڑو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے بلاشبہ اللہ ہر شی پر قادر ہے)

Marfat.com

مسلمانوں کے ساتھ یہود کے دھوکہ کی تیسری قسم

یہ مسلمانوں کے ساتھ یہود کے دھوکہ کی تیسری نوع ہے۔منقول ہے کہ فخاص بن عازوراء، زید بن قیس اور کچھ یہود نے حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے واقعہ احد کے بعد کہا، تم نے اپنی شکست دیکھ لی، اگر تم حق پر ہوتے تو تم پر یہ آفت نہ آتی تم اپنے پرانے دین کی طرف لوٹ آؤ تمہارے لیے یہی بہتر وافضل ہے اور ہم تم سے زیادہ راستہ ہدایت پر ہیں۔حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا بتاؤ تم نقض عہد کو کیسا مانتے ہو؟ کہنے لگے، بہت ہی برا، فرمایا میں نے عہد کرلیا ہے کہ زندگی بھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر نہیں کروں گا، تو کہنے لگے یہ تو بے دین ہو گیا ہے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اللہ کے رب، اسلام کے دین، قرآن کے رہبر، کعبہ کے قبلہ اور اہلِ ایمان کے بھائی ہونے پر ہی مطمئن وخوش ہوں۔

پھر یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور واقعہ سنایا۔فرمایا تم خیر پانے والے اور کامیاب ہوتو یہ آیت نازل ہوگئی۔

پہلے ہم حسد پر گفتگو کریں گے اور اس کے بعد تفسیر۔

پہلا مسئلہ: حسد کی مذمت

حسد کی مذمت میں کثیر احادیث ہیں

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْحَسَدُ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا یَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَب — حسد نیکیوں کو یوں کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے

(سنن ابوداؤد:۴۹۰۳)

۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے۔فرمایا: ابھی تم پر اس راستہ سے جنتی آدمی آئے گا تو ایک انصاری صحابی آئے ان کی داڑھی وضو سے تر تھی اور انہوں نے جوتے بائیں ہاتھ میں تھامے تھے۔سلام عرض کیا، دوسرے دن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا تو وہی آدمی آیا، اسی طرح تیسرے دن بھی فرمایا تو وہی آدمی آیا۔رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لے گئے تو اس سے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے والد کی ناراضگی کی وجہ سے حلف اٹھایا ہے کہ تین دن تک اپنے گھر نہیں جاؤں گا۔اگر تم مجھے اپنے گھر ساتھ لے جاؤ تو بہتر رہے گا، کہنے لگا ہاں تو وہ اس کے ہاں تین دن رہے، انہیں رات کو شب بیدار نہ پایا ہاں جب بھی پہلو بدلتے تو اللہ کا نام لیتے حتیٰ کہ نماز فجر کے لئے اٹھے۔ان اچھے کلمات کے علاوہ میں نے ان سے کچھ نہ سنا۔جب تین دن گزر گئے قریب تھا کہ ان کے اعمال کو حقیر جانتا، میں نے کہا اے اللہ کے بندے میرے اور میرے والد کے درمیان کوئی ناراضگی اور انقطاع نہ تھا لیکن میں نے

Marfat.com

تمہارے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے جب یہ سنا تو چاہا تمہارے اعمال دیکھوں لیکن میں نے تمہارے اعمال کو کثیر نہیں پایا تو نے یہ مرتبہ کیسے پایا ہے؟ کہنے لگے جو کچھ ہیں وہ تم نے دیکھ ہی لیے ہیں۔ جب میں پلٹا تو بلا کر کہنے لگے اعمال تو وہی ہیں جو تم نے دیکھے لیکن اتنا ضرور ہے کہ میں جب بھی کسی مسلمان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر ونعمت دیکھتا ہوں تو میرے دل میں اس کے بارے میں حسد وعیب نہیں ہوتا تو حضرت عبداللہ نے کہا اسی عمل کی وجہ سے یہ درجہ تم نے پایا اور یہ عمل نہایت ہی دشوار ہے

۳۔ سیدنا محمد ﷺ نے فرمایا تم میں پہلی قوموں کی بیماریاں آئیں گی حسد وبغض اور بغض وعداوت حالقہ (اُسترہ) ہے میری مراد بالوں کا مونڈھنا نہیں بلکہ دین ختم کرنے والا ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۵۱۰)

۴۔ ارشادِ نبوی ہے میری امت میں سابقہ امتوں کی بیماریاں آئیں گی۔ عرض کیا: امتوں کی وہ بیماریاں کون سی ہیں؟ فرمایا: شر پھیلانا، تکبر کرنا، حصولِ دنیا اور کثرت میں سبقت کرنا، حسد وبغض حتیٰ کہ بغاوت اور پھر فتنہ برپا کرنا۔ (المستدرک، ۷۳۱۱)

۵۔ تین اعلیٰ اعمال

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنے رب کے ہاں حاضر ہوئے تو سایہ عرش میں آدمی دیکھا اور اس پر رشک کیا اور کہا یہ تو اللہ کے ہاں زیادہ عزت والا ہے۔ رب کریم سے عرض کیا اس کا نام مجھے بتایا جائے، اللہ تعالیٰ نے نام نہیں بتایا اور فرمایا میں اس کے تین اعمال بتا دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو جو دیا ہے اس پر یہ حاسد نہیں، یہ والدین کا نافرمان نہیں، اور یہ چغلخور نہیں۔

۶۔ نعمتوں کے دشمن

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کچھ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے دشمن ہوتے ہیں۔ عرض کیا گیا: وہ کون ہیں؟ فرمایا: جو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو دیا ہے اس پر وہ حسد کرتے ہیں۔

۷۔ چھ آدمی دوزخ میں

رسالتماب ﷺ نے فرمایا، چھ آدمی قبل از حساب دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے۔ ظالم حکمران، متعصب عرب، متکبر کسان، بددیانت تاجر، جاہل اہل دیہات، حاسد علماء۔

آثارِ صحابہ اور مذمت حسد

۱۔ منقول ہے حضرت عوف بن عبداللہ، فضل بن ھلبہ سے ملے جبکہ وہ واسط کے گورنر تھے۔ فرمایا میں تمہیں کچھ نصیحت کرنا چاہتا ہوں، تکبر سے بچو کیونکہ یہ پہلا گناہ ہے جس سے ابلیس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی پھر یہ آیت پڑھی:

Marfat.com

تمہارے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے جب یہ سنا تو چاہا تمہارے اعمال دیکھوں لیکن میں نے تمہارے اعمال کو کثیر نہیں پایا تو نے یہ مرتبہ کیسے پایا ہے؟ کہنے لگے جو کچھ ہیں وہ تم نے دیکھ ہی لیے ہیں۔ جب میں پلٹا تو بلا کر کہنے لگے اعمال تو وہی ہیں جو تم نے دیکھے لیکن اتنا ضرور ہے کہ میں جب بھی کسی مسلمان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر و نعمت دیکھتا ہوں تو میرے دل میں اس کے بارے میں حسد وعیب نہیں ہوتا تو حضرت عبداللہ نے کہا اسی عمل کی وجہ سے یہ درجہ تم نے پایا اور یہ عمل نہایت ہی دشوار ہے

۳۔ سیدنا محمد ﷺ نے فرمایا تم میں پہلی قوموں کی بیماریاں آئیں گی حسد و بغض اور بغض وعداوت حالقہ (اُسترہ) ہے میری مراد بالوں کا مونڈھنا نہیں بلکہ دین ختم کرنے والا ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۵۱۰)

۴۔ ارشادِ نبوی ہے میری امت میں سابقہ امتوں کی بیماریاں آئیں گی۔ عرض کیا: امتوں کی وہ بیماریاں کون سی ہیں؟ فرمایا: شر پھیلانا، تکبر کرنا، حصولِ دنیا اور کثرت میں سبقت کرنا، حسد و بغض حتیٰ کہ بغاوت اور پھر فتنہ برپا کرنا۔ (المستدرک، ۷۳۱۱)

۵۔ تین اعلیٰ اعمال

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنے رب کے ہاں حاضر ہوئے تو سایہ عرش میں آدمی دیکھا اور اس پر رشک کیا اور کہا یہ تو اللہ کے ہاں زیادہ عزت والا ہے۔ رب کریم سے عرض کیا اس کا نام مجھے بتایا جائے، اللہ تعالیٰ نے نام نہیں بتایا اور فرمایا میں اس کے تین اعمال بتا دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو جو دیا ہے اس پر یہ حاسد نہیں، یہ والدین کا نافرمان نہیں، اور یہ چغلخور نہیں۔

۶۔ نعمتوں کے دشمن

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کچھ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے دشمن ہوتے ہیں۔ عرض کیا گیا: وہ کون ہیں؟ فرمایا: جو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو دیا ہے اس پر وہ حسد کرتے ہیں۔

۷۔ چھ آدمی دوزخ میں

رسالتماب ﷺ نے فرمایا، چھ آدمی قبل از حساب دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے۔ ظالم حکمران، متعصب عرب، متکبر کسان، بددیانت تاجر، جاہل اہل دیہات، حاسد علماء۔

آثار صحابہ اور مذمت حسد

ا۔ منقول ہے حضرت عوف بن عبداللہ، فضل بن ھلبہ سے ملے جبکہ وہ واسط کے گورنر تھے۔ فرمایا میں تمہیں کچھ نصیحت کرنا چاہتا ہوں، تکبر سے بچو کیونکہ یہ پہلا گناہ ہے جس سے ابلیس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی پھر یہ آیت پڑھی:

فضل قدیر

Marfat.com

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ (پ ۱،البقرہ:۳۴) اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ وہ منکر ہوا اور تکبر کیا

حرص سے بچو کیونکہ اس نے حضرت آدم کو جنت سے نکلوادیا۔اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت میں ٹھہرایا تھا جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے تو انہوں نے وہاں سے کھالیا تو اللہ تعالیٰ نے وہاں سے نکال دیا پھر یہ آیت پڑھی:

اِهْبِطَا مِنْهَا (پ ۱۶،طٰہٰ:۱۲۳) تم اتر جاؤ اس سے

حسد سے بچنا کیونکہ حسد کی وجہ سے ابن آدم نے اپنے بھائی کو قتل کردیا پھر یہ آیت پڑھی:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ (پ ۶،المائدہ:۲۷) انہیں آدم کے بیٹوں کا حق واقعہ سناؤ

۲۔ حضرت ابن زبیر نے فرمایا۔میں نے کسی پر امر دنیا میں حسد نہیں کیا اس لیے کہ اگر وہ اہل جنت سے ہے تو میں اس کی دنیا پر کیسے حسد کرسکتا ہوں کیونکہ یہ تو جنت کی نسبت بہتر ہے اور اگر وہ اہلِ دوزخ میں سے ہے تو میں اس کی دنیا پر کیوں حسد کروں جو اسے دوزخی بنارہی ہے۔

۳۔ ایک آدمی نے امام حسن بصری سے پوچھا کیا مومن حسد کرتا ہے؟ فرمایا کیا تمہیں اولادِ یعقوب یاد نہیں؟ ہاں کرتا ہے مگر اس کا غم تمہارے سینے میں ہی ہوگا جب تک تم ہاتھ یا زبان سے زیادہ نہ کرو۔

۴۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمام لوگ تمام رضا پر قادر ہوتے ہیں مگر حاسد کیونکہ یہ زوال نعمت سے ہی خوش ہوتا ہے۔

۵۔ حاسد، مجالس سے مذمت وذلت ہی پاتا ہے، ملائکہ سے لعنت وعداوت، مخلوق سے غم وجزع، نزع کے وقت شدت وخوف اور قیامت میں ذلت وعبرت پاتا ہے۔

دوسرا مسئلہ، حقیقت حسد

اللہ تعالیٰ نے کسی تمہارے بھائی کو نعمت عطا کی ہو اور تم چاہو یہ اس کے پاس نہ رہے یہی حسد ہے۔اگر تم اس کی مثل کی تمنا اپنے لیے کرو تو یہ رشک وجذبہ مسابقت ہے، پہلی چیز ہر حال میں حرام ہے مگر جبکہ وہ نعمت کسی فاسق یا کافر کے پاس ہو اور وہ اسے شر وفساد کیلئے معاون بنارہا ہو تو تمہارا اس کے زوال کی تمنا کرنا ہرگز برا نہیں کیونکہ اب اس کا زوال بحیثیت نعمت نہیں بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ وہ اسے شر، فساد اور فتنہ کیلئے استعمال کررہا ہے۔

Marfat.com

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰی وَ اسْتَکْبَرَ (پ۱، البقرۃ:۳۴) اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ وہ منکر ہوا اور تکبر کیا

حرص سے بچو کیونکہ اس نے حضرت آدم کو جنت سے نکلوا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت میں ٹھہرایا تھا جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے تو انہوں نے وہاں سے کھالیا تو اللہ تعالیٰ نے وہاں سے نکال دیا پھر یہ آیت پڑھی:

اِھْبِطَا مِنْھَا (پ۱۶، طہٰ:۱۲۳) تم اتر جاؤ اس سے

حسد سے بچنا کیونکہ حسد کی وجہ سے ابن آدم نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا پھر یہ آیت پڑھی:

وَاتْلُ عَلَیْھِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ (پ۶، المائدہ:۲۷) انہیں آدم کے بیٹوں کا حق واقعہ سناؤ

۲۔ حضرت ابن زبیر نے فرمایا۔ میں نے کسی پر امر دنیا میں حسد نہیں کیا اس لیے کہ اگر وہ اہل جنت سے ہے تو میں اس کی دنیا پر کیسے حسد کر سکتا ہوں کیونکہ یہ تو جنت کی نسبت بہتر ہے اور اگر وہ اہلِ دوزخ میں سے ہے تو میں اس کی دنیا پر کیوں حسد کروں جو اسے دوزخی بنا رہی ہے۔

۳۔ ایک آدمی نے امام حسن بصری سے پوچھا کیا مومن حسد کرتا ہے؟ فرمایا کیا تمہیں اولادِ یعقوب یاد نہیں؟ ہاں کرتا ہے مگر اس کا غم تمہارے سینے میں ہی ہوگا جب تک تم ہاتھ یا زبان سے زیادہ نہ کرو۔

۴۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمام لوگ تمام رضا پر قادر ہوتے ہیں مگر حاسد کیونکہ یہ زوال نعمت سے ہی خوش ہوتا ہے۔

۵۔ حاسد، مجالس سے مذمت و ذلت ہی پاتا ہے، ملائکہ سے لعنت و عداوت، مخلوق سے غم و جزع، نزع کے وقت شدت و خوف اور قیامت میں ذلت و عبرت پاتا ہے۔

دوسرا مسئلہ، حقیقت حسد

اللہ تعالیٰ نے کسی تمہارے بھائی کو نعمت عطا کی ہو اور تم چاہو یہ اس کے پاس نہ رہے یہی حسد ہے۔ اگر تم اس کی مثل کی تمنا اپنے لیے کرو تو یہ رشک و جذبہ مسابقت ہے، پہلی چیز ہر حال میں حرام ہے مگر جبکہ وہ نعمت کسی فاسق یا کافر کے پاس ہو اور وہ اسے شر و فساد کیلئے معاون بنا رہا ہو تو تمہارا اس کے زوال کی تمنا کرنا ہرگز برا نہیں کیونکہ اب اس کا زوال بحیثیت نعمت نہیں بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ وہ اسے شر، فساد اور فتنہ کیلئے استعمال کر رہا ہے۔

Marfat.com

حسد کے حرام ہونے پر دلائل

حسد کے حرام ہونے پر دلائل کئی آیات ہیں:

۱۔ زیرِ مطالعہ آیت:

لَوْ یَرُدُّوْنَکُمْ مِنْ بَعْدِ اِیْمَانِکُمْ کُفَّارًا حَسَدًا مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ

تمہیں لوٹائیں ایمان کے بعد کفر کی طرف اپنے دلوں کی جلن کی وجہ سے

تو اس میں واضح کیا گیا ہے کہ یہود کا نعمتِ ایمان کے زوال کی تمنا کرنا حسد ہے

۲۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَدُّوْا لَوْ تَکْفُرُوْنَ کَمَا کَفَرُوْا فَتَکُوْنُوْنَ سَوَآءً (پ۵،النساء:۸۹)

وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ کاش تم بھی کافر ہو جیسے وہ کافر ہیں تو تم سب ایک ہو جاؤ

۳۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنْ تَمْسَسْکُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْکُمْ سَیِّئَةٌ یَّفْرَحُوْا بِهَا (پ۴،آل عمران:۱۲۰)

اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگے اگر تمہیں برائی پہنچے تو اس پر خوش ہوں۔

یہ خوشی دشمنی ہے، حسد اور دشمنی آپس میں بھائی ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا حسد بیان کرتے ہوئے ان کے دلوں کی بات یوں واضح کی:

قَالُوْا لَیُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓی اَبِیْنَا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنِ اقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِاطْرَحُوْهُ اَرْضًا یَّخْلُ لَکُمْ وَجْهُ اَبِیْکُمْ (پ۱۲،یوسف:۸،۹)

جب کہا کہ ضرور یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں اور ہم ایک جماعت ہیں بلاشبہ ہمارے باپ ان کی محبت میں ہی ڈوبے ہوئے ہیں۔ یوسف کو قتل کر دو یا کہیں زمین میں پھینک دو کہ تمہارے باپ کی توجہ صرف تمہاری طرف ہو

یہاں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ ان کا حسد حضرت یوسف علیہ السلام کی نعمت پر اظہار ناپسندیدگی تھا۔

۵۔ ارشادِ رب العزت ہے:

Marfat.com

حسد کے حرام ہونے پر دلائل

حسد کے حرام ہونے پر دلائل کئی آیات ہیں:

۱۔ زیر مطالعہ آیت:

لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ — تمہیں لوٹائیں ایمان کے بعد کفر کی طرف اپنے دلوں کی جلن کی وجہ سے

تو اس میں واضح کیا گیا ہے کہ یہود کا نعمتِ ایمان کے زوال کی تمنا کرنا حسد ہے

۲۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً (پ۵، النساء:۸۹) — وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ کاش تم بھی کافر ہو جیسے وہ کافر ہیں تو تم سب ایک ہو جاؤ

۳۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا (پ۴، ال عمران:۱۲۰) — اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگے اگر تمہیں برائی پہنچے تو اس پر خوش ہوں۔

یہ خوشی دشمنی ہے، حسد اور دشمنی آپس میں بھائی ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا حسد بیان کرتے ہوئے ان کے دلوں کی بات یوں واضح کی:

قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ (پ۱۲، یوسف:۸،۹) — جب کہا کہ ضرور یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں اور ہم ایک جماعت ہیں بلاشبہ ہمارے باپ ان کی محبت میں ہی ڈوبے ہوئے ہیں۔ یوسف کو قتل کر دو یا کہیں زمین میں پھینک دو کہ تمہارے باپ کی توجہ صرف تمہاری طرف ہو

یہاں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ ان کا حسد حضرت یوسف علیہ السلام کی نعمت پر اظہار ناپسندیدگی تھا۔

۵۔ ارشاد رب العزت ہے:

Marfat.com

وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا (پ ۲۸، الحشر: ٦)

اور نہیں پاتے اپنے دلوں میں کوئی حاجت اس کی جو دیئے گئے ہیں

یعنی ان کے سینے تنگ نہیں ہوتے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے عدم حسد پر ان کی مدح کی ہے۔

٦۔ اللہ تعالیٰ نے رد کرتے ہوئے فرمایا:

اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (پ ۵، النساء: ۵۴)

یا لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا

۷۔ فرمانِ الٰہی ہے:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِیْهِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ بَغْیًا بَیْنَهُمْ (پ ۲، البقرہ: ۲۱۳)

لوگ ایک دین پر تھے پھر اللہ نے انبیاء بھیجے خوشخبری دینے اور ڈر سنانے اور ان کے ساتھ سچی کتاب اتاری کہ وہ لوگوں میں ان کے اختلافات کا فیصلہ کر دے اور کتاب میں اختلاف نہیں ڈالا جن کو دی گئی تھی بعد اس کے کہ ان کے پاس روشن حکم آچکے آپس میں حسد کی وجہ سے

یہاں بغیاً کی تفسیر حسداً کی گئی ہے۔

۸۔ یہ بھی فرمایا:

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًا بَیْنَهُمْ

اور انہوں نے اختلاف نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آچکا آپس میں حسد کی وجہ سے

اللہ تعالیٰ نے علم نازل کیا تاکہ اس کی فرمانبرداری کرتے ہوئے آپس میں محبت کریں لیکن انہوں نے حسد و اختلاف کیا اور ہر ایک نے اپنی حکومت اور راج چلانے کو منزل بنایا۔

۹۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہود جب کسی قوم سے جنگ کرتے تو کہتے:

نَسْئَلُكَ بِالنَّبِیِّ الَّذِیْ وَعَدْتَّنَا اَنْ تُرْسِلَهٗ وَ بِالْكِتَابِ الَّذِیْ تُنْزِلُهٗ اِلَّا تَنْصُرُنَا فَكَانُوْا یُنْصَرُوْنَ

ہم اللہ تجھے اس نبی کا وسیلہ دیتے ہیں جس کے بھیجنے کا تو نے وعدہ کیا ہے اور اس کتاب کا جو تو نازل کرے گا ہماری مدد کا تو ان کی مدد کی جاتی

Marfat.com

جب رسول اللہ ﷺ اولادِ اسمٰعیل میں سے آئے انہوں نے پہچان بھی لیا مگر معرفت کے بعد آپ کا انکار کردیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا (پ۱، البقرہ: ۹۰)

اور اسی لیے پہلے وہ اس نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا اس سے منکر ہو گئے تو اللہ کی لعنت منکروں پر کس برے مول انہوں نے اپنی جانوں کو خریدا کہ اللہ کے اتارے سے منکر ہوں اس کی جلن سے۔

یعنی حسد کی بنا پر انکار کیا۔

حضرت صفیہ بنت حی نے حضور ﷺ سے عرض کیا میرے والد اور چچا آپ کے پاس سے واپس لوٹے تو والد نے چچا سے پوچھا تمہاری ان کے بارے میں کیا رائے ہے؟ کہنے لگے یہ وہی نبی ہے جس کی بشارت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔ والد نے کہا پھر کیا کیا جائے؟ کہنے لگا میں تو زندگی بھر ان کی مخالفت ہی کروں گا۔

یہ حسد کا حکم اور اس کی تفصیل تھی۔

رشک و مسابقت کا حکم

رشک و منافست حرام نہیں اور یہ لفظ نفاست سے مشتق ہے اس کی عدمِ حرمت پر یہ دلائل ہیں۔

۱۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَ فِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ (پ۳۰، المطففین: ۲۶)

اس پر چاہیے للچائیں للچانے والے

۲۔ ارشاد رب العزت ہے:

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ (پ۲۷، الحدید: ۲۱) دوڑ اپنے رب کی مغفرت کی طرف

مسابقت، خوف فوت شی کے وقت ہوتی ہے اور یہ ان دو غلاموں کی طرح ہے جو اپنے مولیٰ کی خدمت میں جذبہ مسابقت سے کام لیں اور ہر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش میں ہوتا کہ مولیٰ کے ہاں وہ ایسا درجہ پالے جو دوسرے کو حاصل نہ ہو۔

۳۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے دو آدمیوں پر حسد (رشک) جائز ہے وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور وہ اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے دوسرا وہ بندہ جسے اللہ تعالیٰ نے علم دیا اور وہ اس پر عمل کرتا ہے اور لوگوں کو سکھاتا ہے۔

(البخاری، ۷۳)

Marfat.com

جب رسول اللہ ﷺ اولادِ اسمٰعیل میں سے آئے انہوں نے پہچان بھی لیا مگر معرفت کے بعد آپ کا انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا (پ۱،البقرہ:۹۰)

اور اسی لیے پہلے وہ اس نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا اس سے منکر ہو گئے تو اللہ کی لعنت منکروں پر کس برے مول انہوں نے اپنی جانوں کو خریدا کہ اللہ کے اتارے سے منکر ہوں اس کی جلن سے۔

یعنی حسد کی بنا پر انکار کیا۔

حضرت صفیہ بنت حی نے حضور ﷺ سے عرض کیا میرے والد اور چچا آپ کے پاس سے واپس لوٹے تو والد نے چچا سے پوچھا تمہاری ان کے بارے میں کیا رائے ہے؟ کہنے لگے یہ وہی نبی ہے جس کی بشارت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔ والد نے کہا پھر کیا کیا جائے؟ کہنے لگا میں تو زندگی بھر ان کی مخالفت ہی کروں گا۔

یہ حسد کا حکم اور اس کی تفصیل تھی۔

رشک و مسابقت کا حکم

رشک و منافست حرام نہیں اور یہ لفظ نفاست سے مشتق ہے اس کی عدمِ حرمت پر یہ دلائل ہیں۔

۱۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ

اس پر چاہیے للچائیں للچانے والے

(پ۳۰،المطففین:۲۶)

۲۔ ارشاد رب العزت ہے:

سَابِقُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ (پ۲۷،الحدید:۲۱) دوڑا اپنے رب کی مغفرت کی طرف

مسابقت، خوف فوت شی کے وقت ہوتی ہے اور یہ ان دو غلاموں کی طرح ہے جو اپنے مولیٰ کی خدمت میں جذبہ مسابقت سے کام لیں اور ہر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش میں ہوتا کہ مولیٰ کے ہاں وہ ایسا درجہ پالے جو دوسرے کو حاصل نہ ہو۔

۳۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے دو آدمیوں پر حسد (رشک) جائز ہے وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور وہ اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے دوسرا وہ بندہ جسے اللہ تعالیٰ نے علم دیا اور وہ اس پر عمل کرتا ہے اور لوگوں کو سکھاتا ہے۔

(البخاری،۷۳)

Marfat.com

یہ روایت بتا رہی ہے کہ کبھی حسد کا لفظ رشک کیلئے بولا جاتا ہے۔

مسابقت کی اقسام

مسابقت کبھی فرض، کبھی مستحب اور کبھی مباح ہوتی ہے، لازم، جب وہ نعمت، دینی فریضہ ہو مثلاً ایمان، نماز، زکوٰۃ تو اس صورت میں لازم ہے کہ مکلف میں اس کی مثل موجود ہو کیونکہ اگر یہ لازم نہ ہو تو وہ معصیت پر خوش ہوگا جو حرام ہے۔

اگر وہ نعمت، فضائل و مستحبات میں سے ہے مثلاً راہِ خدا میں خرچ کرنا، علم سیکھنے کیلئے جدوجہد کرنا تو یہاں مسابقت مستحب ہے

اگر وہ نعمت مباحات میں سے ہے تو مسابقت مباح ہوگی۔

الغرض مذموم یہ ہے کہ انسان دوسرے سے زوالِ نعمت کی تمنا کرے لیکن اگر کوئی یہ تمنا رکھتا ہے کہ مجھے یہ حاصل ہو اور دوسرے میں کمی نہ ہو تو یہ مذموم نہیں۔

اہم نکتہ

لیکن یہاں ایک اہم دقیق نکتہ ہے کہ اس سے زوال نقصان کی دوسرے کے اعتبار سے دو صورتیں ہیں:

۱۔ یہ کہ اسے اسی طرح حاصل ہو جیسے وہ دوسرے کو حاصل ہے۔

۲۔ دوسرے سے اس کا زوال ہو جب تک مجھے وہ حاصل نہیں۔

جب ان میں سے ایک سے مایوسی ہو تو دل دوسرا راستہ ضرور اختیار کرتا ہے تو اب اگر دل میں یہ ہو کہ اگر اسے اس شخص سے زوال پر قدرت ہے تو وہ اس شخص سے اسے زائل کردے تو یہ صاحب حسد مذموم ہے اور اگر اس کے دل میں تقویٰ الٰہی ہے جو اسے دوسرے سے زوالِ نعمت کو روکتا ہے تو اب اللہ تعالیٰ سے معافی کی امید ہے شاید رسالتمآب ﷺ کے اس فرمان میں یہی مراد ہے کہ مومن تین باتوں سے الگ نہیں ہو سکتا، حسد، ظن، بدفالی۔ پھر فرمایا اس سے نکلنے کا طریق یہ ہے کہ جب حسد آئے تو عمل نہ کرے

یہ حسد کی حقیقت پر گفتگو تھی اور یہ تمام شیخ غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی گفتگو سے لیا ہے۔

تیسرا مسئلہ: حسد کے مراتب

شیخ غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حسد کے مراتب چار ہیں۔

پہلا مرتبہ: انسان دوسرے سے زوالِ نعمت کی تمنا کرے خواہ خود اسے حاصل نہ ہو یہ حسد کا آخری درجہ ہے۔

دوسرا مرتبہ: دوسرے سے اس کا زوال ہو مثلاً اچھا مکان، خوبصورت عورت یا کوئی منصب اور وہ چاہے کہ یہ مجھے حاصل ہو۔ تو یہاں مطلوب بالذات اس کا حصول ہے دوسرے سے اس کا زوال بالذات مقصود نہیں۔

Marfat.com

تیسرا مرتبہ: بعینہ وہ نعمت اپنے لیے نہیں چاہتا بلکہ اس کی مثل چاہے اگر اس کی مثل نہ پا سکے تو دوسرے سے زوال کی تمنا کرے تا کہ ان دونوں کے درمیان تفاوت کا ظہور نہ ہو۔

چوتھا مرتبہ: اپنے اس کی مثل نعمت کا متمنی ہو اگر حاصل نہ ہو تو دوسرے سے زوال کا متمنی نہ ہو۔

اس آخری درجہ حسد میں معافی کی امید ہے اگر دنیا سے متعلق ہو اور اگر اس کا تعلق دین سے ہو تو یہ مستحب ہے تیسرا درجہ حسد دونوں طرح کا ہو سکتا ہے مذموم بھی اور غیر مذموم، دوسرا درجہ، تیسرے سے کم اور ہلکا ہے جبکہ پہلا مذموم ہی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ (پ ۵، النساء: ۳۲)

نہ تمنا کرو اس کی جو فضیلت اللہ نے تم میں سے ایک دوسرے کو دی ہے

تو مثل کی تمنا مذموم نہیں ہاں بعینہ کی تمنا مذموم ہے۔

چوتھا مسئلہ: شیخ غزالی اور حسد کے سات اسباب

شیخ غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حسد کے یہ سات اسباب ذکر کیے ہیں:

پہلا سبب: عداوت و بغض

اگر کسی نے انسان کو اذیت دی ہوتی وہ انسان اس پر غضبناک اور ناراض ہوتا ہے، تو اس غصہ سے دل میں کینہ اور حسد پیدا ہوتا ہے جو انتقام اور ازالہ کا تقاضا کرتا ہے۔ اگر یہ ناراض ہونے والا انسان خود بدلہ سے عاجز ہو تو وہ چاہتا ہے اس سے زمانہ بدلہ لے۔ جب اس کے دشمن کو کوئی پریشانی اور مصیبت لاحق ہو اور اسے کوئی اذیت عارض ہو جائے جو اس کے مقصود کے مخالف و ضد ہو تو یہ انسان خوش ہوتا ہے تو حسد، عداوت و بغض کے لوازمات میں سے ہے، ان میں جدائی نہیں ہو سکتی، انتہائی امکان یہ ہے کہ انسان اس عداوت کا اظہار نہ کرے اور اس حالت کو اپنے لیے پسند نہ کرے لیکن یہ کہ انسان کسی سے بغض رکھتا ہو اور پھر اس کے ہاں دشمن کی خوشی و غمی برابر ہو یہ ممکن نہیں، یہی حسد کی قسم ہے جو اللہ تعالیٰ نے کفار کے حوالہ سے بیان کی۔

وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ؁ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِھَا (پ ۴، ال عمران: ۱۱۹، ۱۲۰)

اور جب وہ تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور تنہا ہوں تو تم پر انگلیاں چبائیں غصہ سے تم فرما دو کہ مر جاؤ اپنی گھٹن میں اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات اگر تمہیں بھلائی آئے تو انہیں برا لگے اور اگر تمہیں برائی پہنچے تو اس پر خوش ہوں

Marfat.com

تیسرا مرتبہ: بعینہ وہ نعمت اپنے لیے نہیں چاہتا بلکہ اس کی مثل چاہے اگر اس کی مثل نہ پا سکے تو دوسرے سے زوال کی تمنا کرے تاکہ ان دونوں کے درمیان تفاوت کا ظہور نہ ہو۔

چوتھا مرتبہ: اپنے اس کی مثل نعمت کا متمنی ہو اگر حاصل نہ ہو تو دوسرے سے زوال کا متمنی نہ ہو۔

اس آخری درجہ حسد میں معافی کی امید ہے اگر دنیا سے متعلق ہو اور اگر اس کا تعلق دین سے ہو تو یہ مستحب ہے تیسرا درجہ حسد دونوں طرح کا ہو سکتا ہے مذموم بھی اور غیر مذموم، دوسرا درجہ، تیسرے سے کم اور ہلکا ہے جبکہ پہلا مذموم ہی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

وَلَا تَتَمَنَّوۡا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعۡضَكُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ (پ۵، النساء: ۳۲)

نہ تمنا کرو اس کی جو فضیلت اللہ نے تم میں سے ایک دوسرے کو دی ہے

تو مثل کی تمنا مذموم نہیں ہاں بعینہ کی تمنا مذموم ہے۔

چوتھا مسئلہ: شیخ غزالی اور حسد کے سات اسباب

شیخ غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حسد کے یہ سات اسباب ذکر کیے ہیں:

پہلا سبب: عداوت وبغض

اگر کسی نے انسان کو اذیت دی ہوتی وہ انسان اس پر غضبناک اور ناراض ہوتا ہے، تو اس غصہ سے دل میں کینہ اور حسد پیدا ہوتا ہے جو انتقام اور ازالہ کا تقاضا کرتا ہے۔ اگر یہ ناراض ہونے والا انسان خود بدلہ سے عاجز ہو تو وہ چاہتا ہے اس سے زمانہ بدلہ لے۔ جب اس کے دشمن کو کوئی پریشانی اور مصیبت لاحق ہو اور اسے کوئی اذیت عارض ہو جائے جو اس کے مقصود کے مخالف وضد ہو تو یہ انسان خوش ہوتا ہے تو حسد، عداوت وبغض کے لوازمات میں سے ہے، ان میں جدائی نہیں ہو سکتی، انتہائی امکان یہ ہے کہ انسان اس عداوت کا اظہار نہ کرے اور اس حالت کو اپنے لیے پسند نہ کرے لیکن یہ کہ انسان کسی سے بغض رکھتا ہو اور پھر اس کے ہاں دشمن کی خوشی وغمی برابر ہو یہ ممکن نہیں، یہی حسد کی قسم ہے جو اللہ تعالیٰ نے کفار کے حوالہ سے بیان کی۔

وَاِذَا لَقُوۡكُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ‌ۖۚ وَاِذَا خَلَوۡا عَضُّوۡا عَلَيۡكُمُ الۡاَنَامِلَ مِنَ الۡغَيۡظِ‌ؕ قُلۡ مُوۡتُوۡا بِغَيۡظِكُمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ اِنۡ تَمۡسَسۡكُمۡ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ وَاِنۡ تُصِبۡكُمۡ سَيِّئَةٌ يَّفۡرَحُوۡا بِهَا (پ۴، ال عمران: ۱۱۹، ۱۲۰)

اور جب وہ تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور تنہا ہوں تو تم پر انگلیاں چبائیں غصہ سے تم فرما دو کہ مر جاؤ اپنی گھٹن میں اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات اگر تمہیں بھلائی آئے تو انہیں برا لگے اور اگر تمہیں برائی پہنچے تو اس پر خوش ہوں

Marfat.com

اسی طرح اس آیت میں فرمایا:

وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ (پ۴، آل عمران:۱۱۸) جس قدر ایذا تمہیں پہنچے، ان کی باتوں سے چھلک اٹھا اور جو سینوں میں چھپائے ہیں وہ اور بڑا ہے

واضح رہے حسد بعض اوقات لڑائی و جنگ برپا کروا دیتا ہے۔

دوسرا سبب، جعلی عزت

کسی ہم مثل کو بلند مرتبہ و منصب مل گیا جو آدمی سے اونچا ہے اور اسے برداشت نہیں کرتا تو اس سے اس منصب کے زوال کی تمنا کرتا ہے اور اس کی غرض تکبر نہیں بلکہ غرض یہ ہوگی یہ دوسرے کا کبر دور کر سکے کیونکہ بعض اوقات مساوی درجہ پر خوش ہو جاتا ہے مگر دوسرے کی بلندی پر خوش نہیں ہوتا۔

تیسرا سبب، طبعاً دوسرے کو غلام جاننا

ایسی طبیعت کا مالک ہو کہ دوسروں کو اپنا غلام و خادم جانے تو دوسرے سے زوال نعمت کا متمنی ہوتا کہ اس مقصد کو حاصل کر سکے اکثر کفار کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد اس بات سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ وہ کہتے تھے یہ یتیم نوجوان ہم سے آگے کیسے بڑھ سکتا ہے۔ اور ہم اس کے سامنے اپنے سر کیوں جھکائیں؟ وہ کہتے تھے:

لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (پ۲۵، الزخرف:۳۱) کیوں نہ یہ قرآن ان دو شہروں کے کسی بڑے پر نازل کیا جاتا

اللہ تعالیٰ نے قریش کا قول نقل فرمایا:

اَهٰٓؤُلَاۤءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا (پ۷، الانعام:۵۳) کیا انہی پر ہمارے اندر اللہ نے احسان کیا ہے

یہ صحابہ سے ان کا حقارت و نفرت کا اظہار ہے۔

چوتھا سبب، خود پسندی

جیسے اللہ تعالیٰ نے سابقہ امتوں کے بارے میں نقل کیا کہ انہوں نے حضرات انبیاء علیہم السلام سے کہا:

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (پ۱۳، ابراہیم:۱۰) تم تو ہماری طرح کے بشر ہو

اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ (پ۱۸، المومنون:۴۷) کیا ہم اپنے جیسے دو بشروں پر ایمان لائیں

Marfat.com

وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخَاسِرُوْنَ (پ۱۸، المومنون:۳۴) کہا تم اپنے جیسے بشر کی طاعت کروگے تو پھر نقصان والے بن جاؤ گے

انہوں نے بطور تعجب کہا:

اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا (پ۱۵، الاسراء:۹۴) کیا اللہ نے بشر کو رسول بنایا ہے

انہوں نے یہ بھی کہا:

لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ ہم پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟

فرمانِ الٰہی ہے:

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ (پ۸، الاعراف:۶۳) اور کیا تمہیں اس کا اچنبا ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت آئی۔ تم میں کہ ایک مرد کی معرفت کہ وہ تمہیں ڈرائے

پانچوں سبب، فوتیدگی مقاصد کا خوف

یہ سبب مقصود دامہ کے حصول میں جھگڑا کرنے والوں کے ساتھ مختص ہے کیونکہ ان میں سے ہر کوئی ہر اس نعمت میں جھگڑتا ہے جو اس کے حصول انفرادیت میں معاون ہو، سوکنوں کا مقاصد زوجیت ہی میں جھگڑنا، بھائیوں کا والد کا قرب پانے میں جھگڑنا تا کہ مال و عزت پاسکیں، اسی طرح واعظین کا کسی بہتر والوں کے بارے میں جھگڑنا تا کہ مال و قبولیت زیادہ پائیں۔ اسی مد سے تعلق رکھتا ہے۔

چھٹا سبب، بلامقصد منصب وحکومت سے محبت

مثلاً کوئی آدمی چاہتا ہے کہ کسی فن میں میری مثال نہ ہو اگر وہ سنے کہ جہاں کے فلاں گوشے میں اس کی مثل آدمی موجود ہے اسے برا لگے، اس کی موت چاہے اور اس سے اس نعمت کے زوال کی تمنا کرے جس میں اس کے ساتھ شریک ہے مثلاً شجاعت، علم، زہد اور دولت اور اپنی انفرادیت کو ہی پسند کرے۔

ساتواں سبب، اللہ کے بندوں پر بھلائی میں بخل کرنا

تم دیکھو گے جو حکومت، تکبر اور طلب مال میں مشغول نہیں ہوتا لیکن اس کے سامنے کسی اللہ کے بندے کا اچھا حال بیان کیا

Marfat.com

وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ (پ۱۸،المومنون:۳۴)
کہا تم اپنے جیسے بشر کی طاعت کرو گے تو پھر نقصان والے بن جاؤ گے

انہوں نے بطور تعجب کہا:

اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا (پ۱۵،الاسراء:۹۴)
کیا اللہ نے بشر کو رسول بنایا ہے

انہوں نے یہ بھی کہا:

لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ
ہم پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟

فرمانِ الٰہی ہے:

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ (پ۸،الاعراف:۶۳)
اور کیا تمہیں اس کا اچنبا ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت آئی۔تم میں کہ ایک مرد کی معرفت کہ وہ تمہیں ڈرائے

پانچوں سبب،فوتیدگی مقاصد کا خوف

یہ سبب مقصود دامہ کے حصول میں جھگڑا کرنے والوں کے ساتھ مختص ہے کیونکہ ان میں سے ہر کوئی ہر اس نعمت میں جھگڑتا ہے جو اس کے حصول انفرادیت میں معاون ہو،سوکنوں کا مقاصد زوجیت ہی میں جھگڑنا،بھائیوں کا والد کا قرب پانے میں جھگڑنا تا کہ مال وعزت پا سکیں،اسی طرح واعظین کا کسی بہتر والوں کے بارے میں جھگڑنا تا کہ مال وقبولیت زیادہ پائیں۔اسی مد سے تعلق رکھتا ہے۔

چھٹا سبب،بلا مقصد منصب وحکومت سے محبت

مثلاً کوئی آدمی چاہتا ہے کہ کسی فن میں میری مثال نہ ہو اگر وہ سنے کہ جہاں کے فلاں گوشے میں اس کی مثل آدمی موجود ہے اسے برا لگے،اس کی موت چاہے اور اس سے اس نعمت کے زوال کی تمنا کرے جس میں اس کے ساتھ شریک ہے مثلاً شجاعت، علم،زہد اور دولت اور اپنی انفرادیت کو ہی پسند کرے۔

ساتواں سبب،اللہ کے بندوں پر بھلائی میں بخل کرنا

تم دیکھو گے جو حکومت،تکبر اور طلب مال میں مشغول نہیں ہوتا لیکن اس کے سامنے کسی اللہ کے بندے کا اچھا حال بیان کیا

Marfat.com

جائے تو اس پر یہ شاق گزرتا ہے۔ لیکن جب اس کے سامنے لوگوں کی پریشانی، پستی، شکست اور زندگی کا اجیرن ہونا بیان کیا جائے تو وہ اس پر خوش ہوتا ہے تو وہ ہمیشہ لوگوں کا نقصان چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں پر انعام میں بخل کرتا ہے گویا وہ اس کے خزانے اور ملک سے حاصل کر رہے ہیں۔ منقول ہے بخیل وہ جو اپنے مال میں بخل سے کام لے اور شحیح وہ ہوتا ہے جو دوسرے کے مال میں بخل کرے اور یہ شخص بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر بخل کرتا ہے۔ حالانکہ ان کے اور اس کے درمیان نہ کوئی عداوت ہے اور نہ تعلق و واسطہ تو یہاں حسد کا سبب ظاہری خبث نفس اور طبعی کمینگی ہے کیونکہ باقی تمام اقسام حسد کا ازالہ ان کے اسباب کے ازالہ کی وجہ سے ممکن ہے لیکن یہ تو جبلی حسد ہے اس کا سبب عارضی نہیں لہٰذا اس کا ازالہ مشکل و دشوار ہے۔

یہ اسبابِ حسد ہیں، بعض اوقات کسی ایک ہی شخص میں ان سے کچھ، اکثر یا تمام پائے جاسکتے ہیں۔ اس میں حسد بڑے درجہ پر ہوگا اور وہ اتنا قوی کہ ایسا بندہ اسے مخفی نہیں رکھ سکتا بلکہ خفا کا پردہ ختم اور عداوت و دشمنی کا اظہار ہو جاتا ہے۔ اکثر حاسدین میں یہ تمام اسباب جمع ہوتے ہیں، بہت کم ہیں کسی میں ایک سبب ہوتا ہے۔

پانچواں مسئلہ، حسد کی کثرت وقلت کے اسباب

حسد میں کثرت، قلت، قوت وضعف کے اسباب یہ ہیں، جن لوگوں کے درمیان ہمارے ذکر کردہ اسباب موجود ہوں گے وہاں حسد کثرت کے ساتھ ہوگا ممکن ہے ایک آدمی حسد کرے کہ بڑا نہ بن سکا یا بطور تکبر حسد کرتا ہے یا دوسرے کا یہ دشمن ہے، یہ اسباب ان لوگوں میں زیادہ ہو سکتے ہیں جن کے درمیان رابطہ ہوتا ہے جن کے باعث وہ آپس میں اکٹھے ہوتے ہیں اور ان کے ایک دوسرے سے مقاصد ہوتے ہیں اور تنازع نفرت کی بنیاد ہے اور نفرت حسد تک لے جاتی ہے تو یہاں میل جول ہی نہ ہو وہاں حسد نہیں ہوتا جب دو افراد دو شہروں میں رہتے ہیں ان کے درمیان رابطہ ہی نہیں تو یقیناً ان میں حسد بھی نہیں ہوگا اس لیے تم دیکھو گے عالم کا حسد عالم سے نہ کہ عابد سے، عابد کا حسد عابد سے نہ کہ عالم سے ہوگا، تاجر کا حسد تاجر سے۔ بلکہ موچی کا حسد موچی سے ہوگا نہ کہ کپڑا بیچنے والے سے، آدمی اپنے بھائی اور چچازاد سے حسد، غیروں سے زیادہ کرتا ہے، اسی طرح عورت، اپنی سوکن سے اور خاوند سے لونڈی، حسد، خاوند کی ماں اور بیٹی سے زیادہ کرتی ہے کیونکہ مقصد کپڑے والے کا موچی کے مقصد کے علاوہ ہے ان میں ٹکراؤ نہیں پھر قریبی تاجر سے حسد دور والے تاجر سے زیادہ ہوتا ہے۔

الغرض حسد کی اصل عداوت ہے اور عداوت کی وجہ ایک غرض پر ٹکراؤ اور غرض واحد دو دور رہنے والوں کے درمیان نہیں ہوتی بلکہ دونوں میں مناسبت ضروری ہے اسی لیے ان کے درمیان حسد اکثر ہوتا ہے۔ ہاں جو لمبے چوڑے مناصب اور اطراف عالم میں شہرت کا متمنی ہو وہ ہر اس شخص پر حسد کرے گا جو اس کے ساتھ ہر اس خصلت میں شریک ہے جس پر فخر کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، حسد کا سبب حقیقی یہ ہے کہ کمال بالذات محبوب اور محبوب کی ضد ناپسند ہوتی ہے۔ انواع کمال میں اس کمال میں یکتا ہونا ہی ہے لہٰذا کمال میں شریک ناپسند ہوتا ہے کیونکہ بندے کی انفرادیت پہ جھگڑا پیدا ہو جاتا ہے جو باب کمال میں اعظم ہے ہاں اگر وہ کمال کی ایسی نوع ہو جس کا حصول محال ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے اور اس کے حصول سے مایوسی ہو تو پھر حسد نہیں ہو سکتا تو حسد امور دنیا سے خاص ہے کیونکہ دنیا جھگڑا کرنے والوں کے لیے کافی نہیں ہوتی رہی آخرت وہاں کمی ہی نہیں۔ آخرت کی مثال نعمت علم کی ہے تو جو اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کی صفات کی اور اس کے ملائکہ کی معرفت چاہتا ہے اس پر کوئی حسد نہیں کرے گا، جب یہ معلوم ہے کہ معرفت، عرفاء، کے لیے تنگی نہیں کرتی بلکہ معلوم واحد کی لاکھوں معرفت حاصل کریں اور اس کی معرفت سے لذات وخوشی پائیں ایک دوسرے کی وجہ سے لذت میں کوئی کمی نہیں آئے گی بلکہ کثرت عرفاء کی وجہ سے اُنس میں خوب اضافہ ہوگا اس لیے علماء دین میں حسد نہیں ہوتا کیونکہ ان کا مقصود معرفت الٰہی ہے اور ایسا وسیع سمندر ہے کہ جس میں کمی ہی نہیں، ان کا مقصود اللہ تعالیٰ کے ہاں مقام پانا ہے اور وہاں کوئی کمی ہی نہیں ہاں اگر علماء کا مقصود حصول مال وجاہ ہو تو پھر حسد پیدا ہوگا کیونکہ مال ایک معین شی ہے جب وہ ایک ہاتھ میں آئے گا تو دوسرا اس سے بالیقین خالی ہوگا، جاہ کا معنی دلوں کا محبت کرنا ہے جب کوئی شخص ایک عالم کا احترام وتعظیم کرے گا تو وہ دوسرے کی تعظیم سے اعراض کرے گا لیکن جب دل معرفت الٰہی سے معمور ہوگا تو وہ دوسرے کے دل کو معمور سے مانع نہ ہوگا اور نہ ہی دوسرے کی خوشی میں رکاوٹ بنے گا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اہلِ جنت کا یہ وصف بیان کیا۔

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ (پ۱۴، الحجر: ۴۷)

اور ہم ان دلوں سے حسد نکال لیں گے تاکہ وہ بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھیں

چھٹا مسئلہ، حسد کا علاج ودوا

حسد کا ازالہ کرنے والی دوا دو امور ہیں۔ علم اور عمل۔ علم میں دو مقام ہیں، اجمالی وتفصیلی۔ اجمالی علم یہ ہے کہ یہ جان لیا جائے کہ جو کچھ وجود میں آتا ہے وہ تمام اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور قدرت سے ہوتا ہے کیونکہ ممکن کی انتہا واجب پر ہی ہوتی ہے ورنہ وہ ٹھہرتا ہی نہیں جب صورت حال یہ ہے تو اس موجود سے نفرت کا فائدہ ہی نہیں اور جب قضاء الٰہی پر رضا حاصل ہو جائے تو حسد از خود زائل ہو جاتا ہے۔

تفصیلی کچھ یوں ہے کہ حسد دین ودنیا کے حوالہ سے نقصان دہ ہے لیکن محسود (جس پر حسد ہے) کے لیے دین ودنیا کا کوئی نقصان نہیں بلکہ اس کے لیے دین ودنیا میں نفع، حاسد کے لیے نقصان دہ ہونے پر دلائل یہ ہیں۔

Marfat.com

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، حسد کا سبب حقیقی یہ ہے کہ کمال بالذات محبوب اور محبوب کی ضد ناپسند ہوتی ہے۔ انواع کمال میں اس کمال میں یکتا ہونا ہی ہے لہٰذا کمال میں شریک ناپسند ہوتا ہے کیونکہ بندے کی انفرادیت پہ جھگڑا پیدا ہو جاتا ہے جو باب کمال میں اعظم ہے ہاں اگر وہ کمال کی ایسی نوع ہو جس کا حصول محال ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے اور اس کے حصول سے مایوسی ہو تو پھر حسد نہیں ہو سکتا تو حسد امور دنیا سے خاص سے ہے کیونکہ دنیا جھگڑا کرنے والوں کے لیے کافی نہیں ہوتی رہی آخرت وہاں کمی ہی نہیں۔ آخرت کی مثال نعمت علم کی ہے تو جو اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کی صفات کی اور اس کے ملائکہ کی معرفت چاہتا ہے اس پر کوئی حسد نہیں کرے گا، جب یہ معلوم ہے کہ معرفت، عرفاء، کے لیے تنگی نہیں کرتی بلکہ معلوم واحد کی لاکھوں معرفت حاصل کریں اور اس کی معرفت سے لذات وخوشی پائیں ایک دوسرے کی وجہ سے لذت میں کوئی کمی نہیں آئے گی بلکہ کثرت عرفاء کی وجہ سے اُنس میں خوب اضافہ ہوگا اس لیے علماء دین میں حسد نہیں ہوتا کیونکہ ان کا مقصود معرفت الٰہی ہے اور ایسا وسیع سمندر ہے کہ جس میں کمی ہی نہیں، ان کا مقصود اللہ تعالیٰ کے ہاں مقام پانا ہے اور وہاں کوئی کمی ہی نہیں ہاں اگر علماء کا مقصود حصول مال وجاہ ہو تو پھر حسد پیدا ہوگا کیونکہ مال ایک معین شی ہے جب وہ ایک ہاتھ میں آئے گا تو دوسرا اس سے بالیقین خالی ہوگا، جاہ کا معنی دلوں کا محبت کرنا ہے جب کوئی شخص ایک عالم کا احترام وتعظیم کرے گا تو وہ دوسرے کی تعظیم سے اعراض کرے گا لیکن جب دل معرفت الٰہی سے معمور ہوگا تو وہ دوسرے کے دل کو معمور سے مانع نہ ہوگا اور نہ ہی دوسرے کی خوشی میں رکاوٹ بنے گا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اہلِ جنت کا یہ وصف بیان کیا۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ (پ۱۴، الحجر:۴۷)

اور ہم ان دلوں سے حسد نکال لیں گے تاکہ وہ بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھیں

چھٹا مسئلہ، حسد کا علاج ودوا

حسد کا ازالہ کرنے والی دوا دو امور ہیں۔ علم اور عمل۔ علم میں دو مقام ہیں، اجمالی وتفصیلی۔ اجمالی علم یہ ہے کہ یہ جان لیا جائے کہ جو کچھ وجود میں آتا ہے وہ تمام اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور قدرت سے ہوتا ہے کیونکہ ممکن کی انتہا واجب پر ہی ہوتی ہے ورنہ وہ ٹھہرتا ہی نہیں جب صورت حال یہ ہے تو اس موجود سے نفرت کا فائدہ ہی نہیں اور جب قضاء الٰہی پر رضا حاصل ہو جائے تو حسد از خود زائل ہو جاتا ہے۔

تفصیلی کچھ یوں ہے کہ حسد دین ودنیا کے حوالہ سے نقصان دہ ہے لیکن محسود (جس پر حسد ہے) کے لیے دین ودنیا کا کوئی نقصان نہیں بلکہ اس کے لیے دین ودنیا میں نفع، حاسد کے لیے نقصان دہ ہونے پر دلائل یہ ہیں۔

Marfat.com

۱۔ تم نے حسد کی وجہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کو ناپسند جانا اور اس کی اس تقسیم سے تنازعہ کیا جو اس نے اپنے بندوں پر کر رکھی ہے اور اس نے مخفی حکمت کے تحت اپنے بندوں پر جو عدل قائم کر رکھا ہے اور یہ توحید کی آنکھ کو اذیت دینا اور ذاتِ ایمان میں کانٹا ہے

۲۔ اگر تم اہلِ ایمان میں سے کسی سے بغض رکھتے ہو تو تم اللہ کے بندوں سے محبت رکھنے والے اولیاء اللہ سے جدا ہو کر ابلیس اور دیگر کفار کے شامل ہو گے جو اہلِ ایمان کے لیے مصائب کی تمنا رکھتے ہیں۔

۳۔ آخرت میں اس پر عذاب عظیم مرتب ہوگا۔

دنیاوی اعتبار سے نقصان وہ یوں ہے کہ حسد کی وجہ سے تم دائماً غم اور جلن میں رہو گے اور تمہارے دشمن سے اللہ تعالیٰ نعمت کا زوال نہیں فرمائے گا تو ان کی ہر نعمت پر عذاب اور ان سے دور ہونے والی مصیبت پر تکلیف پاؤ گے لہٰذا ہمیشہ ہی غم واندوہ میں رہو گے تو تمہارے لیے وہ حاصل جو تم اپنے دشمنوں کے لیے چاہ رہے تھے اور تمہارے دشمن تمہارے لیے چاہتے تھے تو وہ مشقت جو تم اپنے دشمنوں کے لیے حاصل کرنا چاہ رہے تھے وہ تم نے خود اپنے لیے حاصل کر لی، پھر یہ غم تم پر غالب آجائے گا تو تمہارا بدن مریض اور اس سے صحت زائل ہو جائے گی تو اب وہ وساوس میں ڈال دے گا اور تم پر کھانا پینا کڑوا ہو جائے گا۔

محسود کو دین و دنیا کا کوئی نقصان نہیں، یہ واضح ہے کیونکہ تمہارے حسد سے اس کی نعمت زائل نہ ہوگی کیونکہ جب تک اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے وہ بخت ونعمت مقدر کی ہے وہ اس مقرر وقت تک اس کے پاس ہی رہے گی کیونکہ ہر شی اس کی تقدیر سے ہے اور ہر ایک کے لیے مدت مقرر ہے تو جب حسد سے نعمت کا زوال کیا تو محسود کی دنیاوی نقصان تو نہ ہوگا اور نہ ہی آخرت میں اس پر کوئی گناہ ہے

شاید تم یہ سمجھتے ہو کہ نعمت مجھے مل جائے گی اور میرے دشمن سے میرے حسد کی وجہ سے چھن جائے گی تو یہ انتہائی جہالت ہے کیونکہ یہ ایسی مصیبت ہے جو تم نے اولاً ہی اپنے لیے چاہی ہے کیونکہ کوئی تمہارا دشمن تم پر حاسد ہوگا اگر حسد سے نعمت کا زوال ہو جائے تو تم پر اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت باقی ہی نہ رہے نہ اپنی اور نہ دنیاوی، اگر تم چاہو کہ تمہارے حسد کی وجہ سے مخلوق سے نعمت کا زوال ہو جائے مگر تم پر دوسرے کے حسد سے نعمت کا زوال نہ ہو تو یہ بھی جہالت ہے کیونکہ حاسدین پاگل پن کی وجہ سے ہی چاہیں گے کہ یہ حضرمیت مجھے ہی حاصل رہے حالانکہ وہ دوسرے سے بہتر نہیں تو اللہ تعالیٰ کی تم پر نعمت ہے کہ وہ حسد کی وجہ سے زائل نہیں ہو رہی تو اس پر شکر لازم لیکن تم اپنی جہالت کی وجہ سے اسے ناپسند کر رہے ہو۔

محسود کا دینی و دنیاوی نفع

محسود کا دینی و دنیاوی نفع پانا واضح ہے۔ دینی نفع یوں کہ وہ تمہاری وجہ سے مظلوم ہے۔ خصوصاً جب حسد قول وفعل میں غیبت اس پر طعن اور بے عزتی کی صورت اختیار کرلے اور اس کا تذکرہ برائی سے ہو تو یہ تحائف ہیں جو اللہ تعالیٰ اسے عطا کرتا ہے یعنی تم

Marfat.com

۱۔ تم نے حسد کی وجہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کو ناپسند جانا اور اس کی اس تقسیم سے تنازعہ کیا جو اس نے اپنے بندوں پر کر رکھی ہے اور اس نے مخفی حکمت کے تحت اپنے بندوں پر جو عدل قائم کر رکھا ہے اور یہ توحید کی آنکھ کو اذیت دینا اور ذاتِ ایمان میں کانٹا ہے

۲۔ اگر تم اہلِ ایمان میں سے کسی سے بغض رکھتے ہو تو تم اللہ کے بندوں سے محبت رکھنے والے اولیاء اللہ سے جدا ہو کر ابلیس اور دیگر کفار کے شامل ہو گے جو اہلِ ایمان کے لیے مصائب کی تمنا رکھتے ہیں۔

۳۔ آخرت میں اس پر عذاب عظیم مرتب ہو گا۔

دنیاوی اعتبار سے نقصان وہ یوں ہے کہ حسد کی وجہ سے تم دائماً غم اور جلن میں رہو گے اور تمہارے دشمن سے اللہ تعالیٰ نعمت کا زوال نہیں فرمائے گا تو ان کی ہر نعمت پر عذاب اور ان سے دور ہونے والی مصیبت پر تکلیف پاؤ گے لہٰذا ہمیشہ ہی غم واندوہ میں رہو گے تو تمہارے لیے وہ حاصل جو تم اپنے دشمنوں کے لیے چاہ رہے تھے اور تمہارے دشمن تمہارے لیے چاہتے تھے تو وہ مشقت جو تم اپنے دشمنوں کے لیے حاصل کرنا چاہ رہے تھے وہ تم نے خود اپنے لیے حاصل کر لی، پھر یہ غم تم پر غالب آجائے گا تو تمہارا بدن مریض اور اس سے صحت زائل ہو جائے گی تو اب وہ وساوس میں ڈال دے گا اور تم پر کھانا پینا کڑوا ہو جائے گا۔

محسود کو دین و دنیا کا کوئی نقصان نہیں، یہ واضح ہے کیونکہ تمہارے حسد سے اس کی نعمت زائل نہ ہو گی کیونکہ جب تک اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے وہ بخت و نعمت مقدر کی ہے وہ اس مقرر وقت تک اس کے پاس ہی رہے گی کیونکہ ہر شی اس کی تقدیر سے ہے اور ہر ایک کے لیے مدت مقرر ہے تو جب حسد سے نعمت کا زوال کیا تو محسود کی دنیاوی نقصان تو نہ ہو گا اور نہ ہی آخرت میں اس پر کوئی گناہ ہے

شاید تم یہ سمجھتے ہو کہ نعمت مجھے مل جائے گی اور میرے دشمن سے میرے حسد کی وجہ سے چھن جائے گی تو یہ انتہائی جہالت ہے کیونکہ یہ ایسی مصیبت ہے جو تم نے اولاً ہی اپنے لیے چاہی ہے کیونکہ کوئی تمہارا دشمن تم پر حاسد ہو گا اگر حسد سے نعمت کا زوال ہو جائے تو تم پر اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت باقی ہی نہ رہے نہ اپنی اور نہ دنیاوی، اگر تم چاہو کہ تمہارے حسد کی وجہ سے مخلوق سے نعمت کا زوال ہو جائے مگر تم پر دوسرے کے حسد سے نعمت کا زوال نہ ہو تو یہ بھی جہالت ہے کیونکہ حاسدین پاگل پن کی وجہ سے ہی چاہیں گے کہ یہ حضرمیت مجھے ہی حاصل رہے حالانکہ وہ دوسرے سے بہتر نہیں تو اللہ تعالیٰ کی تم پر نعمت ہے کہ وہ حسد کی وجہ سے زائل نہیں ہو رہی تو اس پر شکر لازم لیکن تم اپنی جہالت کی وجہ سے اسے ناپسند کر رہے ہو۔

محسود کا دینی و دنیاوی نفع

محسود کا دینی و دنیاوی نفع پانا واضح ہے۔ دینی نفع یوں کہ وہ تمہاری وجہ سے مظلوم ہے۔ خصوصاً جب حسد قول و فعل میں غیبت اس پر طعن اور بے عزتی کی صورت اختیار کر لے اور اس کا تذکرہ برائی سے ہو تو یہ تحائف ہیں جو اللہ تعالیٰ اسے عطا کرتا ہے یعنی تم

Marfat.com

اسے اپنی نیکیوں کا تحفہ اسے دیے ہو، جب تم اس کی برائیاں ذکر کرتے ہو تو تم اس کے اعمال میں اپنی نیکیاں منتقل کر رہے ہو اور اپنی برائیوں میں اضافہ کر رہے ہو گویا تم اس سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا زوال چاہ رہے تھے تو تم سے نعمتوں کا زوال شروع ہو گیا تو ہر وقت اور ہر گھڑی تمہاری شقاوت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

دنیاوی نفع کی صورتیں

اس کے دنیاوی نفع کی یہ صورتیں ہیں:

۱۔ مخلوق کی اہم غرض دشمنوں کا برائی اور ان کا عذاب وغم میں رہنا ہے تو اس عذاب حسد سے بڑھ کر کوئی بڑا عذاب نہیں جس میں تم ہو بلکہ کوئی عاقل آدمی اپنے دشمن کی موت نہیں چاہتا بلکہ اس کی طویل زندگی مانگتا ہے تاکہ وہ حسد میں جل کر اس پر ہونے والی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھے اور اس کا دل پارہ پارہ ہوتا رہے۔ اسی لیے کسی نے کہا:

لا مات اعداؤك بل خلدوا   حتی یروا منك الذی یکمد

لا زلت محسودا علی نعمة   فانما الکامل من یحسد

(تمہارے دشمن نہ مریں بلکہ وہ ہمیشہ زندہ رہیں تاکہ تمہاری نعمتیں دیکھ کر جلتے رہیں اور تم نعمتوں پر محسود رہو کامل وہی ہوتا ہے جس پر حسد کیا جائے)

۲۔ لوگ جانتے ہیں کہ محسود کا صاحب نعمت ہونا ضروری ہے تو وہ حاسد کے حسد سے اس پر استدلال کریں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضائل ومناقب کے لیے خاص ہے اور بڑی فضیلت پر ہے کہ اس کے ازالہ کی طاقت نہ ہو اور یہ چیز حسد پیدا کرتی ہے تو خود حسد اس پر بڑی؟؟ ہے کہ محسود متعدد انواع فضائل سے متصف ہے۔

۳۔ حاسد مخلوق کے ہاں مذموم اور خالق کے ہاں ملعون ہو جاتا ہے اور یہ محسود کے لیے اعظم مقصود غرض ہے۔

۴۔ یہ ابلیس کی خوشی میں اضافہ کا سبب ہے کیونکہ حاسد جو محسود کے مخصوص فضائل سے خالی ہے تو اگر اس پر خوش ہوتا تو وہ عظیم ثواب کا مستحق قرار پاتا تو ابلیس اس سے پریشان ہوتا ہے کہ یہ راضی ہو کر ایسا ثواب حاصل کر لے گا جب وہ شخص اس پر خوش نہ ہوا بلکہ اس نے حسد کا اظہار کر دیا تو اس کا ثواب ضائع بلکہ وہ عتاب کا مستحق بن گیا تو اب یہ ابلیس کی خوشی اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا سبب ٹھہرا۔

۵۔ جب تم کسی اہل علم سے حسد کرو گے تو تم چاہو گے اس سے اللہ تعالیٰ کے دین میں کوئی خطا ہو جائے اور تم اس خطا و غلطی کی وجہ سے اسے ذلیل و رسوا کرو، اسی طرح تم چاہو کہ یہ گونگا ہو جائے تاکہ گفتگو نہ کر سکے یا بیمار ہو جائے حتیٰ کہ نہ مطالعہ کرتے

Marfat.com

اسے اپنی نیکیوں کا تحفہ اسے دیے ہو، جب تم اس کی برائیاں ذکر کرتے ہو تو تم اس کے اعمال میں اپنی نیکیاں منتقل کر رہے ہو اور اپنی برائیوں میں اضافہ کر رہے ہو گویا تم اس سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا زوال چاہ رہے تھے تو تم سے نعمتوں کا زوال شروع ہو گیا تو ہر وقت اور ہر گھڑی تمہاری شقاوت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

دنیاوی نفع کی صورتیں

اس کے دنیاوی نفع کی یہ صورتیں ہیں:

۱۔ مخلوق کی اہم غرض دشمنوں کا برائی اور ان کا عذاب وغم میں رہنا ہے تو اس عذاب حسد سے بڑھ کر کوئی بڑا عذاب نہیں جس میں تم ہو بلکہ کوئی عاقل آدمی اپنے دشمن کی موت نہیں چاہتا بلکہ اس کی طویل زندگی مانگتا ہے تاکہ وہ حسد میں جل کر اس پر ہونے والی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھے اور اس کا دل پارہ پارہ ہوتا رہے۔ اسی لیے کسی نے کہا:

لا مات اعداؤك بل خلدوا — حتی یروا منك الذی یکمد

لا زلت محسودا علی نعمة — فانما الکامل من یحسد

(تمہارے دشمن نہ مریں بلکہ وہ ہمیشہ زندہ رہیں تاکہ تمہاری نعمتیں دیکھ کر جلتے رہیں اور تم نعمتوں پر محسود رہو کامل وہی ہوتا ہے جس پر حسد کیا جائے)

۲۔ لوگ جانتے ہیں کہ محسود کا صاحب نعمت ہونا ضروری ہے تو وہ حاسد کے حسد سے اس پر استدلال کریں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضائل ومناقب کے لیے خاص ہے اور بڑی فضیلت پر ہے کہ اس کے ازالہ کی طاقت نہ ہو اور یہ چیز حسد پیدا کرتی ہے تو خود حسد اس پر بڑی؟؟ ہے کہ محسود متعدد انواع فضائل سے متصف ہے۔

۳۔ حاسد مخلوق کے ہاں مذموم اور خالق کے ہاں ملعون ہو جاتا ہے اور یہ محسود کے لیے اعظم مقصود غرض ہے۔

۴۔ یہ ابلیس کی خوشی میں اضافہ کا سبب ہے کیونکہ حاسد جو محسود کے مخصوص فضائل سے خالی ہے تو اگر اس پر خوش ہوتا تو وہ عظیم ثواب کا مستحق قرار پاتا تو ابلیس اس سے پریشان ہوتا ہے کہ یہ راضی ہو کر ایسا ثواب حاصل کرلے گا جب وہ شخص اس پر خوش نہ ہوا بلکہ اس نے حسد کا اظہار کر دیا تو اس کا ثواب ضائع بلکہ وہ عتاب کا مستحق بن گیا تو اب یہ ابلیس کی خوشی اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا سبب ٹھہرا۔

۵۔ جب تم کسی اہل علم سے حسد کرو گے تو تم چاہو گے اس سے اللہ تعالیٰ کے دین میں کوئی خطا ہو جائے اور تم اس خطا وغلطی کی وجہ سے اسے ذلیل ورسوا کرو، اسی طرح تم چاہو کہ یہ گونگا ہو جائے تاکہ گفتگو نہ کر سکے یا بیمار ہو جائے حتیٰ کہ نہ مطالعہ کرتے

Marfat.com

اور نہ پڑھا ہے تو بتائیے اس سے بڑھ کر کون سا گناہ ہے اور اس سے بڑھ کر گھٹیا پن کیا ہو سکتا ہے؟

ان دلائل سے آشکار ہو جاتا ہے کہ حسد کرنے والا اسی شخص کی طرح ہوتا ہے کہ وہ دشمن کی طرف پتھر پھینکتا ہے تا کہ وہ قتل ہو جائے اور اسے نہیں لگتا بلکہ لوٹ کر اسی کی دائیں آنکھ پھوڑ دیتا ہے جو باہر آ جاتی ہے جو اس کے غضب وغصہ میں خوب اضافہ کر دیتا ہے پھر وہ دوبارہ پہلے سے زیادہ سخت پتھر پھینکتا ہے تو وہ لوٹ کر دوسری آنکھ پھوڑ دیتا ہے تو وہ اندھا ہو جاتا ہے تو اس کے غصہ میں اور اضافہ ہو جاتا ہے پھر وہ تیسری دفعہ پتھر مارتا ہے جو واپس لوٹ کر اس کے سر پر لگتا ہے اور دشمن تمام احوال میں محفوظ وسالم ہی رہتا ہے تو وبال اس حاسد کی طرف لوٹ آیا اور اس کے دشمن خوش اور بغلیں بجاتے رہے بلکہ حاسد کا حال اس شخص سے بھی بدتر ہے کیونکہ لوٹنے والے پتھر نے اس کی فقط آنکھ ضائع کر دی اگر وہ باقی رہتی تو موت سے ختم ہو جاتی لیکن حسد تو آدمی کو اللہ تعالیٰ کے غضب اور دوزخ تک لے جاتا ہے تو کیا یہی آنکھ کا ختم ہو جانا اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ باقی ہو اور اس کی وجہ سے آدمی دوزخ میں چلا جائے تو غور کر لیجیے حاسد سے اللہ تعالیٰ کیسے بدلہ لیتا ہے جب وہ کسی دوسرے سے ازالہ نعمت چاہتا ہے تو وہ اس سے ازالہ نہیں کرتا ہاں حاسد سے نعمت کا ازالہ فرما دیتا ہے۔ اپنے اس ارشاد کی تصدیق کرتے ہوئے۔

وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهٖ (پ ۲۲، الفاطر:۴۳) اور برا داؤ (فریب) اپنے چلنے والے پر ہی پڑتا ہے

یہ علمی ادویات وعلاج ہے جب بھی کوئی انسان صاف ذہن اور متوجہ دل لے کر ان میں غور کرے گا تو اس کے دل سے حسد کی آگ بجھ جائے گی۔

عملِ نافع یہ ہے کہ آدمی ایسے اعمال بجالائے جو حسد کے تقاضوں سے متضاد ہیں کیونکہ حسد کی آگ دوسرے پر طعن کیلئے کہتی ہے تو انسان اس کی مدح کرے، اگر اس پر تکبر کیلئے کہے تو اپنے نفس کو تواضع کی تلقین کرے، اگر اس سے اسباب خیر میں تعلق کے انقطاع کا کہے تو خیر کے پہلوں میں تعاون سے اتصال چاہے تو جیسے جیسے محسود کو یہ معلوم ہوگا اس کا دل خوش، حاسد سے محبت کرے گا اور اس سے دو طرح زوال حسد ہو سکتا ہے۔

۱۔ محسود جب حاسد سے پیار کرے گا تو وہ حاسد کے مطابق کرے گا تو اب حاسد، محسود سے پیار کرنے لگے گا جس سے حسد کا زوال ہوگا۔

۲۔ جب حاسد بطور تکلف حسد کے تقاضوں کے متضاد کرے گا تو وہ اس کے لیے طبعی امر بن جائے گا تو اب بھی حسد زائل ہو جائے گا۔

Marfat.com

ساتواں مسئلہ: حاسد کے دل میں محسود سے نفرت ایسا معاملہ ہے جو اس کی طاقت میں ہی نہیں تو اب اس پر عذاب کیوں؟ جو اس کی وسعت و طاقت میں ہیں وہ دو امور ہیں۔

۱۔ حاسد کا اس نفرت پر خوش ہونا۔

۲۔ اس نفرت کے آثار مثلاً طعن کرنا اور اس سے نعمت کا زوال اور اسباب چاہت پر لگ جانا یہ انسان کی طاقت ہیں۔

اب ہم تفسیر کی طرف آتے ہیں۔

ارشادِ الٰہی ہے:

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا — بہت کتابیوں نے چاہا، کاش تمہیں ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں (پ ۱، البقرہ:۱۰۹)

مراد یہ ہے کہ یہود چاہتے ہیں کہ اہلِ ایمان، اپنے ایمان سے رجوع کر لیں جبکہ ان پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ ایمان صواب و حق ہے، جب کسی کے بارے میں علم ہو کہ یہ حق پر ہے تو اسے شبہ میں ڈال کر ہی لوٹایا جا سکتا ہے کیونکہ حق والا، حق سے شبہ کے بغیر اعراض نہیں کرتا۔

شبہ کی دو قسمیں

شبہ کی دو اقسام ہیں:

۱۔ شبہ جو دنیاوی اعتبار سے ہو مثلاً یوں کہا جائے تم نے دیکھا تمہیں وطن سے نکال دیا گیا، زندگی تنگ کر دی گئی۔ ہر وقت خوف پیدا کر رہا ہے تو اس ایمان کو چھوڑ دو جس کی وجہ سے یہ سارا کچھ ہوا۔

۲۔ شبہ اس کا تعلق دین سے ہو مثلاً معجزات میں شبہ ڈالنا یا تورات میں تحریف کر کے شبہ پیدا کرنا۔

حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے آشکار فرمایا کہ وہ حسد کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ اہلِ ایمان اپنے ایمان کو چھوڑ دیں۔

شیخ جبائی ارشادِ مبارک:

كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ — کفار اپنے دلوں کی جلن سے اس کے بعد

Marfat.com

ساتواں مسئلہ: حاسد کے دل میں محسود سے نفرت ایسا معاملہ ہے جو اس کی طاقت میں ہی نہیں تو اب اس پر عذاب کیوں؟ جو اس کی وسعت و طاقت میں ہیں وہ دو امور ہیں۔

۱۔ حاسد کا اس نفرت پر خوش ہونا۔

۲۔ اس نفرت کے آثار مثلاً طعن کرنا اور اس سے نعمت کا زوال اور اسباب چاہت پر لگ جانا یہ انسان کی طاقت ہیں۔

اب ہم تفسیر کی طرف آتے ہیں۔

ارشادِ الٰہی ہے:

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا (پ ۱، البقرہ:۱۰۹)	بہت کتابیوں نے چاہا، کاش تمہیں ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں

مراد یہ ہے کہ یہود چاہتے ہیں کہ اہلِ ایمان، اپنے ایمان سے رجوع کر لیں جبکہ ان پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ ایمان صواب و حق ہے، جب کسی کے بارے میں علم ہو کہ یہ حق پر ہے تو اسے شبہ میں ڈال کر ہی لوٹایا جا سکتا ہے کیونکہ حق والا، حق سے شبہ کے بغیر اعراض نہیں کرتا۔

شبہ کی دو قسمیں

شبہ کی دو اقسام ہیں:

۱۔ شبہ جو دنیاوی اعتبار سے ہو مثلاً یوں کہا جائے تم نے دیکھا تمہیں وطن سے نکال دیا گیا، زندگی تنگ کر دی گئی۔ ہر وقت خوف پیدا کر رہا ہے تو اس ایمان کو چھوڑ دو جس کی وجہ سے یہ سارا کچھ ہوا۔

۲۔ شبہ اس کا تعلق دین سے ہو مثلاً معجزات میں شبہ ڈالنا یا تورات میں تحریف کر کے شبہ پیدا کرنا۔

حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے آشکار فرمایا کہ وہ حسد کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ اہلِ ایمان اپنے ایمان کو چھوڑ دیں۔

شیخ جبائی ارشادِ مبارک:

كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم	کفار اپنے دلوں کی جلن سے اس کے بعد

Marfat.com

کے تحت کہتے ہیں کہ یہ کلمات بتا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں، ان کا کفران کا اپنا فعل ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں تخلیق کیا ہے۔

جواب: ارشادِ الٰہی "مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ" میں دو صورتیں ہیں:

۱۔ اس کا تعلق "وَدَّ" سے ہو، معنی یہ ہوگا وہ چاہتے ہیں تم اپنے دین سے مرتد ہو جاؤ اور ان کی یہ آرزو ان خواہشات کی وجہ سے ہے نہ کہ دین اور حق کی طرف میلان کی وجہ سے کیونکہ یہ اس کے بعد تمنا کر رہے ہیں جب ان پر انکار ہو چکا کہ تم حق پر ہو تو اب ان کی یہ آرزو طلب حق کی بنا پر کیسے ہو سکتی ہے؟

۲۔ اس کا تعلق حسداً سے ہو، معنی ہوگا کہ یہ تمنا ان کی اپنے نفوس کے بڑے حسد کی وجہ سے ہے۔

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا کی تفسیر

یہ الفاظ آشکار کر رہے ہیں کہ یہود نے اہلِ ایمان کو ایمان سے لوٹانے کیلئے شبہات پیدا کیے جیسے اوپر آیا تو اب جیسے ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان شبہات کو پسند کرنے والے کیلئے گزر و عفو کا حکم دے کیونکہ یہ تو کفر ہے لہٰذا ان دو امور میں سے ایک مراد ہوگا۔

۱۔ مراد شرک مقابلہ اور جواب سے اعراض ہے کیونکہ فی الفور فتنہ ختم کرنے کیلئے یہی اقرب ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو یہود سے درگزر اور اعراض کا حکم دے رہا ہے جیسے مشرکین عرب سے اسی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ — ایمان والوں سے فرماؤ درگزریں ان سے جو اللہ کے دنوں کی اُمید نہیں رکھتے (پ ۲۵، الجاثیہ: ۱۴)

دوسرے مقام پر ہے:

وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا — اور انہیں اچھی طرح چھوڑ دو (پ ۲۹، المزمل: ۱۰)

اس لیے یہ حکم دائمی نہیں بلکہ آخر میں معلق کرتے ہوئے فرمایا:

حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ — یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے

اس کی متعدد تفاسیر ہیں

۱۔ یہ کہ روز قیامت اس کی سزا ہوگی یہ امام حسن بصری کا قول ہے۔

۲۔ مراد قوت رسول اور کثرت اُمت ہے۔

Marfat.com

۳۔ اکثر صحابہ اور تابعین اس سے مراد، حکم قتال لیتے ہیں کیونکہ اس وقت دو امور میں سے ایک لازم ہے اسلام یا اطاعت برائے جزیہ و حقارت۔

اس لیے حضرت عطاء نے فرمایا یہ آیت اس ارشادِ الٰہی سے منسوخ ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ لڑو ان سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور قیامت پر

(پ۱۰، التوبہ:۲۹)

امام باقر رضی اللہ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتال کا حکم نہ تھا حتیٰ کہ جبریل امین یہ آیت لے کر آئے۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا پروانگی عطا ہوئی انہیں جن سے کافر لڑتے ہیں اس بنا پر کہ ان پر ظلم ہو

(پ۱۷، الحج:۳۹)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلوار پہنائی سب سے پہلا جہاد و قتال حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے وادی نخل میں کیا پھر غزوہ بدر ہوا۔

دو سوالات

یہاں دو سوالات ہیں:

پہلا سوال: یہ آیت منسوخ کیسے ہو سکتی ہے جبکہ یہ ایک غایت سے متعلق ہے جیسے:

ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ (پ۲، البقرہ:۱۸۷) پھر رات آنے تک روزے پورے کرو

تو یہاں رات کا آنا اس کا ناسخ نہیں۔ یہی صورت حال یہاں ہوگی۔

جواب: جب غایت ایسی ہو جو شرعاً ہی معلوم ہو تو وہ شرعی حکم ناسخ ہونے سے خارج نہیں ہوتا تو ارشاد "فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا" کا معنی ہوگا کہ درگزر کرو یہاں تک کہ میں یہ حکم منسوخ کر دوں۔

دوسرا سوال: درگزر اور اعراض مسلمانوں سے کیسے جبکہ کفار غلبہ و قوت میں تھے حالانکہ درگزر قدرت میں ہوتی ہے؟

جواب: اس وقت ایک مسلمان بڑی تکالیف پاتا تھا کہ وہ اس حالت میں دشمنوں کے اجتماع سے پہلے پہلے اپنا دفاع کر سکتا اور اپنے دوستوں سے مدد لے سکتا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ایسے مواقع پر درگزر اور اعراض کا فرمایا تاکہ فتنہ اور جنگ نہ چھڑ جائے۔

Marfat.com

۳۔ اکثر صحابہ اور تابعین اس سے مراد، حکم قتال لیتے ہیں کیونکہ اس وقت دو امور میں سے ایک لازم ہے اسلام یا اطاعت برائے جزیہ وحقارت۔

اس لیے حضرت عطاء نے فرمایا یہ آیت اس ارشادِ الٰہی سے منسوخ ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ — لڑو ان سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور قیامت پر

(پ۱۰، التوبہ:۲۹)

امام باقر رضی اللہ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتال کا حکم نہ تھا حتیٰ کہ جبریل امین یہ آیت لے کر آئے۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا — پروانگی عطا ہوئی انہیں جن سے کافر لڑتے ہیں اس بنا پر کہ ان پر ظلم ہو (پ۱۷، الحج:۳۹)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلوار پہنائی سب سے پہلا جہاد وقتال حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے وادی نخل میں کیا پھر غزوہ بدر ہوا۔

دو سوالات

یہاں دو سوالات ہیں:

پہلا سوال: یہ آیت منسوخ کیسے ہو سکتی ہے جبکہ یہ ایک غایت سے متعلق ہے جیسے:

ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ (پ۲، البقرہ:۱۸۷) پھر رات آنے تک روزے پورے کرو

تو یہاں رات کا آنا اس کا ناسخ نہیں۔ یہی صورت حال یہاں ہوگی۔

جواب: جب غایت ایسی ہو جو شرعاً ہی معلوم ہو تو وہ شرعی حکم ناسخ ہونے سے خارج نہیں ہوتا تو ارشاد "فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا" کا معنی ہوگا کہ درگزر کرو یہاں تک کہ میں یہ حکم منسوخ کر دوں۔

دوسرا سوال: درگزر اور اعراض مسلمانوں سے کیسے جبکہ کفار غلبہ وقوت میں تھے حالانکہ درگزر قدرت میں ہوتی ہے؟

جواب: اس وقت ایک مسلمان بڑی تکالیف پاتا تھا کہ وہ اس حالت میں دشمنوں کے اجتماع سے پہلے پہلے اپنا دفاع کر سکتا اور اپنے دوستوں سے مدد لے سکتا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ایسے مواقع پر درگزر اور اعراض کا فرمایا تا کہ فتنہ اور جنگ نہ چھڑ جائے۔

Marfat.com

دوسرا قول: ارشاد "فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا" یہ حسن استدعا ہے۔ اس کا استعمال وہاں ہوتا ہے جس میں خیر خواہی، خوف اور سختی لازم ہو۔ اس تفسیر کے مطابق اس کا منسوخ ہونا جائز نہیں ہوگا ہاں تفسیر اول پر اس کا نسخ جائز ہے۔

ارشادِ الٰہی: اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، یہ وعید کے ساتھ ان کو ڈرسنانا ہے خواہ حکم قتال ہو یا ان کے علاوہ کا حکم ہو۔

اگر ملک، قدرت ہی ہوتی تو یہ بے فائدہ تکرار ہے باقی ملک اور قدرت کی حقیقت پر تفصیلی گفتگو "مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ" کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

ارشادِ الٰہی "اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" یہ یہود کے لیے بذریعہ وعید، تحذیر و دھمکی ہے خواہ لفظِ امر سے قتال مراد ہو یا غیر قتال

یہاں تیسرا جز مکمل ہوگیا، چوتھا ارشادِ الٰہی "وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ" سے شروع ہو رہا ہے۔

بحمد اللہ اس کا ترجمہ جامع رحمانیہ شادمان لاہور میں، 7 ذوالحج 1425ھ/ 18 جنوری 2005ء بروز منگل بوقت 7:15 عشاء کو مکمل ہوا۔

یہ جلد محترم فرید احمد کی ہمشیرہ سعیدہ خاتون کے تعاون سے طبع ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو دنیا و آخرت کی بھلائیاں عطا کرے

Marfat.com

مفتی محمد خان قادری

- شرح اربعین سلک مترابن حجری
- حضور ﷺ کے آباء کی شانیں
- والدین مصطفیٰ ﷺ کا زندہ ہو کر ایمان لانا
- علامہ ابن جوزی کے جسم کے نظام
- جسم نبوی ﷺ کی خوشبو
- کیا سنگ مدینہ کھلوانا جائز ہے؟
- ہر مکاں کا اُجالا ہمارا نبی ﷺ
- سب رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی ﷺ
- صحابہ اور بوسہ جسم نبوی ﷺ
- محبت اور اطاعت نبوی ﷺ
- نعل پاک حضور ﷺ
- صحابہ اور علم نبوی ﷺ
- امام احمد رضا اور مسئلہ ختم نبوت ﷺ
- قصیدہ بردہ پر اعتراضات کا جواب
- خواب کی شرعی حیثیت
- علم نبوی ﷺ اور امور دنیا
- معراج حبیب خدا ﷺ
- محافل میلاد اور شاہ اربل
- حضور ﷺ کی رضاعی مائیں
- ترک روزہ پر شرعی وعیدیں
- عورت کی امامت کا مسئلہ
- عورت کی کتابت کا مسئلہ

[illegible]

- کیا رسول اللہ ﷺ نے اجرت پر بکریاں چرائیں؟
- آنکھوں میں بس گیا سراپا حضور ﷺ کا
- [illegible] مسئلہ ترک
- [illegible] کا مذہب
- [illegible]
- [illegible]
- حضور ﷺ نے متعدد نکاح کیوں فرمائے؟
- نماز میں خشوع و خضوع کیسے حاصل کیا جائے؟
- حدیث شریک پر اعتراضات کی حقیقت
- احوال و آثار۔ مولانا عبدالحئی لکھنوی
- والدین مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں صحیح عقیدہ
- تحریک تحفظ ناموس رسالت کی تاریخی کامیابی
- میلاد [illegible]
- مشاقان [illegible]
- تفسیر کبیر [illegible]
- حضور ﷺ کے ظاہر [illegible]

Marfat.com